اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں

جناب شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی

ڈی او ایل ڈپٹی کلکٹر بہادر و ممبر بورڈ آف رونیو سرکار عالی نظام کے

لکچروں کا مجموعہ

(جلد دوم)

جس میں ۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۹۰۵ء تک کے بائیس لکچر ہیں

مرتبہ

مولوی بشیر الدین احمد صاحب تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام

خلف الصدق جناب لکچرار ممدوح

سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

محمد قادر علیخان صوفی کے اہتمام سے

مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں چھپا

طبع دوم ایک ہزار جلد (جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری مولوی بشیر الدین احمد صاحب محفوظ ہیں) قیمت خرچہ وی پی

جلد دوم
تیئیسواں لیکچر

یہ لیکچر انجمن حمایت اسلام کے دسویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۵ء میں
بمقام لاہور دیا گیا

سنبھالا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

سمجھ پیدا ہو عقل ... ان کیا ہیں دعوی دانش
ہزاروں سال سیکھا پر نہ سمجھا اصل مطلب کو

اگر تعلیم ... آخر کا ... لیا
کہ خود ... کے لڑکوں نے کیا برباد مکتب کو

زمانے نے ... کیاں ... کی دیکھی ہیں
اگر ... ہو تو تم بھی آزما دیکھو تجربہ کو

خدا محفوظ رکھے اس کی زد سے یہ وہ گولا ہے
نہ پیا دے ہی کو چھوڑے اور ترکیب نہ مرکب کو

یہ وہ آتش ہے عالم ... کی ایک چنگاری
جلا دے ایک دم میں خشک و تر کو دور و اقرب کو

ڈسا ہو جس کو اس ... وہ پھر ... نہیں کھایا
خدارا تم نہ چھو لینا کہیں اس نیش عقرب کو

... ہو لوگو کہ یہ منصب
نہ حاصل تھا نہ حاصل ہے مقرب سے مقرب کو

نہ اس آواز کو کانوں میں آنے دو ...
نہ ایسی بات سے زنہار کرنا آشنا لب کو

نظر کچھ ... وقت پر بھی چاہیے کرنی
کہ دن کو کام میں مشغول ہو آرام میں شب کو

مگر تم ... ہو خواہ ...
ذرا سوچو تو کیا ... گئے وہ دن ہے اب کو

مزاج اسلام کا ... اچھا نہیں لگتا
کسی کا بولنا آوازے جان معذب کو

وہ تم لوگ یوں ... آپس میں لڑا کر
بالآخر وہ بنانا چاہتے ہو عارضی سب کو

پرانی کیا ... اپنی ... چھوڑ ... حق پر
... لیکے ادب کو ... کو

اگر ایک ... تو وہ ... کی قوت سے ایک حد تک اونچا

جائے گا۔ مگر اس کا اونچا جانا ہی اُس کے گرنے کی دلیل ہے ۵

	یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے		زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

اونچا چڑھنے میں پتھر کی رفتار ابتدائً تیز ہوتی پھر بتدریج دھیمی اور مدھم ہوتے ہوتے آخر کار فنا ہو جاتی ہے اے کاش رفتار صعودی کے فنا ہوتے پیچھے پتھر کو سکون اور وقوف ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا اور ہو نہیں سکتا۔ ریٹری بیوشن یعنی مکافات کے قاعدے سے ضرور ہے کہ پتھر جیسا اونچا چڑھتا تھا ویسا ہی نیچے کو گرے۔ صعود و ہبوط حرکتیں دونوں ہیں فرق اگر ہے تو صرف اسی قدر ہے کہ حرکت صعودی کی ابتدا فاسٹ (تیز) ہوتی ہے اور انتہا سلو (آہستہ) اور حرکت ہبوطی کی بالعکس یعنی ابتدا بطی اور انتہا سریع۔ مجھے یاد نہیں مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ حرکت صعودی جس نسبت سے سست اور حرکت ہبوطی جس نسبت سے تیز ہوتی جاتی ہے۔ ہندسہ والوں نے تحقیق کر کے اعداد میں اس کا ٹھیک اندازہ ٹھیرا دیا ہے جس کو شوق ہو اور وہ اس وقت کے مسلمانوں کو نہ ہوا ہے نہ ہوتا ہم جس کو شوق ہو ہمارے شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب سے معلوم کر سکتا ہے۔ پتھر کے ہبوط اور صعود پر ہم قومی ترقی اور تنزل کو قیاس کر سکتے ہیں اور اسی غرض سے میں نے اس کا تذکرہ بھی کیا ورنہ کہاں میں اور کہاں ریاضی کا مسئلہ۔

غرض ہم مسلمانوں کی قوم نے بھی ترقی کرنی شروع کی تو کس تیزی سے کہ اُوروں کو بھی ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ لیکن تاریخ کسی قوم کی مثال نہیں بتا سکتی جس نے مسلمانوں کی طرح ترقی کی ہو کہ ابتداءً شیوع اسلام سے صرف ساٹھ برس کے عرصہ میں وہ روم اور فارس کی زبردست سلطنتوں کو مغلوب کر کے گویا تمام زمین کے فرماں روا ہو گئے تھے۔ ہجرت ہی کو اسلام کے نشو و نما کی ابتدا سمجھو تو نویں برس مکہ فتح ہوا۔ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

عربِ جاہلیت جیسے اکھڑ درشت خو جنگ جو بدا فعال بے دین لوگوں کو آٹھ برس صرف آٹھ برس میں بھلا آدمی کو بردبار۔متواضع۔منکسر۔خدا پرست بنا دینا فی نفسہ ایک معجزہ عظیم الشان ہی (اس کے بعد لکچرار نے اپنے مسدس اتمام حجت کے چند بند سنائے) حدیث کی کتابوں میں لکھا ہی کہ حجۃ الوداع کے وقت ایک لاکھ صحابی حضرتؐ کی رکاب میں تھے جب کہ نو برس پہلے آں حضرت صلعم کافروں کے ڈر سے شب کے وقت چھپ کر اپنے ایک رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مکے سے نکلے تھے۔جنگِ بدر میں ابو جہل وغیرہ سردارانِ قریش مارے گئے۔تو ابو سفیان رئیسِ قریش قرار پائے اور وہ بعد فتح مکہ ایمان لائے۔فتح مکے کے وقت لشکر اسلام کی آمد سن کر انھوں نے حضرت علیؓ کے پاس پناہ لی تھی اور جناب رسولِ خدا صلعم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ ان کو لے جا کر ایسی جگہ کھڑا کرو کہ لشکرِ اسلام ان کے سامنے سے ہو کر گزرے اور اسلام کی عظمت ان کے ذہن میں مرتکز ہو چنانچہ ابو سفیان نے لشکرِ اسلام کو فئۃً[1] بعد فئۃٍ گزرتے دیکھا۔تو حضرت علیؓ سے کہا لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِی کَبْشَۃَ ان کا مطلب یہ تھا کہ واقع میں اب تو تمھارے پیغمبر کو بڑا عروج ہو گیا ہے۔لاکھ آدمی کا لشکر بہت بڑا لشکر ہوا ؎

جَیْشٌ کَاَنَّکَ فِی اَرْضٍ تَطَاوَلُہٗ	وَالْاَرْضُ لَا اَمَمٌ وَالْجَیْشُ لَا اُمَمُ
اِذَا مَضیٰ عَلَمٌ مِنْہُ بَدَا عَلَمٌ	وَاِنْ مَضیٰ عَلَمٌ مِنْھَا بَدَا عَلَمٌ

یہ واقعات تاریخی ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں نے حال میں کسی انگریزی اخبار یا ماہانہ رسالے میں دیکھا ہی کہ ولایت کے کسی کلب میں یہ مضمون زیر بحث تھا کہ دنیا میں عجب العجاب واقعات کون کون سے ہوئے مسٹر گلیڈسٹون جن کو یورپ نے گرینڈ[2] اولڈ مین کا خطاب دے رکھا ہو اور یہ استحقاق دیا ہی۔ اُن کی دوسری فضیلتوں کے سوا یہ امر بھی مسلمات سے ہی کہ دنیا کی تاریخ پر ان کی بڑی وسیع نظر ہی۔

[1] ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ ۱۲ [2] عظیم الشان بڈھا آدمی ۱۲

چنانچہ ان مسٹر گلیڈ سٹون نے اُس مجمع میں جہاں اور عجیب العجاب واقعات بیان کیے
اُن میں اوّل نمبر پر اسلام کی ترقی تھی - نہ مطلق ترقی بلکہ اِس قدر زمانۂ قلیل میں -
خیر وہ تو ترقی تھی جو ہو ئی تو اور جلدی ہوئی ہو ئی تھی اور ہو ئی - اُس کے یاد کرنے سے
مسلمانوں کو اِس طرح تو فائدہ ہو سکتا ہی کہ اپنے بزرگوں کی حالت سے اپنی موجودہ حالت
کا مقابلہ کریں اور اپنے حال زار پر متاسف ہوں - غیرت کو کام میں لائیں اور اپنے ناخلفی
کو اپنے ناصبح حال سے چھڑائیں - لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے
کمالات اور کارنامے سُن کر اُلٹے شیخی میں آجاتے ہیں اور گو مُنہ سے نہ کہیں دل میں سمجھنے لگتے
ہیں کہ دنیا میں بھلا مانس باآبرو و بیدار ہو کر رہنا ایک فرض کفایہ تھا اور اِس فرض کو بزرگوں
نے ادا کر کے اُن کو سبک دوش کر دیا ہی - سخت سے سخت بیماری میں مبتلا ہونا بھی چنداں
خوف کی بات نہیں - ہاں خوف کی بات یہ ہی کہ بیماری کا احساس نہ ہو یا احساس ہو اور
وہ مرض کو علاج پذیر نہ سمجھے - مجھ کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ہم مسلمانوں میں اکثر لوگ
ان ہی دو قسموں کے ہیں - قوم برباد ہو چکی ہی اور ان کو خبر تک نہیں اور اگر معدودے چند
کو خبر ہی بھی تو وہ خدا اور تقدیر پر چھوڑ کر کچھ کرنا نہیں چاہتے - اِس واسطے کہ اُن کے نزدیک
کچھ بھی کرنے سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہو سکتا - ان کو تقدیر اور توکّل اور جفّ القلم بما ھو
کائنٌ کے معنی یہی سمجھائے گئے ہیں اور سمجھائے جا رہے ہیں - پھر ایک بڑی مصیبت
جس نے بالکل آس توڑ دی ہی یہ ہی کہ لوگ قوم اور قومیت کے مفہوم کو نہیں سمجھتے کوئی اپنی
جگہ کچھ کر بھی رہا ہی تو اپنے شخصی فائدے کے لیے کر رہا ہی - ای کاش وہ اپنا شخصی فائدہ کرے
مگر یہ سمجھ کر کرے کہ وہ بھی مسلمانوں میں کا ایک مسلمان ہی - جب وہ ایسی نیّت رکھے گا
تو اُس کے شخصی افعال میں ایک قومی شان پیدا ہو گی - اصل خلقت میں انسان ایک
مخلوق خود غرض ہی اِس کا ثبوت تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرقانِ حمید میں ایک مقام پر فرماتا ہی اِنَّ الْاِنْسَانَ

خُلِقَ هَلُوعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوعًا ایک تو خلقت ہوئی
دوسرے غرض دوسرے پشتوں سے دیکھیں شخصی حکومتیں اب ہمارا حال یہ ہی کہ ہمارا کھانا پینا
سونا جاگنا چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا غرض جو فعل بھی ہم کرتے ہیں سب شخصی ہیں کبھی بھول کر
بھی قوم اور قومیت کا خیال ہمارے دل میں نہیں آتا۔ وہ جو سُنا ہو نَوْمُ الْعَالِمِ خَیْرٌ مِنْ
عِبَادَةِ الْجَاهِلِ وہ بھی اسی تفرقہ پر مبنی ہے کیوں کہ جاہل سوتا ہی اس لیئے کہ اپنے شخصی
کاموں سے تھککا ماندہ ہو گیا تھا۔ سو کر اپنے نفس کو آرام دے۔ عالم بھی اسی غرض سے سوتا ہی
مگر وہ حسبۃً للہ لوگوں کو درس دینے حسبۃً للہ لوگوں کو وعظ اور نصیحت کرنے سے تھک گیا تھا
اُس کی غرض بھی تکان کا رفع کرنا ہی کہ بیدار ہو کر چُست و چالاک پھر خدا کے کاموں میں مصروف
ہو۔ ہمارے ہاں کہیں کہیں کوئی کوئی قومی کام ہو بھی رہے ہیں تو یا تو اُن میں شہرت اور جلب
منفعت کی قسم کی ذاتی اغراض مضمر ہوتی ہیں یا نہیں بھی ہوتیں تو لوگ بدنفسی سے ناحق
ناروا اُن کو متہم کر دیتے ہیں۔ ان اطراف میں ہو کے دو ہی کام سُننے میں آتے ہیں اوّل درجے
میں علی گڑھ محمڈن کالج اور اس کے بعد انجمن حمایت الاسلام لاہور۔ سو دونوں متہم ہو چکے
ہیں اور اب بھی متہم ہیں۔ اس کا ضروری اور لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ قومی کام یا تو شروع
ہوتے ہی بیٹھ جاتے ہیں یا مدد کرنے والوں کے تشکّی اور کارکنوں کی بے دلی کی وجہ سے
سسک سسک کر کچھ چلتے ہیں اور اُن کا قیام ہمیشہ معرضِ خطر میں رہتا ہی۔ یہ حالت دیکھ کر
میری اپنی تو یہ کیفیت ہو گئی ہی کہ کسی قومی کام میں طوعاً خوش دلی سے شریک ہونے کو جی
نہیں چاہتا۔ نہ میں کسی انجمن یا سوسائٹی کا ممبر ہوں نہ سکرٹری نہ کارفرما نہ کارکن نہ منشیر۔
بعض لوگ جن کی خاطر مجھ کو ایسی ہی عزیز ہی زبردستی لکچر دینے کے لیئے پکڑ لے جاتے ہیں اتنے
ضعیف تعلّق پر بھی مجھ کو قومی خدمت کا صلہ تھوڑا بہت تو مل ہی رہتا ہے۔ انجمن حمایت
الاسلام میں لکچر دینے کی یہ سزا ملی کہ ہزاروں روپے گرہ سے خرچ کیئے سخت سے سخت گرمی
کی ایذائیں اُٹھائیں مہینوں بیمار رہا۔ سید احمد خاں کے برسویں دن کے چند گھنٹے کی رفاقت کا نتیجہ ہی

کہ اگر علمائے شہر سے فتویٰ لیا جائے تو مجھ کو مرتد نہیں تو کافر اور کافر نہیں تو فاسق ضرور بتائیں گے۔ ابھی شاید کاسۂ بدنامی کے لبریز ہونے میں کچھ بوندوں کی کسر ہی کہ اب مجھ کو اِس انجمن میں بُلایا گیا ہی۔

میں نے اِس انجمن کا نام تو سُنا تھا مگر اُسی بے اعتنائی کے ساتھ جیسا کہ میں عموماً قومی کاموں کی خبروں کو سُنا کرتا ہوں۔ آج تیسرا دن ہی کہ میں نے اِس انجمن کی رپورٹ کو سرسری نگاہ سے دیکھا اور اُس میں ایک شانِ خاص پائی جس کی وجہ سے میں یہاں چلا بھی آیا۔ وہ شانِ خاص جس نے مجھے اِس انجمن کا گرویدہ کیا اس کے ممبروں کا محالفہ ہی مجھ کو اس محالفے پر یاد آئی بیعت الرضوان کہ جناب پیغمبر خدا نے عمرے کے ارادے سے مکّہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچے تو کفارِ قریش مانع ہوئے آخر کار صلح کی ٹھیری اور حضرت عثمانؓ صلح کی گفتگو کے لیئے مکّہ گئے اُن کے واپس آنے میں دیر ہوئی یہاں خیال ہوا کہ شاید حضرت عثمانؓ کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ اِس موقع پر حضرتﷺ اصحابؓ سے لڑنے مرنے کی بیعت لی اِسی بیعت کے بارے میں قرآن کی وہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا محالفہ بھی ایک قسم کی بیعت ہی ہی۔ مگر جیسا میں اِس محالفے سے خوش ہوا ویسا ہی رپورٹ میں یہ دیکھ کر افسوس بھی کیا کہ بعض صاحبوں نے حلف کی ویسی رعایت نہ کی جیسی کہ اُن کو کرنی چاہیئے تھی۔ پھر نکثِ بیعت کی نوبت نہیں پہنچی تو بھی محالفہ قدر کی چیز ہی۔ انجمن کے اکثر ممبروں کے حالات سے مجھ کو ایسی آگاہی ہی کہ اُن کو کوئی طلبِ شہرت یا جلبِ منفعت کی شخصی اغراضِ خسیسہ سے متہم کر نہیں سکتا۔ مگر وہی جو وعید یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سے بھی نہ ڈرتا ہو۔ غرض جنیوں کی تو میں کہتا نہیں مگر جنیوں کے سوائے روپے پیسے کوڑی آنا کپڑا جو کچھ بھی اِس انجمن کے ہاتھوں میں ہی۔ قسم کھانے کی بات ہی کہ محفوظ ہی

اور اُس کا مصرف بھی محفوظ ہے۔ چنوں کو جو میں نے مستثنیٰ کیا تو مجھ کو ایک کہانی یاد آگئی کہ ایک بار چنا حضرت میکائیل کے پاس فریادی گیا کہ یوں تو سارے غلّے کھائے جاتے ہیں اور اسی لیئے پیدا کیئے گئے ہیں اس کی تو کچھ شکایت نہیں مگر مجھ پر جو خاص ستم ہوتے ہیں اُن کی داد چاہتا ہوں کہ جب سے میں زمین سے سر باہر نکالتا ہوں ساگ کے لیئے لوگ مجھ کو توڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر آخر دم تک مجھ کو چین نہیں لینے دیتے اچھی طرح پھلنے نہیں پاتا کہ کچے کو کھانے لگتے ہیں قدرتی پختگی کا انتظار نہ کرکے ہولے بنا ڈالتے ہیں۔ پھر ان ظلموں سے جانبر ہوا تو شاخ و برگ بھس ہو کر جانوروں کے دوزخِ شکم کا ایندھن ہوتا ہی رہا دانہ اُس کو دلتے پیستے اُبالتے بھونتے ہیں غرض ستانے اور ایذا دینے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے چنوں کا اس طرح چٹر پٹر بولنا سُن کر حضرت میکائیل ؑ نے اُس کو ایسا گھورا کہ گویا کھا ہی جائیں گے۔ آپ سمجھے کہ کیوں میں نے چنوں کو مستثنیٰ کیا تھا۔ پھر میں نے اس بات کو بھی نظرِ استحسان سے دیکھا کہ انجمن نے بہت چھوٹے سکیل کا کام لیا ہے۔ مسلمانوں کو اگر ایک بڑی وسیع عمارت خیال کیا جائے اور جب کہ مسلمانوں کا شمار ہمارے ہندوستان میں چھ کروڑ ہے تو کیوں اُن کو وسیع عمارت خیال نہ کیا جائے۔ بہر کیف مسلمانوں کو اگر ایک وسیع عمارت خیال کیا جائے تو اس عمارت کا یہ حال ہے کہ کوئی اینٹ اپنی جگہ پر قائم نہیں الّا ماشاءاللہ دیواروں کو لونی لگی ہے چھتیں ڈھی پڑی ہیں کڑی تختہ گل گل کر آدھا ہو گیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عمارت خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوشِھَا کی مصداق کیوں نہیں ہو گئی۔ اچھا تو میں دیکھتا ہوں کہ اور لوگ ساری عمارت کے از سرِ نو بنانے کے مدعی ہیں۔ مگر اس انجمن نے اس عمارت کا بہت چھوٹا سا کونہ لیا ہے وہ بھی تجدید کے لیئے نہیں بلکہ صرف اس لیئے کہ ہو سکے تو اُتنے ٹکڑے کو اڑواڑ یا تھونی لگا کر گرنے نہ دیں۔ یہ لوگ حدِ امکانِ وقوعی میں ہیں اور مدعیانِ تجدید حدِ امکانِ عقلی سے بھی متجاوز اس میں شک نہیں کہ مسلمان ایک طرح کی نہیں سیکڑوں طرح کی اصلاح کے محتاج ہیں۔ ان لوگوں نے چند باتیں اختیار کی ہیں اور وہ بھی ایک محدود حلقے میں اور ان باتوں کا سرانجام

بھی آسان سے آسان ہے مگر ؎

مشکل ز توجہ تو آسان		آسان ز تغافل تو مشکل	

اگر ایک کام کو کرنا ہی نہ چاہو تو اس کا کچھ بھی علاج نہیں۔ چٹکی چٹکی آٹے کی بھی کچھ حقیقت ہے مگر یہی چٹکی چٹکی سب گھروں سے ملے تو شاید ایک دن کی آمدنی سے یتیم تو یتیم انجمن کے ممبر انجمن کے ملازم انجمن کے سالانہ جلسہ کے حضّار مہینوں اپھرے رہیں۔ لیکن یتیموں کے سوا خدا نہ کرے کہ کوئی اور اس آٹے کو کھائے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔ میں نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر غور کیا تھا کہ اگر ہو سکے تو ممبروں کو اغراض کے اور زیادہ محدود کرنے کی رائے دوں کیونکہ طلب الکل فوت الکل کا کھٹکا بھی تو لگا ہوا ہے مگر ایک سے ایک مقصد زیادہ ضروری ہے۔ ان میں کسی ایک غرض کو چھوڑ دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سرے سے تائید اسلام کا نام ہی نہ لیا جائے اب مجھ کو صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ انجمن کے تمام اغراض نہایت عمدہ اور نہایت ضروری ہیں۔ اور انجمن نے قائم ہو کر تمام مسلمانوں پر کیا امیر کیا غریب حجت الٰہی تمام کر دی ہے مگر بنظر خیر خواہیِ اسلام بعض اغراض کے پیرایۂ اظہار میں اختلاف کرتا ہوں۔ مثلاً آپ صاحب مسلمانوں کے یتیم اور لاوارثوں کی پرورش اور تعلیم کا تکفل کرتے ہیں تو کون ایسا ظالم سخت سنگدل ہوگا جو اس کو کارِ ثواب نہ سمجھے اور کارِ ثواب نہ کہے۔ آپ کے لیئے اس مطلب کے ادا کرنے کا سب سے عمدہ اور معقول پیرایہ یہ ہے کہ یتیمی اور لاوارثی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جو ایک بدنصیب فرزند آدم پر دنیا میں نازل ہو سکتی ہے۔ یتیمی اس طرح کی بے سہارے اور بے وسیلہ زندگی ہے کہ اکثر صورتوں میں مر جانا اس سے بدرجہ بہتر ہو سکتا ہے۔ نابالغی کا زمانہ یتیم کے لیئے نہایت عاجزی اور بے بسی کا زمانہ ہے نہ صرف موجودہ تکلیفات کے اعتبار سے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ یہی زمانہ نابالغی مدت العمر کی رنج و راحت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ ابتدائے زندگی میں ماں باپ سے بڑھ کر آدمی کا کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اولاد کے ساتھ ماں باپ کی محبت

فطری محبت ہی بے شائبۂ غرض۔ اگر یتیم کے ماں باپ زندہ ہوتے وہ ضرور اس کو اُسی مذہب کی تعلیم دیتے جس کو اُنہوں نے اپنے لیئے نجاتِ ابدی کا ذریعہ سمجھا اور جس کو وہ تمام آدمیوں کے لیئے نجات ابدی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ پس اگر کسی مسلمان کا بچّہ لاوارث رہ جائے تو اُس کے والدین کے ہم قوموں اور ہم مذہبوں یعنی مسلمانوں ہی کو اُس کا نیچرل گارڈین یعنی محافظ قانونی اور ولی اور سرپرست ہونا چاہیئے۔ اگر کسی دوسرے مذہب والے کو مسلمانوں کے لاوارث بچّے کا ولی اور سرپرست بنایا جائے وہ فی اغلب الاحوال اُس کو اپنے مذہب کی ترغیب دے گا جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوں گے کہ لاوارث گویا تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا جو گورمنٹ کے منصفانہ اُصولِ مذہبی نیوٹریلٹی اور آزادی رائے کے بالکل خلاف ہی۔ اگر یتیموں کے حاصل کرنے کا یہ پیرایہ ہو تو اس میں کچھ بھی اعتراض کی بات نہیں اور غالب ہی کہ آپ صاحبوں نے صاحب ڈپٹی کمشنر کو عرضی دی ہوگی تو اسی مضمون کی دی ہوگی یا اسی طرح کا کوئی اور مضمون لکھا ہوگا لیکن بعض مقامات پر آپ کی رپورٹ کے مضامین میں ایسے فقرات پاتا ہوں جو بالکل خلاف مصلحتِ وقت میں وہ طرز جو بعض صاحبوں نے اِن مقامات پر اختیار کیا ہی غیر مذہب والوں کو بُرا لگنے والا ہی حضرات! یہی تو کج ادائیاں ہیں جو ہم کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتیں۔ کوئی برس خالی نہیں جاتا کہ کہیں نہ کہیں مسلمانوں اور ہندوؤں میں فساد نہ ہوتا ہو۔ وہی ہندو ہیں وہی اُن کے مندر ہیں وہی اُن کے سنکھ ہیں وہی اُن کے تیوہار ہیں وہی اُن کے اوقات ہیں وہی اُن کے باجے ہیں اور وہی ہم مسلمان ہیں وہی ہماری مسجدیں ہیں وہی ہماری پنجگانہ نمازیں ہیں وہی اذانیں ہیں وہی ہمارے تیوہار ہیں اور وہی رسمیں ہیں اگر ہم دونوں اسی طرح کرتے ہوتے تو کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔ فرض کیا جاسکے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ دوسروں ہی کی زیادتی ہوتی ہو تو اچھا تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ مسلمان زیادتی نہ کرتے ہوں گے۔ تو کلوخ انداز را پاداش سنگ ست کرتے ہوں گے۔ ہمیں اپنے جوشِ مذہبی کو ٹھنڈا کرنا اور

سمجھنا چاہیئے کہ ہم پر وہ وقت نہیں تو اُسی کے قریب قریب وقت پڑا ہی جو شروع کے مسلمانوں
پر ہجرت سے پہلے بلکہ ہجرت کے کئی سال بعد تک پڑا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کی تو ن کہے خود
جناب رسولِ خداؐ ہی کی بے آبروئی اور ایذا دہی میں لوگوں نے کون سا دقیقہ اُٹھا رکھا تھا
مگر یہ کرتے کیا تھے صبر۔ خیر ویسا صبر تو ہونا مشکل ہی کہ سر پر پتھر کھینچ مارا ہی خون کی تلتلی جاری ہی
دندانِ مبارک شہید ہو گئے ہیں صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ اُن کے حق میں بد دعا کیجیے اور آپ
فرماتے ہیں کہ ای اللہ ان کو معاف کر کہ اُنھوں نے اپنے رسول کی قدر نہیں جانی۔ مگر ویسا صبر
مشکل ہی تو شکر ہی کہ ویسی مصیبت بھی نہیں۔ ہم ہی نے اپنے تئیں کچھ ایسا چھوئی موئی بنا رکھا
ہی کہ بے تمیزی کرے کوئی اور ایمان جائے ہمارا۔ ہندو اور عیسائی تو بھلا خیر دوسرا مذہب
رکھتے ہیں اور اُن کے ہمارے اُصول مختلف ہیں۔ ہمارے آپس ہی میں ایک سے ایک
کی نہیں بنتی۔ خدا ایک رسولؐ ایک قرآن ایک قبلہ ایک بلکہ یوں کہو کہ دین ایک تا ہم
چھوٹے چھوٹے بے حقیقت اختلافات پر مسلمانوں میں لاٹھیاں چلیں سر پھٹول ہو فوجداری
استغاثے ہوں۔ عدالت سے فریقین کو سزا ہو مچلکے لیئے جائیں۔ دونوں فریق ایک ایک مسجد میں
نماز نہ پڑھ سکیں۔ اس سکڑی جنتری میں سے نکلے تب کہیں جا کر چودھویں صدی کا مسلمان
کہلائے رباعی

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کی میسر شود این مقام — کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب۔ ہاں تو لاؤ لکچر کی وہ شروع کی بات یاد کریں۔ اوّل بہ آخر
نسبتے دارد۔ پتھر جب اوپر سے گرتا ہی تو اُس کی رفتارِ تنزل تیز ہوتی جاتی ہی۔ مسلمانوں کو دنیا
میں ظہور کیئے ہوئے اب کم و بیش تیرہ سو برس ہوئے اس میں سے آدھی مدت ترقی کی رکھو
اور آدھی تنزل کی یا دو تہائی ترقی کی رکھو اور ایک تہائی تنزل کی یا تین چوتھائی ترقی کی اور
ایک چوتھائی تنزل کی تو اُس حساب سے جس کا حوالہ میں نے شمس العلماء خان بہادر مولوی

ذکاء اللہ پر کیا تھا مسلمان حضیض نکبت میں دن دونے اور رات چوگنے گرتے چلے جاتے ہیں۔ غرض کچھ کرنا ہی تو پرسوں کے کرتے کل اور کل کے کرتے آج اور آج کے کرتے اب اور اب کے کرتے ابھی کرو۔ ورنہ پس ازاں کہ من نہ مانم بہ چہ کار خواہی آمد۔

چوبیسواں لکچر

یہ لکچر ایجوکیشنل کانفرنس کے دسویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۵ء بمقام شاہجہان پور دیا گیا تھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَہُمُ الطُّوْفَانُ وَہُمْ ظٰلِمُوْنَ فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنٰہَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

یہ آیت تو سورۂ عنکبوت کی ہے مگر نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن میں کئی مقام پر ہے۔ اور اُنتیسویں پارے میں تو ایک سورت ہی پورا سارا نوح علیہ السلام کے حالات میں ہے اور اُن ہی کے نام سے نامزد بھی ہے۔ نوح علیہ السلام کا سب سے زیادہ مذکور سورۂ ہود

ہیں ہے کہ ایک ہی جگہ اکٹھے دو رکوع ان ہی جناب کے حالات میں ہیں۔ اور بڑے ہی دلکش اور مؤثر ہیں۔ قرآن کا یہ طرز خاص ہے کہ اُس میں ایک ہی پیغمبر یا ایک ہی اُمت یا ایک ہی واقعے کے حالات بقدر مناسب جگہ جگہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیان ہوئے ہیں اور کہیں کہیں ایک ہی مضمون کا ان ہی لفظوں یا دوسرے لفظوں میں اعادہ بھی ہے تو وہ قند مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ میں نے ایک خاص غرض سے سورۂ عنکبوت کی آیت اختیار کی ہے ورنہ میں سورۂ ہودؑ ہی میں سے پڑھتا۔ سورۂ ہودؑ کی عظمت آپ صاحبوں کو اس سے معلوم ہوگی۔ کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارذل العمر کو نہیں پہنچے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ اور ارذل العمر کو پہنچنا شانِ رسالت کے خلاف سا بھی تھا۔ ہم اس عمر کے آدمی کو کہا کرتے ہیں کہ سٹھیا گیا ہے یا ستر اہتر ا ہو گیا ہے۔ پیغمبر صاحب پر جو آثار پیری ظاہر ہوئے تو اسی قدر کہ آخر عمر میں بدن مبارک ذرا بھاری ہو چلا تھا اور نافلۂ شب بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے اور صدغین یعنی کنپٹی اور عنفقہ یعنی لب زیریں کے بالوں میں گنتی کے چند سفید بال آگئے تھے۔ سو عمر کے لحاظ سے یہ بھی قبل الوقت تھا۔ بلکہ ایک صحابی نے کہا بھی کہ یا حضرت آپ جلد بوڑھے ہو چلے تو فرمایا شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا باوجودے کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ خدا نے معاف فرما دیئے تھے۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا لیکن آپ نے شرط عبودیت کو فوت نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ نماز شب میں زیادہ کھڑے رہنے سے آپ کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ اور کسی نے کہا بھی کہ آپ عبادت کی اتنی زحمت کیوں اُٹھاتے ہیں تو فرمایا أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ اور واقع میں قرآن ہے ہی ایسی چیز کہ اگر خدا کا جلال اور جبروت کما ہو حقہٗ انسان کے ذہن نشین ہو اور وہ صدق دل سے قرآن کو کلام الٰہی جانتا اور مانتا ہو اور اس کا بھی اُس کو کامل

یقین ہو کہ زمین اور آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ٹل جائیں مگر قرآن کا ایک ایک جملہ نہیں ایک ایک لفظ۔ نہیں ایک ایک شوشہ ضرور پورا ہو کر رہے گا پر رہے گا۔ اگر قرآن کی نسبت انسان کا ایسا عقیدہ ہو اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ غور کر لے کہ ایسا عقیدہ رکھتا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر قرآن کی نسبت انسان کا ایسا عقیدہ ہو تو کچھ عجب نہیں کہ وہ قیامت کے حالات سُن کر کانپ اُٹھے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ قیامت کے حالات سن کر اُس کی گھگی بندھ جائے اور کچھ عجب نہیں کہ قیامت کے حالات سُن کر وہ بے اختیار رو پڑے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ایک جگہ فرماتا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اور دوسری جگہ اُن وقتوں کے سچے عیسائیوں کی نسبت فرمایا ہے وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ انسان صحیح العقیدہ کا کانپ اُٹھنا اور رو پڑنا کیا بڑی بات ہے قرآن میں تو خدا نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ اُس کو سن کر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو عجب نہیں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ مؤثر کے قوی الاثر ہونے میں تو سر مو فرق نہیں۔ ہاں فرق ہے تو متاثر کی حالتوں میں ہے۔ ایسے بھی خدا کے بندے ہو گزرے ہیں کہ مارے وہشت کے دہل کر مر گئے ہیں زرارہ بن اوفی تابعی کا مذکور ہے کہ جامع بصرہ میں نماز پڑھاتے کھڑے ہوئے۔ قراءۃ میں فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ منہ سے نکلا تھا کہ دھڑام سے گر پڑے اُٹھایا تو ہولِ قیامت سے ڈر کر طائرِ روح پرواز کر چکا تھا۔ مرتے تو نہیں مگر نماز میں بعض بزرگوں کو زار و قطار روتے تو میں نے بھی دیکھا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست		در باغ لالہ روید و در شور بوم خس	

ایک تو وہ تھے کہ قرآن سن کر قبل الوقت بوڑھے ہو گئے تھے۔ گویا فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ جیتے جی اُن پر گزر رہا تھا۔ ایک وہ تھے کہ قرآن سن کر کانپ اُٹھتے تھے۔ ایک وہ تھے کہ قرآن سن کر رونے لگتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ کے مصداق بن کر کتاب اللہ سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دینے کے معنی یہی ہیں کہ اُس سے سروکار نہ رکھا جائے اور كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ صاف بتا رہا ہے کہ گویا اُن کو اُس کتاب کی خبر ہی نہیں کہ خدا کی طرف سے نازل بھی ہوئی ہے اور نازل ہوئی ہے تو اُس میں کیا لکھا ہے۔ اِس اعتبار سے کہ قرآن صرف پیغمبر صاحب کی طرف وحی کیا گیا خدا نے اُس کو اُنْزِلَ عَلَيْكَ یا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فرمایا ہے۔ اور اِس اعتبار سے کہ اُس کے احکام عام ہیں اور نہ صرف مسلمان بلکہ تمام افراد بنی آدم اُس کے مخاطب ہیں۔ اِس کو مَآ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ اور مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ بھی ارشاد ہوا ہے۔ اِس کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی نسبت ایسا خیال نہ کرو کہ وہ پیغمبر صاحب پر نازل ہوا اور ہم قرآن کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہیں۔ نہیں نہیں۔ تعمیل کے اعتبار سے قرآن جیسا پیغمبر صاحب پر نازل ہوا ویسا ہی ہر ایک فرد بشر پر نازل ہوا۔ جو نزول قرآن کے وقت خطاب کی صلاحیت رکھتا تھا یا تا قیام قیامت جامہ بشریت میں آکر خطاب کی صلاحیت رکھے گا۔ نزولِ قرآن کی غرض و غایت اُس کے احکام کی تعمیل ہوئی تو سب سے پہلے ضرور ہے کہ ہم اُن احکام کو جانیں اور سمجھیں اور جاننا اور سمجھنا جیسا قرآن کی اصلی زبان یعنی عربی میں ہو سکتا ہے کسی دوسری زبان میں ہو نہیں سکتا۔ یہ جو پچھلی آسمانی کتابوں یعنی تورات انجیل وغیرہ پر مسلمان تبدیل و تحریف کا الزام لگاتے ہیں بادی النظر میں یہ الزام مخاصمانہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کا اتنا بد نفس ہونا بھی قرینِ قیاس نہیں کہ وہ ایک کتاب کو کتاب اللہ بھی کہے اور پھر اُس میں دیدہ و دانستہ تبدیل و

تحریف بھی کرے۔ لیکن مسلمانوں نے بڑی کاوش سے اس الزام کو منزل تک پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ خود یہود و نصاریٰ کے علماء کو یہ مجبوری تسلیم کرنا پڑا ہے کہ واقع میں صحف سماوی انسانی تصرفات سے محفوظ نہیں۔ لوگوں نے دیدہ و دانستہ تبدیل و تحریف نہ بھی کی ہو تاہم ترجمہ خود ایک طرح کی تبدیل و تحریف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ وہ بے تامل اس کو تسلیم کرے گا۔ میں شروع سے قرآن کے ترجمے کا سخت مخالف رہا ہوں اب بھی مخالف ہوں اور جب تک زندہ ہوں مخالف ہی رہوں گا۔ اور اس کے دو بڑے سبب ہیں۔ بے شک بعض لوگ ایسے ادا شناس بھی ہوتے ہیں جو پیغمبر کی طرز زندگی یا تعلیم یا قیافے سے اُن کی صداقت کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب پیغمبر صاحب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے معراج پر جانے کا حال بیان کیا تو وہ بے تامل صَدَّقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہہ اُٹھے۔ اور اسی سے صدیق اُن کا خطاب ہوا۔ اور لوگوں نے پوچھا کہ تم نے ایسی خلاف قیاس بات کو کس طرح پر تسلیم کر لیا ہو گا تو جواب دیا کہ پیغمبر نے فرمایا اور مجھ کو یقین آ گیا۔ ان ہی کی ایک اور حکایت ہے کہ پیغمبر صاحب کے زمانے میں روم نصاریٰ اہلِ کتاب تھے اور فارس آتش پرست۔ دونوں میں ہوئی لڑائی تو اہلِ فارس نے فتح پائی مشرکین عرب نے یہ سن کر خوب بغلیں بجائیں اور اپنے حق میں اس کو فال نیک سمجھا کہ جس طرح فارسی آتش پرست روم اہلِ کتاب پر غالب آئے۔ ہم بھی مسلمانوں پر غالب آئیں گے۔ جیسے مشرکین فارس کی فتح سے خوش ہوئے تھے ویسے ہی مسلمان روم کی شکست سے آزردہ۔ آخر مسلمانوں کی تسکین خاطر کے لیے وہ بڑے دھڑلے کی پیشین گوئی نازل ہوئی الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یَعْلَمُوْنَ ظَاھِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ۔ ہم لوگوں کا کیا حال ہے کہ تمام

دنیا کے جغرافئے اور تاریخ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ زمین کے چپّے چپّے کے نقشے ہمارے سامنے رہتے ہیں۔ کوئی حصہ ملک کا نہیں جس کے تفصیلی حالات ہم کو اخبار سے معلوم نہ ہوتے ہوں۔ ریل اور سٹیمر کے ذریعے سے سیر و سیاحت ایسی آسان ہو گئی ہو کہ دو مہینے میں تمام محیطِ زمین کا چکّر لگا آنا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس پر بھی حال کی بات ہو کہ چین اور جاپان میں لڑائی کی چھیڑ چھاڑ شروع تھی تو تمام دنیا کے اہل الرائے اس پر متفق تھے کہ کم ظرف جاپان اہل یورپ کی ادھوری نقل کر کے شیخی میں آگیا ہو اور اُس کی شامت آئی ہو کہ چین کے ہاتھی کے ساتھ گنّے کھانے چلا ہو۔ خُدا کی قدرت وہی کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِیۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً کَثِیۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ جاپان نے چین کو خلاف توقع ایسا ایسا رگیدا کہ آخر کو اُس سے چیں بُلوا دی۔ اب چین کا بھرم کھُل گیا ہو اور جاپان اُس کو زخمی شکار کی طرح نیم مردہ کر کے چھوڑ گیا ہو۔ یورپ کے گدھ موقع پا کر اس کو آلپٹے ہیں اور اُس کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اِس آگہی کے زمانے میں کہ چین اور جاپان دونوں کی فوجی قوت بحری اور برّی یورپ کے بچّے بچّے کو معلوم تھی۔ اور اس پر سمجھتے تھے کچھ اور ہوا کچھ۔ اِسی طرح جب جرمن اور فرانس کی مشہور لڑائی ہوئی تھی جس میں فرانس کی شخصی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اُس وقت بھی پالی ٹیشن لوگوں نے جتنی پیشین گوئیاں کیں سبھی تو غلط نکلیں۔ اب ہم اُن پیشین گوئیوں کا مقابلہ کرتے ہیں اُس بڑے دھڑلّے کی قرآنی پیشین گوئی کے ساتھ جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روم اور فارس کی نسبت وحی آسمانی کے ذریعے سے کی تھی۔ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ۔ پیغمبر صاحب کے حالات روزِ ولادت سے لے کر روزِ وفات تک کے جزو کل ایسے شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کیے ہوئے موجود ہیں کہ اُن سے پیغمبر صاحب کا کوئی قول و فعل متروک نہیں ہونے پایا۔ اس واسطے کہ اُن حالات کو لوگوں نے نہایت تفتیش و تلاش و احتیاط کے ساتھ عبادت سمجھ کر جمع کیا ہو۔ پیغمبر صاحب کی ساری لائف

پڑھ ڈالو کہیں سے اِس کا پتہ نہیں چلتا اور نہیں چل سکتا کہ یہ پیشین گوئی پیغمبر صاحب کی اپنی ذاتی رائے تھی۔ اُنھوں نے روم اور فارس کا سفر نہیں کیا اُن کو ان دو زبردست سلطنتوں کی فوجی قوت کے موازنہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور اگر یہ پیشین گوئی پیغمبر صاحب کی اپنی ذاتی رائے ہوتی تو وہ کبھی ایسے وثوق کے ساتھ اُس کو مشتہر نہ کرتے کہ اُس کو وحی متلو میں داخل کر دیتے جس کے صدق و کذب پر اُن کی رسالت کا صدق و کذب موقوف تھا اور پھر پیشین گوئی بھی ایسے تھوڑے زمانے کی فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔ کہ لفظ بضع عربی میں ۳ سے لے کر ۹ تک کی اکائیوں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اِدھر صاحب وحی کو یقین کامل تھا کہ یہ پیشین گوئی خدا کی پیشین گوئی ہے اور اپنے وقت پر ضرور ہو کر رہے گی۔ اور اسی لیے اِس کے مشتہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور اُدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے اُس کے باور کرنے والے کہ دوڑے دوڑے جا سو اونٹوں کی شرط لگا آئے اور جیتے۔ خیر تو بعضے لوگ ایسے ادا شناس بھی ہوتے ہیں کہ پیغمبر کی طرز زندگی یا تعلیم یا قیافے سے اُس کی صداقت کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ یا جیسے عبداللہ بن سلام کہ وہ کہتے ہیں میں نے جب اوّل بار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں دیکھا تو میرا دل مان گیا کہ ایسی نورانی شکل و صورت کا آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّابٍ لیکن سب کے دل تو ایک طرح کے نہیں ہوتے بلکہ سچ پوچھو تو اس آسانی کے ساتھ حق سے متاثر ہونے والے آدمی بہت ہی کم ہوئے ہیں اب بھی بہت ہی کم ہیں اور آیندہ بھی بہت ہی کم ہوں گے۔ ایک بڑا جمِ غفیر تو اُن لوگوں کا ہے جو معجزے کو پیغمبری کی دلیل متعین سمجھتے ہیں اور ان میں بھی سب سے تیز وہ تھے جو من مانتے معجزے طلب کیا کرتے تھے وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ

عَلَيۡنَا لِكِتَابٍ نَقۡرَؤُهٗ اِن کو دین و مذہب سے تو کچھ بحث تھی نہیں صرف پیغمبر کے ساتھ ہرانی جتانی کرنی منظور تھی اور بس۔ لیکن کام تو ایسے ہی لوگوں سے پڑتا رہا ہی اس مصلحت سے پیغمبروں کو معجزے دئے گئے پھر معجزے فی نفسہا کیسے ہی عظیم الشان کیوں نہ ہوں بعد الوقوع واقعہ تاریخی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میں یوں کہتے ہی کہتے رہ گیا کہ معجزہ صاحبِ معجزہ کے مرنے سے واقعۂ تاریخی ہو جاتا ہی اور ڈر کا بھی تو اس خیال سے کہ ہمارے یہاں تو لوگوں نے خرقِ عادت کو ایسی قوت ٹھیرا رکھا ہی جو صاحبِ قوت کے مرے پیچھے اور بھی زور پکڑ جاتی ہی۔ میں خود چند بزرگوں کی زیارت سے اُن کی زندگی میں مشرف ہوا ہوں۔ بے شک بہت لوگ اُن سے ارادت رکھتے تھے اور اُن کے حق میں میرا گمان بھی نیک تھا ظَنُّوۡا بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ خَيۡرًا مگر دعوے کے ساتھ کوئی خرقِ عادت اُن کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا تھا۔ دفعۃً سُنا کہ اُن بزرگ کا انتقال ہوا اور خبر انتقال کے ساتھ یہ بھی سُنا کہ غُسل دیتے میں ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دئے۔ کان لگا کر سُنا تو نفی و اثبات جہری کا ذکر جاری تھا۔ پھر قطب صاحب میں مزار کی تجویز ہوئی تھی۔ بہتیرے زور لگائے جنازہ جگہ سے نہ ہلا پر نہ ہلا اتنے میں حضرت سجادہ نشین صاحب کو مراقبے میں بشارت ہوئی کہ جہاں ہمارا وصال ہوا ہی ہم کو یہیں رہنے دو۔ تو میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ معجزہ صاحبِ معجزہ کے مرنے سے مرجاتا ہی۔ بلکہ شاید یہ کہنا بہتر ہوگا کہ معجزہ عند الوقوع بڑا قوی ڈوس[۱] ہوتا ہی لیکن مرورِ زمانہ سے پُرانا ہو کر ضعیف الاثر ہو جاتا ہی۔ مثلاً جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردے کو قُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ کہکر جلا اُٹھایا ہوگا۔ جنھوں نے یہ کرشمۂ قدرت دیکھا ہوگا ضرور حضرت عیسیٰؑ پر صدقِ دل سے ایمان لائے ہوں گے۔ لیکن اب اُس معجزے کا کیا حال ہی۔ بہتوں کو تو یقین نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور جن کو یقین ہی تو اُس کو نہ عین الیقین کہہ سکتے ہیں اور نہ حق الیقین۔ وہ ایک افسانے سے زیادہ دلوں پر اثر نہیں کرسکتا۔ كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ کا فتویٰ نہ صرف بنی آدم پر جاری ہی بلکہ کُل چیزوں پر جو روے زمین پر ہیں۔ یہاں تک کہ واقعات پر بھی۔ لیکن فنا کے طریقے مختلف ہیں۔ آدمی کا

[۱] ستاد۔ مقدارِ خوراک۔ ۱۲

فنا ہونا اُس کے مرنے سے ہوتا ہے اور واقعات کا فنا ہونا اُن کی تاثیر کے ضعیف ہو جانے سے
غرض جس طرح کل انبیاء علیہم السلام کو پیشگاہ خداوندی سے معجزے ملے تھے۔ اُسی طرح ہمارے
پیغمبر صاحب کو معجزے کا ملنا تو ضرور تھا۔ لیکن وہ فضیلت جو خدا نے اُن کو دوسرے پیغمبروں
پر دی ہے اس کی بھی متقاضی تھی کہ جس طرح وہ اشرف الانبیاء ہیں اُسی طرح اُن کا معجزہ بھی
اشرف المعجزات ہو۔ سو واقع میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہمارے پیغمبر صاحب کا بڑا معجزہ ہے قرآن
اور دوسرے انبیاءؑ کے معجزوں سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو یہ ابدی اور دائمی اور مستمر اور
متجدد اور باقی ہے۔ جب کہ دوسرے معجزات اپنے وقت میں معجزہ تھے اور اب صرف ایک واقعہ
تاریخی ہو گئے ہیں کہ اُن کا وقوع تسلیم بھی کیا جائے تاہم اُن میں مرورِ زمانہ کی وجہ سے وہ
اثر وہ زور وہ وقعت باقی نہیں۔ لیکن معلوم رہے کہ یہ شرف اور یہ فضیلت جو معجزۂ قرآن
کو ہے اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ہے۔ جس کا معارضہ باوجود طلب و تحدّی نہ آج
تک کوئی کر سکا اور نہ آیندہ کوئی کر سکے لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا تو میں جو قرآن کے ترجمے
مخالف تھا اور مخالف ہوں اور مخالف رہوں گا۔ اس کا ایک سبب تو یہی تھا کہ ترجمہ
کیسی ہی احتیاط اور عمدگی سے کیوں نہ کیا جائے۔ اصل عربی کی فصاحت اور بلاغت تو
ترجمے میں آنی ممکن نہیں اور یہ اختلافِ اَلسنہ کا ضروری نتیجہ ہے۔ اور قرآن کا ترجمہ ہوگا
تو لوگ اصل متن سے بے نیاز ہوتے جائیں گے اور ترجمہ ہی اصل قرآن کے قائم مقام ہوگا
جیسا کہ توراۃ و انجیل وغیرہ کا حال ہوا کہ یہ کتابیں اپنی اصلی زبان میں تیمناً لوگوں نے
رکھ چھوڑی ہوں تو رکھ چھوڑی ہوں ورنہ جہاں دیکھو تراجم۔ اور اگر خدانخواستہ قرآن کا
یہی حال ہوا اور ان شاء اللہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ لیکن اگر بالفرض حال قرآن کا یہی حال ہوا تو اس کے
یہ معنی ہوں گے کہ مسلمان ایک زندہ معجزے کو ہاتھ سے دے بیٹھیں گے یعنی سیرے منہ

میں خاک بنیادِ اسلام متزلزل ہو جائے گی۔ دوسرا سبب میرے مخالفِ ترجمہ ہونے کا وہی خوفِ تحریف تھا اور ہے۔ زیادہ نہیں ۳ یا ۴ بار بے رجوع الی الاصل ترجمہ در ترجمہ ہونے دو اور پھر مثلاً چوتھے ترجمے کو اصل سے ملا کر دیکھو تو پاؤ گے کہ گویا دو کتابیں ہیں جداگانہ ذرا سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جناب پیغمبر صاحب صلعم اپنی رسالت کے جہاں اور دلائل پیش کرتے تھے وہاں توراۃ اور انجیل اور صحف انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں سے بھی استدلال کرتے تھے اور استدلال بھی کرتے تھے تو اس شد و مد کے ساتھ کہ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ اور وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ اس سے بڑھ کر صاف اور صریح پیشین گوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نام تک بتا دیا۔ کسی کی عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ کتاب مخالفوں کے ہاتھ میں ہو اور اس میں پیغمبر صاحب کا نام و نشان نہ ہو اور ناحق زبردستی اُن سے کہا جائے کہ نہیں خود تمہاری کتابوں میں نام تک لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مخالفین لا کر کتابوں کا ڈھیر لگا دیتے کہ لو بتاؤ ان میں تمہارا مذکور کس مقام پر ہے۔ مگر سیر اور حدیث کہیں سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی مخالف نے ایسا کیا ہو۔ یوں اُن کے مناظروں اور مباحثوں یہاں تک کہ مباہلے تک کا مذکور ہے اور نہیں ہے تو اس معارضے کا۔ پس ہو نہ ہو پیغمبر صاحب کے زمانے تک تو پیشین گوئی بقید نام ضرور موجود تھی۔ لیکن اب واقع میں کہیں نہیں پائی جاتی تو یہ اس اثنا میں کدھر غائب ہوئی۔ غائب ہوئی ترجموں میں کہ احمد اسم صفتی ہے۔ کسی نے اُس کو صفت سمجھا اور تعیین اسمی اُڑ پڑ گئی۔ غرض ایک تو قرآن کی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اور دوسرے اِس خاص قسم کی تحریف کے ڈر سے میں ہمیشہ قرآن کے ترجمے کا مخالف رہا ہوں اور اب بھی ہوں اور رہوں گا بھی۔ مگر آپ صاحب نہایت تعجب سے سنیں گے کہ باوجود ایسی سخت مخالفت کے میں نے آپ ہی قرآن کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے

جو مطبع انصاری دہلی میں چھپ رہا ہی - اس کا یہ سبب ہوا کہ ایک طرف تو میں ترجمے کا مخالف تھا اور دوسری طرف میں نہایت افسوس کے ساتھ دیکھتا تھا کہ مسلمانوں کے معاملات صاف نہیں اس لیئے کہ اُن کے مذہبی خیالات درست نہیں اور مذہبی خیالات درست نہیں اس لیئے کہ اُن کی مذہبی معلومات ٹھیک نہیں - میں دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتا ہوں تو میں ان کو الزام نہیں دیتا کہ یہ اپنے مذہب کا پاس کم کرتے ہیں - نہیں - ان میں اکثر نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے تو گویا سب ہی رکھتے ہیں - محرّماتِ شرعی سے بھی اکثر محترز ہیں میں ان کو مذہبی رسموں کا اہتمام کرتے ہوئے بھی دیکھتا ہوں - اور اپنی مذہبی کتاب یعنی قرآنِ مجید کو تو یہ ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ دوسری قوموں میں اُس کی نظیر ملنی مشکل ہی - مگر قرآن کو عزیز رکھتے بھی ہیں تو اُس کے لفظوں کو - مجھ کو کتاب فروشوں اور چھاپے خانے والوں سے معلوم ہوا ہی کہ جس کثرت اور تواتر سے قرآن چھپتا ہی کوئی کتاب نہیں چھپتی ایک - اور دوسرے یہ کہ جتنی قرآن کی نکاسی ہی کسی کتاب کی نہیں کہ حمائل ہو ضخیم ہو - خفی ہو جلی ہو مترجم ہو غیر مترجم ہو - اِدھر چھپا اور اُدھر بکا - پھر مسلمانوں میں لاکھوں قرآن کے حافظ نکلیں گے اور الحمد للہ کہ اُن میں سے ایک میں بھی ہوں جب کہ دوسری قوموں میں کوئی حافظِ کتاب سننے میں نہیں آیا - لیکن کیا نقوش اور الفاظ کی عزت کرنے سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے حَقَّ قَدْرِہٖ قرآن کی قدر کی - حاشا نہیں - کلا نہیں - قرآن نام ہی مجموعۂ معانی و الفاظ کا - پس جو شخص طوطے کی طرح قرآن کے الفاظ پڑھتا ہی - اور فہمِ معانی سے بے بہرہ ہی - ہم اُس کو بہت کریں گے نیم قرآن خواں کہیں گے - یا اس سے بھی کم - اِی کاش مسلمان جس قدر قرآن کے الفاظ کی قدر کرتے ہیں اُس کی آدھی تہائی چوتھائی بلکہ دسواں بیسواں پچاسواں سواں حصّہ اُس کے معانی کی طرف متوجہ ہوں بے شک قرآن عربی زبان میں ہی اور وہ بجائے خود مشکل زبان ہی اور اُس کی صرف و نحو میں بڑی موشگافیاں ہیں - اور اُس کا سیکھنا بے شک دقّت طلب ہی لیکن لوگوں نے

جتنا اُس کو مشکل بنا رکھا ہی اور مشکل سمجھ رکھا ہی میں خیال کرتا ہوں اُس کا عشر عشیر
بھی مشکل نہیں۔ گو زبان مشکل ہی۔ لیکن اِس اشکال کے مقابلے میں یہ کتنی بڑی سہولت
ہی کہ اُس کے الفاظ ہماری زبان اُردو میں اس کثرت سے ہیں جیسے کھچڑی میں چاول
اُس کے الفاظ فصیح اُردو کی جان ہیں کَیْفَ مَا اتَّفَقَ کوئی سا اُردو کا اخبار اُٹھا کر
دیکھو۔ گو اُس کا اڈیٹر ہندو اور ہندو بھی کٹا ہندو۔ مسلمانوں کی صورت مسلمانوں
کے نام مسلمانوں کی بولی یعنی نہ صرف مسلمانوں کے مذہب سے بلکہ مسلمانوں کی ہر چیز سے
جلتا ہو۔ خدا نے چاہا تو اس کے اخبار کی بھی کوئی سطر نہیں پاؤگے جس میں عربی کا لفظ
نہ ہو۔ اور یوں جیسے مرزا نوشہ مرحوم کونتھ کونتھ کر پارسی ناآمیختہ بتازی لکھا کرتے تھے اُن کی
طرح کوئی ٹھیٹ ہندی کی چندی لکھے تو اُس کا مذکور نہیں۔ مگر اُس کو ٹھیٹ ہندی کہیں گے
نہ فصیح اُردو۔ بہر کیف عربی کے اِشکال کے مقابلے میں ایک سہولت تو یہ ہی کہ فصیح اُردو میں
اِس کے الفاظ بکثرت ہیں۔ اِس کے علاوہ زبان دانی دو طرح کی ہی۔ ایک اعلیٰ درجے کی
اور وہ تو ساری عمر کے صرف کیے بُدون نہیں آتی۔ اور دوسری بقدرِ کارروائی اور فہمِ قرآن
کے لیئے میں سمجھتا ہوں اتنی بھی بس کرتی ہی۔ لیکن ہاں امام رازیؒ کا سا سمجھنا نہیں بلکہ
یہی معمولی طور کا سا سمجھنا جیسے ہم معمولی استعداد کے ہندی یعنی باشندگانِ ہند سمجھ لیا
کرتے ہیں۔ سو امام رازیؒ ہی نے قرآن میں بڑی نکتہ چینیاں کر کے کون سا کمال
حاصل کر لیا تھا۔ یہ وہی امام رازی ہیں نہ جن کی شان میں مولانا روم فرماتے ہیں ۹

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے	فخر رازی رازدارِ دیں بُدے

بلاشبہ فہمِ قرآن کی قدر عربی جاننے کے لیئے ہم کو اپنے طریقۂ تعلیم کی اصلاح کرنی پڑے گی
اور وہ محتاجِ اصلاح ہی بھی۔ لیکن فرض کرو کہ اتنی عربی جو فہمِ قرآن کے لیئے بس
کرے۔ پتھر ہی اور پتھر بھی خارا۔ مگر بے فہمِ قرآن آدمی ٹکسالی مسلمان تو ہونا نہیں۔
اور ٹکسالی مسلمان ہونا اگر نعمت ہی اور وہ واقع میں نعمت ہی اور بڑی نعمت ہی

کیوں کہ نجاتِ ابدی اور نعماے بہشت اور رضوان اللہ کی کفیل ہی تو ایسی بڑی نعمت کو دیکھیں یا چند روزہ زحمت کو۔

بھائیو! ذرا انصاف کرو دنیاے فانی کی موہوم کامیابیوں کے لیئے ہم تم محنت اور جانفشانی کا کون سا دقیقہ اُٹھا رکھتے ہیں تو آخرت کے گھر کو جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہی ایسا کہاں کا گیا گزرا ہوا سمجھ لیا ہی کہ اُس کے لیئے اِتنی سی زحمت بھی گوارا نہ کرو اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۗ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ تم ایسی بے حقیقت زحمتوں کو لیئے پھرتے ہو۔ قرآن میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ دو دلے مسلمانوں کی نسبت اعتراض کے طور پر فرماتا ہی وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ مگر ہاں یوں کہو کہ ہم پہلے مسلمان تھے اِس لیئے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا۔ زبردستی پکڑ کر ختنے کر دیے جن دنوں انگرکھے کا رواج تھا بائیں طرف کو انگرکھے کا پردہ رکھا۔ مزے سے جانوروں کے گوشت کھاتے رہے۔ اور اب مسلمان ہیں اِس واسطے کہ مذہب کی آڑ پکڑ کر اپنا ہو یا بیگانہ لڑنے کو موجود خانہ جنگی کو طیار بلوے کو آمادہ ہنگامے کو مستعد۔ اس میں تو دوست اور دشمن کسی کو کلام نہیں کہ مسلمانوں کی حالت یوماً فیوماً خراب ہوتی چلی جا رہی ہی۔ اِس خرابی کے اسباب قریبہ جو کچھ بھی ہوں مگر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ان اسباب کا سلسلہ آخرکار اسی ایک سبب پر جا کر منتہی ہوتا ہی کہ مسلمانوں کا مذہب اصلی حالت پر نہیں رہا۔ بے شک جیسا میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہا تھا وہ مذہب رکھتے ہیں اور کون سا فرد بشر ہی جو کوئی نہ کوئی مذہب نہیں رکھتا بہرکیف مسلمان مذہب رکھتے ہیں مگر میں وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

اعتراض کے طور پر نہیں دل سوزی اور ہمدردی کی راہ سے کہتا ہوں کہ ان وقتوں کے اکثر مسلمانوں وَلِلّٰہِ کُلّ حُکْمِ الکُلّ یعنی ان وقتوں کے مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد تقلید آبائی پر ہی یا رسم ورواج پر یا طرز معاشرت پر یا کسی اور چیز پر جو تم لوگ تجویز فرماؤ نہ قرآن پر اس واسطے کہ یہ بیچارے قرآن کے مفہوم سے واقف نہیں۔ واقفیت کی ان کو لیاقت نہیں اور واقفیت کی نظر سے اس کو پڑھتے بھی نہیں۔ یاد رکھو کہ عام مسلمانوں کے حال سے بحث ہی اگر سیکڑوں میں نہیں ہزاروں میں بلکہ شاید لاکھوں میں دو چار عربی داں اور فہم قرآن پر قادر ہوئے تو اتنوں سے اُس حکم میں جو عام مسلمانوں پر لگایا جائے کوئی خلل نہیں آتا۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ایک حکم الفاظ قرآن کے پیرائے میں جو وقعت رکھتا ہی وہ دوسری زبان کے پیرائے میں نہیں رکھ سکتا۔ جب ہم سمجھ کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو خود بخود ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا ہم خدا سے باتیں کر رہے ہیں۔ کبھی ہم کچھ عرض کرتے ہیں اور کبھی وہ کچھ ارشاد فرماتا ہی۔ لیکن جب ہم ترجمہ لیکر بیٹھتے ہیں۔ تو یہ خیال ہوتا ہی کہ خدا نہیں کہہ رہا بلکہ اُس کی طرف سے مترجم کہہ رہا ہی اور اسی واسطے ترجمہ وہ زبردست اثر نہیں ڈال سکتا جو اصل قرآن ڈالتا۔ اگر ہم اُس کو سمجھتے ہوتے۔ عربی زبان کا تلفظ بھی ایک خاص وقعت رکھتا ہی۔ اُسکے حروف حلقی بولنے میں شاندار معلوم ہوتے ہیں ہم کو یہ بھی بتایا گیا ہی کہ اہل جنت عربی ہی میں بات چیت کریں گے۔ غرض ہم مسلمان کئی سبب سے عربی کا ادب کرتے ہیں اور وہ قابل ادب ہی بھی۔ اور یہ میرا پکا عقیدہ ہی کہ اگر ہم قرآن کو اُس کی اصلی زبان میں سمجھتے ہوتے تو ہم اس سے کہیں بہتر مسلمان ہوتے جیسے اب ہیں۔ میں اپنے لکچروں میں عربی کے چھوڑ بیٹھنے پر مسلمانوں کو بڑی سختی سے ملامت کرتا تھا اُن کو بتاتا تھا سمجھاتا تھا کہ مسلمانوں نے عربی کو ناحق ہوّا بنا رکھا ہی وہ جیسی مشکل سمجھی جاتی ہی۔ ہرگز ایسی مشکل نہیں۔ کہنے کو تو میں سب کچھ کہتا تھا۔ پر دل میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ ایک مذہبی خیال تو محرک اور وہ بھی ضعیف اور ہزاروں موانع

اور وہ ایک سے ایک قوی۔ عربی کی اٹکی ہوئی گاڑی کو جگہ سے سرکانا ایں خیال است و محال است و
جنوں۔ جب ادھر سے مایوسی ہوتی تھی تو میں ترجمے کی تصویب کرنے لگتا تھا کہ جب مسلمانوں
کو عربی کے پڑھنے کی فرصت نہیں۔ توفیق نہیں تو خیر ان کو ترجمے ہی کی چاٹ لگائی جائے
کہ کسی طرح حکمِ خدا ان کے کانوں میں تو پڑے۔ اور حکمِ خدا بُری طرح یا بھلی طرح کانوں میں
پڑتا رہے گا تو کہاں تک ان کے معتقدات اور معاملات پر اثر نہ کرے گا آخر گوش رسیدہ
اثرے دارد۔ یوں تو قرآن کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں اور اگرچہ پہلے لوگ قرآن کے ترجمے
کا قصد کرتے ہوئے رُکتے تھے مگر اب یہ جھجک اُٹھ گئی ہے اور اُٹھتی چلی جاتی ہے۔ بہرکیف
قرآن کے متعدد ترجمے موجود ہیں۔ مگر سب میں مشہور اور مقبول تین ہیں۔ اور کتنے بڑے
دینی فخر کی بات ہے کہ تینوں ترجمے ایک ہی گھر کے ہیں۔ اسلام کے اعتبار سے جو خاندان
عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً دہلی کا موجبِ فخر ہو گزرا ہے۔ اس کے مورثِ اعلیٰ تھے حضرت
شاہ عبدالرحیم صاحب۔ ان کے دو فرزند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا شاہ
اہل اللہ صاحب۔ مولانا شاہ ولی اللہ کے چار فرزند۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب۔
مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید
کے والد مولانا شاہ عبدالغنی صاحب۔ فارسی ترجمہ مولوی شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم و
مغفور کا ہے۔ بڑی احتیاط سے ترجمہ کیا ہے۔ احادیث اور تفاسیر پر شاہ صاحب کی بڑی
وسیع نظر ہے۔ اور اس لئے یہ ترجمہ سب سے زیادہ مستند ہے۔ مگر ہے فارسی۔ اور ظاہر ہے کہ
شاہ راہِ عدم پر آگے عربی ہے تو پیچھے فارسی۔ یعنی عربی تو گویا ہندوستان سے رخصت ہوئی
اور فارسی یوں ہی سی کچھ ہے سو وہ بھی مہمانِ چند روزہ ہے ع اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند
پس ہم کو مولانا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی ترجمے سے تو قطع نظر کرنی چاہیئے
اب رہ گئے اُردو کے دو ترجمے ان میں سے ایک مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کا ہے اور
دوسرا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب کا کہ یہ دونوں مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند

تھے۔مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب سے چھوٹے۔مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ لفظی ہی۔جس کو انگریزی میں لِٹرل کہتے ہیں۔یعنی شاہ رفیع الدین صاحب ترتیب الفاظ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔اگر ایک آیت کا ترجمہ اُس کے نیچے لکھا جائے گا تو تم پاؤ گے کہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک حرف کا ترجمہ اُس کے مقابلے میں ٹھیک اُسی کے نیچے موجود ہی۔ظاہر ہی کہ یہ ترجمہ شگفتہ ہو نہیں سکتا۔کیونکہ اُردو اور عربی کا طرزِ ادائے مطلب ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہی۔مثلاً ایک موٹی سی بات کہتا ہوں کہ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا عربی کا ایک جملہ ہی فصیح اور بامحاورہ۔جس کا ترجمہ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے ڈھنگ پر یوں ہوگا کہ "مارا زید نے عمرو کو" لیکن "مارا زید نے عمرو کو" صحیح تو ہی مگر فصیح اور بامحاورہ نہیں۔کیوں کہ عرب کے لوگ پہلے فعل بولتے ہیں پھر فاعل پھر مفعول کا نام لیتے ہیں۔اور ہم اوّل فاعل و مفعول کا ذکر کر کے آخر میں فعل لاتے ہیں اسی مطلب کو ہم اس طرح پر کہیں گے کہ "زید نے عمرو کو مارا"۔"مارا زید نے عمرو کو" ویسی ہی غیر فصیح اُردو ہی جیسی زَیْدٌ عَمْرًا ضَرَبَ غیر فصیح عربی ہی۔اور جملہ صرف فعل اور فاعل اور مفعول ہی کا تو نام نہیں۔بعض اوقات شرط و جزا اور متعلقات اور بدل اور تاکید اور صفات اور معطوفات اور جملۂ معترضہ وغیرہ کے داخل کلام ہونے سے ایک جملہ کئی کئی سطروں میں جا کر تمام ہوتا ہی اور جب تین لفظوں میں ترتیب کی پابندی کرنے سے اُردو کا یہ حال ہو گیا کہ زید نے عمرو کو مارا کی جگہ مارا زید نے عمرو کو بولنے لگے تو اُن بڑے جملوں کا کیا حال ہونا ہی جن کے ساتھ متعلقات کا لمبا دُم چھلا بھی لگا ہی۔بس یہ حال ہونا ہی کہ عبارت اُکھڑی اُکھڑی معلوم ہوتی ہی۔طبیعت اُلجھتی ہی ہماری اپنی زبان ہی اور مطلب بھی دقیق نہیں مگر کچھ ایسی تعقیدات واقع ہوئی ہیں کہ قدم قدم پر سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہی۔نتیجہ یہ ہی کہ لوگ شوق سے ترجمے کی طرف راغب نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ترجمے کو پڑھتے بھی ہیں تو وہی تعبّدی طور پر پڑھتے ہیں۔جیسے اصل متن کو۔یہیں بہ قسم

اِس بات کو کہتا ہوں کہ مَیں اِن بزرگوں کی اور اِن بزرگوں کے ترجموں کی اِس قدر عزت کرتا ہوں کہ بس میرا ہی جی جانتا ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اُنہوں نے کتنی کچھ تو محنت کی ہوگی اور کتنا کچھ وقت صرف کیا ہوگا۔ اور اِن ترجموں پر کیا موقوف ہے۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔ اِس خاندان نے تو تمام ہندوستان میں اسلام کی وہ وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی اُن کی داد دے گا۔ میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ اِن بزرگواروں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے۔ جیسا عرب کے اسلام کے حق میں مہاجرین اور انصار نے کیا تھا۔ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ پھر یہ مترجم دلّی میں پیدا ہوئے۔ اِن کی بولی بجائے خود سند ہے۔ مجھ سے کسی معتبر نے روایت کی تھی کہ شیخ ابراہیم ذوق شروع شروع میں میاں نصیر سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ پھر دونوں میں ایک طرح کی منافست پیدا ہوگئی تھی تو میاں ذوق بالالتزام مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتے اور اُن کے بیان سے استفادۂ سخن کرتے۔ تو کون ایسا ناانصاف اور حق ناشناس اور احمق ہوگا۔ کہ مولوی شاہ رفیع الدین یا مولوی شاہ عبد القادر کے ترجموں پر معترض ہو۔ مگر ہے کیا کہ ان بزرگو نے فرطِ ادب سے لفظی تقدیم و تاخیر کو بھی گناہ سمجھا۔ اور اُن کی یہ احتیاط قابلِ تحسین ہے اگلوں نے ایسی ہی احتیاطیں کی ہیں تب کہیں جا کر قرآن محفوظ رہا ہے۔ ورنہ آج توراۃ و انجیل کا سا حال ہوگیا ہوتا۔ مثلاً سورۂ اقرأ میں جو وہ آیت ہے کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ اِس میں لَنَسْفَعًا حقیقت میں صیغۂ جمع متکلم مضارع موکد بہ لامِ تاکید و نونِ تاکید خفیفہ ہے مگر مصحفِ عثمانی میں غلطی سے نون خفیفہ کی جگہ تنوین لکھ گیا کہ اُس وقت تک قواعد اچھی طرح منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور نون خفیفہ اور نون تنوین دونوں کا تلفظ یکساں تھا۔ ابھی تک وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آتی ہے۔ اور رسم الخط قرآنی کی رو سے اگر کوئی تنوین کی جگہ نون خفیفہ لکھ دے تو اُس کو غلط سمجھیں گے۔ اِس بارے میں ہمارے علما کی احتیاط تو اِس درجے تک بڑھی ہوئی ہے کہ

قرآن تو قرآن حدیث اور مسائل فقہی کا بھی جب ترجمہ کریں گے لفظی بلکہ دینیات کے متعلق اُن کی اپنی عبارت بھی کچھ ایسی ہی شان کی ہوتی ہے۔ نواب قطب الدین خاں صاحب نے جو مولوی شاہ اسحاق صاحب کے سجادہ نشین تھے ایک کتاب لکھی ہے۔ مظاہر الحق بڑی مبسوط کتاب ہے۔ اور اوّل سے آخر تک عبارت کی ایک ہی شان ہے۔ اِس بات کے دکھانے کو کہ یہ لوگ اپنی خاص عبارت کے لیئے بھی وہی لفظی ترجمے کی شان اختیار کرتے ہیں میں مختصر سے دو مقام پیش کرتا ہوں۔ اوّل خطبہ اور دوسرے ایک فائدے کی ڈیڑھ سطر۔

"بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہجہان آبادی عرض کرتا ہے کہ مشکوٰۃ"
"شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج"
"ہیں اُس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے اُستاد بزرگوار مولانا مخدومنا مکرمنا حاجی"
"محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ کے نے بیچ زبان ہندی"
"کے بین السطور میں لکھا تھا۔ لیکن کاتبوں سے اِس کی صحت میں فرق آنے لگا"
"مرضی جناب موصوف کی ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح لکھا جاوے۔ بہتر ہے۔"
"اِس لیئے اِس ہیچ مداں نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیٰحدہ کر کے لکھا"
"اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقات شرح"
"ملا علی قاری اور ترجمہ شیخ عبد الحق اور حاشیہ سید جمال الدین رحمہم اللہ کے"
"اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب ممدوح"
"نے بھی کہ کچھ فائدے لکھے تھے تبرکاً اس میں درج کیئے۔ اور نام اِس کا مظاہر حق"
"رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے۔ اللہ اس کو مقبول فرما اور ہم سب کو"
"اِس سے دارین میں فائدہ مند کر۔ اور سند اِس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ"
"پڑھی یہ کتاب اضعف العباد محمد قطب الدین الاحراری الدہلوی عفر اللہ لہما"
"نے۔ حضرت مخدومی معظمی مکرمی مولوی محمد اسحاق رحمہ اللہ سے اور اُنہوں نے"

"پڑھی حضرت شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے اور اُن کو اجازت ہی حضرت شاہ ولی اللہ"
"محدث دہلوی سے۔"
"بیٹھے درمیان دونوں خطبوں کے اس قدر کہ قرار پکڑتا ہر عضو اپنی جگہ پر اور"
"وصحت کو نہیں پہنچی دعا کرنی حضرت سے اس جلسے میں۔"

مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کی نسبت مولوی شاہ عبدالقادر صاحب نے ذرا اِس پیچ کو ڈھیلا کیا ہی اور محاورات اُردو کو بہت نباہا ہی۔ مگر انقباض اُن کے ترجمے میں بھی ہی۔ یہ سب کچھ ہی مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اِس وقت کے لوگ اِس طرح کے ترجموں کو پسند نہیں کرتے اور ان کو پڑھ کر خوش نہیں ہوتے اور اصل مطلب فوت ہو رہا ہی کہ جو لوگ اُردو کے پڑھنے پر قادر ہیں ان میں اکثر ان ترجموں سے اُکتا اُٹھتے ہیں اور مطالب قرآن سے ایسے ہی بے خبر رہتے ہیں جیسے اَن پڑھ۔ قرآن کے ترجمے کے بارے میں ایسے خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں گزرا کرتے تھے کہ اِس اثناء میں حدیث کی ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا نام ہی تَیْسِیْرُ الْوُصُوْلِ اِلٰی جَامِعِ الْاُصُوْلِ مِنْ حَدِیْثِ الرَّسُوْلِ۔ صاحبِ کتاب نے صحاح ستہ کی احادیث کو ایک جگہ اِس خوبی سے ترتیب دے کر جمع کیا ہی کہ اُس کا حجم ایک کتاب کے حجم سے بڑھنے نہیں پایا۔ مجھ کو وہ کتاب ایسی پسند آئی کہ میں نے بے تامل اس کا ترجمہ شروع کر دیا اور یہ سمجھا کہ اگر اس کتاب کا شگفتہ ترجمہ ہو جاے تو صحاح ستہ کے ترجموں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کے ربع اوّل کا ترجمہ کیا ہوا موجود ہی۔ اِسی ربع میں واقع ہوئی کتاب التفسیر اور اُس میں واقع ہوئیں قرآن کی آیتیں اور چار و ناچار اُن کا ترجمہ کرنا پڑا۔ تو میں نے اِن آیات کا ویسا ہی بامحاورہ سلیس مطلب خیز ترجمہ کیا جیسا ترجمہ لوگ چاہتے ہیں اور جیسے کی ضرورت ہی۔ اب مجھ کو خیال آیا کہ وہی آیتیں احادیث میں آئیں تو میں نے ترجمہ کرنے میں کچھ باک نہ کیا۔ اور وہی آیتیں قرآن میں ہیں تو میری طبیعت ترجمہ کرنے میں مضائقہ کرتی ہی تو میری وہی مثل ہوئی کہ گُڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز

اِس خیال نے ایسا آکر دبایا کہ میں نے تفسیر کا ترجمہ تو کیا موقوف اور ایک دم سے قرآن مجید کا ترجمہ شروع کر دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہی کہ وہ ترجمہ تمام ہو گیا ہی اور میں نے اُس کو مطبع انصاری دہلی میں اپنے زیر نظر چھپوانا بھی شروع کر دیا ہی اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اِن شاء اللہ ۱۳۱۵ ہجری میں چھپ کر طیار بھی ہو جاے گا۔ بعض صاحبوں نے مجھ سے مُنہ پھوڑ کر فرمائش کی اور صلاح تو بہتوں نے دی کہ میں نمونے کے طور پر چند مقامات کا اپنا ترجمہ دوسرے ترجموں سے مقابلہ کر کے پبلک کے روبرو پیش کروں۔ مگر میں نے ایسا کیا نہیں اور کروں گا بھی نہیں۔ کیوں کہ اس میں دوسرے مترجموں کے ساتھ ایک طرح کا معارضہ ٹھیرتا ہی اور معارضہ نہ میری نیت میں ہی اور نہ میں اپنے اوپر یہ تہمت لینی چاہتا ہوں۔ ہاں میں اپنا ترجمہ ہر ایک شخص کو دکھا سکتا ہوں اور دکھانے کے لیئے اُس کو چھپوایا ہی ہی۔ رہا دوسرے ترجموں سے مقابلہ کرنا یہ میرا کام نہیں۔ جس ارادے سے وہ ترجمے کیئے گیئے اور جس زمانے میں کیئے گیئے وہ اب بھی لاجواب ہیں۔ اور جو شخص شگفتہ عبارت میں قرآن کا مطلب آسانی سے سمجھنا چاہتا ہی اُس کے لیئے تو نہیں مگر ہاں جو مبتدی ادب عربی میں لفظ لفظ کے ترجمے سے اپنی استعداد بڑھانا چاہتا ہی اُس کے لیئے بکار آمد ہیں اور بکار آمد رہیں گے۔ میں نے ترجمۂ قرآن کی نسبت بہت زیادہ گفتگو کی ہی تو کوئی صاحب ایسا خیال نہ فرمائیں کہ میں اپنے ترجمے کی خریداری کی ترغیب دیتا ہوں۔ میں تو اُس شخص کا ہم خیال ہوں۔ جس نے یہ شعر کہا ہی ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است	رفتن بہ پاے مردیِ ہمسایہ در بہشت

اِس زمانے میں جس طرح کے مصنفوں کی قدر کی جاتی ہی ان میں سے ایک مَیں بھی ہوں۔ مگر مَیں نے کبھی اپنی کسی کتاب کی اشاعت کے لیئے کسی طرح کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ میں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا بھی ہی کہ میں کتابیں نہیں تصنیف کرتا بلکہ یوں سمجھو کہ ایک طرح کے کنکوّے بناتا ہوں اگر ان میں پرواز کا مادہ ہی تو آپ سے آپ اُڑیں گے ورنہ میں کہاں

ان کے پیچھے دُم چھلے کی طرح لٹکا لٹکا پھروں گا۔ اور یہی معاملہ میں اپنے قرآن کے ترجمے کی نسبت بھی کرنے والا ہوں۔ اور میں قوم کی قدردانی کا بھی اندازہ کیے بیٹھا ہوں۔ میں تو ایک ہیچ کارہ سا آدمی ہوں اور میری ساری عمر اپنے ہی نفس کی خدمت میں گزری ہے۔ لیکن جو قوم کے محسن اور ہمدرد اور خیرخواہ اور دلسوز اور فدائی ہیں اُن کو بھی جیسے جیسے خطاب اور جو جو انعام ملے ہیں مجھ کو ذرا ذرا معلوم ہیں۔ میں تو اپنے ترجمے کی نسبت فیصلہ کر چکا ہوں کہ میری زندگی میں تو یہ ازیں سو پراندہ وزاں سو درماندہ ہی رہے گا۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام پر یعنی ہندوستان کے اسلام پر یہ وقت بڑا نازک گزر رہا ہے۔ نہ اِس اعتبار سے کہ مسلمان یوماً فیوماً مفلس اور محتاج اور ذلیل اور خوار اور بے وقعت اور بے اعتبار ہوتے چلے جاتے ہیں کہ اِس بارے میں اگر میں کچھ کہوں گا بھی تو شاید ذرا ٹھہر کر کہوں گا بشرطیکہ وقت ملا۔ مگر میں اسلام کے حق میں اس وقت کو اِس لیے نازک سمجھتا ہوں کہ خود مذہب ایک تزلزل کی حالت میں پڑا ہے۔ شیعہ سنی اور وہابی بدعتی اور مقلد غیر مقلد کے اختلافات جو تھے سو تھے اور وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اسلام کو ضعیف کرنے کے لیے بس کرتے تھے اور کر ہی رہے تھے کہ اب انگریزی عملداری کی وجہ سے انگریزی پڑھے ہوؤں کا ایک اَور گروہ پیدا ہوا اور ہرچند مردم شماری کے اعتبار سے یہ گروہ ہنوز بہت ہی تھوڑا ہے۔ مگر اِس کا تھوڑا ہونا بجائے اِس کے کہ اسلام کے حق میں فالِ نیک ہو اُس کی تباہی اور خرابی کی دلیل ہے۔ پھر اِس گروہ کا تھوڑا ہونا بات ہی کَے دن کی ہے۔ اگر ہندوستان میں انگریزی عمل داری رہی اور ظاہری سامان تو ایسے ہیں کہ خدا نے چاہا تا دامتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رہے گی اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ اور جائے گی بھی تو قیامت کے بوریئے سمیٹ کر جائے گی۔ بہرکیف اگر انگریزی عمل داری رہی تو اِس گروہ کو خدا نے ایسی برکت دی ہے کہ یہ گروہ انڈے بچے دیتا چلا جا رہا ہے وہی جیسا مشہور ہے کہ شروع شروع میں خدا کو جلدی سے دنیا کو آباد کرنا منظور ہوا تو

ماما حوا ایک بچہ صبح دیتی تھیں اور ایک بچہ شام تب تو بابا آدم لاکھ سے زیادہ بیٹے پوتے پروتے چھوڑ کر مرے تھے۔ فرطِ بداہت کی وجہ سے کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ انگریزی کا پڑھنا اس عملداری میں تمام دنیاوی کاموں پر مقدم ہوا ورنہ صرف اس عملداری میں بلکہ اس زمانے میں کیوں کہ انگریزی تعلیم کا اثر نہ صرف انگریزی عملداری میں محدود ہے بلکہ جہاں انگریزی عملداری نہیں اُن کو بھی انگریزی کا جاننا ناگزیر ہے۔ ہماری تو کیا بساط ہے۔ اچھے اچھے ہیکڑ انگریزی کے نام سے چڑتے رہے ہیں اور آخر کار جھک مار کر اُن کو انگریزی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑا ہے۔ وسعت میں آبادی میں جاپان کو چین سے کچھ بھی تو نسبت نہ تھی مگر یہ گویا آنکھوں دیکھی بات ہے کہ مقابلہ ہوا تو جاپان بازی لے گیا۔ اِس لیئے کہ یورپ کی کوئی ادا بھی اُس کی تقلید سے نہیں بچی تھی اب چین کے ہوش درست ہوئے اور وہ بھی اِس تجویز میں ہے کہ کچھ لوگ تعلیم پانے کے لیئے یورپ بھیجا کرے۔ اور روم اور مصر کی نسبت تو مدت سے سُن رہے ہیں کہ وہاں کے امیرزادے جس کثرت سے ان کو جانا چاہیئے اُس کثرت سے تو نہیں مگر ہاں یورپ تعلیم پانے جاتے ہیں اور اپنے لوگوں میں لیاقت نہیں پاتے تو یورپ کے لوگوں کو بُلا بُلا کر پولیس اور فوج اور انجنیری علاقوں کی افسریاں دیتے ہیں۔ ہم اپنے پڑوس میں کابل کو دیکھتے ہیں کہ اِن دنوں ماشاء اللہ بڑے زوروں پر ہے۔ تو کیوں۔ اس لیئے کہ ولایت سے کلیں منگوا منگوا کر توپوں اور بندوقوں اور کارتوسوں اور چھرّے باروت وغیرہ کے بہت سے کارخانے جاری کر رکھے ہیں۔ اور یہ جو آئے دن سنتے رہتے ہیں کہ ایشیا کے فلاں بادشاہ یا رئیس یورپ کی سیر کو تشریف لے گئے اُن کی سیر میں بھی تعلیم مضمر ہوتی ہے۔ جو کچھ وہاں دیکھتے واپس آکر اپنے یہاں اُس کی نقل کرتے۔ بھلا پھر یہ اہلِ یورپ کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے تو کیا ہے۔ دنیا اسی ہندوستان یا اسی نارتھ وسٹرن پراونسز یا اسی ضلع شاہجہاں پور سے تو عبارت نہیں ہے اگرچہ اپنی کوتاہ نظری سے لوگ دنیا کو نہایت محدود خیال کرتے ہیں

ایک آدمی چند اخباروں میں اپنا نام یا کسی دوسری طرح پر لوگوں میں اپنا تذکرہ ہوتا ہوا سُن کر اپنے تئیں مشاہیر میں شمار کرتا اور اپنے جی میں خوش ہو لیتا ہو لیکن اگر وہ ذرا اپنی نظر کو وسیع کرے تو اُس کو فوراً معلوم ہو جائے کہ جس دائرے کو اُس نے محیط زمین خیال کر رکھا ہو وہ حقیقت میں ایک نقطے سے زیادہ پھیلاؤ نہیں رکھتا۔ شاید افریقہ کا مذکور ہو کہ وہاں کسی ریاست کا بادشاہ اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا اور اس ایک بادشاہ پر کیا موقوف ہو بادشاہوں اور رئیسوں اور دولت مندوں بلکہ میں تو کہتا ہوں عموماً کل آدمیوں کے کم تر سا ورنٹی (عُجب) کے خبط سے خالی ہوتے ہیں۔ امیروں کے نام اور اُن کے خطاب دلالت کرتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں کیا سمجھتے ہیں۔ شروع کے مسلمانوں کے نام سے پتہ لگتا ہو کہ اُن کے مزاجوں میں کس درجہ کا انکسار تھا وہ باوجودے کہ دنیاوی اور دینی عظمتوں اور بزرگیوں کے جامع تھے اور عظمتیں اور بزرگیاں بھی اِس درجے کی کہ اُس کا پاسنگ بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ بااین ہمہ الفاظِ مفردہ میں اپنے نام رکھتے تھے جیسے علی۔ حسن۔ حسین وغیرہ۔ لیکن اب کیا حال ہو چاہے باوا نے نتھوا اور بُدھوا ہی نام کیوں نہ رکھا ہو۔ پہلا کام جو ہم میں سے ایک آدمی شد و بود حاصل کر لینے کے بعد کرنا چاہتا ہو یہ ہو کہ وہ اپنے نام کو شان دار بناتا ہو۔ ای کاش وہ اپنے تئیں لیاقت سے شان دار بنا لئے۔ وہ مفرد نام کو پسند نہیں کرتا۔ اور پھر ترکیب پر بھی قانع نہ ہو کر تیمناً نہیں بلکہ کبراً و نخوۃً اطالت نام کے لئے لفظ محمدؐ تو ضرور ہی اپنے نام کے ساتھ لگا لیتا ہو۔ اور اِس کے بعد مذہب یا وطن یا نسبت نسبی میں بہتیری گنجائش ہو۔ اچھے نام رکھنا تو بہت اچھی بات ہو مگر اُس داعئے کو دیکھنا چاہیئے۔ جس وجہ سے ناموں کو شان دار بنایا جاتا ہو۔ ہاں تو شاید افریقہ کا مذکور ہو کہ وہاں کسی ریاست کا بادشاہ اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اتفاق سے وہاں کسی سیاح انگریز کا گزر ہوا۔ مجھ سے جس شخص نے یہ حکایت نقل کی اُس نے مطلق سیاح کہا تھا انگریز کا لفظ میں نے اپنی

طرف سے بڑھا دیا ہی۔ اِس لیئے کہ اب یہ شوق جو ترقی تجارت بلکہ ملک گیری کی کلید ہی۔ خدا نے انگریزوں ہی کو دیا ہی کہ یہ لوگ اگر سیر و سیاحت نہیں بھی کر سکتے تو گھر بیٹھے جغرافیئے اور تاریخ کا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ تعلیم میں جغرافیئے اور تاریخ پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہی۔ رہے ہم گھر گھُسنے ہندوستانی۔ ہمارا تو حال یہ ہی کہ مَیں نے تو کسی طالب علم کو جغرافیئے اور تاریخ کا شایق نہ پایا۔ جس کو دیکھا روتے اور جھینکتے ہی دیکھا۔ اور مَیں دوسروں پر کیا الزام دوں کہ جغرافیہ اور تاریخ کے نام سے خود مجھ کو نفرت ہی۔ اِس سے کہ دو چار آدمی بہ ضرورت ولایت گئے اور بارسٹری کا ڈپلوما اور ولایتی بی بی لے آئے یا حج کی تقریب سے اگر مقلد ہوئے تو حرمین شریفین اور غیر مقلد ہوے تو غالباً صرف مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف ہو آئے اِس سے تو فریضۂ سیر و سیاحت ادا نہیں ہوتا۔ ہندو اگر ملک کے باہر نہیں جاتے تو وہ معذور ہیں کہ اُن کا مذہب اُن کو اجازت نہیں دیتا کہ کالے پانی سے عبور کریں اور عبور کرنے کے علاوہ دوسرے ملک میں وہ کھانے پینے کی احتیاط بھی باقی نہیں رکھ سکتے۔ مگر سر پیٹ لینے کی بات تو یہ ہے کہ جن کا مذہب مانع ترقی ہو وہ ترقی کریں۔ اور جن کا مذہب مانع ترقی ہونا کیسا ترقی کے لیئے اُلٹا متقاضی ہو وہ اُسی مذہب کا حیلہ بنا کر ترقی معکوس کریں۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ کیوں جی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ اور لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اور يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ یہ اور اِس طرح کی اور بہت آیتیں جن سے استشہاد کروں تو بات بڑھتی چلی جائے تقاضائے ترقی نہیں تو کیا ہی۔ اور ہندوؤں کا نام بھی مَیں نے اِس لیئے لیا کہ ہم اور وہ ملے جُلے ہوئے بستے ہیں شاید اُن کی حالت دیکھکر مسلمانوں

کے دلوں میں گدگدی پیدا ہو ورنہ قیود اور شرائط اور مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے اعتبار سے نصاریٰ کا مذہب تو سب سے گیا گزرا ہوا ہی اور پھر یہ لوگ معراج الکمال ترقی پر چڑھے چلے جارہے ہیں۔ ہندوؤں کا مذہب تو سمندر پار ہی جانے کی مناہی کرتا ہی ان کے یہاں تو جگہ سے ہلنے تک کی مناہی ہی۔ کیونکہ کل کے لیئے ذخیرہ کرنے ہی کی مناہی ہی اور فکرِ فردا انہیں تو یوں کہو کہ دنیا میں کوشش کوئی چیز نہیں۔ اٹلی میں گاری بالڈی ایک بڑا مشہور سپہ سالار ہو گزرا ہی۔ جس نے روم کو پوپ کی سلطنت سے آزاد کرایا سنہ ۱۸۷۰ء میں وہ فتحمند اپنی فوج لے کر روم میں داخل ہوا۔ برسا برس فوج کے اِس داخلے کی یادگار میں تمام ملک خوشیاں مناتا ہی۔ اب کے برس اُس تقریب میں گاری بالڈی کا ایک بُت بھی کھولے جانے کو تھا۔ اُس موقع پر اٹلی کے وزیرِ اعظم کرِسپی نے جو اسپیچ دی میں آپ صاحبوں کو انگریزی میں پڑھ کر سناتا ہوں اگر تلفظ میں غلطی کروں تو معاف فرمائیے کیونکہ میں نے انگریزی کسی سکول یا کالج میں نہیں پڑھی۔ اور نہ انگریزی سوسائٹی میں رہا۔ اور نہ ساری عمر خدا نے انگریزی کے ذریعے سے مجھ کو معاش دی۔ لیکن با ایں ہمہ میں جو کچھ بھی ہوں اور جیسا کچھ بھی ہوں ہی انگریزی ہی کی بدولت۔ ورنہ سیکڑوں عربی فارسی پڑھے ہوئے مجھ سے بہتر اِس مجمع میں موجود ہوں گے۔

(اس کے بعد لکچرار نے انگریزی عبارت پڑھی جس کا خلاصہ یہ ہی)

کرِسپی نے کہا کہ مذہب کو ملک داری اور ملک گیری سے کچھ سروکار ہی نہیں۔ عیسائی مذہب تو یہ چاہتا ہی کہ تارک الدنیا ہو کر کسی گرجا گھر کے کونے میں بیٹھے یادِ الٰہی کیا کرو انتہیٰ۔ با ایں ہمہ اہلِ یورپ عیسائیت کا بھی دم بھرتے ہیں اور ملک بھی فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دین داری ہم مسلمانوں ہی کے حصے میں آئی ہی کہ ملک گیری اور ملک داری کا کیا مذکور ہی۔ یہاں خانہ داری سے بھی ایمان میں فرق آجاتا ہی۔ ای تب تو مسلمان اپنی حالت کو درست نہیں کرتے۔ مجھ میں یہ ایک بڑا عیب ہی کہ ایک بات کو شروع کرتا ہوں اور کہتے کہتے کہیں

سے کہیں نکل جاتا ہوں اور وہ بات ناتمام رہ جاتی ہے۔ لیکن آپ سب صاحب ذرا صبر سے بیٹھے رہیں۔ جو جو باتیں ناتمام رہ گئی ہیں مجھ کو معلوم ہیں اور میں ان شاء اللہ سب کو پورا کرکے اور ایک کا ایک سے جوڑ لگا کر دکھا دوں گا۔ آخر میں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ افریقہ میں کسی ریاست کا بادشاہ حمق سے اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اتفاق سے کسی انگریز سیّاح کا وہاں گزر ہوا اور وہ انگریز تھا بڑا لائق۔ اور انگریز اکثر ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور لیاقت ایسا بیج نہیں کہ ضائع جائے۔ آخر کار وہ انگریز بادشاہ کا اتالیق اور مصاحب ہو گیا۔ تو یہ انگریز بادشاہ سے اپنے ملک کے حالات بیان کیا کرتا اور بادشاہ اُس کو افسانے کی طرح سنتا کیوں کہ اُس کو تو یقین ہی نہ تھا کہ اُس کے ملک کے سوا کوئی اَور ملک بھی ہے۔ جب اُس انگریز نے دیکھا کہ اِس پتھر میں جونک نہیں لگتی تو آخر اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ بادشاہ کو جغرافیوں اور نقشوں کی طرف متوجّہ کیا اور روے زمین کا ایک بڑا سا کرہ بنا کر اُس کے سامنے رکھ دیا اور بتایا کہ یہ پہاڑ ہیں اور سمندر ہیں۔ بادشاہ کو تو خبط تھا ہی کہ میں ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوں۔ چھوٹتے ہی پوچھا کہ ہمارا ملک کدھر ہے۔ انگریز نے ایک سوئی لے کر اُس کی ایک جگہ پر ٹیک دی کہ یہ ہوگا اور اتنا ہی ہوگا۔ سُنا ہے کہ اِس کے بعد سے وہ بادشاہ اپنے ملک کو بے حقیقت سمجھنے لگا تھا۔ لیکن کیا خاک سمجھنے لگا ہوگا۔ اُس نے عاجز آکر اُس انگریز کو اپنے یہاں سے اِس قصور پر نکلوا دیا کہ ایک دن اِس انگریز نے اَور تذکروں میں یہ بھی کہا تھا کہ جاڑے کے دنوں میں ہمارے یہاں پانی از خود جم جایا کرتا ہے بادشاہ نے کہا اب تم مجھ کو نرا احمق ہی بنانے لگے۔ اِس گستاخی کے بدلے میں جان سے تو تم کو کیا ماروں جاؤ پھر اپنا مُنہ نہ دکھانا۔ تو جس طرح افریقہ کا یہ بادشاہ یا رئیس دنیا کی وسعت سے بے خبر تھا۔ ہم مسلمان بھی اُسی کے قریب قریب انگریزوں کے اقتدار سے بے خبر ہیں۔ اور میرا اندیشہ یہ ہے کہ تمام دنیا میں انگریزی کا اثر پڑ رہا ہے اور ہندوستان میں تو انگریزی شرطِ تموّل اور شرطِ تعزز اب ہے کوئی دن جاتا ہے کہ وہ شرطِ زندگی ہوئی

جاتی ہی۔ اور انگریزی دانوں کا شمار اور خاصکر مسلمان انگریزی دانوں کا شمار اگر اس وقت
کم ہی مگر یہ کمی کے دن کی ہی۔ یہ گروہ اب بھی آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہی اور آیندہ بھی بڑھے گا
اور جلد جلد بڑھے گا۔ اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اس گروہ کے بڑھنے سے مسلمانوں
کی دنیاوی خوش حالی کو بہت کچھ ترقی ہوگی۔ مگر بحث اس میں یہ ہی کہ انگریزی مذہب اسلام
پر کیسا اثر ڈال رہی ہی۔ سو ظاہر ہی کہ اگر اسلام میں پہلے سے بہتر فرقے موجود تھے تو یہ
تہتروین صاحب اور تشریف لائے ہ

نقشہ ایک اور نے جمایا	پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا	

اب اگر اللھم زد فزد کہتا ہوں تو اختلاف بڑھتا ہی اور نہیں کہتا تو نیچری فرقے کے لوگ
ناخوش ہوتے ہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ میں ان لوگوں کے معتقدات کے بارے
میں برا یا بھلا ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالنا چاہتا۔ مگر ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جس طرح
انگریزی بڑھتی جاتی ہی۔ ورنہ ستانی بہ ستم می رسد۔ اسی کے ساتھ ساتھ نیچریانہ عقائد بھی بڑھتے
جاتے ہیں۔ اگرچہ پرانے فرقوں کے اختلاف بھی چٹکیاں لینے میں کمی نہیں کرتے تھے مگر بڑے
میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ نیچری تو ایسی مہین چٹکیاں لیتے ہیں جیسے کسی
بھڑنے کاٹا کہ آدمی بلبلا اٹھتا ہی۔ بھلا کیوں کر ہوسکتا تھا کہ قرآن کا ترجمہ کروں اور اس
گروہ کا خیال نہ کروں کہ ان کو تو فلسفہ کی عینک کے بدون قرآن کا ایک لفظ نہیں سوجھتا
اور پھر فلسفہ کی عینک لگا لینے سے ان کو وہ سوجھتا ہی جو ہم میں سے کسی کو نہیں سوجھتا۔
عینک پر ایک بات یاد آئی۔ کہ بندے کے ایک دوست تھے اور وہ ہمیشہ عینک لگائے رہتے
تھے۔ مگر کس طرح کہ معمول کے مطابق کمانیاں کنپٹیوں میں اڑا کر عینک کو اونچا کر لیتے
کہ تالیں پیشانی پر رہتیں۔ چند روز تک تو مجھ کو خیال ہوا کہ اس وضع خاص سے عینک کا
لگانا اتفاقی بات ہی مگر میں نے ہمیشہ ان کو اسی وضع سے عینک لگائے دیکھا یہاں تک کہ
لکھنے پڑھنے میں بھی۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ عینک تو ہمیشہ لگائے رہتے ہیں مگر عینک

سے کبھی کام لیتے ہیں نے آپ کو نہیں دیکھا تو فرمایا کہ میں عینک سے بس یہی کام لیتا ہوں
کہ اس کو اس طرح پر لگائے رہتا ہوں اس سے ذرا صورت رعب دار ہو جاتی ہے۔
اے کاش ہمارے انگریزی داں بھائی اسی طرح پر فلسفہ کی عینک لگائے رہیں۔ اور اس سے
کام نہ لیں۔ خاص کر قرآن پڑھتے وقت کہ میرے خیال میں فلسفہ کی عینک سے قرآن
کے حرف بجائے صاف دکھائی دینے کے اور دھندلے دھندلے دکھائی دینے لگتے ہیں[۹]

ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ برآئے — جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے

غرض میں نے قرآن کا ترجمہ کیا تو ایک طرف متعارف مسلمانوں کا خیال اور دوسری طرف
اُن مسلمانوں کا جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی ہے یا جو آیندہ چار و نا چار انگریزی پڑھیں گے
اور دونوں طرف کا خیال کر کے جیسا میں نے پہلے کہا تھا اپنے ترجمے کی نسبت یہ فیصلہ کیا کہ
میری زندگی میں تو یہ از ایں سو راندہ وزاں سو درماندہ ہی رہے گا۔ انگریزی داں تو اُس کو
اس توقع سے لیں گے کہ مترجم معلوم ہے کہ تھوڑی سی انگریزی بھی جانتا ہے اور کبھی کبھی تو
ایسی اُردو بولتا ہے کہ فعل اُردو ہوتا ہے تو فاعل انگریزی یا مبتدا انگریزی ہوتا ہے تو خبر اُردو
اور لوگوں کے دکھانے کو نیچریوں پر مُنہ بھی آتا ہے مگر کُلُّ اِنَاءٍ بِالَّذِیْ فِیْہِ یَتَنَضَّحُ نیچریت
ہے کہ اس کے کلام سے ٹپکی پڑتی ہے۔ اس نے ترجمہ کیا ہو گا تو کہاں تک فلسفہ کی رعایت
نہ کی ہو گی۔ مگر ترجمہ پڑھ کر دیکھیں گے تو پائیں گے وہی آسمان وہی فرشتے وہی جنّات وہی
دوزخ وہی بہشت وہی خلافِ عقل عیسیٰؑ کا بے باپ کے پیدا ہونا وہی موسیٰؑ کی عصا کا
اژدہا بننا پتھر کی چٹان سے پانی کے سوتے بہانا بہتے سمندر کو روکنا پھاڑنا۔ ایک سے ایک
اَن ہونی ایک سے ایک عجیب۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ میرا ترجمہ دیکھ کر کیا کہیں گے۔ وہی
کہیں گے جو قومِ ثمود نے صالحؑ سے کہا تھا یَا صَالِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَا۔ یہ لوگ
شاید دیکھے پیچھے یہ حکم لگائیں گے۔ رہے متعارف مسلمان وہ تو غالباً سرے سے آنکھ اُٹھا کر
دیکھنے ہی کے نہیں۔ اور کیوں دیکھیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اُردو میں نازل ہوتا تو

مولوی شاہ عبدالقادرؒ کا موضح القرآن ہوتا۔ تو اب فرماؤ میرا ترجمہ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ ہوا یا نہیں۔ بااین ہمہ میں خدا کے بھروسے پر تکیہ کرکے کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ میری زندگی میں ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ رہے تو رہے۔ مگر ان شاء اللہ چودھویں صدی بلکہ پندرھویں صدی کی ایک حد تک یہی ترجمہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا۔ نیچری مسلمان ہوں تو اور متعارف پرانی فیشن کے مسلمان ہوں تو۔ کچھ خیال ہو کہ میں نے لکچر کیوں کر شروع کیا تھا۔ شروع کیا تھا اس طرح پر کہ میں نے پہلے قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اس کے ترجمے کی بھی نوبت نہ آئی کہ بات سے بات نکلتے نکلتے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ اچھا تو اب ترجمہ سنو۔ اور ہم نے نوح کو اُن کی اُمت کے لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا اور وہ پچاس برس کم ہزار برس اُن میں رہے (اور اتنی مدت سمجھانے سے بھی رستے پر نہ آئے) تو اُن کو طوفان نے آ لیا اور ان ہی کی زیادتی تھی۔ پھر ہم نے نوح کو اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے طوفان سے نجات دی اور اس واقعے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک واقعۂ عبرت بنا دیا۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں اور ایک سیدھا مسلمان آسانی سے ان کو سمجھ لیتا ہے۔ قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں کہ گزشتہ واقعات کی یادداشت قلم بند کرنے کے لئے لکھی گئی ہو۔ قرآن کی غرض و غایت ہے لوگوں کے معتقدات اور اخلاق اور معاملات کی اصلاح اور جہاں کہیں اُس میں واقعات گزشتہ کا بیان ہے وہ بھی اسی غرض سے ہے کہ لوگ دوسروں کے حالات سن کر متنبہ ہوں عبرت پکڑیں۔ اپنا چال چلن درست کریں۔ چنانچہ ایک سیدھا مسلمان نوحؑ کے اس قصہ سے اتنا ہی مطلب اخذ کرتا ہے کہ نوحؑ ایک پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ دوسرے پیغمبروں کی طرح اُنھوں نے بھی اپنی اُمت کو خداشناسی اور خداپرستی کی تلقین کی۔ باوجودے کہ نوحؑ ان کو ساڑھے نو سو (۹۵۰) برس تک

وعظ و نصیحت کرتے رہے اِن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور آخر کار طوفان آیا اور نوحؑ اور معدودے چند مسلمان جن کو اُنھوں نے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا وہ تو بچے باقی سب غرق ہو گئے۔ وہ یہ قصہ سُنتا تو ہی مگر اُس کی نظر اصل مطلب پر ہی کہ مجھ کو خدا شناس اور خدا پرست ہونا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو میں بھی خدا کے غضب میں آ جاؤں۔ لیکن اب ایسا وقت آیا ہی کہ لوگ ایسی سادہ دلی کے ساتھ قرآن کو سُننا نہیں چاہتے۔ جس طرح بلا تشبیہ وکیل اور بارسٹر پینل کوڈ کے لفظ لفظ پر حجتیں کرتے ہیں۔ اِسی طرح لوگ قرآن میں بال کی کھال نکالنا چاہتے ہیں۔ ایک آیت اور بیسیوں جھگڑے۔ اب یہ نوحؑ کا مختصر سا قصہ ہی مگر یہ لوگ سیدھی طبیعت کے ہوں تو سیدھے مسلمانوں کی طرح ارادت اور عقیدت سے سُنیں۔ اُنھوں نے تو قرآن کو معاذ اللہ شطرنج کی بساط قرار دیا ہی اور اُس میں بُرد و مات کے نقشے سوچتے ہیں اور فی زعمہم خوش ہیں کہ ہم اجتہادی مسلمان اور استدلالی دین دار ہیں اور اگر انصاف کے ساتھ اپنے نفس کا احتساب کریں تو سمجھیں کہ دین سے بمنازل دور ہیں یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ دین و مذہب کے اعتبار سے طبیعت کی یہ اُفتاد بہت ہی بُری اُفتاد ہی۔ مگر کیا کیا جائے۔ خدا کسی مصلحت سے اب ایسی ہی طبیعتیں پیدا کرتا ہی۔ اب میں بتاؤں کہ ایسی کُرنزی طبیعتوں کے لوگ نوحؑ کے اِس مختصر قصے کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ وہ پوچھیں گے کہ نوحؑ کس کے بیٹے کس کے پوتے کس کے پڑوتے تھے۔ یعنی ان کا نسب نامہ آدمؑ تک نہیں بلکہ اجزائے صغار دی مقراطیسی تک کا کیسا ہی۔ کس ملک میں تھے اور کس زمانے میں تھے۔ پھر خدا جو کہتا ہی کہ ہم نے اُن کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پیغمبری ہی کیا چیز۔ اور پیغمبر کی ضرورت کبھی تھی بھی یا نہیں۔ اور خدا نے اُن کو بھیجا تو کیوں کر بھیجا۔ خود اُن کو اپنے روبرو بُلا کر حکم دیا یا نوحؑ کو خواب ہوا۔ روبرو بُلا کر حکم دیا ہو تو لازم آتا ہی کہ خدا متحیّز اور متجسّم اور متشکّل ہوا اور خواب ہوا تو وہ نوحؑ کا اپنا خیال ہوا۔ پھر الٰہی تو مینہ صاف دلالت کر رہا ہی کہ

نوحؑ کی خاص اُمت تھی اُن ہی لوگوں نے نافرمانی کی اور اُنہیں پر عذاب آیا ہوگا۔ حالاں کہ عام خیال یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ میں ساری دنیا غرقاب ہوگئی تھی۔ اور پھر خداشناسی اور خداپرستی کو طوفان سے تعلق کیا۔ طوفان آیا ہوگا تو آکسیجن اور ہائڈروجن کے پرورش میں کسی وجہ سے فرق آیا ہوگا۔ پھر جب تک جیالوجی اور فزیالوجی سے طوفان کی تصدیق نہ ہو کوئی سائنٹفک مَین[۱] تو اس کو باور کرنے کا نہیں۔ اور نوحؑ اور اُن کے رفقا کشتی میں بچ بھی گئے تو اس میں نوحؑ نے کمال ہی کیا کیا۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ نوحؑ نے سب سے پہلے کشتی ایجاد کی تو کشتی کا ایجاد کرنا نہ معجزہ ہو اور نہ اس ایجاد کی بنا پر نوحؑ پیغمبری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ پھر اَور سب باتیں تو تحقیق طلب ہیں اور تحقیق کیے پیچھے جیسا کچھ نتیجہ نکلے مگر اس ساڑھے نوسو برس کی عمر کو کوئی کیسے مان سکتا ہو۔ پُرانے کھنڈروں کے کھودنے سے کبھی کی گڑی دبی لاشیں برآمد ہوئی ہیں اور بڑی مشکل سے اُن کا پتہ لگایا گیا ہو اور یہ بات حدِ یقین کو پہنچ گئی ہو کہ ہمیشہ سے آدمی کا یہی قد و قامت رہا ہو اور یہی اوسطِ عمر۔ اور جس طرح لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ کوئی عوج[۲] بن عوق تھا اور سمندر اُس کے ٹخنوں تک آتا تھا اور وہ ہاتھ نیچا کرکے سمندر کی تہ سے مچھلیاں نکالتا اور آفتاب سے بھون بھون کر کھاتا اور باوجودے کہ موسیٰؑ کا قد ستّر گز کا تھا اور ستّر ہی گز کا اُن کا نیزہ اور ستّر ہی گز اُچھلے اِس پر بھی وہ عوج کے ٹخنے تک پہنچے۔ یا جس طرح جدّے میں باوا آدم کا بڑا لمبا مزار بنا ہو اور اُس پر اُن کی درازیِ قد کو قیاس کیا جاتا ہو۔ غرض جس طرح یہ ڈھکوسلے لوگوں میں مشہور ہوگئے ہیں اسی طرح اگلے لوگوں کی عمر کے بارے میں بھی غلط روایتیں اور بے اصل حکایتیں چل پڑی ہیں۔ جن کو کوئی سائنٹفک مَین ایک لمحہ کے لیئے بھی تو یقین نہیں کر سکتا۔ تو ہو نہ ہو قرآن میں برس سے یہ متعارف برس مُراد نہیں ہوگا۔ عجب نہیں نوحؑ کے وقت میں ششماہی

[۱] وہ شخص جو ہر بات میں سائنس کی تقلید کرتا ہو۔ [۲] عوج بن عنق جو مشہور ہے غلط ہے ۱۲

یا سہ ماہی یا کسی اَور وقت خاص پر برس کا اطلاق ہوتا ہو۔ یہ تو میں نے تھوڑے سے احتمالات نمونے کے طور پر بیان کیے ورنہ جو جو اور جیسی جیسی باتیں ان شکّیوں کو سوجھتی ہوں گی ہمارا تو ذہن بھی اُن کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور خدا نہ کرے کہ منتقل ہو۔ ہم تو مذہبی باتوں میں بھولے اور سادہ لوح ہی بھلے۔ آج کل کے کریزی طبیعت اور شکّی مزاج کے لوگ یعنی انگریزی داں جس کاوش کے ساتھ قرآن کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ میری آج کی بات خوب مضبوطی کے ساتھ پلّے باندھ لیں کہ وہ وَضعُ الشَّیْءِ فِی غَیرِ مَحَلِّہٖ کرتے ہیں اور اُنہوں نے بالکل غلط رستہ اختیار کیا ہے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ ای اعرابی	کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

مذہب اور سیانپت میں بڑا بیر ہے۔ سیانا آدمی اپنی عقل پر بھروسا کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مَیں بھی کچھ بلکہ سب کچھ ہوں اور مذہب کہتا ہے کہ مَیں کے گلے پر چھری۔ یہاں چاہیے عاجزی اور مسکنت۔ لیکن مشکل ہے کہ مخالف آوازیں سنیں اور دل میں اُن کو جگہ نہ دیں اور مشکل ہے کہ عقل رکھیں اور اُس سے کام نہ لیں اور مشکل ہے کہ عقل سے کام لیں اور اُن کو مذہب کی طرف سے شکوک واقع نہ ہوں اور مشکل ہے کہ شک بھی واقع ہوں اور صاف دل اسلام پر بھی جمے رہیں۔ اچھا پھر یہ لوگ مبتذل بازاری کودن کندۂ ناتراش تو نہیں کہ ان کی کچھ پروا نہ کی جائے۔ مسلمانوں نے تو کوٹ پتلون ترکی ٹوپی بوٹ چھری کانٹے میز کرسی یعنی بات بات پر ان کو برادری سے بہتیرا خارج کرنا چاہا۔ لیکن یہ لوگ عملداری کا تقاضا وقت کا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مفید اور بکار آمد معلومات اور لیاقت کا بل رکھتے تھے یہ بھلا کیا نکلنے والے تھے یہی غنیمت سمجھو کہ اُنہوں نے ہم کو نہیں نکالا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دینا تھا یا ان کی روک تھام کرنی ضرور تھی۔ اگر ان کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دیا ہوتا تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان میں کے اکثر کبھی کے عیسائی ہو گئے ہوتے کیوں کہ جس کے کان اسلام کی بھنک پڑی ہے اور اُس کے سر میں عقل اور دل میں انصاف

بھی ہو وہ عیسائی تو کیوں ہونے لگا تھا۔ اگر کسی کی عقل ایسی ہی ماری پڑی ہو اور وہ دنیاوی اغراض سے نہیں بلکہ مذہبی تقاضے سے ترکِ اسلام کرتا ہو تو دنیا میں کوئی سا مذہب بھی اُس کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ یعنی مسلمان جو اسلام سے بھاگا بس سمجھ لو کہ وہ نہ عیسائی ہوگا نہ یہودی نہ کچھ نہ کچھ۔ وہ ہوگا تو ملحد اور دہریہ ہوگا اور بس۔ غرض انگریزی داں مسلمانوں کی اگر روک تھام نہ کی گئی ہوتی تو ظنِ غالب تھا کہ وہ کبھی کے ملحد اور دہریئے ہو گئے ہوتے۔ اور ملحد اور دہریئے ہو گئے ہوتے تو عیسائیت یا یہودیت یا کسی اور مذہب سے اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ اِن دہریوں سے پہنچتا ہے۔ اچھا تو میں پوچھتا ہوں کہ اِن کی روک تھام کس نے کی۔ بے شک فلسفیانہ خیالات کی وبا نے مرضِ متعدی کی طرح یونان سے پھیل کر مسلمانوں میں بھی سرایت کی تھی اور اُن وقتوں کے اطبائے روحانی یعنی علما نے اِس مرض کی جیسی چاہیئے روک کی بھی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ استیصال کلّی کر دیا تھا مگر جس طرح امراضِ جسمانی کا دورہ ہوا کرتا ہے اِسی طرح امراضِ روحانی یعنی خیالاتِ فاسد کا بھی دورہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اب پھر اُن ہی فلسفیانہ خیالات نے بڑے شدومد کے ساتھ عود کیا ہے۔ اور علمِ کلام کی کتابوں میں اِن کی تردید بھی موجود ہے۔ مگر ایک تو خیالات کی شان بدلی ہوئی ہے۔ دوسرے علمِ کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی انگریزی خوانوں کو فرصت نہیں۔ یعنی مرض بڑھتا جاتا تھا اور دوا کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔ سید احمد خاں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے احسان کیئے ہیں مثلاً ان کا ایک علی گڈھ محمڈن کالج ہی ہے کہ ہزاروں احسان ایک طرف اور وہ اکیلا ایک طرف۔ مگر میں باوجودے کہ سر سید کے بعض مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتا ہوں تاہم اِن کے کالج سے اِن کے مذہبی رفارم کی زیادہ عزت کرتا ہوں اِس لیئے کہ اگر یہ تعلیم انگریزی کے ساتھ ساتھ مذہبی رفارم کو نہ لے چلے ہوتے تو انگریزی تعلیم مسلمانوں میں اتنا رواج ہی کیوں پاتی اور پاتی بھی تو ڈھمل یقین مسلمانوں سے

اسلام ہی کو کون سے بھاگ لگ جاتے۔ اب جو علی گڈھ کالج کے لڑکے (میں نے ان کو لڑکے کہا تو غلطی کی عمر کے اعتبار سے تو یہ ضرور لڑکے ہیں مگر مفید اور بکار آمد معلومات کے اعتبار سے یہ ہم جیسے بڈھوں کے کان کترنے کو موجود ہیں ع گوسالہ ما پیر شد و گاو نشد

غرض اب جو علی گڈھ کالج کے لڑکے مذہبی رفارم اور انگریزی تعلیم کی دوہری دوہری جنتریوں میں سے ہو کر نکلتے ہیں تو اعمالِ ظاہر کے لحاظ سے پُرانی فیشن کے مسلمانوں کو ان کے دین و مذہب کی طرف سے کیسی ہی بدگمانی کیوں نہ ہو مگر اسلامی حمیت اور قومی ہمدردی کہ یہی پکّے مسلمان کی شناخت ہی ان کی عشر عشیر تو کسی میں ہو لے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہی کہ علی گڈھ کالج میں سید احمد خانی عقائد کی تعلیم نہیں دی جاتی اور طلبہ سرسید کی مصنفات دیکھنے نہیں پاتے یہ بھی اپنی جگہ سچ ہی اور بالکل سچ ہی کیوں کہ واقع میں سرسید کی کوئی کتاب داخلِ درس نہیں اور کیسے داخلِ درس ہو سکتی ہی جب کہ مذہبی کورس تجویز کرتی ہی مستند اور مسلّم دین دار عالموں کی کمیٹی۔ لیکن غالب کے کیا برمحل دو شعر یاد آئے ہیں جو بالکل مناسب مقام ہیں ؎

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی	یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں کے کیوں	ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

سید احمد خاں اپنی ساری مصنفات کو لے کر جلا دیں اور آگے کو مذہب کے متعلق لکھنے سے توبہ کریں تو بھی تو یہ خیالات بند نہیں ہو سکتے کہ خود بخود در و دیوار سے اس طرح کی آوازیں نکلی چلی آتی ہیں۔ بیچارے سید احمد خاں کیا کریں اور کوئی کیا کر سکتا ہی۔ ہاں یوں کہو کہ مذہب کے اعتبار سے ایسے پُر آشوب زمانے میں پیدا ہونا ہی ٹھیک نہیں۔ بہر کیف علی گڈھ کالج کے طالب العلموں کے عقائد کی نسبت جو کچھ بھی سمجھو اسلامی حمیت اور قومی ہمدردی کہ یہی پکّے مسلمان کی شناخت ہے ان کے عشر عشیر تو کسی میں ہو لے رہے اعمالِ ظاہر تو ایسا کون سا فردِ بشر ہی جس سے کوتاہی نہیں ہوتی قطعہ

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش ورنہ سزاوارِ خداوندیش	عذر بہ درگاہِ خدا آورد کس نہ تواند کہ بجا آورد

اور یہی تو وجہ تھی کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو اُس کا عمل جنّت میں نہیں لے جائے گا۔ اِس پر لوگوں نے پوچھا بھی کہ یا حضرت کیا آپ کے اعمال کا بھی یہی حال ہے۔ فرمایا کہ ہاں مجھ کو بھی میرے عمل جنّت میں نہیں لے جائیں گے میں بھی جنّت میں جاؤں گا تو خدا ہی کی رحمت سے جاؤں گا۔ اچھّا تو وہ بات پھر رہ گئی کہ میں نے جو لکچر کو وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلیٰ قَوْمِہٖ سے شروع کیا تو کیوں۔ بات یہ ہے کہ میں اکثر لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم بھی پڑھا کرتا ہوں۔ آج کے لکچر کے لیئے بھی عَلیٰ وَفْقِ الْعَادَۃِ چند شعر کہہ کر لایا تھا اور اتفاق سے پہلے ہی شعر میں نوحؑ کا نام آگیا تھا۔ اس مناسبت سے میں نے وہ آیت پڑھی تھی۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ میں تمہید ہی میں رہ جاؤں گا اور مطلعِ لکچر اُس کا مقطع ہو جائے گا۔ ہر کیف بطرلیث[ط۱] دیں لو وہ نظم یہ تھی:۔

بچایا ڈوبنے سے کشتیِ دینِ محمدؐ کو	الٰہی نوحؑ کی سی عمر دے سرسید احمد کو
مگر میں پورے ساڑھے نو سو شمسی سال گن لوں گا	کہ کوئی نیچری کچھ کم نہ کردے وقت[ط۲] ہمّت کو
ہمیں احسان شناسی شکر پر مجبور کرتی ہے	وگرنہ ہم کمینہ پن سمجھتے ہیں خوشامد کو
تعصّب ہی ترقّی میں مسلمانوں کی محتاج تھا	جزاک اللہ کس خوبی سے سرکایا ہے اس[ط۳] سد کو
کسی ڈھب سے انہیں تعلیم کے رستہ پہ لا ڈالا	اگر اب بھی نہ سمجھیں یہ تو روئیں قسمتِ بد کو
کیا تھا پاک اِس کے جدِّ امجد نے سُنا ہو گا	بتوں کی گندگی سے خانۂ کعبہ کے معبد کو
سو اس نے بھی دلوں سے دھو دیا اوہامِ باطل کو	کہ اس کا فرض تھا پھر زندہ کرنا سنّتِ جد کو
مسلمانوں نے آپ اسلام کو ایسا بگاڑا تھا	کہ ہم اس کی بدولت آخر آپہنچے ہیں اس حد کو

ط۱ دیر آید درست آید۔ ۱۲ ط۲ دراز۔ ۱۲ ط۳ روکنا۔ ۱۲

کہ ہم کو آج دنیا میں ہی وہ رُسوائی و ذِلّت — جو ہونی چاہیئے انجام میں کافر کو مرتد کو
جو عالم تھے اُنہوں نے صرف دستارِ فضیلت کی — بنا کر دھجیاں اُس پاک پیغمبر کی مسند کو
عوام الناس فہم رازِ دیں سے عاجز و قاصر — لیئے بیٹھے تھے رسم و راہ و تقلیدِ شُد آمد کو
خدا ہی جانے کیا اسلام کو لوگوں نے سمجھا تھا — چلے آتے تھے سب تکذیب کو ابطال کو رد کو
اِدھر سائنس کا پتھراؤ کہتا تھا کوئی دم میں — کیئے دیتا ہوں چکنا چور اِس شیشے کے گنبد کو
سو اِس نے اپنے زورِ عقل سے وہ پائداری دی — کہ اب جنبش نہیں تا حشر اِس قصرِ مشید کو
خدا کی شان وہ اب بیچلر[91] اف آرٹ ہوتے ہیں — جو کفر و زندقہ کہتے تھے انگریزی کی ابجد کو
بہت سنتے رہے ہو جذر اسلامی سمندر کے — اب آگے دیکھنا طغیانِ جوش و شورش و مد کو
یہ کنکوّے ہیں اِن میں قوّتِ پرواز خلقی ہی — انہیں تعلیم کی دریائی پہنچائے گی فرقد کو
عزیزو یہ عمل داری بڑی رحمت خدا کی ہی — غنیمت بس غنیمت جانو اُس کے فضل بے حد کو
نہ کچھ تخصیص مذہب کی نہ کچھ تعیّن ملت کی — جو اسود[92] کو وہ ابیض[93] کو جو ابیض کو وہ اسود کو
بہ اطمینان اسبابِ ترقی جمع ہیں سارے — اگر تم کام میں لاؤ طالب کو جہد کو جد کو
علی گڈھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہی ترقی کی — ہمارے ساتھ ہو لو جلد تر پہنچو گے مقصد کو
بچو تنگی سے حتی الوسع وقتِ نامساعد کی — اُٹھایا ہی کسی نے یا اُٹھا سکتا ہی اِس زد کو
اب آزادی نے اپنا سکّہ عالم میں بٹھایا ہی — نکالو مطلقاً فرہنگ سے لفظِ مقیّد کو
کسی کی بات بھی مانا کرو ضد کی بھی اک حد ہی — خدارا چھوڑ دو اِس جاہلانہ کاوش و کد کو
اگر اب بھی نہ تم نے قدر و قیمت وقت کی جانی — تو بس پتھر پہ کھُدوا رکھنا اِس قولِ موکّد کو
کہ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے بالآخر — پکڑ پاؤ گے کیا تم ناتواں اِس جوشِ صد کو
بس اپنی شاعری موقوف کر بر خود غلط مت ہو — اگرچہ روکنا مشکل ہی مضمونوں کی آمد کو
کہیں اِس شاعری کے خبط میں عادت نہ کر لینا — خلافِ وضع و صفِ خط و خال و عارض و خد کو

[91] بی-اے کی ڈگری ۱۲ [92] کالے ۱۲ [93] گورے ۱۲

خیر اُلٹا سیدھا لکچر تو تمام ہو گیا مگر کانفرنس کے متعلق میں نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا اس واسطے کہ مسلمانوں کے دار العلوم علی گڈھ کالج میں ہماری قومی بدنصیبی سے ایک بڑا رخنہ واقع ہو گیا ہے۔ اس رخنے سے میری مُراد وہ بڑا بھاری غبن ہے جو کالج کی رقموں میں ایک ہندو کلرک کی بددیانتی اور بدنیتی سے ہوا اور جس کی کیفیت آپ سب صاحبوں کے گوش زد ہوئی ہوگی۔ علی گڈھ کالج ہماری قومی رفاہ اور فلاح کی شاہ نہر ہے اور کانفرنس یا الفرض یا اخوان الصفا یا لجنۃ الادب یا کالج میگزین یا تہذیب الاخلاق یا علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ یہ اُسی شاہ نہر کے رجبہے ہیں۔ شاہ نہر میں پانی کی کمی ہوتی ہے تو رجبہوں میں خاک اُڑنے لگتی ہے۔ اس سے میں نے خیال کیا تھا کہ شاید امسال کانفرنس جمع نہ ہو۔ کیونکہ جتنی چیزیں کالج پر متفرع اور کالج سے متعلق ہیں۔ ان سب کا فرض منصبی اس وقت یہ ہونا چاہیئے کہ پہلے کالج کے نقصان کو پورا کریں پھر بات سو بات۔ لیکن شاہ جہاں پور کے اس کانفرنس نے یہ ثابت کر دیا کہ گو مسلمانوں سے سلطنت گئی حکومت گئی دولت گئی عزت گئی خوش حالی گئی لیکن ان کی راکھ میں ابھی کچھ چنگاریاں ہیں ؎

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں	لیکن اے درد دل سے تو نہ گیا

اگر شاہ جہاں پور کے لوگ ہماری یعنی قوم کی یعنی قومی کالج کی امداد پر دل سے آمادہ ہوں اور اس کانفرنس کے جمع ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آمادہ ہیں۔ تو ہم کالج کے نقصان کی اتنی بھی تو پروا نہ کریں جتنی مسجد میں ایک مٹی کے بدھنے کے ٹوٹ جانے کی۔ بے شک کالج کو بڑا اور بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ لوگ کالج کی نسبت جو کچھ خیال کرتے ہوں وہ قومی ضرورتوں کے لحاظ سے بالکل ابتدائی اور ناتمامی کی حالت میں ہے اور سالہا سال کی محنت اور مشقت سے اب اُس نے کچھ صورت پکڑی تھی کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ اس نقصان سے کالج کی وہ مثل ہوئی ہے کہ رحمان جوڑے پلی پلی اور

شیطان لڑھائے کُپّا - اِس نقصان کو سُن کر میرا تو دل بیٹھ گیا تھا - مگر جب شاہ جہاں پور میں کانفرنس کا ہونا سُنا تو میرے دم میں دم آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ الحمد للہ

خدا گر بہ حکمت بہ بندد درے		کشاید بہ فضل و کرم دیگرے	

میں شاہ جہاں پور کے لوگوں کے حالات سے بہت کم واقف ہوں - لیکن جب سے مجھے خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا مجھ کو اہلِ شاہ جہاں پور کے ساتھ ایک طرح کی ارادت ہو گئی ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد		بسا کیں دولت از گفتار خیزد	

وَلِلنَّاسِ فِي مَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ بلکہ مجھ کو تعجب ہوا کرتا تھا کہ جس با برکت مٹی سے برکت علی خاں کا وجود باجود پیدا ہو قومی کام وہاں کے صاحبوں کی شرکت اور ہمدردی اور سرپرستی سے کیوں محروم ہیں - اب معلوم ہوا کہ یہ برکت اِس دن کے لیئے مرہون تھی کہ کالج کو ایک نقصان پہنچنے والا تھا وہ پہنچ لے اور شاہ جہاں پور کے بزرگوں کو اِس کی تلافی کا موقع دیا جائے - میں شاہ جہاں پور کے لوگوں کے حالات نہیں بھی جانتا تاہم اتنا مجھ کو پہلے سے تحقیق معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سپاہی منش ہیں اور سپاہی منش ہیں تو جرائت اور حمیت اور سیر چشمی ان کے خمیر میں ہے - عرب کے حالات دیوانِ حماسہ وغیرہ علمِ ادب کی کتابوں میں پڑھتا ہوں اور پاتا ہوں کہ وہ لوگ ان تمام صفتوں سے متصف تھے - اِس لیئے کہ سپاہی تھے - نوکری کے زمانے میں مجھ کو ایسے شہروں میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا ہے جہاں انگریزی فوج کی چھاؤنی تھی اور میں چاہتا تو فوجی افسروں سے بھی معرفت پیدا کر لیتا مگر ہمیشہ طبیعت ایسے لوگوں سے گریز ہی کرتی رہی اِس خیال سے کہ یہ لوگ سپاہی ہیں تو ضرور اکھڑ اور درشت خو اور بد خلق ہوں گے - لیکن بعد کو مجھے اُن لوگوں سے جن کو ہر طرح کے انگریزوں سے واسطہ پڑا ہی تحقیق ہوا کہ فوجی افسر اکثر شریف اور ملنسار اور بے تکلف اور نفع رساں ہوتے ہیں کہ سولین

لوگوں پر اُن کی چھینٹ بھی نہیں پڑی - علم اخلاق کی کتابوں میں لکھا ہو کہ شجاعت اور سخاوت لازم و ملزوم ہیں اور واقع میں جو شخص جان جیسی عزیز چیز کے خرچ کر دینے میں مضائقہ نہ کرے کہ اسی کا نام شجاعت ہو وہ مال کی جو ہاتھ کا میل ہو کیوں پروا کرنے لگا پٹھانوں نے بہادری میں اپنا ایسا سکّہ بٹھایا ہو کہ پٹھان کا لفظ التزاماً سپہ گری پر دلالت کرتا ہو اور سپہ گری ایسا شریف پیشہ ہو جو دنیا میں ہمیشہ معزز رہا ہو اور ہمیشہ معزز رہے گا۔ اس واسطے کہ دنیا ہمیشہ سلطنت کی محکوم رہی ہو اور سلطنت سپاہیوں کی لونڈی اَلْمُلْکُ لِلسَّیْف ۱۸۵۷ء کے غدر میں یہ باغی پوربیئے کسی کی سنتے سناتے تو تھے نہیں دلّی شہر میں ایک دُند مچا رکھی تھی - اہل شہر نے بادشاہ سے جا فریاد کی - بادشاہ نے بلوایا تو چوب داران شاہی سے کہتے کیا ہیں " کون بادسا جا پے مور پنہی دھر دیب تو لے بادسا ہو ئیے" [1] بات تو گستاخی کی تھی مگر جیسے سپاہیوں کی وردی پہنے تھے ویسے ہی سپاہیوں کے سے کام بھی کرتے تو تھی سچّی - بہر کیف پیشہ سپہ گری دنیا میں ہمیشہ معزز رہا ہو اور ہمیشہ معزز رہے گا - شاعری اور سپہ گری سے کیا مناسبت دونوں میں بزم و رزم کا تقابل اور شاعر جیسے خود پسند ہوتے ہیں معلوم - مگر سپہ گری کو وہ بھی تو ذریعۂ عزت مانتے آئے ہیں - اسد اللہ خاں غالب اور شیخ ابراہیم ذوق دونوں ہم عصر تھے - اور ہم پیشگی کی وجہ سے دونوں میں ایک طرح کی چشمک بھی رہا کرتی تھی - غالب کے مقابلے میں ذوق کو یہ بڑی مزیت تھی کہ بادشاہ کے اُستاد تھے اور غالب اپنے زورِ طبیعت کے آگے بادشاہ اور اُستادِ بادشاہ کسی کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے - مرزا جواں بخت کی شادی میں بادشاہ نے شاعروں سے سہروں کی فرمائش کی - اسد اللہ خان غالب نے جو سہرا کہا تو اُس کا مقطع یہ تھا ؎

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سُنا دے اُس کو		دیکھ اِس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

بادشاہ نے اِس کو سمجھا کہ اُستاد ذوق پر چوٹ کی - ناراض ہو گئے - غالب کا دربار میں

[1] کون بادشاہ جس پر میں اپنی جوتی دھر دوں گا وہی بادشاہ ہو جائے گا - ۱۲

کر دیا اور دربار کے ساتھ تنخواہ بھی - غالب کے گھر میں تو چوہے کلابازیاں کھانے لگے مجبور ہو کر نظم میں معذرت نامہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

منظور ہی گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

سَو پشت سے ہی پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر
جانا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہی سخن گسترانہ بات
منظور اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہی شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہی شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

مجھ کو اس قطعے کے دوسرے شعر سے استشہاد کرنا تھا کہ غالب شاعرِ یکتا سے روزگار ہو کر اپنے پیشۂ آبائی سپہ گری پر فخر کرتا ہی - انگریزی عملداری امن کی عملداری ہی یعنی اس میں شاذ و نادر لڑائی کی ضرورت واقع ہوتی ہی اس پر بھی میں نے درباروں میں یہی دیکھا ہی کہ سویلینز کے مقابلے میں ملٹری آفیسرز کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہی اس واسطے کہ ان کا پیشہ سپہ گری معزز ہی - ای اہلِ شاہجہان پور ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہی کہ تم ذات کے پٹھان اور موروثی اور پیدائشی سپاہی ہو - اور یہ تمہارا ہی طفیل ہی کہ عموماً تمام مسلمانوں کو گو وہ پتلی دال کے کھانے والے شیخ ہی کیوں نہ ہوں - بنیوں اور بنگالیوں کی طرح گیگلا اور پھُسپھُسا اور بودا نہیں سمجھا جاتا - تم کو ایک مدت دراز سے اپنی ذاتی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملتا - لیکن گاؤزدری ہی تو بہادری کے ظاہر کرنے کا ایک متعین ذریعہ نہیں ہی - کچھ تم کو خبر بھی ہی کہ تمہاری قوم پر یعنی سب مسلمانوں پر اور خاص کر تم پر ایک غنیم چڑھ آیا ہی اور وہ مال اور آبرو اور عزت کا خواہاں ہی تمہاری حمیت کہاں

سوئی پڑی ہے کہ اس دشمن کو دفع نہیں کرتے۔ غضب تو یہ ہے کہ تم کو ابھی تک دشمن کے چڑھ آنے کی خبر بھی نہیں۔ یوں تو دشمن کے ساتھ بڑا الاؤ لشکر ہے مگر اس کی فوج کا سپہ سالار ہی جہالت۔ خاص خاص لوگوں کی شخصی حالت شاید بِوَجْہٍ مِنَ الْوُجُوْہ پہلے سے بہتر بھی ہو مگر برادری اور قوم پر نظر ڈالو گے تو پاؤ گے کہ روز بروز مسلمانوں کے ہاتھ سے دولت نکلتی چلی جاتی ہے اور بے دولتی کا ضروری نتیجہ ہے بے عزّتی اور ذلت اور خواری۔ زمینداری اور تجارت نوکری وغیرہ جتنے ذریعے معاش پیدا کرنے کے ہیں کہیں بھی تو مسلمان خوش حال نہیں دکھائی دیتے۔ کبھی تو سوچا کرو کہ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب ہے وہی جہالت۔ جس کو میں نے غنیم اور دشمن سے تعبیر کیا تھا۔ اور جہالت سے میری مُراد ہے روٹی کما کھانے کے ہنر کو نہ جاننا۔ تو اتنی بات میں آپ صاحبوں کو سمجھا دوں گا کہ آج پڑھ تو آج پڑھ ہم میں جو لوگ فارسی عربی منقول معقول سب کچھ گھول کر پیئے بیٹھے ہیں ان کو بھی روٹی کما کھانے کا ہنر نہیں آتا۔ نظر کو وسیع کرو تو معلوم ہو کہ مسلمانوں کو فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ کی نوبت آ گئی ہے اور جن کو نہیں آئی تو وہ فارغ نہ بیٹھیں ان کو نہیں آئی تو ان کی اولاد کو آئے گی یا اولاد کی اولاد کو آئے گی مگر یہی لچھن ہیں تو آئے گی ضرور۔ مخمصے سے یہ تو غرض ہی نہیں کہ مسلمان حقیقت میں فاقے کرتے ہیں یا آگے چل کر فاقے کرنے لگیں گے بلکہ غرض ہے معاش کی تنگی۔ عزت و آبرو اور فارغ البالی کے ساتھ معاش کا پیدا کرنا اس زمانے میں کچھ آسان کام نہیں ہے اور یہ معاش کا پیچ ایسا ہے کہ روز بروز کستا چلا جاتا ہے۔ وہ بادشاہی وقتوں کی بات تو رہی الگ کہ اپنی سلطنت تھی۔ انگریزی عمل داری میں جب یہ پولیس کا انتظام ہوا تو مجھ سے یہ معاملہ پیش آیا کہ صاحب مجسٹریٹ نے فرمائش کی کہ ہم کو انسپکٹر دو۔ بھلا اب کوئی ڈپٹی کلکٹر کسی کو ایک دم سے ہیڈ کانسٹبل تو کرا دے۔ فکر معاش ایسی چیز نہیں کہ لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کی ضرورت ہو۔ اس میں کمی نہیں اور کمی ہو بھی نہیں سکتی۔ کمی اس میں ہے کہ لوگ ذریعۂ معاش کے بہم پہنچانے میں غلطی کرتے ہیں

کوئی سی بھی معاش ہو سب کا مدار تو اس زمانے میں آکر ٹھیرا انگریزی تعلیم پر اور یہی جگہ ہی جہاں مسلمانوں ہیں پالی مرتا ہی۔ انگریزوں کی ولایت کا تو یہ حال ہو گیا ہی کہ کسی مبتذل سے مبتذل پیشے میں آدمی روٹی کمانے کے قابل نہیں ہوتا تا وقتیکہ اُس نے سینہ بہ سینہ نہیں اُس پیشے کی سبقاً سبقاً کتابی تعلیم نہ پائی ہو۔ اور کوئی دن کو ہندوستان کا بھی یہی حال ہوتا ہی۔ اہلِ یورپ نے ایک ایک چیز اور ایک ایک کام کو ایک علم بنا دیا ہی۔ اور یہ تعلیم جو تم دیکھتے ہو اور وہ بھی تم سے نہیں بن پڑتی یہ تو صرف ایک نوکری کے کام کی ہی اور بس۔ اور یہی بڑا سبب ہی کہ تعلیم کی طرف سے ابھی سے لوگ بے دل ہو چلے ہیں کیوں کہ لوگ ضرورت سے زیادہ بہت زیادہ نوکری کے لیئے طیار ہوتے ہیں اور یہ قاعدہ تجارت جب ضرورت سے زیادہ کسی قسم کا مال جمع ہو جاتا ہو تو ضرور ہی کہ اُس کی قیمت گھٹے اور پھر بھی ایک جزوِ کثیر کی نکاسی نہ ہو۔ قوم کی حالت سخت نا اُمیدی کی حالت ہی۔ وہ ایک مرضِ مُہلک میں مبتلا ہی اور زیادہ رنج کا مقام یہ ہی کہ ان میں کے بعض لوگ ان کے مرض کا حکمی علاج بھی کر جانتے ہیں اور وہ علاج کے بتانے اور کرنے میں دریغ بھی نہیں کرتے بلکہ خدا نے ان کے دل میں ایسا رحم دیا ہی کہ وہ ایک ایک کے سر ہوتے ہیں۔ دوا کچھ ایسی گراں بھی نہیں مگر گراں ہوئی جاتی ہی اور مزے کی بھی ہی اور قوم کا حال یہ ہی کہ وہ کہتے ہیں ہم ہرگز بیمار نہیں اور ہم کو کوئی علاج درکار نہیں اور جو کہے سُنے سے اپنے تئیں بیمار سمجھتے اور علاج کرانے آتے ہیں وہ علاج میں بے تدبیریاں کرتے ہیں طبیب کی رائے پر کاربند نہیں ہوتے۔ پھر ایسے بیماروں کا تو خدا ہی حافظ ہی۔ نوکری کے لیئے طیاری کرنا اور کثرت اُمیدواروں کی وجہ سے ناکام رہنا اور تعلیم کو بے سود سمجھنا اسی کو تو میں نے علاج کی بے تدبیری کہا۔ اچھا اب تم پوچھ سکتے ہو کہ پڑھ لکھ کر آدمی نوکری نہ کرے تو کیا کرے۔ ہل جوتے۔ بنیئے کی دکان لے کر بیٹھے — پڑھیں فارسی بیچیں تیل۔ یہ دیکھو قدرت کے کھیل۔ تو سب صاحب اچھی طرح کان کھول کر سُن رکھیں کہ جو شخص صرف نوکری کی توقع سے انگریزی پڑھتا ہی۔ اُس کی کامیابی

کے احتمالات اب بھی ضعیف ہیں اور آئندہ اور بھی ضعیف ہوتے ہوتے آخر کار شاید زائل[1] ہو جائیں۔ اُمیدواروں کی کثرت دیکھ کر نوکری کو یک انار و صد بیمار کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں اور یک انار و صد بیمار بھی اب ہو آگے آگے یک انار و ہزار بیمار کہنا ہوگا۔ تم اکیلے تو نوکریوں کے حق دار نہیں ہو۔ تمہاری ہی طرح کی رعایا ہندو بھی ہیں۔ تم ایک ہو تو وہ چھ ہیں ؎

	ای آہ شعلہ زا یہ خس و خار بھی نہیں		تو آسماں ہیں دو بھی نہیں چار بھی نہیں

اور نوکری کا سلیقہ جیسا اُن کو ہے تم کو چھو بھی نہیں گیا۔ نہ اُن کی سی تم سے اطاعت کرتے بن پڑتی ہے نہ اُن جیسی تم میں لیاقت ہے۔ سائیسی علم دریاؤ۔ تو انصافاً تم ایک بھی ہو تو منفی ایک ہو اور وہ چھ ہیں تو مثبت چھ ہیں۔ تمہارا اُن کا مقابلہ کیا۔ اگر نوکری ہی مدار تمول ہوتی تو بھی ہند ؤں کو ہم سے زیادہ متموّل ہونا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ اس لین[2] میں بھی وہ لائینز شیئر[3] رکھتے ہیں مگر ان کے تمول میں نوکری کو دخل ہے بھی تو اتنا ہی جتنا مَن میں رتی۔ اچھا پھر ان کے تموّل کا بڑا سبب کیا ہے؟ بڑا سبب یہ ہے کہ طاق اور جُفت دونوں داؤ ان ہی کے ہیں۔ یعنی نوکری کے حاصل کرنے میں سعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے اور پھر نوکری پر بند بھی نہیں۔ ہم مسلمانوں پہ تو یہ شامت سوار ہے کہ لے دے کر ایک نوکری کا ذریعہ اور اُس میں بھی طرح طرح کے مضایقے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہیئے۔ ہرچہ آید در پیش نگزارد درویش۔ دنیا میں جتنی وجوہ معاش ہیں یا ہوسکتی ہیں اُن میں سے کوئی وجہ معاش عرف تو مار و گردن عقلاً شرعاً بے عزت نہیں اور جو پیشے بے عزت خیال کیے جاتے ہیں وہ اصل میں اِس سے بے عزت ہوے کہ بے عزتوں نے اِن کو اختیار کیا ؎

	ہرچہ گیرد علتے علت شود		کفر گیرد کاملے ملت شود

[1] صفر۔ نادارد۔ ۱۲ [2] سلسلے۔ [3] بڑا حصہ۔ ۱۲

ابھی چند روز ہوئے میں نے علی گڈھ کالج میگزین میں سید احمد خاں کا ایک مضمون پڑھا۔
جس میں اُنھوں نے بزرگانِ دین یعنی اصحاب کے پیشے گنوائے ہیں۔ اِن میں کوئی
بزّاز تھا کوئی قسائی کوئی درزی کوئی لوہار کوئی بڑھئی کوئی بھٹیارہ۔ اگر ان پیشوں میں
کوئی ان کی توہین سمجھے تو وہ خود قابلِ توہین ہے۔ زمرۂ مشائخ میں شیخ فریدالدین عطّار
منصور حلّاج کیسے مشہور ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں
نہ چرائی ہوں۔ غرض جب تک ہندوستان میں کوئی سا پیشہ بھی اپنی ذات سے ذلیل سمجھا
جاتا ہے ایک تعلیم نہیں ہزار تعلیم کیوں نہ ہو ہندوستانیوں کو تو فلاح ہوتی نہیں۔ یورپ
اور امریکہ کی سند تو تم مانو گے نہیں اچھا تو تم مسلمانوں ہی میں میمنوں اور بوروں اور
پنجابیوں کو دیکھو کہ یہ لوگ کسی قسم کی تجارت کو عار نہیں سمجھتے۔ پھیری یہ پھریں۔ ٹاٹ
یہ سیئیں بساط خانہ اور پیتل پانا اور پرچون اور لوہا اور نواڑ اور گوٹا پٹھا اور کپڑا اور
ہر قسم کا مال ولایت کوئی چیز بھی تو ان لوگوں سے نہیں بچی تو جیسے ذو فنون اور ہرجائی
ہیں ویسے ہی ماشاء اللہ چشم بد دور خوش حال بھی ہیں۔ ابھی حال کا مذکور ہے کہ بمبی کے
حاجی زکریا سیٹھ نے یتیم خانے کے لیئے ایک دم سے دو لاکھ روپیہ دے دیا۔ یہاں دو لاکھ
آدمیوں سے بھی دو لاکھ نہیں نکل سکتا۔ ننگی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا۔ اور ہم
لوگ جو تعلیم تعلیم پکارتے پڑے پھرتے ہیں ہمارا اصلی مطلب بھی یہی ہے کہ سب مسلمان
میمنوں اور بوروں اور پنجابیوں کی طرح مال دار ہو جائیں اور وہ بے تعلیم کے ہونا نہیں
تعلیم پا کر کچھ لوگ نوکری میں گھسیں گے۔ اور جن کو نوکری نہیں ملے گی وہ کچھ نہ کچھ
کرکے کھائیں گے۔ اوّل تو تعلیم ہی اُن کو کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور کرے گی۔ تعلیم نے اُن کے
حوصلوں کو فراخ اُن کی ہمتوں کو بلند اُن کی غیرتوں کو مشتعل کر دیا ہو گا وہ احدی اپاہج
دوسروں کے دست نگر بن کر بیٹھ ہی نہیں سکیں گے گو وہ دوسرے اُن کے باپ یا چچا
تائے یا نانا ماموں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور پھر جو کچھ بھی کریں گے نا تعلیم یافتہ سے بہ مدارج

بہتر کریں گے۔ خدا نے چاہا تو مٹی ہاتھ میں لیں گے اور سونا کر دکھائیں گے ؎

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند		آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند	

اور یہ جو ہمارے ملک میں خاک پڑی اُڑ رہی ہے واللہ ہمارے ناتعلیم یافتہ ہونے کی بے برکتی ہے۔ ورنہ ہندوستان کی سرزمین اور ہم ٹکڑوں کو محتاج ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل		کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را	

اے اہلِ شاہ جہاں پور مسلمانوں کی جو حالت ہے تمہارے پیشِ نظر ہے۔ اب فرماؤ کہ کچھ کرنا یا نہیں کرنا؟ ہم کو تو اس سے کہ تم پٹھان اور سپاہی زادے ہو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں ہیں ہمت اور جرأت اور غیرت جو تمہاری خلقی اور جبلی صفتیں ہیں جب تک تم نے تعلیم کے بارے میں ان سے کام نہیں لیا نہیں لیا اور جب لینے پر آؤ گے تو تم مجلّی ہو گے اور باقی سب مُصلّی۔ گھڑ دوڑ ہوتی ہے تو جو گھوڑا سب سے آگے اور سیہری ہو اُس کو مجلّی کہتے ہیں اور دوسرے نمبر کے گھوڑے کو مصلّی۔ خدا کرے مجلّی اور مصلّی دونوں تم ہی ہو۔ مگر وہ گھڑ دوڑ کے مصلّی نہ وہ مصلّی جیسے سنا کرتے ہو کہ فلاں شخص نے باوا کی فاتحہ کی تو اتنے ملّا نے یا مصلّی کھلالئے۔

پچیسواں لکچر

یہ لکچر انجمن حمایت اسلام لاہور کے گیارھویں سالانہ جلسے میں ۱۸۹۶ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب سے میں نے اس انجمن میں آنا شروع کیا ہے کہ اس کو بھی اب چھ سات برس ہوئے ہوں گے اس اثنا میں صرف ایک برس ناغہ ہوا ہے کہ کسی ایسی ہی ضرورت سے میرا آنا نہیں ہوا۔ ورنہ بالالتزام میں ہر برس آتا ہوں۔ نہ اس لیے کہ میرا کوئی ذاتی مفاد ہے۔ اور میرا ذاتی مفاد اس کے سوا اور

ہو بھی کیا سکتا ہے کہ مجھ کو اپنی شہرت مقصود ہو۔ لیکن اگر مجھ کو اپنی شہرت ہی مقصود ہو وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تو وہ مجھ کو یہاں آنے کے بدون بھی حاصل ہے اور اس کے اور بھی مواقع ہیں۔

میں اس سے بہتر بہت بہتر مجمع کا لکچرار ہوں یعنی "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کا۔ بے شک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں لوگوں کا اتنا ہجوم نہیں ہوتا۔ لیکن کانفرنس کے ممبر اور وزیٹر متعارف لیاقت اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں اور تعلیمی کانفرنس میں شریک ہوتا ہی ان کی چیدہ گی اور برگزیدگی کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اس زمانے میں وہی چیدہ اور وہی برگزیدہ ہے جو تعلیم میں اور خاص کر مسلمانوں کی تعلیم میں کسی طرح کا انٹرسٹ لے۔ یعنی اُس سے دلچسپی رکھتا ہو۔ کانفرنس کا لکچرار ہونے کے علاوہ شہرت کا ایک ذریعہ تصنیف و تالیف ہے۔ اور آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ میں اس شہرت سے بھی بے نصیب نہیں رہا اگرچہ ایسی تصنیفات موجب فخر نہیں ہوئی چاہئیں اور میں ان کو موجب فخر سمجھتا بھی نہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو جب کوئی میرے مُنہ پر میری کتابوں کی تعریف کرتا ہے تو میں اُلٹا جھینپتا ہوں۔ میں نے عربی کی صرف اور نحو اور منطق سے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور شروع بھی کیا تھا تو خاص اپنے لڑکے کے پڑھانے کے لئے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی باپ اپنی اولاد کی خیرخواہی میں کمی نہیں کیا کرتا۔ میں نے بھی ان کتابوں کے عمدہ بنانے میں کوتاہی نہیں کی۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی مجھ کو آتا ہے بیٹے کو گھول کر پلا دوں حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ مگر وہ تو ایک اَن ہونی بات تھی۔ تاہم میں نے برسوں کے سوچ بچار سے ایسے رسالے بنائے کہ مبتدی زیادہ سے زیادہ برس سوا برس میں عربی عبارت کے پڑھنے پر قادر ہو جائے۔ منطق کے ابتدائی رسالے پر جس کا نام "مبادی الحکمۃ" ہے مجھ کو گورمنٹ سے پانسو روپیہ کا انعام بھی ملا۔ وہ کتاب گورمنٹ کی فرمائش سے لکھی گئی تھی اور اُس کے ساتھ دوسرے دوسرے مصنفوں کے گیارہ رسالے اور بھی پیش ہوئے تھے مگر میں اس کا بھی ٹیشن[1] میں بازی لے گیا۔ اور "مبادی الحکمۃ" کلکتہ یونی ورسٹی

[1] مقابلے ۱۲

کے کورس میں داخل ہو گئی- معلوم نہیں کہ اب بھی ہے یا نہیں- کچھ تو انعام کے لالچ اور زیادہ تر اس خیال سے کہ لوگوں میں خود تو قوتِ ممیّزہ ہی نہیں- میں نے صرف عربی کا رسالہ "مَا یُغْنِیْک فِی الصَّرْف" بھی گورمنٹ میں پیش کیا- بدقسمتی سے وہ رسالہ کسی مولوی صاحب کے پنجۂ غضب میں جا پڑا- یعنی گورمنٹ نے اُس رسالہ کی نسبت اُن سے رائے طلب کی- مولوی صاحب نے جیسی کچھ اُس رسالہ کی روئی دُھنکی ہو- مجھ کو معلوم نہیں- مگر گورمنٹ نے وہ رسالہ مجھ کو یہ کہہ کر واپس دیا کہ عربی خواں طلبہ اپنا پُرانا کورس بدلنا پسند نہیں کرتے- ہر چند میں نے وہ کتاب اصل میں اپنے لڑکے کے لیے لکھی تھی اور میں اِس کتاب کو اُس پر آزما بھی چکا تھا اور کتاب امتحان میں پوری بھی اُتری تھی- مگر کم بخت دل نے تنہا خوری کو جائز نہ رکھا- اور باوجودے کہ گورمنٹ نے کتاب کو بیرنگ واپس کر دیا تھا- میں نے اپنے خرچ سے اُس کو لوگوں کے فائدے کے لیے چھپوایا- میں نے لوگوں کو دینا چاہا مُفت اور اُنہوں نے کہا ہماری آنکھیں پھوٹیں- اشتہار دیئے- اخباروں میں چھپوایا- صدائے برنہ خاست- آخر کار میں نے کتاب کے آخر میں ایک اعلان زیادہ کیا- اور اُس میں لکھا کہ کیا کوئی علمی کتاب کے لکھنے کا حوصلہ کرے جب کہ اُس کو اتنی مصیبتیں جھیلنی پڑیں کہ آپ ہی مسودہ لکھے آپ ہی کاپی اور آپ ہی تصحیح کا ذمہ دار ہو اور آخر کار آپ ہی بیٹھا پڑھا بھی کرے- وہ دن اور آج کا دن میں نے تو علمی کتاب کے لکھنے سے اپنا کان امیٹھا۔

دل میں کتنے مسوّدے تھے ولے		ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا	

تعلیم کا اتنا تو غل غپاڑا ہو رہا ہے- اور علم کی یہ قدر ہے- اِس سے کہ نئے نئے سکول جاری ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس سے کہ سکولوں میں طلبا کا شمار بڑھ رہا ہے بلکہ اس سے بھی کہ طلبا امتحانوں میں پاس ہو رہے ہیں- ہرگز نہ سمجھنا کہ مسلمان بلکہ نیٹوز[1] علم کا شوق رکھتے ہیں- اِن کے شوق کی اور میں تو اس کو سرے سے شوق ہی نہیں سمجھتا- بس اتنی حقیقت ہے کہ

[1] باشندگانِ ملکِ ہند- ۱۲

سرکار نے معدودے چند نوکریوں کو جن کی اُس کو ضرورت ہی۔ ایک خاص طرح کی تعلیم کے ساتھ جو نوکری کے لیئے درکار ہی۔ مشروط کردیا ہی اور لوگ پیٹ کی مار کے ڈر سے بھیڑیا دھسان بادلِ ناخواستہ تعلیم کے رستے پر پڑلیئے ہیں۔ ورنہ فی الواقع نہ تو یہ تعلیم ہی اور نہ لوگوں کو علم کا شوقین کہا جاسکتا ہی۔ آج نوکری پر سے تعلیم کی شرط اُٹھادی جاے۔ اور پھر ہم میں سے کوئی بھول کر بھی پڑھنے لکھنے کا نام لے تو مَیں اُس کو سو سلام کروں۔ اور پھر اِس کی شناخت کیا مشکل ہی۔ جو لوگ فارغ التحصیل ہو کر یا کسی اَور وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں یا جو نوکری کا جوا اپنے کندھے پر نہیں رکھنا چاہتے کسی نے اُن کو کسی وقت بھی کتاب پڑھتے دیکھا ہی۔ بس اِسی سے لوگوں کے شوق کا اندازہ کرلو۔ اگر ہم لوگوں نے اِس وقت گرم کپڑے پہن رکھے ہیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ ہم کو گرم کپڑوں کے پہننے کا شوق ہی۔ شوق نہیں بلکہ ضرورت ہی۔ گرمی پڑنی شروع ہوئی اور ہم نے اِن کو اُتار پھینکا۔ بعینہٖ یہی حال تعلیم کا ہی۔ نوکری کی اُمید میں پڑھتے ہیں۔ ملی تو اور نہ ملی تو۔ اور ملی تو ایک پائی اور وہ بھی شاید۔ اور نہ ملی تو سولہ آنے۔ اور وہ متیقن۔ بہرکیف نوکری کی اُمید میں پڑھتے ہیں ملے تو اور نہ ملے تو دونوں صورتوں میں مدرسہ چھوڑا۔ اور پڑھنا لکھنا بالاے طاق۔ ہم تو شوق جب سمجھیں کہ علمی مذاق نشے کے عمل کی طرح چمٹ جائے۔

کچھ خبر بھی ہی کہ علم نے اِس زمانے میں دوسری شان اختیار کی ہی۔ ہم جو اپنے علوم پر نظر کرتے ہیں۔ تو اُن کے دو ہی نتیجے پاتے ہیں۔ یا تو زبان کی تکمیل۔ یا ذہن کی تشحیذ۔ سو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ دونوں نتیجے بے کار ہوگئے۔ جن زبانوں کی تکمیل کے پیچھے ہم عمر کا بڑا حصّہ صرف کیا کرتے تھے۔ اَب اُن زبانوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ رہی ذہن کی تشحیذ یعنی حکمتِ نظری۔ اس کا بھرم حکمتِ عملی نے اُٹھادیا۔ اور ہم علم کے اعتبار سے بالکل کورے کے کورے رہ گئے۔ زبان کی تکمیل سے جو اغراض دنیوی متعلق ہوسکتی ہیں۔ وہ اب انگریزی کی طرف منتقل ہوگئی ہیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر ان اغراض کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ لوگوں نے

اسی کو انگریزی کی غرض و غایت سمجھ رکھا ہے اور اسی لیئے اس کو سیکھتے ہیں کہ حکام وقت کی زبان ہے اور اس کے ذریعے سے اور اسی کے ذریعے سے ہم حکام کے ساتھ بہ آسانی خیالات کا مبادلہ یعنی عرضِ مطلب اور فہم مافی الضمیر کر سکتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف لوگ انگریزی کی یہ غرض غایت سمجھتے ہیں۔ بلکہ شاید خود سرکار نے بھی اسی کو غرض و غایت قرار دے کر انگریزی زبان کا سٹینڈرڈ[۵۱] ٹھیرایا ہے۔ بلاشبہ حاکم و محکوم میں بہ آسانی خیالات کا مبادلہ بڑی ضروری اور بہ کار آمد چیز ہے۔ لیکن میں انگریزی کی ٹون[۵۲] کو ذرا اونچا لے جانا چاہتا ہوں حکام کے ساتھ خیالات کا مبادلہ تو انگریزی کے ادنیٰ ترین اور خسیس ترین فائدوں میں سے ہے۔ انگریزی کا اصلی اور عمدہ فائدہ جو مدّنظر ہونا چاہیئے یہ ہے کہ زبانِ انگریزی علومِ مفیدہ کی کلید ہے۔ یہ علوم یا تو سرے سے ایشیائی زبانوں میں ہیں ہی نہیں۔ یا ہیں بھی تو زمانۂ حال کی تحقیقات کے مقابلے میں تقویم پارینہ کا حکم رکھتے ہیں۔ انگریزی قوم اور ملک کو اُس وقت اور اُسی وقت مفید ہوگی۔ جب یہ مقصود پیشِ نظر رکھ کر اُس کو حاصل کروگے غرض یہ ہے کہ علم مقصود بالذات ہو اور زبانِ انگریزی کو اُس کا آلہ سمجھا جائے۔ افسوس ہے کہ اِس گُر کو ابھی تک لوگوں نے سمجھا ہی نہیں یا سمجھا ہے تو اُس پر عمل نہیں کیا۔ اور سمجھا اور اُس پر عمل کیا ہوتا تو اتنے ہی دنوں میں ہندوستان کی کایا پلٹ گئی ہوتی۔ تحقیقاتِ مزید اور ترقی اور ایجاد کا تو کیا مذکور ہے۔ جو علوم زبانِ انگریزی میں مدوّن ہیں اور جس درجہ تک وہ پہنچ چکے ہیں۔ اُتنے ہی پر کسی نے کچھ عمل کرکے دکھایا ہوتا۔ ہمارے بدنصیب ہندوستان میں میٹریل[۵۳] کی تو کمی نہیں۔ کمی تو اس کی ہے کہ کوئی میٹریل کا ہینڈل[۵۴] کرنے والا نہیں۔ ایک نوکری کی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔ اور نوکری کیمیا اور کبریتِ احمر ہوتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً سَو بی۔ اے پاس ہوتے ہیں (اے خدا! کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ کسی برس ہول برٹش انڈیا میں سَو مسلمان بی۔ اے پاس کریں گے) خیر تو نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً سَو بی۔ اے پاس

---

[۵۱] معیار۔ ۱۲ [۵۲] مرتبہ۔ ۱۲ [۵۳] مواد۔ ۱۲ [۵۴] برتنے والا۔ ۱۲

ہوتے ہیں تو نوّے روٹیوں کے لیئے سرگردان پڑے پھرتے ہیں۔ اور نوّے بھی اب ہیں۔ کوئی دن جاتا ہی کہ سَوْ پاس اور سَوْ کے سَوْ پاس حرمان و یاس۔ انگریزی پڑھ کر کچھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو پہلے نوکری کے خبط کو سر سے نکالو۔ یہ جنون تمھیں نہیں پنپنے دے گا۔ کبھی اِن باتوں پر بھی غور کیا کرو کہ مثلاً تمھارے اِسی لاہور میں کتنے آدمی ہیں اور اُن میں کتنے ہیں جو نوکری سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ حساب لگاؤ گے تو فی صد کوئی چوتھے پانچویں درجے کا ڈیسیمل[1] نکلے گا۔ پھر مردم آزاری کے مواقع پا کر شیخی بگھارنے کی تو بات اَور ہی۔ خوش حالی کا ایک سٹینڈرڈ قرار دے لو۔ مثلاً میں سمجھتا ہوں کہ جس کی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو۔ اُس کو اِس زمانے میں خوش حال سمجھنا چاہیئے۔ اب دیکھو کہ خوش حالی کے اس سٹینڈرڈ کے لحاظ سے نوکری پیشوں میں فی صد کتنے ہیں اور دوسرے پیشوں میں کتنے۔ تو پاؤ گے کہ اس نسبت میں نوکری پیشہ چوتھے پانچویں درجے کے ڈیسیمل سے بھی دور ہٹے ہوئے ہیں۔ پس تم انگریزی پڑھ لکھ کر جو ایک نوکری پر دھرنا دو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اُس عمارت کو جو برسوں کی محنت سے بنائی ہی۔ اپنے ہاتھوں ڈھاتے ہو۔

عقلاً شرعاً کوئی سا پیشہ بھی مبتذل نہیں۔ مبتذل اگر ہی تو وہ آدمی ہی جو دغا بازی بے ایمانی سے پیشے کو بدنام کرتا ہی۔ کسی ایک ذلیل سے ذلیل پیشے کا نام لو۔ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ ایک دو نہیں کوڑیوں بزرگانِ دین کو اور بزرگانِ دین میں بھی صحابہ اور علما اور مشائخ کو اُس پیشے کا پاؤ گے۔ دل پر دین داری اور نیکی کا پَرتو پڑا ہو تو جانو کہ اصلی عزت کیا ہی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[2] لوگ نہ اِس لیئے نوکری کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ کہ اس پیشے میں تموّل و خوش حالی زیادہ ہی۔ نہیں۔ بلکہ اِس لیئے کہ اُن کو اپنے ابنائے جنس پر حکم چلانے اور اُن کو ستانے اور ایذا دینے کا موقع ملتا ہی۔ لوگوں نے اسی کو عزت سمجھ رکھا ہی۔ حالاں کہ نیک دل اور دین دار آدمی کی نظر میں اِس سے بڑھ کر کوئی بے عزتی کی بات

[1] اعشاریہ۔ ۱۲ [2] تم میں سب سے بڑا وہی ہی جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہی۔ ۱۲

نہیں۔ تم تو نصیحت کی بات کو اِس کان سُنتے اور اُس کان نکال دیتے ہو۔ کیا میں نے تم سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حال کبھی بیان نہ کیا ہو گا کہ اُن کو وقت کا خلیفہ خدمتِ قضا دیتا رہا جو حقیقت میں ایک طرح کی ویسرائلٹی[1] تھی اور اُنہوں نے حقوق العباد کے ڈر سے اُس خدمت کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور انکار بھی کیا تو ایسے اصرار کے ساتھ کہ خلیفہ نے اِس کو عدول حکم اور گستاخی سمجھا اور امام کو قید کیا اور تازیانے مارے۔ امام نے یہ بے عزتی گوارا کی اور خدمتِ قضا کو جو رسوائی آخرت کی مستلزم تھی۔ گوارا نہ کیا۔ تحکّم اور مردم آزاری کو عزّت سمجھو۔ تو نوکری ذریعۂ عزّت ہے۔ اور پرائی تابع داری کے اعتبار سے دیکھو۔ تو وہ ایک طرح کی غلامی ہے۔ کتنی ہی بڑی نوکری کیوں نہ ہو آخر کسی نہ کسی کی محکومی تو اُس میں ہوہی گی ویسرائے جو ہیڈ[2] آف گورمنٹ آف انڈیا ہے۔ وہ بھی تو سکرٹری[3] آف سٹیٹ کا ماتحت ہے۔ جو لندن میں بیٹھا بیٹھا ویسرائے کو لتاڑا کرتا ہے۔ اور اکثر ہوتا رہتا ہے کہ ویسرائے کو قبل از وقت واپس بُلا لیا جاتا ہے۔ جو مرادفِ عزل ہے۔ یا قبل از وقت استعفا دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور پھر سکرٹری آف اسٹیٹ کیا ہے۔ وہ بھی پارلیمنٹ[4] اور ملکہ کا محکوم ہے۔ اور ویسرائے اور سکرٹری آف سٹیٹ کیا چیز ہیں۔ اب تو وہ زمانہ آیا ہے کہ خود ملکہ کو پبلک[5] اوپنین کا ادب کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسے خیالات پر زور نہیں دیا۔ اُنہیں کا مقولہ ہے ؎

بہ دست آہکِ تفتہ کردن خمیر | بہ از دست بر سینہ پیش امیر

مَیں نے بھی مدرسی اور ڈپٹی انسپکٹری اور تحصیل داری اور ڈپٹی کلکٹری اور بالآخر سرکار نظام میں صدر تعلقہ داری یعنی ایک ڈویژن کی کمشنری نہیں بلکہ گورنری کی ہے۔ اور ان سب خدمتوں میں تھوڑی بہت اضافی حکومت تو تھی ہی۔ شاید تم لوگ اعتراض کرو کہ مدرسی کو حکومت سے کیا مناسبت۔ تو حضرات اوّل تو سارے پروفیسر اور طلبا اس کی تصدیق کریں گے۔ دوسرے اِس کی تصدیق اچھی طرح اِس حکایت سے ہو گی کہ عالمگیر نے جب اپنے

[1] نیابت سلطنت۔ ۱۲ [2] حکومتِ ہند کا سب سے بڑا سردار۔ ۱۲ [3] وزیر ہند۔ ۱۲ [4] مجلس وزرا۔ ۱۲
[5] عام رائے۔ ۱۲

باپ شاہ جہاں کو قید کیا۔ تو شاہ جہاں بے شغلی کی شکایت بیٹے کو کہلا بھیجتے تھے عالمگیر جو مناسب سمجھتا تھا شغلے مہیا کرتا تھا۔ مگر شاہ جہاں ان سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار عالم گیر نے شاہ جہاں کی خدمت میں عرض کرا بھیجا کہ پھر حضرت ہی کوئی مشغلہ تجویز کریں۔ شاہ جہاں نے سوچ کر کہا اچھا تو شہزادوں کو میرے سپرد کرو کہ میں اُن کو تعلیم دیا کروں گا۔ یہ سُن کر عالم گیر نے کہا کہ درس وتدریس کا حیلہ بنانا کیا ضرور ہے۔ سیدھی طرح ہی ارشاد کیوں نہیں ہوتا کہ میں سلطنت حضرت کے حوالے کروں۔ تو حضرات مدرسی بھی سلطنت کا ایک شعبہ ہے۔ تو باوجودیکہ میں نے ساری عمر حکومت ہی کی نوکریاں کیں۔ مگر اب جو پچھلی زندگی کا کبھی خیال کرتا ہوں تو کسی شان میں محکومی کی ایذاؤں سے محفوظ نہیں رہا۔ ہاں ایک وقت تھا کہ تنزل اور جرمانے سے ڈرتا تھا۔ پھر ایک وقت وہ ہوا کہ کمشنر اور بورڈ کے منہ سے تم کی سہار نہیں ہوتی تھی۔ غرض نوکری کو عموماً پیشہ معزز سمجھنا محض خیالی بات ہے۔ عزت اور ذلت کسی پیشہ پر موقوف نہیں۔ بلکہ عزت اور ذلت کا مدار انسان کا اپنا کردار ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بڑی خدمت پر مامور ہے اور وہ آمدنی بھی معقول رکھتا ہے اور بڑی شان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ حکومت بھی ہے۔ اختیارات بھی ہیں اور سرکار میں بھی رسوخ ورسائی ہے اور وہ ناحق بندگان خدا کو ایذا دیتا اور اُن کے حقوق تلف کرتا اور رشوت لیتا۔ حقیقت میں وہ سب سے زیادہ ذلیل ہے۔ نہ صرف پبلک کی نظر میں بلکہ خود اپنی نظر میں اور خدا کے نزدیک۔ لیکن ایک غریب آدمی جو محنت۔ مزدوری سے جائز طور پر معاش پیدا کرتا کسی سے لڑتا۔ جھگڑتا نہیں۔ کوئی اس کا شاکی نہیں ؎

چگونہ شکر ایں نعمت گزارم		کہ زور مردم آزاری نہ دارم	

ایسا شخص اصلی عزت رکھتا اور اُس کا مستحق ہے۔

اس وقت جو اس تعمیم کے ساتھ تعلیم ہو رہی ہے۔ اور تعلیم کو اس سے بھی زیادہ عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اچھی طرح طالب علموں کے ذہن نشین کر دینا چاہیے کہ نوکری کے خبط کو سر میں نہ آنے دیں ورنہ تعلیم سے فائدہ کی جگہ اُلٹا نقصان اُٹھائیں گے۔ اور ہمیشہ

کے لیئے اپنی زندگی اور نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اور بہت سی زندگیاں جو اُن کے ساتھ وابستہ ہیں سب کو تلخ کر دیں گے۔ میرے اِس بیان سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ مَیں تعلیم کی طرف سے لوگوں کے دلوں کو اُچاٹ کرتا ہوں میرا مقصود ہرگز یہ نہیں۔ میں تو تعلیم کو اور اسی تعلیم کو جو ان دنوں ہو رہی ہو۔ ہر فرد بشر کے لیئے نہایت ضروری خیال کرتا ہوں۔ کیوں کہ مجھ کو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہی اگرچہ جب تک وہ آئے آئے مَیں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ مگر مجھ کو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہی۔ جب کہ یہی تعلیم شرطِ زندگی ہونے والی ہی۔ اور زندگی سے میری مُراد ہی معزز اور مطمئن زندگی ع

زندگی زندہ دلی کا ہی نام		مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں	

میرا مطلب صرف اس قدر ہی کہ جو لوگ تعلیم پا رہے ہیں اور تعلیم تو سبھی کو پانی چاہیئے غرض سارے تعلیم یافتہ اگر ایک ہی پیشہ پر جھک پڑیں گے۔ گو وہ پیشہ فی حد ذاتہٖ کیسا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔ یہ اُس کا ضروری اور بدیہی نتیجہ ہی کہ سب بھوکوں مریں۔ لوگوں کی ضرورتیں متنوّع ہیں اور اسی لیئے دنیا میں متنوّع پیشے چل پڑے ہیں انسانی ضرورتوں اور پیشوں کے تنوّع سے ثابت ہوتا ہی کہ دنیا میں روزی کی کمی نہیں مگر ہم ایک پیشۂ خاص کے مقید ہو کر روزی کو تنگ کر لیتے ہیں۔ اب یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہی کہ نوکری کے علاوہ دوسرے پیشوں کے لیئے تعلیم ہی کی کیا ضرورت ہی۔ جواب یہ ہی کہ تعلیم سے تو کبھی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ بھی بے نیاز نہیں ہوا۔ ہاں تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی رہی ہی یا نقل و تقلید سے۔ اِس زمانے میں یہ نئی بات پیدا ہوئی ہی کہ ایک ایک چیز اور ایک ایک کام علم مستقل قرار پایا ہی۔ مثلاً موسیقی کہ ہمارے ہاں سینہ بہ سینہ اُس کی تعلیم ہوتی ہی یا نقل و تقلید سے لوگ اس کو حاصل کرتے ہیں۔ مگر تم نے انگریزی بینڈ بجتے دیکھے ہوں گے کہ اونچی اونچی میزوں کا ایک حلقہ ہی لوگ مزامیر لیئے اُس کے گرد کھڑے ہیں۔ ہر ایک کے آگے ایک کتاب دھری ہی۔ صدر مقام پر بینڈ ماسٹر کھڑا ہوا باجے بجوا رہا ہی۔ انگریزوں کی ولایت میں تو یہ حال ہو گیا ہی کہ درزی اور حجام اور موچی اور لوہار تک اپنا پیشہ نہیں چلا سکتا تا وقتیکہ اُس نے سبقاً سبقاً اپنے پیشے کی کتابی تعلیم نہ پائی ہو۔ اور یہ بات سب پر

روشن ہو کہ ہندوستان کل باتوں میں یورپ کی تقلید کرتا چلا جاتا رہا ہو اور تقلید کے بدون اس کو چارہ نہیں۔ یہ تعلیم گو کسی خاص پیشے کی نہ بھی ہو۔ تاہم اس سے اِتنی آگہی تو انسان کو ضرور ہو جاتی ہو کہ وہ جس کام کو اختیار کرے گا اُس کو کر دکھائے گا اور سلیقہ کے ساتھ کر دکھائے گا

میری طالب علمی کے زمانے میں جو لوگ دہلی کالج میں پڑھتے تھے اگرچہ اُن دنوں کی پڑھائی سے اِن دنوں کی پڑھائی میں عمدگی بہت زیادہ ہو مگر اُس پرانی پڑھائی میں یہ برکت تھی کہ کالج کے طالب علموں نے مختلف کام اختیار کیئے اکثر تو نوکری کی لین[1] میں گئے۔ بعض زمینداری لے کر بیٹھے۔ بعض نے تجارت کی۔ لیکن جو جس حال اور شان میں تھا مشارٌ الیہ بالبنان[2] تھا۔ اگرچہ مروجہ تعلیم قومی اور ملکی ضرورتوں کے لیئے کافی نہیں مگر یہ اُس کی تمہید ہو یعنی اُس رنگ میں رنگنے کے لیئے اس کو پہلا ڈوب سمجھنا چاہیئے۔ لیکن وہ آخری رنگ تو تب ہی اچھا چڑھے گا کہ نوکری کی تخصیص اُٹھا دو اور کسی کام کے پیشے کو عار نہ سمجھو۔ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کا ماٹو ہونا چاہیئے "ہرچہ آید در پیش نہ گزارد درویش"

مسلمانوں میں جہاں کہیں بھی میں سنتا ہوں کہ اس تعلیم اور ایسی تعلیم کے لیئے کوشش کی جا رہی ہو۔ واقعی بات یہ ہو کہ میں اُس کو دل سے پسند کرتا ہوں چاہے میں اُس کوشش میں شریک ہو سکوں یا نہ ہو سکوں۔ میری شرکت یہی زبانی جمع خرچ ہو۔ سو اس کو بھی میں نے نہ تو اپنے اوپر لازم کیا اور نہ لکچر کو اپنا پیشہ بنایا۔ اور اگر ایسا کروں تو لوگ مجھ کو گھر پر بیٹھنے بھی نہ دیں۔ ملک میں تو انجمنوں کی رسم چل پڑی ہو۔ شاید ہی کوئی مہینہ خالی جاتا ہو۔ کہ کہیں نہ کہیں سے بُلاوا نہ آتا ہو۔ اِتنے بڑے ہندوستان میں صرف تین جگہ ہیں جہاں میں لکچر دیتا ہوں سب سے اوّل سرسید احمد خاں کا کانفرنس یا کوئی سی بھی مجلس جس میں وہ مجھے لکچر دینے کی تکلیف دیں۔ میں نے آج تک اُن کی کسی دعوت کو رد نہیں کیا۔ اور ان شاء اللہ کروں گا بھی نہیں۔ اور باوجودے کہ میں اُن سے بعض باتوں میں اختلاف بھی کرتا ہوں۔ تاہم میرے

[1] سلسلہ ۔ ۱۲ [2] لوگ انگلیوں کے اشارے بتلاتے ہیں ۔ ۱۲

دل میں اُن کی ایسی عظمت ہے کہ اگر میں اُن کے تمام عقائد سے اتفاق رکھتا ہوتا۔ اور مجھ کو پیر کی تلاش بھی ہوتی۔ تو میں ضرور اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ اور میرے اِس انجمن میں آنے کی ابتدا بھی اُنھیں سے ہوئی ہے کہ وہ اپنے کانفرنس میں مجھ کو ساتھ لائے۔ میں نے لکچر دیا اور ممبرانِ انجمن اُس وقت سے میرے گرد ہوئے۔ سب سے زیادہ مجھ کو اِس کا افسوس تھا کہ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اور نہ صرف غلط فہمی سے بلکہ بدگمانی اور بدگمانی بھی ممنوع بدگمانی سے جس کی نسبت فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سر سید کو اِس انجمن کا سخت مخالف قرار دے رکھا تھا۔ سر سید کو کسی طرح پر اس کا علم ہوا۔ اُنھوں نے اس بدگمانی کے رفع کرنے کو لاہور کا سفرِ دور و دراز اختیار کیا اور انجمن کے جلسۂ سالانہ کی شرکت کی غرض سے آ موجود ہوئے۔ افسوس ہے کہ سر سید بوجہ ضعف و پیری زحمتِ سفر کے متحمل نہ ہو سکے اور بیمار پڑ گئے۔ ورنہ اس انجمن کی نسبت اپنے خیالات اپنی زبانِ مبارک سے ضرور ظاہر فرماتے۔ لیکن اگر سر سید شریک جلسہ نہ ہو سکے۔ تو اُن کے حواری یا خلیفہ جو کچھ سمجھو نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر نہایت خوش دلی اور شوق سے اُن کے بدلے رونق افروز جلسہ ہوئے۔ اور جیسی کچھ اُنھوں نے اِس انجمن کی ستایش کی۔ وہ سال گزشتہ کے جلسہ کی روداد میں آپ صاحبوں نے ملاحظہ فرمائی ہو گی۔ سر سید اور مولوی مہدی علی واقع میں ایک جان دو قالب ہیں۔ تو جو کچھ مولوی مہدی علی نے اِس انجمن کے بارے میں فرمایا۔ اگر سر سید سے پوچھا جائے تو وہی لفظ اور وتنے ہی لفظ وہ بھی فرمائیں گے۔

انجمن کے بارے میں سر سید پر لوگوں کو بدگمانی کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ سر سید کے خیالات تعلیم کی نسبت بڑے عالی خیالات ہیں۔ وہ ولایت جا کر اور رہ کر اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات دیکھ آئے ہیں۔ یوں سننے کو تو ولایت کے حالات ہم بھی سُنتے اور کتابوں اور اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ اُنھوں نے چشم دید

وہاں کے حالات دیکھ کر اپنی قطعی راے قائم کر لی ہی کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے بدون کوئی معتدبہ فائدہ قوم اور ملک کو نہ پہنچا ہی اور نہ پہنچ سکتا ہی - یہ تعلیم جو اب ہو رہی ہی اور جس میں بی - اے اور ایم - اے کی ڈگری کو تعلیم کی معراج الکمال قرار دے رکھا ہی - سر سید تو اس تعلیم کے مقابلے میں جو اُن کو مدِ نظر ہی اور جس کی قوم اور ملک کو سخت حاجت ہی - اس کی ابجد سے زیادہ قدر نہیں کرتے - سر سید نے اپنی ساری عمر اور ساری قوت اِسی ایک مسئلۂ تعلیم کے پیچھے صرف کر دی ہی - وہ دیکھ رہے ہیں - کہ اگر تعلیم کو ایک مسافت فرض کرو اور دنیا کے تمام آدمیوں کو راہ گیر - تو اہلِ یورپ ہم سے ہزاروں کوس آگے ہیں اور ترقی کی اکسپرس ٹرین میں دوڑے چلے جا رہے ہیں اور ہم نے ابھی تک اتنا ہی کیا ہی - کہ کچھ لوگوں نے جگہ سے رینگنا شروع کیا ہی - اب سر سید ہیں کہ تلملا رہے ہیں اور بے قرار ہیں کہ ہم مسلمان اہل یورپ کو نہ پکڑ پائیں - تاہم کم از کم اُن کی گرد تک تو جا پہنچیں - سر سید کے اختیار میں ہو تو اہلِ یورپ تو ترقی کی اکسپرس ٹرین میں دوڑے چلے جا رہے ہیں - وہ ہم مسلمانوں کو گولوں کی جگہ توپوں میں بھر بھر کر چھوڑنا شروع کریں یا تار برقی میں دوڑائیں - سر سید سے بڑھ کر کون اِس کا خواہاں ہوگا کہ گاؤں گاؤں سکول اور شہر شہر کالج اور ضلع ضلع یونیورسٹیاں ہوں - مگر ہوں تو کہاں سے ہوں - سرکار جتنا کچھ تعلیم پر خرچ کرتی ہی - یہ بھی اُسی کا حوصلہ ہی - اِس سے زیادہ کی گنجایش نہیں - ایک تعلیم ہی تو نہیں ہی کہ ملک کی ساری آمدنی اِس میں لگا دی جائے - سڑکیں ہیں - پُل ہیں - شفا خانے ہیں - تار برقی اور ڈاک خانے ہیں - کچہریاں ہیں - عدالتیں ہیں - ملکی اور فوجی ملازم ہیں - غرض یک سر و ہزار سودا ہی - سرکار کو تو زیادہ کی گنجایش نہیں اور قوم غریب ہی - محتاج ہی - مفلس ہی - بے مقدور ہی - مگر تعلیم کے لیئے - نہ میلوں ٹھیلوں اور تیر تیوہاروں اور شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبوں اور ناچ تماشے کے لیئے - بہر کیف نتیجہ یہ ہی کہ گاؤں گاؤں سکول اور شہر شہر کالج اور ضلع ضلع یونیورسٹیاں کیسی - سارے ہندوستان میں ایک بھی ایسا سلیقے کا کالج نہیں - جیسا سر سید احمد خاں چاہتے ہیں اور جیسے کی

ملک اور قوم کو ضرورت ہی - لیکن جیسے گھٹیا کالج ہیں - ان میں پھر بھی کچھ ہی - تو علی گڈھ محمدن کالج ہی کہ گو وہ مکمل نہیں مگر سر سید نے یہی سمجھ کر اور اسی توقع سے اس کی بنیاد ڈالی ہی کہ وہ ایک دن مکمل ہوگا اور قوم اور ملک کی ضرورتوں کو پورا کرے گا - پس اب یہیں سے اختلاف شروع ہوتا ہی کہ سر سید ایک طرف ہیں اور نہ صرف یہ انجمن بلکہ ہندوستان کی ساری تعلیمی انسٹی ٹیوشنز ایک طرف - سید احمد خاں نیک نیتی سے اور سچے دل سے علی گڈھ محمدن کالج کی نسبت خیال کرتے ہیں کہ اُس کا انتظام بہت کچھ روبراہ ہی اور اس میں تکمیل کی صلاحیت ہی - اور جتنا اور جیسا کالج کو ہونا چاہیئے اُس کا بڑا حصّہ وقوع میں آچکا ہی اور ایک مکمل کالج کا ہونا قوم اور ملک کے لیے زیادہ سودمند ہی بہ نسبت بیس - پچاس - سو ناقص اور ناتمام کالجوں کے - فلہذا علی گڈھ محمدن کالج قومی اور ملکی امداد و اعانت کا حق فایق رکھتا ہی - بہ ظاہر سر سید کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں -

اب دوسرا سوال یہ پیش آتا ہی کہ علی گڈھ محمدن کالج کے علاوہ جیسے کچھ دوسرے ناقص و ناتمام کالج ہیں اُن کو بند کیا جائے یا اُن کو جاری رکھ کر اُن کی تکمیل کی تدبیر کی جائے - مَیں اِس کا جواب سر سید سے نہیں چاہتا - کیوں کہ وہ علی گڈھ محمدن کالج کے تعلق کی وجہ سے پریجوڈِسڈ[۱] ہیں - حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[۱]

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد		صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد	

بلکہ مَیں اِس کا جواب چاہتا ہوں - ممبرانِ انجمن حمایت اسلام سے - انجمن کے حامیوں اور مددگاروں سے - حاضرانِ مجلس سے اور تمام پنجاب کے مسلمانوں سے - میں انجمن حمایتِ اسلام کو تعلیم کے اعتبار سے مسلمانانِ پنجاب کا رِپْرِیزِنٹیٹو[۲] سمجھتا ہوں - اگر پنجاب کے مسلمان اسلامیہ کالج کے کرِڈِٹ[۳] کے دعوی دار ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ضرور دعوی دار ہیں تو اُن کو کالج کی ذمہ داری اور جواب دہی بھی ضرور اپنے سر لینی ہوگی - استحقاق اور ذمہ داری

[۱] کسی چیز کی محبت اندھا بہرہ کر دیتی ہی یعنی محبت میں کچھ سوجھتا نہیں - ۱۲ [۲] قائم مقام - ۱۲ [۳] تحسین - ۱۲

دو چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جیسے گاڑی کے دو پہیئے۔ ایک طرف کریڈٹ یعنی تحسین و آفرین و شاباش کا استحقاق ہو تو دوسری طرف کالج کی ناتمامی اور بدانتظامی اور اُس کے نقصانات کی جواب دہی ہو۔ فرض کرو کہ ممبران انجمن نے کالج کے کھول دینے میں جلدی یا ناعاقبت اندیشی یا توقع بے جا کی۔ تو اس کا الزام نہ صرف ممبرانِ انجمن پر ہو۔ بلکہ پنجاب کے تمام مسلمانوں پر جنھوں نے ممبرانِ انجمن کو کالج کھولنے دیا۔ یا کالج کے کھولنے کا موقع دیا اور اگر اب کالج اسی بے اطمینانی اور ناتمامی کی حالت میں رہے۔ یا خدانخواستہ آیندہ کو بند ہو۔ یا اُس کو بند کرنا پڑے تو بدنامی۔ اور ملامت اور شماتت جو کچھ بھی ہو وہ بھی مسلمانانِ پنجاب کو انگیز کرنی ہوگی۔ یہ بات زیادہ غور کی محتاج نہیں ہو کہ اگر کالج کا قائم کرنا غلطی تھی تو کالج کا بند کرنا دوسری غلطی ہوگی۔ پہلی سے مکروہ تر۔ پہلی سے مذموم تر۔ اب اُس غلطی کی صرف یہی ایک اصلاح ہوسکتی ہو کہ کالج کی بنیاد مستحکم کی جاے۔ اور کالج میں جو کچھ ناتمامی ہو اُس کو رفع کیا جاے۔ اور اس کے لیئے دو باتوں کی ضرورت ہو۔ اول رقم معتدبہ کا فراہم کیا جانا۔ یعنی اتنی آمدنی کا متیقن ہونا جس سے اعلیٰ درجے کی لیاقت کے پروفیسر معقول تنخواہ پاسکیں اور اُن کو اُن کی خدمات کا کافی معاوضہ ملے کہ وہ دل نہاد ہو کر کام کریں اور اس کے علاوہ دوسرے مصارف مستلزمہ بھی وقت پر چلتے رہیں۔ سو یہ اس روز کی گداگری اور سالانہ جلسوں کے چندوں سے تو کچھ ہوتا ہوا نہیں یہ اتفاقی اور بے سہارے سیری فاقہ کا حکم رکھتی ہو ؎

زیادہ ہوگا توکّل سے بھی کہیں روزہ	کہ اس میں آئی تو روزی ہو اور نہیں روزہ

اور اگر کسی کو اسی طور سے کالج کے عمدگی کے ساتھ جاری رہنے کی توقع ہو تو یہ وہی بے ٹھور بے ٹھکانے توکل ہو۔ جس نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہو۔ کوئی تو کھڑا ہو کر مجھ کو بتائے کہ اُس نے کبھی اپنے کسی ذاتی کام میں اس طرح کا توکل کیا ہو۔ جاڑا آنے کو ہوا ہو اور اُس نے لحاف توشک نہیں بنایا سفر کو نکلا ہو اور زادراہ ساتھ نہیں لیا۔ کاشتکار ہو

اور کھیت کو وقت پر نہیں جوتا۔ ہوش سنبھالتے ہی کسبِ معاش کی فکر میں نہیں پڑا۔ تو جب ہم میں سے کبھی کسی نے اپنے کسی کام میں ایسا توکل نہیں کیا۔ تو کیا قومی کام یعنی اسلامیہ کالج ہی اِس توکل کے لیئے رہ گیا ہے۔ کہ اب تک بُرا یا بھلا توکل پر چلا ہے۔ تو آگے کو بھی توکل ہی پر چلا جائے گا۔ تھوڑے اور نا مطمئن فُنڈز کے ہوتے بنایا ہوا اسلامیہ کالج کالج نہیں ہے بلکہ ماکری آف اے کالج ہے۔ یعنی کالج کی نقل اور نقل بھی نہیں بلکہ سوانگ ہے

یہ تو کہیئے میرجی صاحب کیا ہے اگر یہ سوانگ نہیں	گرمی سبزہ رنگوں سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

خیر تو سب سے پہلا اور سب پر مقدم کام تو کافی فنڈز کا بہم پہنچانا ہے۔ اور وہ موقوف ہی لوگوں کی توفیق پر ہے۔

بعض صاحب ایسے بھی ہیں جو کالج کے کھول دینے کو ممبرانِ انجمن کی مکروہ اور خطرناک غلطی سمجھ کر چاہتے ہیں کہ کالج بند ہو جائے اور ممبرانِ انجمن فضیحت اور رسوا ہوں۔ لیکن اُن کا طیش اُن کو نہیں سمجھنے دیتا۔ کہ لوگ اُن کے اِس خیال کو ذاتیات پر محمول کرتے ہیں۔ علاوہ بریں بے شک کالج کے بند ہونے سے ممبرانِ انجمن کی بڑی رُسوائی ہوگی۔ لیکن پنجاب کے باہر کی دنیا اسلامی کالج کی نسبت کیا خیال کرتی ہے۔ علی گڈھ محمڈن کالج کو تو کبھی کوئی سید احمد خاں کا کالج بھی کہہ دیتا ہے اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کہ کالج کے قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے سید احمد خاں کو ہوا۔ اُنھوں نے اپنی وجاہت سے چندہ جمع کیا کالج کے منصوبے کو عمل میں لا کر دکھایا اور وہ دن اور آج کا دن اُسی کالج کے پیچھے تکیہ داروں کی طرح علی گڈھ میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ اور پہلے تو اپنی ذات سے اکیلے تھے۔ اب جب سے سید محمود نے ہائی کورٹ کی ججی سے سبکدوش ہو کر علی گڈھ میں ڈیرے ڈالے اِس سے معلوم ہوا کہ سید احمد خاں اور اُن کی نسل علی گڈھ محمڈن کالج ہی کے ہو رہے۔ تو ان خصوصیتوں کی وجہ سے کبھی کوئی علی گڈھ محمڈن کالج کو سید احمد خاں کا کالج کہہ دیتا ہے اور سید احمد خاں کو

کالج کا فونڈرز (بانی) مگر یہ تو فرمائیے ممبرانِ انجمن حمایتِ اسلام میں سے فونڈر آف اسلامیہ کالج کس کو کہا یا سمجھا جائے پس چار و ناچار" ورنہ ستانی بہ ستم می رسد" اسلامیہ کالج تو مسلمانانِ پنجاب ہی کا کالج ہی۔ وہی اس کے فونڈر ہیں۔ وہی اس کو چلا رہے ہیں۔ وہی اس کو چلائیں گے۔ اور اگر خدا نہ خواستہ یہ کالج بند ہو جائے گا۔ تو وہی وِدْ آوٹ اینی اکسپشن (بلا استثنائے احدے) دنیا جہان میں فضیحت بھی ہوں گے۔ رسوا بھی ہوں گے۔ بدنام بھی ہوں گے۔ اور آنے والی نسلیں اُن کو کوسیں گی بھی۔ پس جو لوگ اسلامیہ کالج کا بند ہونا منا رہے ہیں۔ وہ اس بات کو خیال نہیں کرتے کہ اسلامیہ کالج کا کریڈٹ لینا چاہیں یا نہ لینا چاہیں۔ اُن کو مِل رہا ہی اور ملے گا۔ اسی طرح کالج کے بند ہونے کی صورت میں بھی وہ الزام کی لپیٹ میں آئیں گے پر آئیں گے۔ تو بھائیو! کالج کے بند ہونے یا اسی بے اطمینانی اور محتاجی کی حالت میں رہنے کا تو نام ہی نہ لو۔ یہ کالج تو تمہارے سر پڑا۔ اور اب تمہاری آنر[۵۱] اس کے ساتھ وابستہ ہو چکی۔ کالج کی مدد نہ بھی کرو۔ تو اپنی آنر کو وِنڈِیکیٹ[۵۲] کرو۔

پھر فنڈز کے جمع ہوئے پیچھے اُن کا ہینڈل[۵۳] کرنا جمع کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہی۔ انجمن کے مالہٗ و ماعلیہ پر نظر کرنے سے میری قطعی یہ رائے ہی کہ جنرل سکرٹری تنخواہ دار سکرٹری ہو جو اپنا سارا وقت اور اپنی تمام ہمت انجمن کے کارخانوں کے انتظام اور اُن کی نگرانی میں صرف کرے اور اس کو انجمن کے فنڈز سے معقول معاوضہ دیا جائے۔ لوگ اپنے ابنائے جنس کی ویلیو (قیمت) کے اندازہ کرنے میں اکثر غلطی کرتے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال ہم کو خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ملتی ہی کہ معترض کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی جزیرۂ عرب میں مکہ مدینہ دو بڑے شہر ہیں اور ان میں ایک سے ایک لایق فایق لوگ موجود ہیں۔ اِن میں سے کسی پر قرآن نازل ہونا تھا۔ خدا اس کا جواب دیتا ہی اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا یہ لوگ خدا کی

---

۵۱ عزت۔ آبرو۔ ۱۲ ۵۲ حفاظت۔ بچاؤ۔ ۱۲ ۵۳ سنبھال۔ ۱۲

رحمت کے تقسیم کرنے والے بنتے ہیں۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ نبوت تو بڑی چیز ہے۔ یہ روزمرہ کی معاش جس میں بظاہر ان کی اپنی تدبیر کو بھی دخل ہے۔ یہ تک تو ان میں ہم تقسیم فرماتے ہیں يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ جس کو چاہتے ہیں بافراغت روزی دیتے ہیں۔ اور جس کو چاہتے ہیں نپی تُلی روزی دیتے ہیں اور جس طرح رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعتبارات سے بھی ہم نے ان میں فرقِ مراتب رکھا ہے کہ کوئی باپ ہے اور کوئی بیٹا۔ کوئی اُستاذ ہے۔ کوئی شاگرد۔ کوئی آمر ہے۔ کوئی مامور۔ کوئی حاکم ہے۔ کوئی محکوم۔ کوئی بادشاہ ہے۔ کوئی رعیت۔ کوئی آقا ہے۔ کوئی نوکر۔ اور انھیں حالات اور مدارج کے اختلاف و تفاوت پر انتظامِ دنیا کا مدار ہے کہ ایک سے ایک کار و خدمت لے۔ اور جب معاش و مراتب دنیوی کی تقسیم تمھارے اختیار میں نہیں تو نبوت جو فضلِ کردگار ہے وہ تو مال و متاعِ دنیا سے کہیں زیادہ قدر کی چیز ہے۔ وہ تمھاری رائے سے کیوں دی جانے لگی ہے

خدا نے رسولِ عرب کو جو بھیجا	لگا پکنے کفّار کے سر میں بھیجا
کہ ہم میں بہت سے بڑے آدمی ہیں	مگر وہ رسالت کے شایاں نہیں ہیں
خدا اگر کسی کو پیمبر بناتا	تو جبریل ہم میں کسی پاس آتا
خدا نے کہا تم ہو شدّت سے احمق	نہیں تم کو فہمید سے بہرہ مطلق
رسالت نہیں ہے مگر فضلِ باری	یہ انعام ہے محض رحمت ہماری
اُسے دیتے ہیں اہل پاتے ہیں جس کو	ذرا تم تو درمیاں سے دور کھسکو

پھر پیغمبری کے بعد خلافت کے بارے میں ہمیشہ اسی طرح کے جھگڑے رگڑے ہوا کیے کچھ ہم لوگوں کا دستور ہو گیا ہے کہ ہم کام کو نہیں دیکھتے بلکہ ذاتیات میں بحث کرنے لگتے ہیں

ضرور نہیں کہ اچھا عالم فاضل عمدہ ٹیچر[۹۱] بھی ہو۔ اِسی طرح ضرور نہیں کہ اچھا ٹیچر عمدہ مصنف بھی ہو۔ مختلف طرح کی لیاقتیں ہیں اور مختلف طرح کی طبیعتیں۔ ہر ایک طرح کی لیاقت کے واسطے طبیعت کی مناسبت شرط ہے۔ تمھارے ہی پڑوس میں ایک واقعہ ہو گزرا ہے کہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید دہلی سے مجاہدین کو لے کر افغانستان کو پہنچے اور اُلٹ کر سکھوں سے لڑے۔ مولانا نے کچھ علاقہ فتح بھی کر لیا تھا۔ مگر وہ اُن سے سنبھل نہ سکا۔ وہ بڑے بہت بڑے عالم۔ بڑے بہت بڑے خطیب تھے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ جو بڑا عالم اور بڑا خطیب ہو۔ وہ بڑا کمانڈر[۹۲] اور بڑا اسٹیٹسمین[۹۳] بھی ہو۔ غرض بھائی شمس الدین کو ترکِ چاکری پر مجبور کیا جائے اور اُن کو انجمن کے فنڈز سے کافی معاوضہ دیا جائے۔ پھر انجمن میں بڑی ضرورت فنڈز کے جمع کرنے کی ہے اور جو تدبیریں اِس کے لیئے عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ کافی نہیں۔ ہرگز کافی نہیں۔ مَیں ممبرانِ انجمن کو شاید ایک سال ایسے ہی مجمع میں سمجھا گیا تھا کہ ہز ہائینسز نظام حیدر آباد۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ مہاراجہ بنارس۔ مہاراجہ وزیانگرم۔ نواب صاحب رام پور۔ جیسی موٹی چڑیوں کے پھنسانے کا تم میں بوتا نہیں تو ضعفاء الطیور[۹۴] کو دام میں لاؤ۔

اے ممبرانِ انجمن تم ہر سال مجھ کو یہاں لکچر دینے کے لیئے کھینچ لاتے ہو۔ اِس توقع پر کہ مَیں لوگوں کو کچھ دینے کی ترغیب دوں۔ لیکن لوگ میرا کہنا کیا مانیں گے جب کہ تم خود میری نصیحت پر عمل نہیں کرتے۔ مجھ کو آنے اور جانے کی تکلیف جو ہوتی ہے۔ سو ہوتی ہے۔ سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ کہوں اور اثر نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ جس کام کا تم نے بیڑا اُٹھایا ہے۔ تم میں سے کسی نے اُس کی عظمت اور وقعت ہی کو نہیں سمجھا۔ یہ بھی کوئی کالج کے چلانے کی صورتیں ہیں۔ کہ مجھ جیسے تماشائی فنڈز کے جمع کرنے کی تجویزیں بتائیں اور اُن پر بھی عمل نہ ہو۔ تم کو خود ایسی تجویزیں سوچنی چاہئیں۔ جن کی طرف کسی کا بھی ذہن منتقل نہ ہو۔ اور یوں بے وضو

[۹۱] معلم۔ ۱۲ [۹۲] حاکم۔ ۱۲ [۹۳] مدبر ملک۔ ۱۲ [۹۴] کم زور پرندے۔ ۱۲

نماز پڑھاؤ اور وہ قبول ہو جائے۔ ایسے سرسری طور پر کالج کو چلاؤ اور وہ چل جائے۔ تو تمہاری کرامت اور خرقِ عادت پر پہلا ایمان لانے والا میں ہوں ؎۵

جی عبادت سے چرانا اور جنّت کی طلب		کام چوراس کام پر کس منہ سے اُجرت کی طلب

باوجودیکہ جب سے علی گڑھ محمدن کالج میں ٹرسٹیوں کا قانون بنا۔ تبھی سے ع "بدنام کنندۂ نکونامے چند" میں بھی کالج کا ایک ٹرسٹی ہوں۔ لیکن اُس کے سالانہ اجلاس میں اب کے پہلی بار مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ تو میں نے چھوٹتے ہی اُس رقمِ خطیر ایک لاکھ کئی ہزار کے غبن کے حالات دریافت کیے اور چند باتیں تمہاری نصیحت کے لیے وہاں سے اخذ کر کے لایا۔ ایک تو یہ کہ کسی ایک متنفس پر گو وہ کیسا ہی جفاکش اور بیدار مغز کیوں نہ ہو۔ فوقِ طاقت کام کا بوجھ ڈالنا ٹھیک نہیں۔ آپ اِس بات کو تعجب سے سنیں گے کہ سیّد احمد خاں سکرٹری کے دفتر میں لاکھوں روپے کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تھوڑی یا بہت جس مد کی جو رقم آتی ہے۔ اُسی دن بنک میں بھیج دی جاتی ہے اس میں ایک خرمہرہ کا غبن نہیں۔ سکرٹری تو ذمہ داری رقوم سے بری ہو چکا۔ غبن ہوا جعلی چکوں کے ذریعہ سے۔ مارے کفایت کے ایک انگریزی کلرک رکھا اور وہ چکوں پر سیّد احمد خاں کے انگریزی دستخط بنا بنا کر وقتاً فوقتاً روپیہ نکلواتا رہا۔ اگر دو کے روزنامچے سے مقابلہ ہوتا۔ تو انگریزی کا حساب اسی کلرک کے ہاتھ میں رہتا اور یہ جعلی چکوں کو چھوڑتا چلا جاتا۔ سیّد احمد خاں کو فرصت نہیں۔ کوئی اُن کا اتنا بھی ہاتھ بٹانے والا نہیں۔ اور دوسری مصیبت یہ کہ انگریزی نہیں جانتے۔ اور انگریزی میں کارسپانڈنس؎۱ کرنا اور حساب لکھنا پڑتا اور خیر سے آپ انگریزی دستخط بھی اُڑائے جاتے ہیں۔ جانتے ہو کہ بڑے میاں پر اس غبن کا کیا اثر ہوا۔ اُنھوں نے مجھ سے واقع میں رو کر کہا کہ ساری عمر میں مجھ کو دو صدمے ہوئے ہیں۔ ایک تو سیّد حامد کا جواں مرگ مرنا۔ دوسرے یہ غبن۔ اگرچہ سیّد احمد خاں بدستور

؎۱ مراسلت۔ خط و کتابت۔ ۱۲

کام میں لگے ہیں۔ مگر اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کسی وقت اُن کو یہ رنج نہیں بھولتا۔

ای ممبرانِ انجمن! تم کو اس حادثے سے کہ یہ ایک قومی حادثہ ہی۔ یہ نصیحتیں پکڑنی چاہئیں۔ حساب کی پوری پوری نگرانی۔ بے جا کفایت شعاری سے کہ مَیں تم کو بے طرح اِس میں مبتلا پاتا ہوں۔ احتراز۔ ایک متنفّس پر فوقِ طاقت کام کا بوجھ نہ ڈالنا۔ کوّے ہو کر ہنس کی چال نہ چلنا یعنی بنیٹو ہو کر انگریز بننے کا حوصلہ نہ کرنا؎

	جس کا کام اُسی کو ساجے		اَور کرے تو مونگرا باجے	

دوسری بات جو مَیں تمھاری نصیحت کے لیۓ لے کر آیا ہوں ہمّت اور استقلال ہی۔ اتنی بڑی رقم کثیر تو ضائع ہو چکی ہی۔ مگر سید احمد خاں نے اعلان کر دیا ہی کہ کالج جس شان سے چل رہا ہی اُسی شان سے چلا جائے گا۔ اور سوائے عمارت کے کوئی کام اٹکا نہیں رہے گا یہ اُنھوں نے کیوں اعلان کر دیا ہی۔ اِس لئے کہ اُن کو اعتماد ہی کہ وہ کہیں نہ کہیں سے اور کسی نہ کسی طرح اِس نقصان کی تلافی کر لیں گے۔ سید احمد خاں تو بڑے اولوالعزم ہیں۔ مَیں تو اِس بات کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طالب العلموں نے اِس غبن کی تلافی پر کمر ہمّت چست باندھ لی ہی۔ ان لوگوں کو جب جب موقع ملتا۔ چندے جمع کرتے پھرتے اور اُس سے غریب طلبا کو وظیفے دیئے جاتے اور ان لوگوں نے اِسی طرح بھیک مانگ کر بورڈنگ ہوس بھی بنوائے ہیں۔ اِسلامیہ کالج کے طالب علم خوب غور سے اِس کو سُنیں وَفِي ذَٰلِكَ[۱] فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ مَیں انجمن کے رسالوں میں اِس بات کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوا تھا کہ لاہور مڈیکل کالج کے طلبا انجمن کے لئے گداگری کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے سب کام باسی کڑھی کا اُبال ہوتے ہیں ع "ای طبلِ بلند بانگ در آخر ہیچ" پھر مدّتوں سے کچھ سننے میں نہیں آیا۔ نہیں معلوم لوگوں نے دینا بند کر دیا یا اُنھوں نے مانگنا۔ لیکن لوگوں نے دینا تو کیا بند کیا ہو گا۔ مانگنے والوں ہی نے ہمّت ہار دی ہو گی۔

[۱] اور ریس کرنے والے اِس بات کی ریس کریں۔ ۱۲

وابستگانِ دامانِ دولتِ انجمن یعنی پروفیسر اور مدرس اور طلبا اور حضرات واعظین ماشاء اللہ اتنے کثیر التعداد ہیں کہ ان کا مجموعہ بجائے خود ایک لشکر ہے۔ میں انجمن کو معدہ فرض کرتا ہوں اور ان کو اعضا و جوارح۔ جس طرح اعضا و جوارح معدے سے غذا پاتے ہیں۔ اسی طرح معدے کے لئے غذا بہم پہنچاتے بھی ہیں۔ برخلاف انجمن کے اعضا و جوارح کے کہ یہ پاتے ہیں اور بہم نہیں پہنچاتے۔ میں ایک حکایت بیان کروں تو اس سے آپ میرے مدعا کو خوب سمجھیں گے۔ ایک دفعہ اعضا و جوارح کا سارا لشکر پیٹ سے پھر بیٹھا۔ اس لشکر کے ہر ایک سپاہی یعنی ہر عضو اور ہر جارحہ نے کہا کہ پیٹ نے ناحق ہم کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور بلا استحقاق ہم سے مفت خدمت لیتا ہے۔ پاؤں نے کہا میں پیٹ کے لئے دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ ہاتھ نے کہا کہ میں پیٹ کے لئے کام کرتے کرتے عاجز آگیا۔ آنکھ نے کہا پیٹ کھائے اور میں اُس کے لئے مکّھی بال بیٹھی دیکھا کروں۔ ناک نے کہا میں سڑا بسا کیوں سونگھوں۔ زبان بولی میں کس کے لئے چکّھوں۔ دانتوں نے کہا ہم کاہے کو پیسیں۔ غرض تمام اعضا و جوارح اپنا اپنا کام چھوڑ بیٹھے۔ پیٹ کو لگی بھوک تو ہاتھ ٹکڑا نہیں توڑتا۔ مُنہ لقمہ نہیں لیتا۔ مجبور پیٹ انتڑیاں مسوس کر رہ گیا۔ مگر اس نے بھی بدل مایتحلّل کی رسد بند کی۔ تو لگی ٹانگیں لڑکھڑانے۔ ہاتھ کانپنے۔ زبان بہکنے اور آنکھوں کے آگے ترمرے پھرنے۔ بارے کمانڈنگ افسر اور لشکریوں میں میل ملاپ ہو گیا۔ ورنہ چھاؤنی ہی ٹوٹ گئی ہوتی۔ اے وہ لوگو جو وابستۂ دامانِ دولتِ انجمن ہو۔ انجمن کے اعضا و جوارح بنو یعنی انجمن سے لیتے ہو تو انجمن کو علیٰ قدرِ حیثیت کچھ دو بھی۔ پروفیسر اور مدرّس سمجھتے ہوں گے کہ ہمارا دینا یہی ہے کہ ہم طالب العلموں کو پڑھاتے ہیں۔ لیکن پڑھاتے ہیں تو اُس کا معاوضہ بھی پاتے ہیں ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنم		منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت	

رہے طالب العلم وہ کچھ تو یتیم ہو کر چھوٹ گئے اور کچھ بچّے بن کر۔ لیکن اس طرح کے بچّے دنیا میں بڑوں کے کان کترتے ہیں۔

سکول یا کالج کے لڑکے نمایش کے لیئے کچھ پڑھ کر سنا دیتے ہیں تو یہ کسی حساب میں نہیں بلکہ یہ بھی ایک طرح کا امتحان ہی۔ ہاں بعض کچھ اپنی موزونی طبع دکھلانے کو نظمیں بھی کہہ کر لاتے اور واعظ یا لکچرار کا کام دیتے ہیں۔ تو یہ البتہ ایک طرح کی خدمت ہی۔ میں نے دیکھا ہی کہ کوئی لڑکا اپنی کہی ہوئی نظم سناتا ہوتا ہی تو ممبرانِ انجمن کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور آڈیئنس[۵۱] سے بھی شاباش و تحسین کا آوازہ بلند ہوتا ہی مگر میں لڑکوں کی اس ادا کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ مولوی **حالی** نے نظم کا رنگ بدل دیا ہی اور شاعری اگلی گندگی اور بیہودگی سے بہت کچھ پاک ہو گئی ہی۔ لیکن اُٹھتی جوانی اور شاعری کا مذاق۔ کیوں کر اطمینان ہو سکتا ہی کہ اس عمر میں اس مذاق کا آدمی ایشیائی شاعری کے زہرآلود اثر سے محفوظ رہ سکے گا۔ اُس کو شاعری کی مشق کے لیئے وہی لٹریچر پیشِ نظر رکھنا پڑے گا جو دین کا عدو اور اخلاق کا دشمن ہی۔

میں سمجھتا ہوں کہ انجمن کے پروفیسر اور طالب العلم فنڈز جمع کرنے میں بہت نہیں تو کچھ مدد ضرور دے سکتے ہیں۔ لیکن شاید ان میں سے کسی نے اس کا خیال بھی نہیں کیا اور نہ کسی نے اُن کو اس کا خیال دلایا۔ فنڈز کے علاوہ ایک اَور طرح کی مدد ہے جو اُن کو کرنی چاہیئے نہ احسان و تبرّع کے طور پر۔ بلکہ ایز اے ڈیوٹی[۵۲]۔ اور وہ ان کے اور انجمن کے حق میں زیادہ مفید اور بہ کار آمد بھی ثابت ہو گی۔ وہ یہ کہ فنڈز کی کوتاہی کی وجہ سے انجمن بڑی بڑی تنخواہ کے یورپین پروفیسر انگیج[۵۳] نہیں کر سکتی اور اسی وجہ سے یہاں کی تعلیم کو بعض اصحاب حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ میں نے تو کسی اخبار میں پڑھا ہی یا کسی سے مُنہ زبانی سُنا ہی کہ اسلامیہ کالج کے توڑ دینے یا بند کر دینے کی جہاں اَور وجوہ بیان کی جاتی ہیں اُن میں اسی وجہ پر بڑا زور دیا جاتا ہی کہ کم تنخواہ کے پروفیسر اگر واقع میں لائق ہیں تو کم تنخواہ پر قانع نہیں ہو سکتے اور اُن کو قانع ہونا چاہیئے بھی نہیں اور اگر جیسی ان کی تنخواہ کم ہی

[۵۱] حضارِ مجلس۔ ۱۲ [۵۲] بطور فریضہ۔ ۱۲ [۵۳] ملازم۔ ۱۲

ویسی ہی ان کی لیاقت بھی کم ہے۔ تو ان کی تعلیم کچھ مفید نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ جو علوم پڑھائے جاتے ہیں انگریزی ہیں اور انگریزی ہی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور خود زبانِ انگریزی بھی بجائے خود ایک علم ہے۔ بلکہ علوم سے زیادہ مشکل ہے۔ یہ اس بحث کا محل نہیں ہے کہ یہ علوم وہ ہیں جن میں سے اکثر یونان میں ایجاد ہوئے اور اُن سے مسلمانوں نے اخذ کئے اور بعض خود مسلمانوں کی ایجاد ہیں اور مسلمانوں سے اہلِ یورپ نے سیکھے۔ یہ منصب ایک محقق مورخ کا ہے۔ جیسے ہمارے شمس العلما مولنا شبلی کہ وہ جس بات کو لیتے ہیں اُس کو اصل تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ ہم کو تو اتنا بس کرتا ہے کہ یہ علوم چاہے کسی نے ایجاد کئے ہوں اور اہلِ یورپ سیکھ کر نہیں بلکہ چرا کر لائے ہوں اب اِن علوم پر انھیں کا قبضہ ہے۔ وہی ان کو بہت عزیز رکھتے اور اُن کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اُنھوں ہی نے ہندوستان میں انھیں رواج بھی دیا ہے۔ تو جیسی زبان انگریزی ہے ویسے ہی یہ علوم بھی انگریزی ہیں اور قاعدہ ہے کہ تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں۔ ایک موجد جیسی اپنی ایجاد کی ہوئی چیز کی حقیقت سے واقف ہے۔ دوسرا ہو نہیں سکتا۔ پس ٹیچر یا پروفیسر جیسا یورپین ہو سکتا ہے نیٹو کو کیسا ہی باکمال کیوں نہ ہو۔ ہو نہیں سکتا۔ لیکن یورپین ٹیچر یا پروفیسر ہم کو کہاں نصیب ہ

یا مکن با فیلباناں دوستی	یا درے افراز بر بالاے پیل

ہماری بیچاری تھوڑی پونجی کی انجمن کو ان ہاتھیوں کے پالنے کا مقدور ہی نہیں۔ اور اگر بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا ہُن برسا دے۔ اس صورت میں بھی میری تو رائے نہیں ہے کہ انجمن یورپین پروفیسروں اور پروفیسروں کیسے کسی ایک یورپین پروفیسر کو بھی نوکر رکھے۔ یورپین پروفیسر کے رکھنے کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ انجمن کا کلاوہ اور شجرہ سب کچھ پروفیسر صاحب کے حوالے کر کے ممبرانِ انجمن دور کھڑے ہوئے اُس کا مُنہ تکا کریں۔ تو پھر انجمن۔ انجمن حمایت اسلام ہی کیوں ہو اور کالج اسلامیہ کالج ہی

کیوں کہلائے۔ بات یہ ہی کہ ہم میں اور اہلِ یورپ میں اس وقت وہ نسبت ہی اور مَیں تو سمجھتا ہوں کہ یہ نسبت لازمی سی ہی۔ جیسے تیل اور پانی۔ یعنی ہم پانی ہیں اور اہلِ یورپ تیل اگر ایک برتن میں پہلے تیل ڈال کر اوپر سے پانی ڈالو یا پہلے پانی ڈال کر اوپر سے تیل ڈالو از بسکہ تیل کا وزنِ مخصوص زیادہ ہی تیل اوپر ہی رہے گا۔ مجھ کو خود ایسے مواقع ملے ہیں اور مَیں نے دوسرے نیٹوز کو بھی انگریزوں پر افسری اور حکمرانی کرتے دیکھا ہی۔ انگریز تو انگریز یوریشین بھی نیٹوز سے رُخ دے کر بات نہیں کرتا۔ اچھا تو پھر یورپین پروفیسروں کے رکھنے کا مقدور نہیں اور اُن کا رکھنا مناسب بھی نہیں تو کام بنے تو کیسے بنے۔ اور نالیاقتی کا دھبّہ دُھلے تو کیونکر دُھلے۔ کام بنے اور دھبّہ دُھلے طالب العلموں اور پروفیسروں کی غیر معمولی محنت اور جاں فشانی سے کہ امتحان کے نتیجے ہمیشہ بہتر سے بہتر ہوں

زبان انگریزی کی تو مَیں کہتا نہیں کہ وہ تو جیسی یورپین پروفیسر جانے گا کوئی دوسرا کیا جان سکتا ہی لیکن اس میں بھی اتنی پخّریں لگی ہیں کہ گو انگریزی یورپین پروفیسر کی مادری زبان ہی مگر خود جاننا اور دوسرے کو سکھانا دونوں میں بڑا فرق ہی ممکن ہی کہ یورپین پروفیسر ہو اور نیٹوز کو انگریزی سکھانے کا سلیقہ نہ رکھتا ہو یا وہ سرے سے جی ہی نہ لگائے۔ اور متوجّہ ہی نہ ہو۔ اور یوں نیٹوز بھی ایسے انگریزی داں ہوئے ہیں اور اَب موجود ہیں کہ انگریز بھی اُن کا لوہا مانتے ہیں۔ تو ایسے ہی نیٹوز ہمارے اسلامیہ کالج کے پروفیسر بھی کیوں نہ ہوں۔ نَحْنُ رِجَالٌ[۵۱] وَ هُمْ رِجَالٌ۔ وہاٹ مین[۵۲] ہیز ڈَن مین کین ڈُو لیکن ہوں تو کیوں کر ہوں۔ بہت پڑھنے سے کثرت مطالعہ سے وسعتِ معلومات سے اور استحضار سے کہ جو کچھ نظر سے گزرا مستحفظ۔ رہی علوم اگرچہ شاید اسی پنجاب کے کسی ڈائرکٹر[۵۳] آف پبلک انسٹرکشن نے کسی رپورٹ میں لکھ مارا تھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے قابل ہی نہیں بنائے۔ لیکن اُن کا یہ کلیہ فرمایا گیا

۵۱ جیسے ہم آدمی ویسے ہی وہ۔ انسان انسان سب برابر۔ ۱۲ ۵۲ جو ایک انسان کر سکتا ہی وہ دوسرا بھی کر سکتا ہی

۵۳ ناظم تعلیمات عامّہ۔ ۱۲

یعنی علمِ قیافہ کے کسی اُصول پر مبنی نہ تھا۔ مسلمانوں کو حساب اور ریاضی میں اکثر فیل ہوتے دیکھ کر اُنھوں نے ایسا لکھ دیا ہوگا۔ ورنہ یہ اُنھیں مسلمانوں کی نسلیں ہیں نہ جو جبر و مقابلہ اور علمِ ہیئت کے موجد ہو گزرے ہیں۔ بہرکیف علومِ انگریزی کی تو میں اہلِ یورپ کے ساتھ زبانِ انگریزی کی سی خصوصیت سمجھتا نہیں۔ ہمارے ہی دہلی کالج میں جناب ماسٹر رام چندر صاحب مرحوم دہلی ہی کے رہنے والے کایستھ ریاضی کے پروفیسر تھے جنھوں نے ریاضی کے شعبہ ڈفرنشل اینڈ انٹگرل کیلکیولس یعنی علمِ کُلیات و جزئیات میں کتاب میکسما اینڈ منیما لکھ کر تمام یورپ میں ایک شور برپا کر دیا تھا۔ سر آیزک نیوٹن کی مشہور وصایا میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا جو نیوٹن کو زندگی میں حل نہیں ہوا تھا۔ مگر وہ عالی دماغ میتھامٹیشن[۵۱] لکھ مرا تھا کہ مجھ کو تو موت نے مہلت نہیں دی تاہم یہ مسئلہ کبھی نہ کبھی حل ہوگا۔ یہ فخر ہمارے ماسٹر صاحب کے حصّے کا تھا کہ اُنھوں نے اِس کو حل کیا اور تمام اہلِ یورپ پر سبقت لے گئے۔ بڑے بڑے جھگڑے ہوئے آخرِکار یورپ کو تسلیم کرنا پڑا کہ اِس کے موجد ماسٹر رام چندر رہیں[۵۲]۔ اِس کے بعد سے جو کتابیں یورپ میں تصنیف ہوئیں اُن میں رام چندرز پرابلمز[۵۳] کا ایک نیا چیپٹر قایم ہوگیا۔ وَکَفیٰ بِہٖ فَخراً۔ میں نے ماسٹر رام چندر صاحب کو مرحوم اِس لیئے کہا کہ وہ میرے اُستاد اور اپنے فن میں فخرِ ہندوستان تھے اور اگرچہ وہ عیسائی ہو گئے تھے اور اِس اعتبار سے وہ اہلِ کتاب تھے۔ لیکن اگر وہ ہندو بھی مرے ہوتے تو بھی میں اُن کو مرحوم کہتا اور اُن کی مغفرت کی دعا مانگتا۔ کیوں کہ بہ تعیین شخص کسی پر کفر کا اطلاق منع ہے اور بالفرض وہ کافر ہی مرے سہی تو اُن کے لیئے دعاے مغفرت کرنے میں میرا ہی کون سا ہرج ہے۔ میں کوئی مستجاب الدعوات پیغمبر تو ہوں نہیں کہ میری دعا قبول نہ ہوگی تو اُمت بدعقیدہ ہو جاے گی۔ سب چیزوں سے قطع نظر کر کے میں تو مختصر سی ایک بات یہ کہتا ہوں کہ ہم کو تعلیم کے رستے میں ابھی بہت دوڑ کر چلنا بھی

[۵۱] ریاضی داں)۔ ۱۲- [۵۲] رام چندر کے اصول - ۱۲- [۵۳] باب - ۱۲-

مناسب نہیں۔ ہمارا منتہائے نظری بالفعل وہی سٹینڈرڈ[۹۱] ہونا چاہیئے جو گورمنٹ نے قرار دے رکھا ہی۔ اِس سے زیادہ حوصلہ کرنے کو مَیں قبل الوقت سمجھتا ہوں۔ اور گو اسلامیہ کالج کا سٹاف[۹۲] بنیٹوز ہوں اور گو انڈر پیڈ[۹۳] بھی ہوں لیکن چوں کہ گریجوئٹ[۹۴] ہیں دوسروں کو گریجوئٹ بنا دینا کیا دشوار ہی اگر محنت کی جائے اور محنت لی جاسے۔ ای پروفیسر صاحبو! اور ای طالب العلمو اپنے ذاتی مفاد کی نیت سے محنت نہ بھی کرو تو اپنے کالج کی آنر[۹۵] سنبھالنے کے لیئے محنت پر جُھک پڑو ؂

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد		اگر خارے بود گلدستہ گردد	

اگر تمھارے امتحانوں کے نتیجے اچھے نکلیں گے اور محنت کروگے تو ضرور اچھے نکلیں گے تو جو لوگ جلی کٹی کہتے پھرتے ہیں خود بخود اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور تمھارا کالج پبلک کی نظر میں وہ اعتماد پیدا کرے گا کہ تمام رائول انسٹی ٹیوشنز پر اَوس پڑ جائے گی اور پبلک کی نظر میں ایسے اعتماد کا پیدا ہونا فنڈز کے جمع ہونے اور کالج کے استحکام کی کافی ضمانت ہی۔ جو لوگ کسی اَور کالج کی سند پکڑ کر تم کو چھیڑیں بہتر ہی کہ نتائج امتحان سے اُن کو جواب دو اور یوں مطلق جواب دینے کو تو تم یہ بھی کہہ دے سکتے ہو کَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رُوم وازناٹ بلٹ اِن اے ڈے۔ اور مَیں تو کہتا ہوں کہ علی گڈھ محمدن کالج اب بھی محمدن کالج نہیں ہی۔ اور کالج کا نام کر دیا تو کون کسی کی زبان پکڑے لیتا ہے۔ اب یہ نیشنل کانگرس ہی ہو کہ ہندوستان میں نہ کوئی ایک نیشن ہی اور نہ یہاں کا کوئی کام نیشنل ہو سکتا ہی۔ شروع شروع میں لوگوں نے بڑا غل مچایا مگر ہونا کیا تھا وہی نیشنل کانگرس نام پڑ گیا۔ میں دلّی میں بہت دیکھتا ہوں کہ عورتیں ماما گری کرتی یا کوڑی دکان مانگتی پڑی پھرتی ہیں اور نام پوچھو تو امیر زمانی بیگم۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا ہی اَب مَیں تم کو ساری آیت

[۹۱] معیار۔ ۱۲ [۹۲] کارپرداز۔ ۱۲ [۹۳] کم تنخواہ۔ ۱۲ [۹۴] یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ۔ ۱۲ [۹۵] عزت۔ ۱۲

اور اُس کا شانِ نزول بتاؤں تو سمجھو کہ جو لوگ علی گڈھ محمڈن کالج کی سند پکڑ کر تم کو چھیڑیں
کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ کیوں کر اُن کا جواب ہوا - پوری آیت تو یوں ہے یَاۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ
لَسۡتَ مُؤۡمِنًا تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَۃٌ کَذٰلِکَ
کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا اور
شانِ نزول یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں کو ایک گانوں کی
طرف بھیجا - یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی ابتدا ہو چکی تھی - غالباً پیغمبر صاحب
نے ان مسلمانوں کو اطراف و جوانب کی خبر لانے کے لئے بھیجا ہوگا - یہ لوگ گانوں کے
پاس پہنچے تو چند لوگ سوادِ دہ میں کھڑے بکریاں چرا رہے تھے ان کو آتا ہوا دیکھ کر انھوں نے
ان سے صاحب سلامت کی اور ان کی طرف کو لپکے - وہ لپکے تھے اظہارِ بشاشت کے لئے - اور
مسلمانوں نے سمجھا کچھ اور - دونوں فریق آپس میں گتھ گئے اور جو لڑائی میں ہوا کرتا ہے وہ ہوا
جناب پیغمبر صاحب کو معلوم ہوا تو آپ بہت ہی ناخوش ہوئے اور اسی پر یہ آیت اُتری -
جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! خدا کے کام میں کسی طرف کو نکل جانے کا اتفاق ہوا کرے
تو وہاں کے لوگوں کے حال کو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور کوئی تم سے ابتدا بہ سلام کرے تو
اُن سے یوں سے یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں کہ اِس کہنے سے تمھاری یہی غرض ہوگی کہ
لڑائی ہو اور کچھ مال و متاع اپنے ہاتھ آئے - گھبراتے کیوں ہو کھلے ہوئے دشمنوں سے لڑائیاں
ہوں گی اور تم کو بہتیری لوٹ ملے گی - ابتدا میں تمھارا اپنا بھی تو یہی حال تھا - پھر خدا نے تم پر اپنا
فضل کیا - تو تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اُس سے باخبر ہے - اب سمجھے
کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ کو انجمن حمایت اسلام سے کیا مناسبت ہے -
علی گڈھ محمڈن کالج کی ہسٹری پڑھو تو معلوم ہو کہ اُس کی بھی ابتدا کیا تھی مجھے یاد پڑتا ہے کہ
کالج کا سب سے پہلا چندہ شاید ایک پیسہ صرف ایک پیسہ تھا - لیکن وہ ایسی برکت کا پیسہ تھا

کہ لاکھوں روپیہ گھسیٹ لایا اور ابھی تک ماشاء اللہ گھسیٹے ہی چلا جارہا ہے تو بجائے اس کے کہ انجمن تھڑدلی ہو اُس کو محمدن علی گڈھ کالج کے حال پر نظر کرکے حوصلہ بلند اور ارادہ محکم رکھنا چاہیئے ٭

مرد باید کہ ہراساں نہ شود	مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

چھبیسواں لکچر

یہ نظم مدرسہ طبیہ دہلی کے سالانہ جلسہ میں ۲۔ اپریل ۱۸۹۶ء کو بمقام دہلی پڑھی گئی تھی

کس قدر جلدی گزرتے ہیں جہاں میں ماہ و سال
کاش ہم کو بھول کر آئے کبھی اِس کا خیال

حال جتنے ہیں وہ ہو جائیں گے ماضی ایک دن
جتنے مُستقبل ہیں ہو جائیں گے وہ ایک دن حال

ہر منٹ اور ہر سکنڈ ایک آدمی ہے فی المثل
اس کا ہو چکنا گزر جانا ہے اُس کا انتقال

جلسہ سالِ گزشتہ گویا کل کی بات ہے
جمع تھے جس میں تمامی شہر کے اہلِ کمال

صدر میں صاحب کمشنر جلوہ گر چوں ماہتاب
دوسرے حکّام گرداگرد تاروں کی مثال

وہ نہ تھا جلسہ مگر ایک کورٹ تھا بے اشتباہ
وہ نہ تھا جلسہ مگر دربار تھا بے قیل و قال

سکرٹری پڑھ رہے تھے کس فصاحت سے رپوٹ
باغ میں جس طرح چہکے طوطیِ شیریں مقال

ہر طرف سے مرحبا و آفریں کا شور تھا
ہو رہے تھے حاضرانِ جلسہ سُن سُن کر نہال

اور صفِ پائیں میں یہ عاجز کھڑا تھا سرنگوں
بے بضاعت بے ہنر نادم سراپا انفعال

یوں ہوا اتنے میں ارشادِ حکیمِ محتشم
کیا کھڑا ہے آ اِدھر اور جیب سے کاغذ نکال

ایسا لکچر دے کہ پا جائے ہمیشہ کے لئے
طبِ یونانی و انگریزی کا جھگڑا انفصال

اُن کی اس درخواست پر میں نے بھی وہ تقریر کی
جس کو سُن کر لوگ کہتے تھے کہ ہے سحرِ حلال

ایسی بے باکی سے بولے کس کا اتنا حوصلہ
اِس صفائی سے کہے کوئی کسی کی کیا مجال

کوئی کوئی معترض بھی تھے کہ یہ سب لغو ہے
بے دلیل و بے سند اثباتِ دعواے محال

گُل ہوا ہی چاہتا ہے طبِ یوناں کا چراغ　　اور یہ جو کچھ دیکھتے ہو آخری ہے اشتعال
یہ عمارت کھنگی سے کلّ کے آٹا ہو گئی　　اب نہ جالینوس کے باوا سے ہو اس کی سنبھال
طبِ یونانی و انگریزی کہ دو بہنیں ہیں یہ　　بے محابا مدتوں سے لڑ رہی تھیں بدخصال
گرچہ یونانی بڑی تھی پر نہ تھا اس کے تئیں　　اپنی چھوٹی بہن کی پرداخت کا مطلق خیال
کوستی تھی اور کہتی تھی کہ تو ہو جائے رانڈ　　ٹکڑے روٹی کے لئے کرتی پھرے گھر گھر سوال
چھوٹی کھوٹی تڑ سے بول اُٹھی کہ بس بک بک نہ کر　　تیرے مٹ جائیں چہیتے اور تیرے مر جائیں لال
جب کہ دونوں میں ہوئی ٹھکا فضیحت اس قدر　　اُٹھ گیا دونوں طرف سے پاسِ حدِّ اعتدال
یار سے دونوں کو کسی ڈھب سے گلے ملوا دیا　　ورنہ ہوتی خاندانِ طب کی رسوائی کمال
دور ہو کر رنجشیں پھر ہو گیا گہرا ملاپ　　اب تو سننے میں نہیں آتی کبھی جنگ و جدال
امن سے ایک ہی جگہ میں دونوں گھر آباد ہیں　　نے حسد ہے نے گلہ نے شکوہ نے رنج و ملال
کوئی کرتا ہے سدا رہی اور نفیسی کی چنگھاڑ　　کھینچتا ہے چیرہ دستی سے کوئی مُردے کی کھال
مدرسہ طبیہ اپنی شان میں ہے منفرد　　کیجئے تسلیم یا دکھلائیے ایسی مثال
درسِ طب اور درسِ طب کے ساتھ حسنِ انتظام　　تجربہ اور تجربہ کے ساتھ اس کی دیکھ بھال
حیف ہے صد حیف گر اس کی نہ کی جائے مدد　　ظلم ہے گر دستگیر اس کا نہ ہو دستِ نوال
یہ ابھی تک صرف منصوبے ہیں دور از واقعات　　جیسے کوئی خواب دیکھے یا کرے دل میں خیال
ڈالنے کو گڑ نہیں پیدا تو پھر کیسی مٹھاس　　یا سُنے ہیں آپ نے بے دودھ بنتے شیر مال
وقفِ تفریحاتِ لایعنی ہے بیجا ہے جس کے پاس　　پر نہیں ہے قوم کے کارن کوئی کوڑی دوال
قوم کے سر میں مگر احساسِ حالت ہی نہیں　　پڑ رہا ہے مدتوں سے ملک میں قحط الرجال
اِک سرے سے آگیا ہے سب کی عقلوں میں فتور　　یا دماغوں کی بناوٹ میں ہے داخل اختلال
انقلابِ دہر کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں　　کیا نتیجہ ہوگا کیا انجام ہوگا کیا مآل
باکمالانِ وقت کی ہر چیز سے کُلّی گریز　　وضع ہو یا طرز ہو یا علم ہو یا بول چال

ہو چکا سیراب ساری عمر ایسا تشنہ کام
جو پھرے سرگشتہ دور از چشمۂ آبِ زلال

بود باشِ بحر اور اُس پر مگر سے دشمنی
بدنصیبی اِس کو سمجھو یا حماقت یا ضلال

جیسے ایک تنکا مقابل ہو کسی سیلاب کے
جیسے کوئی توپ سے لڑنے کو جائے لے کے ڈھال

بُرد کیسی آپڑا ہی صاف نقشہ مات کا
ابتدا ہی سے غلط ہوتی گئی بازی میں چال

عزت و دولت حکومت سلطنت سب کھو چکے
اب نِرا افسانہ ہی اسلام کا جاہ و جلال

گر کسی کو شاذ و نادر ہی بھی انگریزی کا شوق
فرسٹ ریڈر پڑھ کے بننا چاہتا ہی کوتوال

یا بنا کر اوپری باتوں میں انگریزوں کی نقل
وہ مثل ہی ہو سکے کوّا ہنس کی سیکھا ہی چال

یہ نکھٹو لا نہیں سکتا کما کر ایک درم
ہاں اِسے دیدو اُٹھانے کو دنانیر و ریال

روم و ایران ہند و مصر افریقیہ اور ایشیا
جس طرف جاؤ تنزّل اور جدھر دیکھو زوال

ہو چکے دورے وہ عبداللہ احمد بخش کے
اب ہیں ماتا دین تلسی داس بابو شام لال

ہو گئی ہیں رسّیاں جل جل کے سب خاکِ سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بَل جلے پر کیا مجال

نازشِ بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی لیتے تک اُس میں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

اُٹھ گئی دنیا سے رسم و اتحاد و یک دلی
اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال

اب یہ حالت ہی کہ گویا ایک کا دشمن ہی ایک
بس چلے اور دست رس پائے تو کر ڈالے حلال

ایسے سفّاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہی
شیرِ مادر ہی جو پا جائیں کسی کا مفت مال

جنگ ہوتی دیکھ مذہب آن کودا بیچ میں
تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال

یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں
مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال

یہ اُبھرنے ہی نہیں دیتا ہی ہم کو ایک انچہ
اور ہمیں چارہ نہیں چڑھنے سے تا اعلی الجبال

گر یہی اسلام ہی کر دور سے اِس کو سلام
گر یہی جنّت ہی اس جنّت کو لے دوزخ میں ڈال

طیّبات التحیّات سارے لے گئے اگلے بزرگ
جھیلنے کو رہ گئے ہم ناخلف رنج و ملال

ایسی کثرت کی خوشی کیا ہو کہ ہم ہیں چھ کروڑ
جن میں اکثر بلکہ اکثر سے بھی اکثر خستہ حال

کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض
کیا ہوا ہم میں اگر خوش حال ہوں بھی خال خال

بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ
جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال

دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ
رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال

یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں
بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال

اس قدر دُبلی کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں
حلقے آنکھوں میں پڑے پچکے ہوئے اندر کو گال

ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر
پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال

وقت تھوڑا طبع نازک داستانِ غم دراز
اب دعا کے ساتھ ہونا چاہیئے ختم المقال

ای خدا سارے جہاں کا خالق و رازق ہی تو
ای خدا ہی ذات تیری لم یزل اور لایزال

مشکلوں نے ہم کو آگھیرا ہی چاروں سمت سے
ہم کو گردش نے فلک کی کر دیا ہی پائے مال

مدرسہ طبابیہ جس میں آج ہم سب جمع ہیں
یہ بھی ہی حق میں ہمارے ایک طرح کی نیک فال

یعنی کچھ دن پھر چلے ہیں طالع ناساز کے
کیا عجب شاید ہمیں پھر نہ بر آر دیر و بال

یہ اور اُس کے ساتھ وابستہ ہیں جتنے کاروبار
سب کو استحکام دے پروردگارِ ذوالجلال

آپ ملکی لارڈ ہو کر ہوں ہمارے سرپرست
چل مریں پھر مدرسہ کے حاسدانِ بدسگال

آپ دیں طلاب کو انعام ہم دیں آپ کو
ہر برس صدہا دعائیں یاں بُلا کر خیر نال

ستائیسواں لکچر

جو محمدن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس کے گیارھویں جلسے میں بمقام میرٹھ ۱۸۹۶ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ ابراہیم ذوق کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہے ؎

ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانئے کیا کہنے کو ہیں	شاید اُس کو دیکھ کر صلِّ علیٰ کہنے کو ہیں

پارسال جو شاہ جہاں پور میں کانفرنس ہوا تو ایک صاحب نے جن کا نام اور تخلص دونوں مجھ کو بھول گئے ہیں **سید احمد خاں** کے خیر مقدم کے طور پر اسی وزن میں ایک نظم پڑھی تھی اور نواب **محسن الملک** بہادر نے جو اُس کانفرنس کے پریزیڈنٹ تھے اُس نظم کی بڑی مدح کی تھی۔ اور وہ مدح کی مستحق تھی بھی۔ امسال مجھ کو خیال آیا کہ مَیں بھی اُن کی طرح طبع آزمائی کروں۔ بے شک مَیں اُن جیسے شعر نہیں کہہ سکتا اور میں نے ساری عمر شعر گوئی کو اپنا مشغلہ کبھی نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ ہنوز مَیں نے اپنا کوئی تخلص بھی نہیں رکھّا۔ اور یوں طبیعت کے موزوں ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی شعر موزوں کر لیا ہو تو اس کی قسم بھی نہیں کھاتا۔ مگر اتنا کرنے سے میں شاعر نہیں ہو گیا اور نہ مَیں شاعر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اور شاعر نہیں اور شاعری کا دعویٰ نہیں تو مدح کی توقع کیوں ہو ؎

نہ ستایش کی تمنّا نہ صلہ کی پروا	گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

مدح و ستایش نہ بھی ہو تا ہم یہ فائدہ کیا کم ہے کہ مجھ جیسے اناڑی عطائی کی وجہ سے خواجہ **الطاف حسین حالی** جیسے کلاونت کی حق قدر و قدر کی جاوے گی وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ[۱]

نظم

کچھ نہ پوچھو آج ہم لکچر میں کیا کہنے کو ہیں ان کو ان کے عیب ان کے سُقم دکھلانے کو ہیں	قوم کو خود قوم کے مُنہ پر بُرا کہنے کو ہیں ان سے ان کی داستان مامضیٰ کہنے کو ہیں

[۱] مقابلے ہی کے وقت ہر شی کی اصلی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ ۱۲

الغرض اسلام پر جو کچھ کہ گزرا نیک و بد	اس کو ہم از ابتدا تا انتہا کہنے کو ہیں
مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کیئے	اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو برملا کہنے کو ہیں

صدقؐ اللہ شاعروں کی نسبت فرمایا ہی وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ مجھ کو شاعروں کی ذراسی بھاپ لگ گئی تھی تاہم يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ سے نہ بچ سکا۔ میں نے اگر قوم کو سمجھایا ہی تو اسی قدر کہ کبھی لکچر میں کوئی بات نصیحت کی کہہ دی۔ یا اپنی کتابوں میں جن کو کتاب کہتے ہوے بھی مجھ کو شرم آتی ہی کوئی بہتری کی بات سمجھا دی سنا دی تو اتنے سے مجھ کو یہ حق حاصل نہیں ہوا کہ (مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کیئے) اپنی نسبت کہہ سکوں۔ ہاں یہ سید **احمد خاں** کا حق ہی جنھوں نے ساری عمر قوم کے سمجھانے میں صرف کر دی ہی۔ مجھ کو اس شعر پر نوح علیہ السلام کا قصہ بھی یاد آیا۔ وہ جناب باری سے عرض کرتے تھے رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي

لہ اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہی۔ ۱۲ عہ اور (جیسا کہ کافر خیال کرتے ہیں پیغمبر شاعر بھی نہیں کیوں کہ) شاعر (خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہی کی تعلیم کرتے ہیں اور) اور اُن کی پیروی (بھی) گمراہ (ہی) کرتے ہیں (ای مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگردان پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ ۱۲ عہ ای پروردگار میں نے اپنی قوم (کے لوگوں) کو رات کے وقت بھی بلایا اور دن کے وقت بھی (بلایا) تو میرے بلانے کا اُن پر بھی اثر ہوا کہ (جتنا زیادہ بلایا اُتنا ہی) زیادہ بھاگے اور جب جب میں نے اُن کو بلایا کہ (یہ تیری طرف رجوع ہوں اور) تو اُن کے گناہ معاف فرمائے اُنھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس ٹھونس لیں (کہ ان کے کانوں میں کہیں میرے بلانے کی بھنک نہ پڑے) اور (اوپر سے) اپنے کپڑے اوڑھ اوڑھ لیے (کہ کہیں میری صورت اُن کو نہ دکھائی دے) اور ضد کی اور شیخی میں آکر اکڑ بیٹھے۔ پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا اور ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور ان کو پوشیدہ بھی سمجھایا (اور بار بار ان سے) کہا کہ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو کہ وہ بڑا بخشنے والا ہی (تمھارے قصور بھی معاف کر دے گا اور) تم پر (آسمان سے) موسلا دھار مینہ برسائے گا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا (سورۂ نوح) ۱۲

إِلَّا فِرَارًا وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا قرآن کی اِس آیت میں أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا اِس شعر سے ملتا ہوا ہے

مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کئے ۔۔۔ اَب جو کچھ کہنے کو ہیں سو برملا کہنے کو ہیں

لیکن نظم قرآن ایسا دل کش واقع ہوا ہے کہ ایک لفظ سے استشہاد کرنا ہوتا ہے تو ساری آیت بلکہ سارا رکوع پڑھے بدون صبر نہیں آتا میں تو ساری سورت پڑھنے کو تھا مگر وقت کم ہے اِس خیال سے اِتنے ہی پر بس کیا۔

شاعری کو اسلام کے ساتھ قدیمی تعلق ہے۔ مگر ویسا ہی تعلق جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں ۔۔۔ کعبے سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

یعنی مخالفین جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر طرح طرح بے تکے بونگے اعتراض کرتے اور ہمیشہ مُنہ کی کھاتے تھے کبھی کہتے [۵۱] إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ اس کا جواب دیا جاتا تھا [۵۲] لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ کبھی کہتے یہ قرآن اِس شخص نے خود بنا لیا ہے [۵۳] أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ اِس کا جواب دندان شکن تھا [۵۴] فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ کبھی اِس اعتراض کو دوسرے پیرایے میں

[۵۱] کافر (قرآن کی نسبت) یہ اشتباہ کرتے ہیں کہ ہو نہ ہو اِس شخص کو فلاں آدمی سکھایا کرتا ہے۔ ۱۲

[۵۲] سو جس شخص کی طرف (سکھانے کی) نسبت کرتے ہیں اُس کی بولی تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان (میں) ہے۔ ۱۲ [۵۳] یا کہتے ہیں کہ یہ قرآن اِس (شخص) نے خود بنا لیا۔ ۱۲ [۵۴] سو اگر (اپنے دعوی میں) سچے ہیں تو اِسی طرح کا کلام (یہ بھی بنا کر) لے آئیں۔ ۱۲

پیش کرتے قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ اِس کا
جواب تھا قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی
اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ
عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اور اسی
قبیل کا جواب وہ بھی تھا وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ من جملہ اور اعتراضات کے ایک اعتراض شاعری کا بھی تھا
بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ
مَّجْنُوْنٍ اور مجھ کو اِس مقام پر اعتراض کا ظاہر کرنا منظور تھا۔ اِس کا جواب تھا وَمَا عَلَّمْنٰهُ
الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ کہ شاعری جس کو تم لوگ بڑا کمال سمجھتے ہو تمھارے لیے سرمایۂ فخر
ہوگا۔ مگر پیغمبر کے لیے موجب کسر شان ہی اِس لیے کہ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ سو پیغمبر صاحب

۹۱ تو جن لوگوں کو (مرے پیچھے) ہمارے پاس آنے کا (ذرا سا بھی) کھٹکا نہیں وہ (تم سے) فرمائش کرتے ہیں کہ اِس کے سوا کوئی (اور) قرآن لاؤ یا اِسی میں ردّ و بدل کر دو۔ ۱۲ ۹۲ (تو تم ان سے) کہو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں (کسی قسم کا بھی) ردّ و بدل کروں۔ میری طرف جو وحی آتی ہی میں تو اُسی پر چلتا ہوں۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے (قیامت کے) بڑے (مشکل) دن کے عذاب سے (بہت ہی) ڈر لگتا ہی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو اگر خدا چاہتا تو میں یہ (قرآن) تم کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ خدا تم کو اُس سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں (اور میں نے کبھی وحی کا نام بھی نہیں لیا) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا پر جھوٹ (جھوٹ) بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے اِس میں ذرا شک نہیں کہ (ایسے) گنہگار فلاح نہیں پاتے۔ ۱۲ ۹۳ اور (اے پیغمبر) قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے (پڑھا) تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین خواہی نخواہی شبہ کرتے۔ ۱۲ ۹۴ بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات کا مجموعہ ہی بلکہ اُس نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنا لی ہیں بلکہ یہ (شخص) شاعر ہے بھلا (کہیں) ہم اپنے معبودوں کو ایک باؤلے شاعر کی خاطر چھوڑے دیتے ہیں۔ ۱۲ ۹۵ اور ہم نے ان (پیغمبر)

(حاشیہ) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ (شاعری) ان کی (شان) کے لائق ہی ہے ۱۲-

جیسے اُمّی یعنی پڑھے لکھے نہ تھے ویسے ہی شاعری تو بجائے خود آپ کی طبیعت تک بھی موزوں نہ تھی۔ اِس پر بھی گو آپ نے ساری عمر کبھی شعر نہیں کہا۔ اور شعر کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ مگر آپ حقانی اشعار سنتے بلکہ فرمائش کرکے پڑھواتے اور کبھی ایسے اشعار سے تمثّل بھی فرماتے۔ یعنی برمحل خود بھی اُن کو دوہراتے مگر وہی ناموزوں۔ مثلاً

۵۱ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ ٭ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ

کو آپ ناموزونیٔ طبیعت کی وجہ سے اَلَا کُلُّ شَیْءٍ سِوَی اللّٰہِ بَاطِلٌ پڑھ دیتے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت لکھا ہی کہ پیغمبرؐ صاحب کو اشعار ناموزوں پڑھتے سُن کر روتے اِس خیال سے کہ جس شخص کو موزوں شعر نہ پڑھنا آتا ہو اُس پر شاعری کی تہمت ظلم صریح ہی۔ شعر تو نہیں مگر ہاں پیغمبرؐ صاحب نے اپنے کہے ہوئے رجز پڑھے ہیں کہ اِن میں وزن کی رعایت نہیں ہوتی۔ مثلاً

۵۲ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِیْتِ ٭ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

۵۳ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ٭ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

۵۴ فَاَکْرِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃْ ٭ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃْ

۵۵ فَاغْفِرْ لِلْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ

کہ اِس میں سجع بھی ندارد ہی۔

۵۶ اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ٭ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ٭ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

۵۱ سوائے اللہ کے ہر چیز جھوٹی ہی (اللہ کا نام سچّا ہی سب جھوٹا ہی عبث) اور ہر نعمت ایک نہ ایک دن ضرور جاکر رہے گی۔ ۱۲ ۵۲ تو صرف ایک اُنگلی ہی ہی جس نے تیر پھینکا اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تجھے پیش آیا سو آیا ۵۳ مَیں نبی ہوں۔ اِس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ مَیں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔ ۱۲ ۵۴ انصار اور مہاجرین کا بول بالا رہے۔ عیش تو سوائے عیش آخرت کے کہیں بھی نہیں۔ ۱۲ ۵۵ اے اللہ مہاجرین اور انصار کو بخش دے ۱۲ ۵۶ کبھی ہدایت اے خدا تیرے سوا ہم کو کہاں ۔ کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے ہم دیتے زکوٰۃ۔ دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یا رب ثبات ۔ بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں۔ فتنہ گر ہیں وہ نہیں بھاتی ہمیں فتنے کی بات ۱۲

إِنَّ الأَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا		إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا	

رہے اصحاب اُن میں تو بڑے بڑے لاجواب شاعر ہو گزرے ہیں۔ حضرت علیؓ کا دیوان ہی موجود ہے۔ حسّان بن ثابت کا کام ہی یہی تھا کہ مشرکین قریش جو پیغمبرؐ صاحب کی ہجو کیا کرتے تھے اُس کا جواب دیا کرتے تھے مگر یہ لوگ شعر بھی کہتے تھے تو اِلَّا الَّذِیْنَ[۹۱] اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی حد کے اندر ہی اندر رہتے تھے ورنہ متعارف شاعری کو تو علما نے بھی دوں مرتبہ سمجھا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي[۹۲]		لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدِ	

اِس پر بھی امام شافعیؒ شعر کہتے تھے یہ اُن ہی کا شعر تو ہے ؎

تَمَنّٰى رِجَالٌ[۹۳] أَنْ أَمُوْتَ وَإِنْ أَمُتْ		فَهٰذَا سَبِيْلٌ لَسْتُ فِيْهَا بِأَوْحَدِ	

اور اِن کا یہ شعر بھی مشہور ہے ؎

إِنْ كَانَ رَفْضًا[۹۴] حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ		فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ رَافِضٌ	

غرض شاعری ہمیشہ اسلام کی نظر میں مبغوض رہی ہے اور وہ ہے بھی اسی قابل۔ میں بھی اِس کو سخت ناپسند کرتا ہوں نہ اِس لیئے کہ اِس کو اپنے لیئے دوں مرتبت سمجھتا ہوں۔ بلکہ اِس لیئے اور صرف اِس لیئے کہ اس کی چاٹ سریش کی طرح چمٹ جاتی ہے۔

۹۱ مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل (بھی) کیئے اور (اپنے اشعار میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور (کسی کی ہجو بھی کی تو پہلے خود) اُن پر ظلم ہو لیا ہے۔ ۱۲

۹۲ اگر شعر گوئی سے علماء کی شان میں بٹّہ نہ لگتا تو آج کو تو میں لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا۔ ۱۲

۹۳ لوگ میرے مرنے کی دعا کرتے ہیں تو اگر میں مر بھی جاؤں تو یہ کون سی انوکھی بات ہے اِس رستے میں میں کوئی اکیلا تھوڑی ہوں یعنی سب ہی کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ ۱۲

۹۴ اگر آلِ محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو جن و انس (سب) گواہ رہیں کہ میں (بے شک) رافضی ہوں۔ ۱۲

(ع) چھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی - اِسی نے تو قومی مذاق کا ستیاناس کیا ہے پھر بھی جس طرح کڑوی دوا شربت اور خمیرے کے ساتھ دی جاتی ہے لوگوں کو نصیحت بھی نظم کے پیرائے میں کرنی پڑتی ہے اور نوجوان لوگوں کے حق میں تو مَیں شاعری کو سمِّ قاتل سمجھتا ہوں اِس پر بھی فرمایشوں سے مجبور ہوں ؎

ہم سے بہتر کوئی کیا جانے گا حالت قوم کی	جو عدو کہتے ہیں ہم اُس سے سوا کہنے کو ہیں
جتنی انگریزی رعایا ہے سبھی خوش حال ہے	ہم ہی زیرِ سایۂ وکٹوریہ کہنے کو ہیں
عزتِ دارین ہے اصلی مسلماں کی شناخت	ورنہ یوں ہم بھی بطورِ ادّعا کہنے کو ہیں
حُسنِ صورت محض بے رونق ہے سیرت کے بدون	جن گُلوں میں بُو نہیں وہ خوش نما کہنے کو ہیں
ناصحِ خود ہو تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں	ورنہ اوروں کو تو سب ما و شما کہنے کو ہیں
ہے مسمّیٰ ذاتِ واحد نام اُس کے مختلف	گاڈ یا بھگوان یا اللہ خدا کہنے کو ہیں
دین کے بارے میں جو کچھ مُنہ میں آیا بک دیا	ہم اِس آزادی کو مالی خولیا کہنے کو ہیں
اب نہیں باقی مسلمانوں میں عقلِ حق شناس	یہ تو جو کچھ مولوی کہہ دیں بجا کہنے کو ہیں
عالمانِ دیں کہ از روئے حدیثِ معتبر	پیشوا و مقتدا و رہ نما کہنے کو ہیں
نام بھی دنیا کا سُن پائیں تو بس بالاتفاق	ارتداد و کفر و حرفِ ناسزا کہنے کو ہیں
سود بے سرمایہ ہے سرتا بسر اُن کی معاش	دوسروں سے حرّم اللہ الرّبوٰ کہنے کو ہیں

کسی کو یقین آئے یا نہ آئے اِس طرح پر مولویوں کا تذکرہ کرنے سے مجھ کو سخت ایذا ہوتی ہے - لیکن میں دیکھتا ہوں تو ذلّت اور رُسوائی اور خرابی اور تباہی اور مُفلسی اور تنزّل وغیرہ وغیرہ جو کچھ بھی مصیبت مسلمانوں پر ہے اُس کے اسباب کا سلسلہ مولویوں پر جا کر منتہی ہوتا ہے - ہم مسلمانوں کا دین اِس قسم کا دین تو ہے نہیں کہ اُس کو دنیا سے کچھ سروکار نہ ہو - دنیا کو امن و صلح کاری اور سازگاری اور جائز خوش حالی یعنی شریعت کے طریقے سے برتنے کا نام ہے دین - ہم مسلمانوں کی دنیا بگڑی یہ تو سب کی آنکھوں کے

سامنے کی بات ہی - لیکن دنیا کو بگاڑا دین نے اور دین کو بگاڑا مولویوں نے - وہی آج کل کی سی مثل ہوئی ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق	کہ یاراں فراموش کردند عشق
نہ در کوہ سبزہ نہ در باغ شخ	ملخ بوستاں خوردو مردم ملخ

وہ مولوی ہی تو ہیں جو دنیا سے ہم کو نفرت کرنا سکھاتے ہیں وہ مولوی ہی تو ہیں جو ہم کو غیروں سے اور اپنوں سے لڑواتے ہیں - وہ مولوی ہی تو ہیں جنھوں نے دنیا اور دین کے تعلق کو سخت بے مزہ کر رکھا ہی - اب اِن کی غلطی ہو تو اور اس میں ان کی ذاتی غرض مُضمر ہو تو ہم تو دونوں صورتوں میں مر لیئے - میری سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی مجھ کو سمجھا سکتا ہی کہ دنیاوی جاہ و حشمت کے بدون مسلمان دنیا میں کیوں کر عزت پا سکتے ہیں اور نہ یہ میری سمجھ میں آتا ہی اور نہ کوئی مجھ کو سمجھا سکتا ہی کہ مسلمان تو رہیں بے عزت اور اسلام ایک معزز مذہب سمجھا جاوے - ایک موٹی سی بات ہی کہ مثلاً دہلی کی جامع مسجد سے اسلام کی عزت ہی یا نہیں - سب کہو کہ ہی اور واقع میں ہی - اچھا تو وہ مسجد حضرت سرمد قدس اللہ سرہ العزیز کی دعا سے نہ تو زمین ہی سے بنی بنائی نکلی اور نہ آسمان سے بنی بنائی اُتری - وہ بنی روپیہ سے اور روپیہ دوسرا نام ہی دنیا کا - یا وہی مسجد جگہ جگہ سے محتاج مرمت ہو گئی تھی خدا نے والیِ رام پور کو توفیق دی اور اُنھوں نے اُسے پھر نیا کرا دیا - لیکن نیا کرا دیا روپیہ سے اور روپیہ دوسرا نام ہی دنیا کا - اب جامع مسجد سے تو کرو قطع نظر اور کیف ما اتفق کسی اور مسجد میں جا نکلو اور ساز و سامان کے اعتبار سے عیسائیوں کے گرجوں اور ہندوؤں کے مندروں کے ساتھ مقابلہ کرو - میں تو کسی گرجہ یا مندر کے اندر گیا نہیں مگر معلوم ہی کہ گرجا کے گرداگرد نہایت وسیع چمن ہوگا آراستہ جس کو دیکھ کر جی باغ باغ ہو جاوے پھر اندر جاؤ تو غالباً سنگِ مرمر کا فرش ہوگا - اور سنگِ مرمر کا فرش نہ ہوگا تو اُس سے کہیں زیادہ قیمتی اُس سے کہیں زیادہ خوش نما

کسی اَور قسم کا۔ میزیں اور بنچیں اور کرسیاں عمدہ سے عمدہ ہوں گی اور ایسی شفاف کہ آئینہ
کی طرح اُن میں مُنہ دیکھ لو۔ گرمیوں میں چاروں طرف خس کی ٹٹیاں لگی ہوں گی۔
پنکھے چل رہے ہوں گے۔ جاڑوں میں آتش دان روشن ہوں گے۔ سارے فرنیچر کا مول تو
ایک پیانو ہوگا جیسے کوئی رشکِ حور کونے میں بیٹھی بجا رہی ہوگی۔ رہے مندر وہاں گرجا
کی سی صفائی کہاں مگر ٹھاکروں کی مورتیں ٹھوس چاندی سونے کی اور لوازمے کا تو کچھ
پوچھنا ہی نہیں۔ کیا یاد نہیں کہ محمود غزنوی نے سومنات کے بُت کو توڑا تھا تو کتنے لاکھ کا
اُس میں سے جواہر نکلا تھا۔ اب آؤ مسجد میں اور میں آباد مسجد کا ذکر کرتا ہوں ورنہ ایک
دہلی میں سینکڑوں مسجدیں ویران پڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔ اچھا تو مسجد میں
کیا پاؤ گے کسی فیاض دل مسلمان نے مٹی کے چند بدھنے رکھوا دئے تھے اُن میں سے
بعض کے گلے رخصت ہو گئے ہیں بعض کی ٹونٹیاں ندارد ہیں اور جو صحیح سالم ہیں اُن سے
لوگ وضو کر رہے ہیں یا تو اُن کے خالی ہونے کا انتظار کرو یا جلدی ہو تو بے گلے بے ٹونٹی
کے بدھنے سے کام چلاؤ خیر اور وضو تو کسی نہ کسی طرح کر ہی لوگے مگر میری طرح اُکڑوں بیٹھ کر
پاؤں نہ دھو سکو تو کیا مضایقہ گھر پہنچ کے کپڑے بدل ڈالنا۔ اب فرش پر نماز پڑھنی ہی
تو اندر چلو ٹوٹا ہوا بوریا یا پھٹا ہوا ٹاٹ دیکھو تو تم ثابت ٹکڑا دیکھ کر کھڑے ہو جانا بشرطیکہ
کوئی طالب العلم اُس پر لیٹا نہ پڑا ہو۔ اور دیکھو ذری دیوار سے بچ کر کہ پیچھے چراغ رکھنے کا
طاق ہے جس کو بارہ مہینے زکام رہتا ہے۔ جس مذہب کے لیے معابد ہوں لوگوں کی نگاہوں
میں اُنہی کی وقعت کیا عزت کیا حالاں کہ اِسی ظاہری وقعت اور عظمت اور عزت کی نسبت
فرمایا ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[۱] اور یہ جو نماز جمعہ و عیدین کے بارے میں تاکید ہے
کہ غسل کرو۔ بہتر سے بہتر لباس پہنو خوش بو لگاؤ ایک راہ سے مصلی کو جاؤ اور دوسری
راہ سے آؤ یہ سب اِسی ظاہری وقعت ظاہری عظمت ظاہری عزت کے تتمے ہیں مگر چوں کہ

[۱] ہر ایک نماز کے وقت (لباس وغیرہ سے) اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو۔ ۱۲

ہم کو مولویوں نے زہد و ترکِ دنیا سکھا کر اور متعصب بنا کر بے مقدور کر دیا ہی ہم سے بن نہیں پڑتے۔ اسلام ہی تو مولوی بھی ہیں اور اسلام نہیں تو مولویوں کو لے کر کیا چاٹنا ہی۔ مولوی بیچارے کس گنتی میں ہیں جب کہ خود پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خدا فرماتا ہی وَمَا[لہ] مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۝

ای فلک دیکھ اَب سنبھل جانا کہ آخر کار ہم — زندگی سے تنگ آ کر یا خدا کہنے کو ہیں
گر مدینے جائیو تو ہم سے مِل کر جائیو ! — ہم بھی کچھ پیغام ای بادِ صبا کہنے کو ہیں
وہ رسولِ ہاشمی جو اُس جگہ مدفون ہیں — اُن کی روحِ پاک کو صلِّ علیٰ کہنے کو ہیں
پھر بصد عجز و ادب تیری زبانی ای صبا — اُن کی خدمت میں یہ عرض و التجا کہنے کو ہیں
اِتنا کہہ دینا کہ گو ہم تیرے کہنے میں نہیں — پھر بھی ہم تیرے امامِ اتقیا کہنے کو ہیں
دولت اور عزت حکومت شان و شوکت سلطنت — کھو کے سب کچھ زندہ اب ہم بے حیا کہنے کو ہیں
یہ تو حالت ہی اور اس پر دشمن ازراہِ حسد — یا بُرا کرنے کو ہیں اور یا بُرا کہنے کو ہیں
رحمۃٌ لِلعَالَمِیْن کیجے دعا بہرِ خدا — حاملانِ عرش آمین دعا کہنے کو ہیں
کتنی چیزیں ہیں کہ خارج میں نہیں اُن کا وجود — جیسے عنقا و ہما و کیمیا کہنے کو ہیں
آدمی کی عادتوں میں بھی علیٰ ہذا القیاس — اتحاد و اُلفت و مہر و وفا کہنے کو ہیں
مدعی بن کر گواہی دیں گے مُنہ پر صاف صاف — پس یہ دست و پا ہمارے دست و پا کہنے کو ہیں
نظمِ قومی کی تو کچھ ہوتی نہیں لوگوں میں قدر — ہم بھی کوئی دن کو ایک اندر سبھا کہنے کو ہیں

لہ اور محمد اِس سے بڑھ کر اَور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے (اور) بھی رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (محمد اپنی موت سے) مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے اور جو اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ ۱۲

اُس میں شوقِ وصل کی بے تابیاں لکھنے کو ہیں — اُس میں وصفِ غمزہ و ناز و ادا کہنے کو ہیں
جب پڑھی جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا — جتنے مُنہ ہیں اُن میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں
کوئی لے بھی جائے ہم سے دل کہ قصہ پاک ہو — یہ حسینانِ جہاں بھی دل رُبا کہنے کو ہیں
نظم تنگی کر چلی اشعار بن پڑتے نہیں — اور ابھی ہم کو بہت سے مدعا کہنے کو ہیں
سید احمد خاں کو اُن کے ضبط و استقلال پر — آفرین و حبذا و مرحبا کہنے کو ہیں
عقل کو اُن کی سلیم اور رائے کو اُن کی صواب — اُن کے غور و فکر کو دور از خطا کہنے کو ہیں
گر مسلمانوں کو کشتی فرض کر لو تو فی المثل — ان کو کشتی کا مبارک ناخدا کہنے کو ہیں
وہ جو کالج ہے علی گڈھ میں اُسے از راہِ فخر — ہم مسلمانوں کا قومی مدرسہ کہنے کو ہیں
علم کی ٹکسال ہے یہ جس نے لی اس کی سند — ہم اِسی کو رائج الوقت اور کھرا کہنے کو ہیں
کوئی حاسد ہو اگر در پردہ اُس کے برخلاف — اُس کو ہم اسلام کا دشمن کُھلا کہنے کو ہیں
لوگ سُنتے سُنتے عاجز آ گئے بس کہہ چکو — کب تلک کہنے کو ہیں اور تا کجا کہنے کو ہیں

اگرچہ مَیں میرٹھ کے نزدیکانِ بے بصر میں سے ہوں یعنی دلّی رہتا ہوں اور میرٹھ گویا دلّی کا ایک محلہ ہے اور با ایں قدرت مسلمانانِ میرٹھ کے تفصیلی حالات سے قریب قریب ویسا ہی ناواقف ہوں جیسا پشاور کے جیسا بنگالہ کے جیسا بمبئی کے جیسا مدراس کے مگر مَیں نے ایک کلیہ بنا رکھا ہے اور اُس کی رو سے مسلمانوں کی نسبت ایک رائے قائم کر لیا کرتا ہوں ہند کے ہوں یا عرب کے روم کے ہوں یا شام کے افریقہ کے ہوں یا ایشیا کے یا یورپ کے یا امریکہ کے یا چین کے یا جاپان کے یا کسی دریافت ناشدہ جزیرے کے - یہ محل اس بحث کا نہیں ہے کہ کتنے جزئیات پر احاطہ کرنے سے آدمی کو کلیہ بنانے کا حق حاصل ہوتا ہے اتنا تو مسلمات سے ہے کہ آدمی جس کی زندگی محدود ہے - اور زندگی محدود ہے تو اُس کی معلومات بھی ضرور محدود ہے بدون اِس کے کہ تمام جزئیات پر احاطہ کرے اور تمام جزئیات پر تو وہ احاطہ کر ہی نہیں سکتا کلیئے بنایا کرتا ہے - مزید تشریح کے لیئے مَیں اِس کی ایک مثال دینی

چاہتا ہوں۔ کلیات کی ہزاروں مثالیں ہیں مگر ہر پھر کر وہی یاد آتی ہے جو منطق کی کتابوں میں پڑھی تھی کُلُّ حَیَوَانٍ یُحَرِّکُ[1] فَکَّہُ الْاَسْفَلَ عِنْدَ الْمَضْغِ یا اس کو چھوڑتا ہوں تو کل ا ب و کل ب ج کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے مگر آڈیئنس کی طبیعتوں کو ٹٹولتا ہوں تو یہ ہیں جدت پسند۔ اچھا تو ایک نئی مثال سہی۔ جتنی چیزیں اوپر سے پھینکی جائیں وہ آخر کار کششِ ثقل کی وجہ سے زمین پر گریں گی ایک کلیہ ہے۔ جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی ہے وہ تو کہیں گے کہ سر آئیزک نیوٹن کا بنایا ہوا ہے مگر ہمارے شمس العلما مولانا شبلی کہیں نہ کہیں سے اس کا پتہ نکالیں گے کہ اس کو ہارون یا مامون یا معتصم باللہ کے درباریوں میں سے کسی نے بنایا تھا۔ بہرکیف نیوٹن کا بنایا ہوا ہو یا کسی مسلمان فلسفی کا۔ کلیہ تو ہے اور آدمی کا بنایا ہوا بھی ہے۔ اور جس نے بنایا ہے اُس نے یقیناً تمام جزئیات کو نہیں دیکھا اور نہ وہ تمام جزئیات کو دیکھ سکتا تھا اور کلیہ بھی بنایا تو ایسا عام کہ وہ نہ صرف نظام شمسی میں جاری ہے بلکہ نظام عالم میں۔ اسی طرح میں نے بھی مسلمانوں کی نسبت ایک کلیہ بنا رکھا ہے اور اسی کلیہ کی بنیاد پر میں اُن مسلمانوں کی نسبت ایک رائے قائم کر لیا کرتا ہوں جن کو میں نے نہیں دیکھا۔ میں بے دیکھے مسلمانوں کی نسبت بھی سمجھ لیتا ہوں کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں بے دولت ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ[2] بے بہتر ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ بد لیاقت ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ یعنی دوسرے دولت مند ساہوکار ہوں گے اور یہ اُن کے قرضدار اور دست نگر۔ وہ زمیندار ہوں گے یہ کاشت کار اور کاشت کار بھی غیر موروثی یا شکمی۔ وہ سوداگر ہوں گے محتاج الیہ یہ خوش باش ہوں گے محتاج۔ وہ شاید برسرِ حکومت ہوں گے یہ محکوم۔ وہ شاید بی۔ اے۔ ایم۔ اے ہوں گے۔ انھوں نے یا تو کچھ نہ پڑھا ہوگا یا پڑھا ہوگا تو وہی دیسی مکتب میں اور مقدور ہوا تو گھر پر پرانے کھوسٹ میاں جی سے کچھ دونا کریما۔ مامقیماں۔ دستور الصبیان اور وہ بھی اُس خاص لَے سے جس کی نقل تھوڑے برس کے بر

۱؎ ہر حیوان چباتے وقت نیچے کا جبڑا ہلاتا ہے ۱۲ ۲؎ مگر شاذ و نادر ۱۲

اسی کانفرنس کے تھیٹر میں آنریبل سید محمود نے کی تھی۔ ابتدائی تعلیم تو میری بھی اسی طرز پر ہوئی تھی مگر تعجب ہی کہ وہ لَی سید محمود کو تو ایسی یاد رہی کہ نقل کو سُن کر اصل کا سماں آنکھوں میں پھر گیا تھا اور مجھ کو ایسی بھولی کہ نقل کا قصد کرتا ہوں تو اُن سُروں میں آواز ہی نہیں نکلتی۔ مسلمانوں کی نسبت جو میں نے کلیہ بنا رکھا ہی وہ قوم من حیث القوم کے اعتبار سے بنا رکھا ہی۔ کیا کریں یہی عربی زبان کی ترکیبیں زبان پر چڑھی ہوئی ہیں معلوم ہی کہ قوم من حیث القوم کو بعض نے نہ سمجھا ہو گا۔ اچھا تو بھائی نیشن ایز اے نیشن سہی۔ بہرکیف مسلمانوں کی نسبت جو میں نے کلیہ بنا رکھا ہی وہ نیشن ایز اے نیشن کے اعتبار سے بنا رکھا ہی ورنہ جزئیات پر نظر کی جائے تو اس میں مستثنیات بھی ہیں اور اسی لیے میں نے کہا تھا کہ مسلمان دوسری قوموں کے مقابلے میں بے دولت ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللہ بے ہنر ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللہ بدلیاقت ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللہ اور میں امید کرتا ہوں کہ آڈینس کے کل حضرات اِلَّا مَا شَاءَ اللہ میں ہیں لیکن اِلَّا مَا شَاءَ اللہ سے اُس کلیہ کے عموم میں کچھ فرق آتا نہیں۔ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ[لہ] دولت حکومت لیاقت جہاں اور ذرائع عزت کے ہیں اُن میں دی لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ[سلہ] قومی تعزز بھی ہی میں نے حال میں ایک رئیس کو دیکھا ہی کہ وہ ایک اپنے ملازم انگریز کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے نہ اس لیے کہ ہمہ وقت اُن کو اُس سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی بلکہ اس لیے اور صرف اسی لیے کہ اُس کے ساتھ رکھنے سے لوگ اُن کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں اور اُن کا یہ خیال اپنی جگہ صحیح بھی تھا۔ بلکہ ہندوستانی ریاستوں میں جو انگریز دخیل ہو گئے ہیں کہ کوئی پرائیوٹ سکرٹری ہی کوئی ڈاکٹر ہی کوئی انجنیئر ہی کوئی کچھ ہی کوئی کچھ ہی اُن کی مداخلت اپنے ہنر کی وجہ سے تو ہی ہی مگر کم و بیش شائبہ اُس خیال کا بھی ضرور ہی۔ کلیہ جو میں نے مسلمانوں کی نسبت بنا رکھا ہی جب وہ مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ جہاں مسلمان ہیں بے دولتی

لہ کثرت پر کُل کا اطلاق ہوتا ہی۔ ۱۲ سلہ گو سب سے آخر تو ضرور ہی مگر کسی سے کم بھی نہیں۔ ۱۲

بدلیاقتی اُن کے ساتھ ہی تو میں بھی آج اچھی طرح اُس کی روئی دُھنکنی چاہتا ہوں۔ دیکھنا یہ ہی کہ مسلمانوں کو جو بے دولتی بے ہنری بدلیاقتی لازم ہو گئی ہی اس کی وجہ کیا ہی۔ یہ لزوم بعینہٖ ہی یا بغیرہٖ۔ یہ ایک منطق کا مسئلہ ہی اور ایک مثال سے خوب سمجھ میں آئے گا۔ مگر منطق کا نام سُن کر گھبرانا نہیں کل اب و کل ب ج سے میری خود طبیعت اُلجھتی ہی بعینہٖ و بغیرہٖ کی ایک بحث اُصول فقہ میں بھی آتی ہی کہ اسلامی شریعت میں شراب اور سور دونوں حرام ہیں اِس لیئے کہ خبائث میں سے ہیں اور شارع علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہی یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ یعنی ان میں ذاتی خبث تھا۔ جو اِن کی حرمت کا باعث ہوا نہ یہ کہ حرام ہوئے پیچھے ان میں خبث پیدا ہو گیا۔ ہم لوگ تو اکثر شہر کے گنجان مواقع میں رہتے ہیں اور بات صاف یہ ہی کہ سینیٹیشن[1] وینٹلیشن[2] ڈرینج[3] اِس قسم کی باتوں کا ہم لوگوں میں بچار بھی کم ہی اس پر بھی طبیعت ہی کہ شراب اور سور کے نام سے نفرت کرتی ہی نہ اِس وجہ سے کہ مذہباً حرام ہیں بلکہ اِن کی فضیحت جو آنکھوں سے دیکھی ہی اور اِن کے خباثت کا خیال ذہن میں ایسا راسخ ہو گیا ہی کہ کسی طرح دور نہیں ہو سکتا۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنھوں نے شراب اور بدجانور کی فضیحتوں کو نہ دیکھا ہو۔ سب مرزا **نوشاہ** تو نہیں ہیں آپ لوگ تعجب کریں گے کہ کون مرزا نوشاہ اور یہاں اُن کا کیا مذکور۔ مرزا نوشاہ عرفی نام ہی **اسد اللہ خان غالب** کا۔ اُنھوں نے بڑی زور کی مثنوی لکھی تھی مجھ کو اُس کا نام یاد نہیں۔ مثنوی میں ایک واہی تباہی فرضی قصہ ہی جس کا نہ کچھ حاصل نہ کچھ حصول۔ اگر غالب کا زورِ کلام نہ ہو تو کوئی اُس مثنوی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ کوئی عورت کسی کی بددعا سے بدجانور بن گئی ہی۔ اُس کی حالت کو مرزا صاحب بیان فرماتے ہیں ؎

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد	با سر و رو عربدہ آغاز کرد

[1] حفظانِ صحت - ۱۲ [2] ہوائی آمد و رفت - کشادگی - ۱۲ [3] نالی - موری - ۱۲

مرزا صاحب جن دنوں کلکتے گئے تھے مشاعرے کی مجلسیں اُن کی وجہ سے خوب گرم ہوگئیں تھیں پھر خدا جانے کس بات پر کلکتے کے لوگ اُن کے مخالف ہوگئے اور مرزا نے اہلِ کلکتہ کی شان میں مثنوی بادِ مخالف لکھی اور ایک مجمع میں اُس کے چند شعر پڑھ کر سنائے اور مثنوی کا نام ظاہر کیا تو مخالفین میں سے ایک شخص بول اُٹھا "یکے را از بزرگاں بادِ مخالف در شکم پیچید" اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مرزا صاحب کو بڑی خفت ہوئی۔ اسی مخالفت کی تقریب سے مرزا صاحب کا نیا پرانا کلام پھندوڑا گیا تو کسی نے "خوک شدہ و پنجہ زدن ساز کرد" پر بھی اعتراض جڑ دیا کہ خوک پنجہ ندارد۔ مرزا صاحب کیا چُپ ہونے والے تھے بولے کہ کبھی میری اتنی عمر ہونے آئی ایک یا دو بار میں نے اس بد جانور کو دور سے دیکھا ہے اور میں نے یہی سمجھا ہے کہ اس کے پنجے ہوں گے اگر تم میں سے کسی نے پالے ہوں اور اُس کو تحقیق ہو کہ پنجے نہیں ہوتے تو میری غلطی کی اصلاح کر لے مگر میں اپنے شعر میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کروں گا۔ مجھ کو تو اپنی بے معرفتی پر ناز ہے۔ غرض یہ ہے کہ مرزا نوشہ جو شاعری کے علاوہ مزاج کی نفاست بھی رکھتے تھے اِس گندے اور خبیث جانور سے اس قدر نفور تھے کہ اُس کے حالات کی تفتیش بھی اُن کو گوارا نہ تھی۔ سخت تعجب ہے اُن لوگوں پر جو تہذیب اور لطافت و نفاست کا تو دعویٰ کرتے۔ یہاں تک کہ ہاتھ سے کھانے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور اُم الخبائث شراب اور اخبث الخبائث سور سے اُن کو گھن نہیں آتی حکیمانہ دلائل سے تو وہی سمجھیں جن کو خدا نے اُن کے سمجھنے کی عقل دی ہے ہم تو ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے اسلام کی گرویدہ ہو رہے ہیں۔ مثالوں ہی سے مطلب خوب ذہن نشین ہوتا ہے اور مثالیں بھی وہ جو اپنے اوپر گزری ہوں۔ میں گورکھپور میں ڈپٹی کلکٹر تھا اور ایک تھے مسٹر ایلیٹ نہیں معلوم اب سروس میں ہیں یا پنشن لے کر ولایت چلے گئے۔ شہر کی صفائی مسٹر ایلیٹ کے سپرد تھی وہ رخصت پر جانے لگے تو صفائی کا چارج مجھ کو دے گئے اُن کی غیبت میں گورنمنٹ سے ایک انگریزی کتاب آئی وہ رپورٹ تھی ایک کمیشن کی جو اس

بات کی تحقیق کے لیۓ شاید پیرس میں بیٹھا تھا کہ سلبِ عفونت کی سب سے بہتر کیا تدبیر ہے۔ بس اہلِ یورپ کی ترقی کا یہ اصل گُر ہے کہ یہ لوگ تحقیق کے بادشاہ ہیں۔ اس کمیشن کے ممبروں نے چین و جاپان اور یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکہ غرض تمام روے زمین کے شہروں کا دورہ کرکے دریافت کیا کہ کس ملک کے لوگ سلبِ عفونت کی کیا تدبیر عمل میں لاتے ہیں اور پھر سب ممبر پیرس میں جمع ہوۓ اور شاید برسوں اُن میں مباحثے ہوتے رہے آخرکار یہ قرار پایا کہ سلبِ عفونت کے لیۓ مٹی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ یہ کتاب صاحب کلکٹر نے دیکھنے کے لیۓ مجھ کو دی اس لیۓ کہ صفائی سے متعلق تھی اور صفائی کا چارج اُن دنوں میرے ہاتھ میں تھا۔ چند روز بعد صاحب کلکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ اس کتاب میں کام کی کوئی نئی بات بھی تم نے پائی۔ مَیں نے کہا کہ کام کی بات پائی مگر نئی نہیں۔ صاحب کلکٹر نے میرے اس کہنے پر تعجب کیا تو مَیں نے اُن کو سمجھا دیا کہ جو بات اس کمیشن نے برسوں کی کاوش کے بعد دریافت کی پیغمبر اسلام تیرہ سو برس پہلے وہی بات ہم کو سکھا گئے ہیں کہ مٹی ہمارے ہاں طاہر اور طہور ہے اور عذر کی صورت میں وضو اور غسل کے قائم مقام ہوتی ہے۔ بات کہاں سے کہاں جا پڑی۔ میں شراب اور بدجانور کی حرمت کے متعلق اصولِ فقہ کا ایک مسئلہ بیان کرنے کو تھا۔ سو بدجانور کی حرمت کے بارے میں تو وہی ایک آیت ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ[1] ابھی عطف چلا جاتا ہے اور اس کے آگے اور بھی محرمات ہیں مگر مَیں نے اُن کو قصداً چھوڑ دیا ہے کہ اُن میں منخنقہ بھی ہے ایسا نہ ہو کہ سید کا کوئی معتقد منخنقہ کا نام سن کر کہے کہ دیکھو یہ نالائق گستاخ اشارے کنائے کیۓ بدون نہیں رہتا حالاں کہ اشارے کنائے کیسے۔ مَیں تو سرسید کا بہت ہی ادب کرتا ہوں اور یہ ان ہی کا ادب تو ہے کہ لوگ ناحق مجھ کو نیچریت کے ساتھ متہم بھی کرتے ہیں اور مَیں ہر سال بلا عذر حاضر ہو جاتا

[1] مرا ہوا (جانور) لہو اور سور کا گوشت یہ سب چیزیں تم پر حرام کر دی گئیں۔ ۱۲

ہوں - ادب کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ دین کی کسی بات میں سرسید کو برسرِ غلط سمجھوں اور ہاں میں ہاں ملائے جاؤں اور سرسید مجھ ہی سے نہیں بلکہ کسی سے بھی ایسے ادب کے طالب نہیں - اِن کی یہی تو صفت ہی جس کے ہم گرویدہ ہو رہے ہیں - لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اِن کے چیلے یا حواری ہیں سید احمد خاں تو رہے اپنی جگہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ادب ماں باپ کا سو اُن کی نسبت بھی خدا نے فرمادیا ہی وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا پس سید احمد خاں کے ساتھ ہم لوگوں کا میل جول بھی صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا کے طور کا ہی اور بس - خیر تو بد جانور کی حرمت کے بارے میں تو وہی ایک آیت ہی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ مگر شراب کی حرمت کا اور حال ہی کہ وہ ایک دم سے حرام نہیں ہوئی - لوگ اُس کے پینے کے ایسے خوگر ہو رہے تھے کہ گویا اُن کی گھٹی میں داخل تھی اگر ایک دم سے حرام کر دی جاتی تو لوگ تعمیلِ حکم نہ کرتے اور نہ کر سکتے - سوچنے والا ہو تو قدم قدم پر اسلام کی خوبی اور صداقت کا پتہ لگتا ہی - اسلام طلبِ محال نہیں کرتا اور گورنمنٹ بھی تو انھیں اصول پر عمل کرتی ہی - یعنی اُس کا مقصود اصلی یہ ہی کہ مسکرات کا استعمال کم ہو تو اُس کے لیئے وہ پیچ کستی چلی جاتی ہی مگر یہ نہیں کرتی کہ نشہ کے استعمال کو ایک دم سے جرم ٹھیرادے اگر ایسا کرے تو نشہ کا استعمال تو کیا رُک سکتا ہی مگر علیٰ زعم المطلوب چوری اور خفیہ فروشی بڑھ جائے - اِسی طرح اگر شراب ایک دم سے حرام کر دی جاتی تو لوگ ہرگز باز نہ آتے اور حُکمِ خدا کی بے حرمتی ہوتی اور ایسا نادر شاہی حکم کتاب میں لکھنے یا صرف تلاوت کے لیئے ہوتا نہ تعمیل کے لئے - اور مذہبوں میں ہم ایسے بہت سے

ف اور اگر تیرے ماں باپ تجھ کو (اس بات) پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ (کسی کو) شریک (خدائی) بنائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو (اس میں) اُن کا کہا نہ ماننا (مگر) ہاں دنیا میں سعادت مندانہ اُن کی رفاقت کر - ۱۲

نقص پاتے ہیں۔ اور اگر ان کو گنوانے پر آؤں تو کانفرنس کی مدت میں توسیع کرنی پڑے بہرکیف خدا کو شراب کا حرام کرنا منظور ہوا تو اس کی مذمتیں آنی شروع ہوئیں پہلے فرمایا [51] یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ کھلی مذمت ہی مگر مَنَافِعُ لِلنَّاسِ من وجہ مدح بھی ہی پھر فرمایا [52] لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اس میں شراب کی مذمت ہی مذمت ہی مگر اس طرح پر کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو یعنی نشہ ایسی بری چیز ہی کہ وہ بندے کو ناقابل عبادت کر دیتا ہی اور وہ خدا کو منہ دکھانے کے لایق نہیں رہتا۔

ان باتوں سے تاڑنے والے تو تاڑ گئے تھے کہ کوئی دن جاتا ہی کہ شراب کی حرمت نازل ہونے والی ہی چنانچہ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھا ہی کہ انھوں نے اکتا کر دعا کی تھی [53] اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی [54] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

---

[51] (ای پیغمبر۔ لوگ) تم سے شراب اور جوے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ ان دونوں (چیزوں) میں بڑا گناہ ہی اور لوگوں کے (کچھ) فائدے بھی ہیں ۔۔ ۱۲

[52] جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا ۔۔ ۱۲

[53] ای اللہ تعالیٰ شراب کی بابت تو ہم سے صاف صاف (احکام) بیان کر دے ۔ ۱۲

[54] مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (ان میں کا ہر ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی کام ہی تو اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہی کہ شراب اور جوے کی وجہ سے تمھارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا (شیطان کے مکر پہ اطلاع پائے پیچھے) اب بھی تم باز آؤ گے (یا نہیں)۔ ۱۲

جب لوگوں کو شراب کی برائیاں سُنا سُنا کر نفور کر لیا تب فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ اور لوگ بول اُٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا اور اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا صرف مُنہ سے نہیں کہا کہ مُنہ سے کہنا اور تلاوت کرنا برابر بلکہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی برسوں کی ذخیرہ کی ہوئی پُرانی پُرانی شرابیں مدینے کے گلی کوچوں میں بہی بہی پھرتی تھیں۔ شراب اور بد جانور دونوں چیزیں حرام ٹھیریں تو اب فقہا نے یہ بحث نکالی کہ یہ حرمت لِغَيْرِهٖ ہے یا لِعَيْنِهٖ اور یہ فیصلہ کیا کہ بدجانور کی حرمت تو لِعَيْنِهٖ ہے کہ کچھ بھی کرو وہ نجس العین ہے حرام ہی رہتا ہے اور شراب کو کہا کہ اس کی حرمت نشہ کی وجہ سے ہے اور لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى سے اس کا پتہ بھی چلتا ہے تو اگر کسی تدبیر سے شراب کا نشہ سلب کر لیا جائے تو اس کا پینا روا ہے کیوں کہ نشہ سلب ہوئے پیچھے شراب کا سرکہ بن جاتا ہے۔ شراب کا سرکہ بنا لینے کے کئی نسخے ہیں مگر میں اُن کو بیان نہیں کروں گا ورنہ لوگوں کو حیلۂ شرعی ہاتھ آجائے کہ مسلمان ہو کر تمھاری الماری میں شراب کی بوتل کیسی اور تم ٹکا سا جواب دو کہ سرکہ بنانے کے لیئے رکھی ہے مگر خیر ایک نسخہ بتاتا ہوں کہ تم کو ایسا حیلہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور یہ اچھا دفقیر ہے۔ ایک شخص کے کان میں کسی طرح کا روگ تھا اور وہ اکثر تنکے وغیرہ سے کان کو کھُجاتا تھا کئی دفعہ اُس نے کان کو اندر سے زخمی بھی کر لیا تھا اور طبیب کو اُس کے کان کی اصلاح میں بڑی مشکل پیش آئی تھی کھُجاتے کھُجاتے کچھ اُس شخص کی عادت بھی پڑ گئی تھی کہ بلا ضرورت بھی کان کے پیچھے پڑا رہتا۔ آخر اُس نے ایک بار طبیب سے پوچھا کہ کان کے کھُجانے کا کوئی محفوظ طریقہ بتا دیجئے۔ طبیب نے کہا نہایت آسان اور بالکل محفوظ۔ جب تم کو ضرورت ہوا کرے کہنی سے کان کھجا لیا کرو۔ قریب قریب اسی طرح کا نسخہ شراب کے سرکہ بنانے کا مجھے معلوم ہے کہ جب تم کو سرکہ بنانا ہو تو بوتل کی ڈاٹ کھول زمین پر گرا دیا کرو بڑا اعمدہ سرکہ بن جائے گا۔ میں مسائل شرعی بیان کرنے کو تو کھڑا ہوا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ صاحبوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس ضرورت سے

ـــــــــــــ

سلہ ہم باز آئے ہم باز آئے۔ ۱۲

میں نے اتنا بھی کہا مگر کہا تو اس کے متعلق ایک بات اور ہی لاؤ اس کو بھی کہہ گزروں۔ برسوں کیا پیڑھیوں کی عادتوں کا چھڑانا رسم و رواج کا اٹھانا جمے ہوئے خیالات کا بدلنا آسان کام نہیں۔ جیسی جیسی دشواریاں اس میں پیش آتی ہیں اور جیسی جیسی پیش بندیاں کرنی پڑتی ہیں اُن کو کوئی سید احمد خاں کے دل سے پوچھے کہ انھوں نے یہ تلخیاں کھینچیں اور پھر انھوں نے نہ تو عرب جیسے چیونٹی بھرے کبابوں کا بیڑا اٹھایا اور نہ ان کو اُن جیسے اکھڑ لوگوں سے معاملہ پڑا اگر کہیں ہندوستان کے مسلمان خدا نخواستہ اُن جیسے بے باک ہوتے تو اپنے زعم میں سید احمد خاں کو کبھی کا جہنم واصل کر چکے ہوتے تاہم ان ہی کا جگرا ہی کہ اُن مصیبتوں کو جھیلا اور جھیل رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہیں بات ہی کہ مسلمانو تمھاری دنیاوی حالت بہت خستہ اور شکستہ اور خراب ہو گئی ہی اور یوماً فیوماً ہوتی چلی جا رہی ہی اور تمھاری خستگی اور شکستگی اور خرابی کی وجہ سے اسلام ضعیف ہو گیا اور ہوتا چلا جا رہا ہی خدا کے لئے اپنے تئیں سنبھالو اور اسلام کے تئیں سنبھالو اور کیوں کر سنبھالو تمھارے سامنے انگریزوں کے نمونے موجود ہیں اُن کے ربط و ضبط دیکھو اُن کے انتظام دیکھو اُن کے ہنر دیکھو اُن کے سلیقے دیکھو اُن کی صنّاعی دیکھو اُن کی حکمت دیکھو اُن کی ہمت دیکھو کہ ایک چپّے بھر جزیرے کے رہنے والے اور جزیرہ بھی ایسا منحوس کہ نیچر نے موسم کے اعتبار سے آب و ہوا کے اعتبار سے پیداوار کے اعتبار سے ان کے ساتھ بہتیرا ہی جل کیا مگر انھوں نے اپنی تدبیر سے نیچر کو مغلوب کر کے ہی چھوڑا سمندر تو ان کے لئے شیرِ مادر تھا ہی خشکی میں ایسے پھیلے ایسے پھیلے کہ ربع مسکوں کے اکثر حصے پر چھا گئے ایشیا کی جان ہندوستان تو نکال ہی چکے روم پر دانت ہی چین و جاپان میں اپنی ٹانگ اڑا ہی رکھی ہی افریقہ کا تکا بوٹی ہوا سمجھو تو پھر اب رہ ہی کیا گیا۔ صد رحمت ان کی سپوتی ماں پر کہ کیسے بیٹے جنے ہیں کہ واہ رے واہ تو بھائیو! (ابھی سید احمد خاں کا مقولہ چلا جاتا ہی) تمھارے سامنے انگریزوں کے نمونے موجود ہیں ابھی کی سو برس گزرے کہ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ہم ہی سے سیکھے

اور ہم ہی کو لگے مُنہ چڑانے تو اِن کے نمونوں کو پیش نظر رکھ کر جو اِنھوں نے کیا ہے وہ تم بھی کرو۔ کوئی اور سری کا ہو تو چُرائے چھپائے بتانے میں مضایقہ کرے مگر یہ بیچارے تو ایسے بھلے مانس ہیں خدا کرے جیتے رہیں اور ہمارے حاکم بھی رہیں کہ اپنی ترقی کے سارے بھید کا ڈھنڈورا پیٹ دیا وہ بھید کیا تھا تعلیم۔ بس چلو سید احمد خاں کا مشن تمام ہوا۔ یعنی یہ اتنا ہی چاہتے ہیں اور وہ بھی اپنے ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ خود مسلمانوں ہی کے فائدے کے لیے کہ مسلمان وہ علم حاصل کریں جس سے انگریز اس قدر بڑھ چڑھ گئے اور صرف زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ سو جتن کر کے علی گڈھ محمدن کالج سے اُس تعلیم کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ایسا مہیا کر دیا کہ جو لوگ اِس کے مبصر ہیں یعنی یہی انگریز اُس کا لوہا مان گئے۔ یہ شخص خضر ہی اور قوم سکندر۔ خضر نے سکندر کو چشمۂ آبِ حیات کے کنارے لا کھڑا کیا۔ اب سکندر ہی نہ پیئے تو سکندر کی قسمت۔ سکندر کی قسمت میں تو مرنا لکھا تھا وہ پیتا ہی کیوں۔ اسی طرح مسلمانوں کو تو تباہ ہونا ہی برباد ہونا ہی دوسری قوموں کی غلامی کرنی ہی دوسری قوموں کی جوتیاں کھانی ہیں یہ علی گڈھ کالج کی طرف کیوں رُخ کریں۔ اوّل تو ان کا اسلام اِن کو یہ نئی پڑھائی پڑھنے نہیں دیتا اور کچھ قدرے قلیل براے نام پڑھتے بھی ہیں تو پادریوں کے مدرسوں میں جن کی اصلی غرض دینِ عیسوی کی اشاعت ہی یا گورمنٹ کے مدرسوں میں کہ وہاں دین و مذہب سے بحث نہیں۔ تربیت کی طرف مطلق توجہ نہیں اور تعلیم بے تربیت ایسی ہی نامفید ہی جیسے آرمی وِدَوٹ ڈِسِپلِن یعنی بے قواعد کی فوج۔ اور کانگریس نے گورمنٹ کو تعلیم بے تربیت کے نتیجے دکھا بھی دیئے۔ تعلیم بے تربیت گورمنٹ کی غلطی تھی اور اُس کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہو گا۔ رہے پادریوں کے مدرسے ہم کو پادریوں سے خصومت نہیں عداوت نہیں اور ہم تو اس خیال کے آدمی ہیں کہ اگر انگریزی تعلیم صرف پادریوں کے ہاتھ میں ہوتی تو ہم مسلمانوں سے کہتے کہ مشن اسکول کیسے گرجا میں لے جا کر انگریزی پڑھائیں تو پڑھو۔ لیکن ہاں مسلمانوں

سے اِس بات کی شکایت ضرور ہو کہ کن مصیبتوں سے اِن مسلمانوں کے لیئے علی گڈھ
کالج کا باغ لگایا گیا جب خدا خدا کرکے اُس میں پھل لگے اور پھل بھی لگے تو ایسے کہ
ماشاء اللہ اِن کا جواب نہیں تو مسلمان ہیں کہ بے اصل بدگمانیوں کی وجہ سے جھڑبیری
کے بیر کھاتے ہیں اور ولایتی انگور نہیں کھاتے۔ اب فرماؤ۔ اور انصاف سے فرماؤ کہ جس
مالی نے تمھاری خاطر اِس باغ کے پیچھے اپنا پسینہ اور خون ایک کردیا ہو اُس کا دِل
جلے یا نہ جلے۔ بہانے تو دیکھو کہ مذہب میں خلل آتا ہو۔ اللہ رے تمھارے مذہب ابھی پچھلے
برس دلی کے چند مسلمانوں میں آمین بالجہر پر لاٹھی چلی تھی کتنوں کے سر پھوٹے کتنے زخمی
ہوئے فریقین سے جرمانے اور مچلکے لیئے گئے چیف کورٹ تک مقدمے لڑے ہزاروں روپے
خرچ ہوئے اور کچھ معلوم ہو کہ یہ لڑنے والے کیسے نمازی تھے بعض نماز کے تو نہیں مگر قضا کے
صاحب ترتیب تھے یعنی اُنھوں نے کبھی گنڈے دار بھی نہیں پڑھی جس سے قضا کی ترتیب
میں فرق آئے۔ اور اگر فی الواقع علی گڈھ کالج میں پڑھنے سے مذہب میں فرق آتا ہو تو نفس
انگریزی کی وجہ سے آتا ہوگا ورنہ یوں تو وہاں نماز کی بھی تاکید ہو۔ لڑکوں سے رمضان کے روزے
بھی رکھوائے جاتے ہیں۔ اب یہ شیطانی لشکر نماز کو بے وضو پڑھتا ہو یا سحری اور افطاری کے
لالچ سے روزہ دار بنتے اور وضو کرتے میں کُلّیاں پی جاتے ہوں تو سید احمد خاں اِس کو
کیا کرلیں اور کیوں کر یقین ہو کہ گھروں میں لڑکے ایسا پاجی پن نہیں کرتے۔ چھوٹی عمر میں تم نے
آپ کیا ہو۔ مذہب میں جو کچھ خلل نفس انگریزی کی وجہ سے آتا ہو اُس میں علی گڈھ کالج کی تو کچھ خطا
ہی نہیں۔ وہ کہیں بھی ہو اور کسی جگہ بھی ہو علی گڈھ کالج سے بڑھ کر خلل انداز ہوگی یہاں تو
مذہب کی کچھ روک تھام ہو۔ وائے اُن مسلمانوں کے مذہب پر جو ایسا چھوئی موئی اسلام رکھتے
ہیں کہ انگریزی کی بھاپ لگی اور مُرجھایا۔ اور پڑھتے ہیں کہاں مشن کے مدرسوں میں یا گورنمنٹ
کے مدرسوں میں کہ ایک کی بنا اسلام کی مخالفت پر ہو اور دوسرے کی لامذہبی پر کہ وہ نیوٹریلٹی
کا دوسرا نام ہو۔ مذہب ہی کا خیال ہو تو ایک دن تم سے اِس کی بھی بازپُرس ضرور ہونی ہو کہ کیوں
محمڈن کالج میں نہیں پڑھا اور کیوں مشن یا گورنمنٹ کالج کے اور مدرسوں میں پڑھا۔ اور پھر
انگریزی تعلیم مذہب پر اپنا اثر ڈالتی ہو تو کون سا مذہب اِس کے اثر سے محفوظ

ہے۔ تو کیا مسلمانوں ہی کو اپنا مذہب عزیز ہے۔ اور دوسروں کو نہیں۔ مگر یوں
کہو کہ مسلمان باؤلی محبت سے اپنے نقصان کے علاوہ خود مذہب کا بھی نقصان
کر رہے ہیں حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[1] ایک عام قاعدہ ہے۔ اس کی مثالیں جس کثرت سے
مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں وہ اَور قوموں میں کمتر ملیں گی۔ مثلاً اولاد کی محبت ایک
نیچرل بات ہے کہ جانور تک اِس سے مستثنیٰ نہیں مگر ایک محبت تو ہماری محبت ہے کہ اولاد
کو بے ہنر اُٹھائیں کاہل اور بے مصرف اور ناشائستہ بنائیں۔ ایک لمحہ اُن کو اپنے سے جدا
نہ کریں اور اپنے برتاؤ سے اُن پر ثابت کر دیں کہ وہ ہمارے لیئے شرطِ زندگی ہیں تاکہ اُن کو
بدکرداریوں کی جرأت ہو اور خرابیاں اُن کی طبیعتوں میں راسخ ہو جائیں۔ اور ایک محبت
انگریزوں کی ہے کہ ننھے ننھے بچّوں کو تعلیم کے لیئے ولایت بھیج دیتے ہیں۔ مَیں نے سُنا ہے اور
بات ہے بھی قرینِ قیاس کہ ان میں بعض باپوں کو ایسے اتفاق بھی پیش آتے ہیں کہ ساری
عمر اولاد کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ باپ ہندوستان میں سویلین ہے
گرمیوں میں میم صاحب نے پہاڑ پر جا کر بیٹا جنا پانچ یا حد درجہ چھ برس کی عمر تک ساتھ رکھا
اور پھر ولایت چلتا کیا لڑکے نے وہاں امتحان پاس کیئے اور کسی دوسری کالونی[2] میں نوکری
کر لی یا یہ لوگ ذوفنون تو ہوتے ہی ہیں کوئی اور کام کھول بیٹھا نوکری یا کام کی پابندی
کی وجہ سے باپ بیٹے کو جمع ہونے کا موقع نہ ملا یہاں تک کہ موت نے ابدی مفارقت کر دی
اور مذہب کے بارے میں نری تعلیم انگریزی ناحق کے لیئے کیوں بدنام ہو سارے فسادات
خود انگریزی عملداری کے ہیں کہ وہ چپکے چپکے مذہبوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے ہم
بچشمِ خود دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو تعلیم سے واسطہ اور کچھہ سروکار نہیں ہے وہ بھی روز روز
بروز مذہب کی طرف سے بے پروائی کرتے چلے جاتے ہیں ہندو یا مسلمان کسی کے تہواروں
میں اگلی سی رونق باقی رہی ہے۔ بلاشبہ یہ تیوہار یا ان کی اکثر رسمیں خود مذہب کی رو سے

[1] کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور گونگا کر دیتی ہے یعنی محبت کے آگے کچھ سوجھتا نہیں۔ ۱۲ [2] نوآبادی ۱۲

بیہودہ تھیں مگر جو ان رسموں کو کرتے تھے وہ تو بیہودہ سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ دو تین گھڑی دن رہے سر بازار کھڑے ہو تو شاذونادر مجھ جیسے بڈھے ٹھڈے پاؤ گے جو پرانی وضع کو نباہے جاتے ہیں ورنہ اگر پورے صاحب لوگ نہ ملیں گے تو کم سے کم سر پر گول ٹوپی ہو گی یا گلے میں کوٹ یا پاؤں میں بوٹ یا ہاتھ میں کبڑی یا بلا ضرورت آنکھوں میں عینک پاکٹ میں گھڑی یا بٹنوں میں اُلجھی ہوئی نری چین یا کچھ بھی نہ ہو گا تو سیٹی تو ضرور بجاتا جاتا ہوگا۔ میرے پڑوس میں ایک غریب آدمی رہتا ہے اور وہ یکہ چلاتا ہے اور مجھ کو معلوم ہے کہ اُس نے کبھی کسی انگریز کی یا انگریزی آدمی کی نوکری نہیں کی بڑے سویرے وہ اپنے ٹٹو کو ملتا ہوتا ہے تو ٹٹو مارے گدگدی کے نچلا نہیں کھڑا رہ سکتا اور وہ اُس کو آیو ناٹی[1] کہہ کر ڈانٹتا ہے۔ کیا یہ باتیں انگریزی تعلیم کے نتیجے ہیں۔ نہیں انگریزی عملداری کے اور ابھی کیا ہے مصرع آگے آگے دیکھو تو ہوتا ہے کیا۔ اب بھی علی گڈھ کالج کی طرف سے تمہارا دل صاف ہوا یا نہیں۔ اِس پر بھی کوئی شبہ باقی ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اب علی گڈھ کالج کا تذکرہ آ گیا ہے تو عامۃ الورود ایک اعتراض اِس پر اَور بھی ہے اُس سے کیوں سکوت کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ علی گڈھ کالج امیروں کے لڑکوں کے لئے ہے اوّل تو ہمارا روئے سخن بھی امیروں ہی کی طرف ہے کہ یہ لوگ مقدور رکھ کر اپنے لڑکوں کو علی گڈھ کالج میں کیوں نہیں پڑھاتے۔ دوسرے میں نے علی گڈھ کالج کی پچھلی رپورٹ میں پڑھا کہ کالج چھ سو روپیہ مہینا غریب طالب علموں کے وظائف میں خرچ کرتا ہے۔ سارے ہندوستان میں کسی ایک کالج کا نشان دو جو غریبوں کی اتنی مدد کرتا ہو۔ علاوہ بریں کالج کی زمین سے تو روپیہ اُگتا نہیں اور نہ سید احمد خاں کیمیا گر ہیں اور نہ اُن کو دستِ غیب کا عمل آتا ہے اور ایسے بدعقیدہ آدمی کو ایسا عمل آنے ہی کیوں لگا پھر روپیہ آئے تو کہاں سے آئے۔ دیں نہ دیں امیر تو جہاں تک سید احمد خاں سے بن پڑا لیا اور لے رہے ہیں

[1] ارے او شریر۔ ۱۲

اور لیے گئے۔ اور کانفرنس وغیرہ سب پاکھنڈ اسی مطلب سے ہیں اگر اتنے سے غربا کا پیٹ نہیں بھرا اور واقعی نہیں بھرا تو غربا امیروں پر اپنا کوئی منتر چلائیں کہ تعلیم میں خرچ کرنے کو سب سے بہتر مصرف خیر سمجھیں اور زیادہ نہیں تو زکوٰۃ کی سے غریب طالب علموں کے وظیفے مقرر کریں اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا ہوتا تھا اُنھوں نے بھی مدینۂ طیبہ میں مدرسہ دینی جاری کر رکھا تھا چنانچہ یہ خیال قرآن سے بھی ظاہر ہوتا ہے فرماتے ہیں [۹۱] وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ اُن کو بھی محتاج مسلمانوں کی پرورش اور تجہیز جیوش کے لیے روپیہ کی ضرورتیں پیش آتی رہتی تھیں اور وہ ضرورتیں صدقات ہی سے رفع کی جاتی تھیں اور اس کی نسبت آپ فرمایا کرتے تھے [۹۲] تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ اور تعلیم کا خرچ سب ہی جگہ بڑھتا چلا جاتا ہے اس لیے کہ لوگ اس کی قدر کرنے لگے ہیں ایک وقت تھا کہ خوشامدیں کرتے تھے اور لوگ اپنے بچوں کو نہیں بھیجتے تھے یا دیکھتے دیکھتے وہ زمانہ آگیا کہ دھکے دیتے ہیں اور لڑکے ہیں کہ پلے پڑتے ہیں اور ایک وقت آنے والا ہے کہ علم کی قدر جواہرات سے بڑھ کر ہوگی اور تب ہی ہندوستان کے کچھ دن بھی پھریں گے اور اس کے آثار دکھائی دے رہے ہیں کہ جن لوگوں نے حق قدرِ علم کی قدر کی سرکار نے کالج اُٹھا لیے اور اُنھوں نے اپنے کالج کھول دیئے۔ علی گڈھ کالج کی تعلیم کو وہی لوگ مہنگا سمجھتے ہیں جو اس کی قدر نہیں جانتے قدر جانیں تو یہ بھی جانیں کہ اَور جگہ کی تعلیم ارزاں ہے تو وہاں ارزاں بعلت ہے اور علی گڈھ کالج کی تعلیم گراں ہے تو گراں بہ حکمت

---

[۹۱] اور (یہ بھی) مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں سے) نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور جب (سیکھ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو اُن کو (نافرمانی خدا سے) ڈراتے تاکہ وہ لوگ (بھی بُرے کاموں سے) بچیں۔ ۱۲ [۹۲] امیروں سے لے کر غریبوں کو دیتے ہیں۔ ۱۲

تعلیم نہ میرے کہنے سے بھلی یا بُری ہو سکتی ہے اور نہ تمہارے کہنے سے۔ اس کو پوچھنا چاہئے کسی مبصّر سے "قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری" مبصّر کون۔ ویسرائے۔ لفٹنٹ گورنر کونسل کے ممبر وامثالہم۔ سو ان لوگوں کا تو اس پر اجماع ہے کہ تعلیم و تربیت جیسی علی گڈھ کالج میں ہوتی ہے یورپ کے باہر تو کسی اور جگہ ہوتی نہیں۔ ایک چھوٹا سا قیاس منطقی ہے جس کے دونوں مقدمے صغریٰ اور کبریٰ بدیہی کہ انگریزی پڑھتے ہو اس لیے کہ انگریز پسند کریں اور انگریز تو علی گڈھ کالج کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ انگریزی پڑھنی ہو تو علی گڈھ کالج میں پڑھو۔ اور اگر علی گڈھ کالج کے مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اپنے امیروں سے جنھیں خدا نے مقدور دیا ہے مدد نہیں لے سکتے تو سب سے بہتر صلاح جو دی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی تعلیم کے خبط کو چھوڑ دو کہ تم کو بے مقدور بنا کر خدا نے بتا دیا ہے کہ تم اس کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ اب علی گڈھ کالج کے متعلق ایک ہی بات اَور کہوں گا علی گڈھ کالج کی بدنامی جو سید احمد خاں کے تعلق سے ہو رہی ہے اگرچہ بے اصل محض ہے کیونکہ سید احمد خاں کو تعلیم کے کورس میں کوئی دخل نہیں اور دخل ہو بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ تعلیم کے کورس کا قرار دینا یونیورسٹی نے یا یوں کہو کہ گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے لیکن فار دی سیک آف آرگیومنٹ[۱] فرض کر لو کہ سید احمد خاں [۵۲] ڈائرکٹلی یا اِن[۵۳] ڈائرکٹلی طالب العلموں پر اپنے عقائد کا جو عام مسلمانوں کے عقائد کے برخلاف ہیں اثر ڈال سکتے ہیں تو پہلی بات یہ ہے کہ طالب العلم اس اثر کو قبول بھی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ تعلیم کا [۵۴] سٹینڈرڈ ایسا ہائی رکھا گیا ہے کہ بے چارے طالب العلم اُسی سے بمشکل عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اگر وہ مذہبی گورکھ دھندے کے سلجھانے کے پیچھے پڑیں جس کے لیے نہ تو ان کو فرصت ہے اور نہ اُن کی عمر ان باتوں میں غور کرنے کی ہے تو امتحان میں یقیناً فیل ہوں مگر فیل تو نہیں ہوتے تو قیاس استثنائی کی رو سے معلوم ہوا کہ

---

۱ بغرض استدلال ۱۲ ۵۲ براہ راست ۱۲ ۵۳ بالواسطہ ۱۲ ۵۴ معیار ۱۲

سید احمد خاں کے عقائد کے اثر کو اگر وہ اُن پر ڈالا جاتا بھی ہو قبول نہیں کرتے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ سید احمد خاں اپنے عقائد کا اثر ڈالتے ہیں اور کالج کے طالب العلم اُس اثر کو قبول بھی کرتے ہیں تو گو وہ عقائد عام مسلمانوں کے عقائد سے کتنے ہی مغائر ہوں مشن کی مذہبی تعلیم اور گورمنٹ کی نیوٹرلیٹی کی مخالفت کو تو نہیں پہنچتے۔ اور سچ تو یہ ہی کہ کچھ تو تعصب کی وجہ سے اختلاف کو مخالفت سے تعبیر کیا جاتا ہی اور کچھ دینی معلومات کی کمی بھی وحشت کی موجب ہی۔ دینیات پر جہاں تک میری نظر ہی اور اب قرآن مجید کے ترجمہ کی ضرورت سے مَیں نے دینیات میں بہت کچھ دیکھا ہی۔ مَیں کہہ سکتا ہوں کہ نیچریوں کی کھوپڑی بھی بڑی پُرانی کھوپڑی ہی۔ تفاسیر کو دیکھو تو جانو کہ سید احمد خاں کو جو خدشے گزرتے ہیں اکثر ایسے ہیں جو اگلے لوگوں میں سے بھی بعض کو گزر چکے ہیں اُن کے اقوال تفسیر والوں نے نقل کیے ہیں اور کہیں اُن کے جواب دیئے ہیں اور کہیں اُن کی تاویل کی ہی۔ غرض وہی پُرانی فلسفیانہ باتیں ہیں جن کی شان کسی قدر بدلی ہوئی ہی گویا فلسفہ ایک بیماری ہی جس کا ایک مدّت بعد پھر دورہ ہوا ہی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ هٰذَا اَلْهَمَنِیْ رَبِّیْ[۱] کے سوائے سید احمد خاں اور جو کچھ بھی لکھتے ہیں متقدمین کی نقل ہی یا توارد ہی یا اگر نقل و توارد نہ بھی ہو تو قسم کھانے کی بات ہی کہ یہ ان خدشات میں منفرد نہیں ہیں بلکہ سید احمد خاں کو ان خدشات کے ساتھ وہی نسبت ہی جو مثلاً خلیل یا سیبویہ یا ابن حاجب کو مسائل صرف و نحو کے ساتھ کہ قاعدے پہلے سے کلام عرب میں موجود تھے اور لوگ اُن کا استعمال بھی کرتے تھے۔ نحویوں نے اُن کو عام باتوں کے پیرائے میں منتظم کر کے اُن کا نام رکھ دیا قواعد۔ اسی طرح یہ تمام خدشات جو سید احمد خاں کی تفسیر میں یا اُن کی کسی تحریر میں پاتے ہو کل انگریزی خوانوں کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں سید احمد خاں کا یہ قصور ہی کہ جو اُن کے دل میں ہی وہ مُنہ پر لے آتے ہیں اور دوسرے ہیں کہ ڈکار نہیں لیتے حالاں کہ

[۱] یہ ہی جو میرے اللہ نے مجھے الہام کیا ہی - ۱۲

یہ نفاق ہی جس کے بارے میں زہیر بن ابی سلمہ کہتا ہی ؎

فَلَا تَكْتُمُنَّ اللّٰهَ مَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ[1]	لِيَخْفٰى وَمَهْمَا يُكْتَمِ اللّٰهُ يَعْلَمِ
يُؤَخَّرْ فَيُوْضَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ	لِيَوْمِ الْحِسَابِ اَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْقَمِ

اور یہ وہی مضمون ہی جو قرآن مجید کی آیت میں ہی اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وہی بات ہی ایک شاعر نظم میں ادا کرتا ہی اور خدا نثر میں مگر وہ نظم اِس نثر کے آگے پھیکی معلوم ہوتی ہی اور اِس کو وہی جانے جو عربی کا مذاق رکھے۔ سو اس بھر اس کا نکل جانا ہی اچھا اور یہی تو وجہ ہی کہ تہذیب الاخلاق کے بند ہو جانے پر میں نے بڑا شور غل مچا کر پھر اُس کو جاری کرایا اور سب سے زیادہ مجھی کو افسوس ہی کہ وہ پھر بند ہونے والا ہی۔ باوجودے کہ میں سید احمد خاں کی بہت باتوں سے اختلاف رکھتا ہوں پھر بھی ان کو اور ان کی تحریرات کو اسلام کے حق میں مفید سمجھتا ہوں جہاں جہاں اسلام میں پانی مرتا ہی یہ اُن تمام رخنوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اور نہ صرف ظاہر کر دیتے ہیں بلکہ اپنے نزدیک رخنہ بندی کا طریقہ بھی بتا دیتے ہیں۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہی کہ اُن رخنوں کو دیکھیں اور تجویز کریں کہ واقع میں رخنے ہیں بھی یا نہیں اور ہیں تو جو رخنہ بندی سید احمد خاں نے تجویز کی ہی وہ کافی ہی یا نہیں۔ ناحق کی بدگمانی اور ضد کی تو بات اَور ہی مگر سید احمد خاں کی نیت کے بخیر ہونے میں تو کسی طرح کا شک ہی نہیں اگر اسلام میں کوئی رخنہ فرض کر لیا جائے اور سید احمد خاں نے اُس کی بندش کی کوئی تدبیر بتائی ہو اور کوئی بھائی مسلمان اُس سے کوئی بہتر تدبیر بتائے تو میں یقین کرتا ہوں کہ سید احمد خاں سے بڑھ کر کوئی اُس کی داد نہ دے گا۔ شکوک تو مجھ کو بھی ہوا کرتے ہیں اور کون ہی جس کو شکوک نہیں ہوا کرتے اور یوں لوگوں میں مقدس اور مادر زاد ولی بننے کے لئے کوئی دعویٰ کرے تو

[1] اپنے دل کی باتوں کو خدا سے مت چھپاؤ اِس غرض سے کہ وہ باتیں اُس پر یعنی خدا پر مخفی رہیں اس لئے کہ جو جو چیز خدا سے چھپائی جاتی ہی وہ اُس کو (بخوبی) جانتا ہی (اُس کی دو صورتیں ہوتی ہیں) یا تو ڈھیل دے کر اور کتاب میں لکھ کر روز قیامت تک رکھ دیتا ہی یا جلدی کر کے اُس کا انتقام (دنیا ہی میں) لے لیتا ہی۔ ۱۲

کرے پیغمبر صاحب سے بڑھ کر کس کا ایمان ہوگا اُن کو تو بار بار خدا قرآن مقدس میں فرماتا ہی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ[1] - فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ[2] - فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ[3] بہرکیف مجھ کو بھی شکوک ہوا کرتے ہیں مگر میں تو اُن کو اپنی جگہ سوچ سمجھ کر آپ ہی آپ رفع دفع کر لیا کرتا ہوں اور پھر بھی سید احمد خاں کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہی تو اُس کو سُن کر خوش ہوتا ہوں - ابھی تہذیب الاخلاق کے کسی پچھلے پرچے میں سید احمد خاں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت ایک آرٹیکل لکھا ہی داؤد علیہ السلام کے دو معجزے مشہور ہیں اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں ایک اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ[4] - ورکف داؤد آہن موم کرد" دوسرے اُن کی خوش آوازی جس کو قرآن میں فرمایا ہی کہ پہاڑ اور پرندے اُن کے مطیع تھے اور اُن کے ساتھ ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے تھے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ[5] - اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ[6] تو سید احمد خاں سرے سے کسی معجزے کے تو قائل ہیں نہیں اُن کو اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ میں تو کوئی دقت پیش نہ آئی کیوں کہ لوہا جیسے سیر دو سیری پنسیری کے پیرائے میں ویسا ہی تار کے پیرائے

[1] تو کہیں تم بھی شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا - ۱۲ [2] تم کو اِس بارے میں شک نہ ہو - ۱۲

[3] تو (ای پیغمبر یہ قرآن) جو ہم نے تمھاری طرف اُتارا ہی اگر (بہ تقاضائے بشریت) اِس کی نسبت تم کو کسی قسم کا واہمہ ہو تو - ۱۲ [4] داؤد کے لیئے ہم نے لوہے کو (بھی) ملایم کر دیا تھا - ۱۲

[5] اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو کہ (باوجودے کہ ہر طرح کی) قوت رکھتے تھے (مگر اِس پر بھی) وہ (ہر وقت خدا کی طرف) رجوع رہتے تھے - ۱۲ [6] ہم نے (ایک طور پر) پہاڑوں کو (بھی اُن کا) تابع (فرما) کر رکھا تھا کہ صبح و شام اُن کے ساتھ (ساتھ خدا کی) تسبیح (و تقدیس) کرتے اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (اُن کا تابع کر رکھا تھا) کہ (وہ بھی تسبیح و تقدیس سُن کر اُن کے پاس) سمٹ آتے (اور) سب اُن کے جوابی بنتے - ۱۲

ہیں تو اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ کے لوہے کو تار کا لوہا کیوں نہ فرض کریں کہ ہر ایک اُس کو آسانی سے موڑ توڑ سکتا ہو حضرت داؤد بھی تاروں کی زرہ بنایا کرتے تھے اُسی کو خدا نے اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ فرمایا۔ اب سے کوئی پندرہ برس پہلے کا مذکور ہو کہ نواب محسن الملک بہادر جو اُس وقت مولوی مہدی علی تھے مجھے حیدر آباد کی ورکشاپ دکھانے لے گئے اور وہاں لوہا مشین میں اس طرح چھیلا جاتا تھا جیسے گاجر اُس کو دیکھتے ہی میں نے مولوی مہدی علی کو اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ یاد دلایا۔ کیوں کہ یہ تو ایسی باتوں کی ٹوہ میں لگے ہی رہتے ہیں۔ اب رہی پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح یہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہو تو اس کی نسبت سید احمد خاں سے اور کچھ نہ بن پڑا تو کیا بات مغز سے اُتاری ہو کہ جبال سے مراد ہیں پیدلوں کی پلٹنیں اور طیر سے مراد ہیں سواروں کے رسالے انھوں نے کہیں لغت میں دیکھ پایا کہ جبل مرد بہادر کو بھی کہتے ہیں اس کے شواہد عربی اور اردو میں کثرت سے ملتے ہیں جیسے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ[1] یہاں سپاہیوں کو بنیان مرصوص فرمایا اور وہ جبل سے قریب ہو اور گھوڑے کو طیر سے تشبیہ دینا تو کثرت سے شائع ہو۔ جبال کی پلٹنیں بن گئیں تو طیر کے رسالے تو اب یُسَبِّحْنَ کوئی نئی بات نہ رہی۔ میں نے جب یہ تاویل دیکھی تو سید احمد خاں کے ڈھب کی ایک بات میرے بھی ذہن میں آئی اور میں نے کہا کہ جبال اور طیر اور سَخَّرْنَا اور یُسَبِّحْنَ سب اصلی معنوں میں رہیں اور پھر غرابت جاتی رہے تو کیسا۔ جبال کے گونج اُٹھنے اور پرندوں کے چرچرنے کو اُن کی تسبیح کیوں نہ کہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ[2] اور پرندوں کا آواز سن کر چرچرنے لگنا تو اب بھی دیکھا جاتا ہو۔ بندہ کے ایک دوست تھے اور اُن کو اولتے ہوئے جانوروں سے بہت شوق تھا ہمہ وقت جانوروں کے پنجرے

---

[1] بے شک خدا (تو) اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہو جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ ۱۲ [2] اور جتنی چیزیں ہیں سب اُس کی حمد (و ثنا) کے ساتھ اُس کی تسبیح (و تقدیس) کر رہی ہیں مگر تم لوگ اُن کی تسبیح (و تقدیس) کو نہیں سمجھتے

اُن کے گرداگرد رکھے رہتے اور ایک ارگن باجا بھی اُنہوں نے لے رکھا تھا۔ جب اُن کو جانوروں کا بُلوانا منظور ہوتا تو ارگن کوک دیتے اور سب جانور اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے۔ جانوروں کا آواز سے متاثر ہونا عرب کے شتربانوں کی حدی سے بھی ثابت ہے۔

اُشتر بہ شعرِ عرب در حالتِ ست و طرب	تو خود چہ آدمی کز عشق بے خبری

اور مشہور ہے کہ سانپ بین پر عاشق ہے اور جس قسم کے وحشی جانوروں کو پکڑنا منظور ہوتا ہے اُنھیں کے ہم جنس جانور کو بُلواتے ہیں اور اُس کے ہم جنس اُس کی آواز پر آموجود ہوتے ہیں۔ لڑکوں کو اس تدبیر سے لال۔ اور پدڑیاں پکڑتے دیکھا ہے اور عشیؔ اور اِبکار یعنی صبح اور شام یوں بھی جانور بولا کرتے ہیں اب صرف تسخیر کا میں کلام ہوسکتا ہے تو ہم تسخیر کا استعمال ایسے مواقع پر بھی دیکھتے ہیں جہاں آدمی کا مطلق دست رس نہیں جیسے مثلاً سورۂ ابراہیم میں ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ[۱]۔ لوگ اِس قسم کے اختلافات کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک اسلام اور کُفر کا مدار انھیں باتوں پر ہے اور ہم تو اصل مطلب پر نظر رکھتے ہیں کہ اگلے لوگوں کے حالات کے بیان کرنے سے خدا کا مقصودِ اصلی کیا ہے۔ مثلاً یہی داؤد علیہ السلام ہیں ان کے حالات جو کچھ بھی قرآن میں بیان ہوئے ہیں کس غرض سے۔ ہم نے تو یہی غرض سمجھی ہے کہ وہ خدا کے فرماں بردار شکرگزار نیک اور

[۱] اللہ ہی (ایسا قادرِ مطلق) ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعہ سے (درختوں کے) پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمھارے اختیار میں کردیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمھارے اختیار میں کردیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمھارے اختیار میں کردیا کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمھارے اختیار میں کردیا۔ ۱۲

مقبول بندے تھے اور اُن کی فرماں برداری اور شکرگزاری اور نیکی کے صلے میں خدا نے دنیا
میں بھی اُن کو بہت سی نعمتیں دی تھیں اور آخرت میں بھی وہ مقربانِ بارگاہ خداوندی
میں سے ہوں گے۔ دنیاوی نعمتوں میں سے ایک تو سلطنت تھی ایک یہ کہ وہ بڑے
خوش آواز تھے ایک یہ کہ وہ زرہ بنائی خوب جانتے تھے۔ اب رہی یہ بات کہ ذوق شوق
میں یادِ الٰہی کرتے تھے تو پہاڑ گونجنے اور پرندے چُرغنے لگتے تھے یا خدا پہاڑوں اور پرندوں
میں ادراک اور نطق پیدا کر دیتا تھا اور وہ اور آدمیوں کی طرح داؤد علیہ السلام کے ساتھ
تسبیح و تقدیس کرنے لگتے تھے یا وہ اُن کے لشکر کے پیادے اور سوار تھے اور داؤد علیہ السلام
امام ہوتے تھے اور وہ مقتدی۔ اور مقتدی بھی غیر مقلد کہ امام کے ساتھ ساتھ آپ بھی
پڑھتے جاتے تھے اِن باتوں سے اصل مطلب میں رتی برابر بھی فرق نہیں آتا۔ اب تم لگو
اِن باتوں کی مورخانہ تحقیقات میں اب سے ہزاروں برس پہلے کی بات اُن وقتوں کے واقعات
کی تحریری یادداشت نہیں اور جو ہے اُس پر اعتماد نہیں ہو سکتا تو ایسی تحقیقات کا سوائے
اِس کے اور کیا نتیجہ نکلے گا۔ کہ تم قرآن کی اصل غرض سے بے نصیب رہو گے وَذٰلِكَ[1] هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ دیکھو تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ شراب کی حرمت کا تذکرہ کرتے
کرتے میں یہ کہہ رہا تھا کہ برسوں کیا پیڑھیوں کی پڑی ہوئی عادتوں کا چھڑانا رسم و رواج کا اٹھانا
جمے ہوئے خیالات کا بدلنا آسان کام نہیں ہے اس سے مجھ کو اُن مشکلات کا دکھانا منظور
تھا جو جناب پیغمبر خدا کو اصلاح قوم میں پیش آئیں۔ اِس تقریب میں سید احمد خاں کا خیال
آ گیا کہ یہ بھی ایک چھوٹے سے سکیل کے ایک منی[2] ایچر ریفارمر ہیں اور سید احمد خاں کے
خیال کے ساتھ علی گڈھ کالج کے خیال کا آنا تو ایک ضروری بات تھی۔ اب آؤ اُسی اُم الخبائث
شراب کے متعلق دو چار باتیں اور سنو کہ اِس کی بندش کے لیئے شارعِ اسلام نے شروع
سے آخر تک بڑا ہی دانشمندانہ اور مؤثر طریقہ اختیار کیا جس طرح ایک کاشتکار پہلے زمین کو

[1] صریح گھاٹا یہی (کہلاتا) ہے۔ ۱۲ [2] چھوٹے سے مصلح ۔۱۲

بیج کے لیئے تیار کرتا اور اُس میں بیج ڈالتا اور فصل کی حفاظت کرتا ہی اسی طرح شراب
کی بُرائیاں اور نقصانات بیان کر کر کے طبیعتوں کو ترک پر آمادہ کیا پھر ترک کا حکم دیا اور
حکم کے دیئے پیچھے ممانعت کے بیچ کو خوب کسا رکھا طبیعتیں تو حبِّ مال پر مجبول ہی ہیں
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ف۱ ۔ لوگوں نے چاہا کہ بلا سے خود نہ پئیں مگر پینے والوں کے ہاتھ
بیچ ڈالیں یا خیر سرکہ بنالیں کسی بات کی اجازت نہ دی اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ قَاتَلَ اللّٰہُ ف۲
الْیَھُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَیْھِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَّلُوْھَا فَبَاعُوْھَا اور بیچنا اور سرکہ بنانا کیسا
ابتدا میں تو اُن باسنوں کے استعمال کو بھی منع فرما دیا تھا جن میں شراب رکھی جاتی تھی
جیسے دُبَّاء ف۳ اور حَنْتَمْ اور مُزَفَّت اور نَقِیْر ایسی تشدید کرنی پڑی ہی تب کہیں جا کر اس
نجس اور ناپاک چیز کا رواج مسلمانوں میں سے اتنا موقوف ہوا ہی اور یہ جو بعض امرا
اور بعض انگریزی خوانوں کی شکایت سُنی جاتی ہی تو شراب ہی کی کیا خصوصیت ہی وہ یوں
بھی احکامِ شرع کی کون سی پابندی کرتے ہیں خدا نہ کرے کہ حرام لعینہٖ اور حرام لغیرہٖ کی
تفریق جو فقہا نے کی ہی اُن کے کان تک پہنچے اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو بے شک
مسلمانوں پر ایسا زمانہ گزرا ہوگا کہ حد درجہ کی تشدید کو جیسی ابتدائے اسلام میں تھی فقہا نے
ضروری نہ سمجھا ہو لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ہمارا ہندوستان ویسے ہی بلکہ اُس سے زیادہ تر
تشدید کا محتاج ہی ۔ اِسی قسم کا معاملہ عورتوں کے پردے کا بھی ہی ۔ بلاشبہ پیغمبر صاحب کے
زمانے تک پردے میں اتنی سختی نہ تھی جتنی ہم لوگوں نے اب اپنے اوپر لازم کر لی ہی لیکن
میں ایک مذہبی روایت بیان کرتا ہوں کہ اگر ہم نے عورتوں کے پردے کی زیادہ سختی بھی
اختیار کی ہی تو ضرورت دیکھ کر اختیار کی ہی ۔ صحابیوں میں ایک عبداللہ بن عمر ایسے صحابی
ہیں کہ پیغمبر صاحب کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات اُن کو مل جاتی

ف۱ اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہی ۔۱۲ ف۲ یہود پر خدا کی لعنت کہ اُن پر چربی حرام کی گئی
تھی با ایں ہمہ اُنھوں نے اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے بیچنا شروع کر دیا ۔۱۲ ف۳ شراب رکھنے کے برتنوں کے نام ۔۱۲

تھی تو وہ اُس کی بھی تقلید کیئے بدون نہیں رہتے تھے - میرا خیال یہ ہو کہ اگر اُن کو معلوم ہو جاتا کہ مثلاً پیغمبر صاحب ایک منٹ میں اتنی بار سانس لیتے تھے تو وہ ضرور ایک منٹ میں اُتنے ہی سانس لینا اپنے اوپر لازم کر لیتے فنا فی الرسول سنا ہو تو وہ عبد اللہ بن عمر کا حال تھا - اچھا تو اُنھوں نے ایک بار پیغمبر صاحب سے ایک حدیث روایت کی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ کہ عورتوں کو خدا کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو - عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا مطلب تھا کہ عورتیں مسجدوں میں شریک جماعت ہوا کریں اتفاق سے اُسی جلسہ میں اُنھیں عبد اللہ کے بیٹے بلال بھی حاضر تھے وہ بول اُٹھے - وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُهُنَّ (ہم تو بخدا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانے دیں گے) اس پر عبد اللہ بلال سے سخت ناخوش ہوئے فَاَقْبَلَ عَلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ فَسَبَّہٗ سَبًّا سَیِّئًا[لہ] مَا سَمِعْتُہٗ سَبَّہٗ مِثْلَہٗ قَطُّ - وَقَالَ اُخْبِرُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَتَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُهُنَّ باپ بیٹے اپنی اپنی جگہ برسر حق تھے - باپ کو اتباع سنت کے آگے مناسب اور نامناسب پر نظر ہی نہ تھی اور بیٹا مصلحت وقت کو دیکھتا تھا - تو جب بلال کے زمانے میں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہوئے اور خود صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے پیغمبر صاحب کے زمانے سے اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ بلال عورتوں کا مساجد میں آنا پسند نہیں کرتے تھے تو اب اس چودھویں صدی میں کیا حال ہوا ہو گا - اس پر بھی بعض حضرات متعارف پردے کے مخالف ہیں اور انگریزوں کی دیکھا دیکھی چاہتے ہیں کہ پردہ اُٹھا نہ دیا جائے تو خیر اتنی تو آسانی کر دی جائے کہ پیغمبر صاحب کے وقت کا سا پردہ رہے - اور اصل مطلب یہ ہو کہ اتنی آزادی حاصل ہوئے پیچھے کلیتاً پردہ کا اُٹھا دینا کچھ بات نہیں پیغمبر صاحب

لہ پس آئے بلال عبد اللہ کے پاس اور ایسی گالیاں دیں کہ ہم نے اُن کو کبھی ایسی گالیاں دیتے نہیں سنا اور کہا کہ میں نے تو تجھ سے حضرت رسول اللہ کی حدیث بیان کی اور تو کہتا ہو کہ ہم تو بخدا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانے دیں گے - ۱۲

اور بلال بن عبد اللہ بن عمرؓ کے زمانوں میں کچھ ایسا بڑا فصل نہ تھا مگر اتنے ہی دنوں میں کتنا کچھ تغیر لوگوں کی طبیعتوں میں واقع ہو گیا تھا سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں بلکہ اس میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[۹۱] کا ثبوت ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا میں انسان کا ضعف جسمانی مقصود نہیں ہے بلکہ یہ آیت ایسے ہی محل پر واقع ہوئی ہے جس کو پردہ کے ساتھ ایک خاص طرح کا تعلق ہے۔ فصل زمانی کیسا حضور و غیبت میں بھی یکساں حالت نہیں رہتی۔ صحابہ جناب پیغمبر خدا سے شکایت کیا کرتے تھے کہ ہم حضور میں ہوتے ہیں تو ہمارے دلوں کی اور کیفیت ہوتی ہے اور خدمت سے علیحدہ ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی اس کے جواب میں آپ فرماتے تھے کہ میرے سامنے جو تمہاری حالت ہوتی ہے وہی غیبوبت میں رہے تو تَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ[۹۲] بہرکیف شراب کے بارے میں جو فقہا نے لِعَیْنِہٖ اور لِغَیْرِہٖ کی بحث نکال کھڑی کی ہیں تو اس کو زمانے کی حالت پر نظر کر کے خلاف مصلحت ہی کہوں گا۔ فقہا سے میری مُراد فقہائے حنفیہ ہیں ورنہ امام شافعی تو شروع سے اُسی تشدید کے پابند ہیں جو شارع نے شراب کے بارے میں کی تھی۔ مجھ کو اس لِعَیْنِہٖ اور لِغَیْرِہٖ کے جھگڑوں سے کیا مطلب تھا۔ مسلمانوں کی خستہ حالی اور تباہی دیکھ کر خیال آ گیا کہ یہ خستہ حالی اور تباہی لِعَیْنِہٖ ہے یعنی نفس اسلام کو لازم ہے یا لِغَیْرِہٖ ہے اور اس کا کوئی اور سبب ہے لِعَیْنِہٖ تو ہو نہیں سکتی اور ہونی چاہیئے بھی نہیں کیوں کہ ہم مسلمانوں کا ایک مذہبی گروہ ہے یعنی ہم کو مذہب نے بنایا اور مذہب ہی سے ہم کو عروج ہوا اور عروج بھی ہوا تو ایسا کہ ہم روے زمین کی کسی قوم سے چاہے وہ اب موجود ہو یا نہ ہو کسی بات میں ہیٹے نہیں رہے تو وہی مذہب ہمارے لیئے تنزل کا سبب نہیں ہو سکتا اور تنزل بھی ایسا تنزل کہ اب ہم ہی سب سے گئے گزرے ہیں اور اگر ہو تو لازم آئے کہ سببِ واحد سے دو متضاد نتیجے پیدا ہوں وَھٰذَا الْمُحَالُ جِدًّا[۹۳] تو ہو نہ ہو

---

[۹۱] انسان طبیعت کا کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ ۱۲ [۹۲] تو تم سے فرشتے مصافحہ کریں گے۔ ۱۲

[۹۳] اور یہ بہت ہی ناممکن ہے۔ ۱۲

یہ خستہ حالی اور تباہی لعنزہ یعنی کسی اور سبب سے ہوگی جو اسلام سے خارج ہے لیکن جہانتک غور کیا جاتا ہے کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام سے خارج بھی ہو۔ اور پھر روئے زمین کے سب مسلمانوں میں پایا جائے ایسا سبب مشترک تو اسلام کے سوا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا اور اس کو تو میں ابھی محال ثابت کر چکا ہوں۔ مدتوں غور کرنے سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ حالی اور تباہی کا پہلا سبب ہے جہالت اور وہ پیدا ہوئی اصلی اسلام سے تو نہیں مگر ہاں اسلام متعارف سے کہ وہ مانع ترقی نہ بھی ہو تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ ترقی کی ترغیب بھی نہیں کرتا۔ جو مذہب توکل سکھائے جو مذہب تقدیر پر قانع ہو کر بیٹھ رہنے کی تعلیم دے جو مذہب طلب دنیا کو گناہ بتائے جو مذہب دنیا سے نفرت دلائے اس کے معتقدوں سے ترقی کی امید رکھنی ایسی ہے جیسے پر قینچ کبوتر سے باز بلند پرواز کے مقابلے کو کہا جائے ہم بھی توکل کے قائل ہیں مگر "بر توکل زانوئے اشتر بہ بند" کے۔ ہم بھی تقدیر کو مانتے ہیں مگر اَلتَّدْبِیْرُ[۵۱] ثُمَّ التَّقْدِیْرُ کو۔ ہم بھی طلب دنیا کو گناہ سمجھتے ہیں مگر وہ دنیا جس کا نتیجہ ہو کبر اور نخوت ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن		نے قماش نقرہ و فرزند و زن	

ہم میں سے کوئی بھی چاہتا ہے کہ اندھا ہو اس لیے کہ عجب نہیں اس کی آنکھ محرمات پر پڑے گی۔ کوئی پسند کرتا ہے کہ لنجا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ کسی کو ناحق مار بیٹھے گا کوئی جائز رکھے گا کہ لنگڑا ہو کہ کہیں بدراہ نہ چلے تو کیوں ابنائے جنس میں برتری کے خواہاں نہ ہوں۔ شعر

مال را گر بہر دیں باشی حمول		نعم مال صالح گفتش رسول	

خدا تو اپنے کلام میں مال کو خیر سے تعبیر فرماتا ہے کُتِبَ[۵۲] عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَانِ الْوَصِیَّۃُ اور وَاِنَّہٗ[۵۳] لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ۔ اب اپنے مولویوں سے کبھی یہ تو پوچھا کرو کہ جس کو خدا خیر فرمائے اس کو عموماً برا سمجھنا برا کہنا کیسا جس کو تم لوگوں نے توکل اور تقدیر اور دنیا سمجھا ہے پہلے قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے نہیں سمجھا ورنہ آج مسلمان دوا کو بھی میسر نہ آتے یہ انھیں غلط فہمیوں کا طفیل ہے کہ تباہی کے کنارے آلگے

۵۱ پہلے تدبیر بعد تقدیر۔ ۱۲ ۵۲ مسلمانو! تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور) وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو اچھی طرح پر وصیت (کر مرے) ۵۳ اور وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ ۱۲

ہو مگر ابھی تک تباہ نہیں ہوئے تیرہ سو برس تک تو اُن کے غلط توکل نے سنبھالا اب دیکھیں تمھارا صحیح توکل تم کو کے دن سنبھالتا ہے۔ سید احمد خاں کی کوششوں اور ان کوششوں کے نتیجوں کو دیکھ کر کسی وقت جی خوش بھی ہوتا ہے مگر جب اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ پچیس کروڑ مسلمان ہیں اور روئے زمین کے تمام اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے ہیں اور سب کے سب [۱۵] مِنْ اَوَّلِهِمْ اِلٰی آخِرِهِمْ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ایک رنگت میں ڈوبے ہوئے۔ تو یہ تمام تر کوشش بے سود اور رائگاں معلوم ہوتی ہے۔ سید احمد خاں نے سوائے اس کے اور کونسی گڑھی فتح کر لی کہ اونٹ کے مونھ میں زیرا۔ پچیس کروڑ میں سے پانچ چھ اسٹوڈنٹ جمع کر لیے۔ اس سے بڑھ کر احمق کون جو اس مقدار سے اور پھر تو قوم کے مقابلے میں اس کو مقدار کہتے ہوئے بھی تامل کرتا ہوں پھر کیا اس سے بڑھ کر احمق کون جو اس مقدار سے فلاح قوم کی توقع کرے۔ قوم کو اگر فلاح ہونی ہے تو وہ تو اسی صورت میں ہوگی جب نسبت بدل جائے یعنی جتنے اب تعلیم یافتہ ہیں اُتنے ناتعلیم یافتہ ہوں۔ بے شک تعلیم کے لیے بڑا ہائی سٹینڈرڈ ہے اور خود یورپ بھی اس درجہ تک نہیں پہنچا لیکن یورپ میں جو تعلیم نایافتہ ہیں وہ اُن باتوں میں جو سکھانی منظور ہیں بے پڑھے ہمارے تعلیم یافتوں سے بدرجہا بہتر ہیں یہ بہت پڑھیں گے ایک وقت خاص تک سکول میں یا کالج میں وہ ہمہ وقت سوتے جاگتے چلتے پھرتے پڑھتے ہیں گھروں میں مارکٹ میں سوسائٹی میں اگرچہ قوم کی حالت بالکل مایوسی کی حالت ہے لیکن جس بیمار دار کے دل کو لگی ہوتی ہے اُس سے کب صبر ہو سکتا ہے وہ سمجھ چکا ہے کہ بیمار بچنے والا نہیں مگر دم واپسین تک اپنی سی کیے جاتا ہے بیمار کا سانس اُکھڑ چکا ہے اور یہ اُس کو [۵۲] ٹوائی ٹونک سٹمولینٹس پلا رہا ہے اگر انگریزی خیال کا ہے۔ اور ورق نقرہ کے ساتھ دوا المسک دے رہا ہے اگر طب یونانی کا معتقد ہے۔ بیمار نے سنبھالا لیا ہے اور یہ اُس کو بڑھاوے دیتا ہے یہی یا ایسا ہی حال ہے اُن تمام کوششوں کا۔ علی گڈھ کالج ہو یا کانفرنس یا تہذیب الاخلاق یا انسٹیٹیوٹ گزٹ جو مسلمانوں کو گدگدانے اور اُبھارنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کی بیماری معلوم اور اُس کی حکمی دوا بھی معلوم مگر بیمار دوا کو پینا ہی نہیں چاہتا تو اُس کا کیا علاج [۵۳] لِکُلِّ شَیْءٍ اٰفَةٌ وَلِلْعِلْمِ اٰفَاتٌ کسی

---

[۱۵] اول سے لے کر آخر تک سب کے سب ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ [۱۲] [۵۲] ہوش میں لانے والی مفرح دوائیں۔ [۵۳] ہر چیز کے ساتھ ایک نہ ایک آفت لگی ہوئی ہے مگر علم کے ساتھ تو بہت سی آفتیں ہیں [۱۲]

کا مقولہ ہے جس کو بچپن میں سنا کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ علم کا حاصل ہونا بہت سی شرطوں پر موقوف ہے سات سہاگنیں ہوں تو لاڈو کا اُبٹنا پسے - یعنی یہ کہ شاگرد کو شوق ہو جی لگا کر پڑھے اُستاد شفیق ہو دل سوزی سے شاگرد کو بتائے سمجھائے دونوں کو ایک وقت ممتد تک فراغ خاطر ہو کہ پڑھنے پڑھانے میں کسی طرح کا خلل نہ واقع ہو - جو کتاب درکار ہو فی الوقت بہم پہنچ جائے - ظاہر ہے کہ اتنی شرائط کا جمع ہونا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوا کرتا - بہر کیف ہم تو لِلعلمِ آفاتٌ کے یہی معانی سمجھا کرتے تھے اور یہی معانی تھے بھی - اب ان وقتوں میں علم کے حصے کی آفتیں اور بھی زیادہ ہو گئی ہیں ان جملہ مذہبی تعصبات کے علاوہ نفس علم کے بارے میں غلط فہمیاں - مجکو اس وقت اور اس جگہ مذہبی تعصبات سے بحث کرنی منظور نہیں - ہاں نفس علم کے بارے میں جو غلط فہمیاں واقع ہیں اُن پر ریمارک کرنے چاہتا ہوں کیونکہ میں ان غلط فہمیوں کو تعلیم کا سنگِ راہ سمجھتا ہوں - ہم اپنے سلسلۂ درس پر نظر ڈالتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصود اصلی علوم دین رہے ہیں اور دنیاوی علوم میں صرف وہی حصہ داخلِ درس رہا ہے جس سے علوم دین کو کسی طرح کی تائید پہنچتی ہے جیسے صرف و نحو منطق ہندسہ و امثالہا پس اگر سچ پوچھو تو ہمارے یہاں علوم دنیا کا رواج ہی نہیں رہا اور یوں کسی نے ذاتی شوق سے فن خاص میں تبحر حاصل کیا تو اُس کو رواج نہیں کہتے اب ایک وقت آیا کہ اہلِ یورپ نے اپنی تمام ہمتیں علوم دنیا کی طرف مصروف کر دیں جن سے ہم تھے نابلد اور وہ بازی لے گئے اور اُن کا حق تھا اب تک بھی تو علم کی طرف سے ہمارے خیالات درست نہیں ہوئے - انگریزوں نے تعلیم پر بڑا زور اور الوانِ نعمت سے ہم کو زبردستی مار مار کر نمک چشی کے طور پر کچھ کچھ چٹایا تو ہم نے بہ مجبوری منہ بنا بنا کر چاٹا اور کلّوں میں لیے رہے آنکھ بچی اور تھوک دیا نہ ہم نے اُس کو غذا سمجھا نہ رغبت سے کھایا اور نہ اُس سے کچھ فائدہ اُٹھایا - وہ جو کہتے ہیں کہ مُلا کی دوڑ مسجد تعلیم یافتوں کا قصارائے ہمت نوکری اور اُن کی تعلیم کی بساط بھی اسی قدر نوکری پر ایسے گرے جیسے اجکل کے کنگلے غلہ پر نتیجہ کیا نکلا اور اس کے سوا نکلتا ہی کیا تھا کہ ابھی تعلیم نے جیسا چاہیے اور جتنا چاہیے رواج بھی نہیں پایا اور لوگوں کو اُن کی ناکامی دیکھکر تعلیم کی طرف سے بے دلی پیدا ہو گئی لیکن جس زمانے نے اتنی اصلاح کی ہے کہ انگریزی

کی طرف سے اگلی سی وحشت نہیں رہی وہی زمانہ بتدریج اس غلطی کی بھی اصلاح کرے رہے گا کہ تعلیم کا مقصد صرف نوکری نہیں ہو۔ نوکری کے علاوہ معاش پیدا کرنے کے اور بھی بہت ذریعے ہیں اور کتنے تو ایسے ہیں کہ نوکری کی تو اُن کے آگے کچھ حقیقت نہیں۔ اگرچہ ان وقتوں سے تعلیم یافتوں نے ان ذرایع کے لیے تیاری نہیں کی مگر جتنا کچھ بھی ان لوگوں نے حاصل کیا ہو وہ جیسے نوکری میں تعلیم کی بدولت پیش پیش ہیں اسی تعلیم کے بدولت اپنے ہم پیشوں سے دوسرے ذرایع میں پیش پیش رہیں گے۔ یہ جو یورپ کی صناعیاں ہندوستان کی صنعتوں کو ملیامیٹ کرتی چلی جا رہی ہیں یہ اسی تعلیم کے تو نتیجے ہیں تو عجب نہیں کہ تعلیم یافتہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے یورپ آپ سے آپ دم دبا کر بھاگے گا۔ تنبیلا کے چرٹ سوت موٹا کپڑا ان سب چیزوں کا دار و مدار بھی یورپ پر تھا جب سے ہندوستانیوں نے ان کا بنانا شروع کیا یورپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ تعلیم یافتوں کی بے دلی کو لوگ تو تعلیم کے حق میں مضر خیال کرتے ہیں اور میں اس کو ایک فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ پانی ایک جگہ جمع ہوتا ہی تو وہ اپنا راستہ کہیں نہ کہیں کر کے رہے گا۔ یہی حال تعلیم کا ہو کہ وہ نوکری میں ظاہر نہ ہو گی تو شاید تجارت میں۔ شاید زمینداری میں شاید صنعت میں یا شاید کسی اور شان میں مگر ظاہر ہو کر رہے گی ضرور۔ اب جب زندگانی کی کل حالتوں میں اور کل ضرورتوں میں تعلیم اپنا دخل کرے گی تب ہی جانو کہ قوم اور ملک نے ترقی بھی کی۔ اب مجھکو کانفرنس کے متعلق بھی چند الفاظ کہنے چاہئیں اگرچہ گیارہ ہوئیں گئے ہیں جبکہ سب کارروائی ہو چکی ہے مثلِ بعد از جنگ ہی کیوں نہ ہو۔ کانفرنس کے انعقاد کے مشتہر ہونے سے پہلے بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ گرانی کی وجہ سے امسال کانفرنس نہ ہو اور ہونا چاہیئے بھی نہیں۔ بعض صاحبوں نے یہ خیال مجھ پر ظاہر بھی کیا تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایسے وقت تو کانفرنس ضرور منعقد ہونا چاہیئے یہ گرانی تو ایک عارضی گرانی ہو اور عام ہو اور ایک قحط دائمی اور مستمر آنے والا ہو جو خاص مسلمانوں کے لیے ہو گا کہ سما ہو گا اور مسلمان بے مقدوری کی وجہ سے شکم سیر نہ کھا سکیں گے اور اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی مالی حالت اسی نسبت سے گھٹتی رہی جیسی کہ اب تک گھٹتی چلی آئی ہو

تو اُس دن کو کچھ دور نہ سمجھو۔ ایک مشہور بات ہے اور جس کو کاشتکاروں کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے وہ اس کی تصدیق کرے گا کہ کاشتکار قیمتی اور عمدہ پیداوار سے سرکار کا بھرنا بھرتا اور مہاجن کا قرضہ ادا کرتا اور کم قیمت اور موٹے اناج سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا پس وہ عمدہ اناج اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے پیدا کرتا ہے اور بے مقدرتی کی وجہ سے اُس کو آپ نہیں کھا سکتا۔ سستے سمے کے معنے کیا ہیں کہ جتنا اناج مثلاً اس وقت ایک روپیہ کو آتا ہے وہ سستے سمے میں آٹھ آنے یا چھ آنے کا آنے لگے۔ لیکن یہ ارزانی اور گرانی اُسی کے لیے ہے جس کی گانٹھ میں پیسے ہوں اور جس بدنصیب مصیبت مند کے پاس پیسہ ہی نہیں اُس کو سستا اور مہنگا دونوں برابر۔ آج کل کی عارضی گرانی کی طرف گورمنٹ سے لے کر خوش باش لوگوں تک سبھی کی توجہیں مصروف ہیں اور اپنی اپنی جگہہ جو جس سے بن پڑتا ہے کر رہا ہے مگر وہ دائمی اور مستمر قحط جو خاص کر مسلمانوں پر آنے والا ہے ایک بڈھے سر سید کو تو دیکھتے ہیں کہ اُس کے غم میں گُھلا جا رہا ہے باقی جن پر اس قحط کی آفت نازل ہونے والی ہے اُنھیں کو اس کی پروا نہیں تو دوسروں کی بلا کو کیا غرض پڑی ہے کہ پرائی آگ میں جلیں۔ اس عارضی گرانی کے دور رہنے کے لیے لوگوں نے امریکا اور روس اور فارس سے غلہ منگوایا ہے۔ سو دائمی اور مستمر قحط کے دور کرنے کے لیے بھی جو خاص مسلمانوں پر آنے والا ہے اس مرد بزرگ نے یورپ سے لا کر تعلیم کی رسد جمع کی ہے لیکن رسد کیسے ہوتے سائے مسلمان بھوکوں ہیں اور رسد سے فائدہ نہ اٹھائیں تو اُن کی تقدیر۔ بات یہ ہے کہ کانفرنس میں آنا اور بات کرنے کو بھی طبیعت مضنا یقہ کرتی ہے کیا فائدہ ہے بیہودہ بکواس کرنے سے جب کہ شروع سے آج تک کسی رزولیوشن کی پوری پوری تعمیل نہیں ہوئی مسلمان کسی صلاح پر کاربند نہیں ہوئے ورنہ میرے دل میں تھا کہ زیادہ نہیں تو اخباروں کے بارے میں میں بھی ایک رزولیوشن پیش کرتا کہ یہ تعلیمی کانفرنس ہے اور اخبار بھی تعلیم کا ایک قومی ذریعہ ہے تو کیوں کانفرنس ان کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اخباروں کی جیسی ردی حالت ہے وہ ظاہر و آشکارا ہے اور میں نے اس کے شواہد بھی جمع کیے تھے مگر ان دنوں میرے پاس فنڈ کی کوتاہی ہے۔ شواہد پیش کروں تو اخبار والے ضرور گالیاں دیں جیسی اُن کی عادت ہے اور گالیاں دیں تو میں ضرور انتقام لوں جیسی میری طبیعت ہے۔ بس میں نے تو ایک ہنٹ[۱] کر دیا ہے۔ اب جن صاحبوں

[۱] اشارہ۔

کو رزولیوشن کے پیش کرنے کا شوق ہے اور اُن کو رزولیوشن کے خون کے ہدر ہونے سے ایذا نہیں ہوتی میں اُن کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر اگلے سال پھر کانفرنس جمع ہوا اور خدا کرے کہ ہو اور پھر ہو اور پھر ہو و ھَلُمَّ جَرًّا یعنی خدا سر سید احمد خاں کو سالہائے دراز تک سلامت رکھے تو کوئی صاحب اخباروں کے بارے میں جو میرے ہم خیال ہوں اس کو ایک مدلّل رزولیوشن کے پیرائے میں پیش کر کے کانفرنس سے پاس کرائیں کم سے کم اتنا تو ہو کہ مسلمانوں کے اخبار اپنا ٹون[لہ] درست کر لیں سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے روکا اور وہ رُک گئے مگر اخبار ایسی بُری طرح سے گورنمنٹ اور اس کے عہدہ داروں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں کہ کانگریس کو بھی مات کیا ہے باتیں ہیں کہ منہ تک آتی ہیں مگر وہی فنڈ کی کوتاہی کی وجہ سے میں اُن کو کہہ نہیں سکتا۔

نظم

عزت نہیں ہنر نہیں پلے ٹکا نہیں ۔۔۔ دنیا میں اب تو جینے کا مطلق مزا نہیں
جن کی عمارتیں بہ فلک سرکشیدہ تھیں ۔۔۔ نسلوں میں اُن کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخملِ رومی کے فرش تھے ۔۔۔ اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز ۔۔۔ نوبت یہ ہے کہ چولھے پر اُن کے توا نہیں
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند ۔۔۔ پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں
باوا فقیر تھے کہ اُنھیں پوچھتے تھے لوگ ۔۔۔ بیٹا فقیر ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں
پشتینی زیر دست کریں بد دماغیاں ۔۔۔ اے قوم تجھ میں غیرت و شرم و حیا نہیں
اول سے ہوتے آئے ہیں دنیا میں انقلاب ۔۔۔ ایک حال پر کسی کا زمانہ رہا نہیں
ہم بھی اگر زمانے کی گردش میں آ گئے ۔۔۔ تقدیر و بخت و چرخ سے کوئی گلا نہیں
برسوں رہے ہیں ہم پہ کرمہائے روزگار ۔۔۔ اک بے رخی پہ روٹھنا شرطِ وفا نہیں

لہ لہجہ ۔ طرزِ ادا ۔ ۱۲

یہ اتفاق وقت نہیں نادر الوقوع
یہ ماجرا عجیب کوئی ناجدا نہیں

مایوس کس لیے رہیں ہوں ناامید کیوں
کوئی مرض نہیں ہے کہ جس کی دوا نہیں

گر سلطنت گئی تو گئی کیا مضائقہ
کیا اس بغیر کوئی جہاں میں جیا نہیں

ہمت خدا اگر نہ ہرائے کہ یہ ہے سب
اور جائے سب تو جانو ابھی کچھ گیا نہیں

جو برسر عروج ہیں اب فی زماننا
ان میں بھی جملہ فرد بشر بادشا نہیں

معمور ہیں خزائن انعام کردگار
پر کیا کریں کہ ہاتھ ہی اپنا رسا نہیں

خلعت اگر اُس کی اپنے بدن پر نہ ٹھیک آئے
ہے جسم کی خطا یہ قصور قبا نہیں

جو واقعہ ہے اُس کا سبب ہے کوئی ضرور
ٹوٹا کسی مقام سے یہ سلسلہ نہیں

محنت بغیر مزد کسی کو نہیں ملا
بے جوتے بوئے کھیت کسی کا پھلا نہیں

پھر یہ جو ہم سبھوں پہ گزرتی ہیں سختیاں
کیا اپنی نالیاقتیوں کی سزا نہیں

فرما دیا ہے صاف کلام مجید میں
قسمت میں آدمی کی بجز ما سعیٰ نہیں

کیا رویئے کہ غور سے دیکھا تو واقعی
اپنا ہی ہے قصور کسی کی خطا نہیں

ہم آپ جمنے دیتے نہیں نقش مدعا
ورنہ ہمارے ہاتھ میں سب کچھ ہے کیا نہیں

ہم اہل ہوں تو خوان کرم اُس کا ہے وسیع
اوروں کا وہ خدا ہے ہمارا خدا نہیں

جو جس نے مانگا اُس نے دیا سب کو بے دریغ
محروم اُس کے فیض سے کوئی رہا نہیں

کیا دن کو آفتاب نہیں ہے جہاں فروز
یا شب کے وقت نور قمر کی ضیا نہیں

دیکھا کسی نے پھینک کے اوپر سے سنگ کو
اور وہ کبھی زمین پہ آ کر گرا نہیں

یا آگ کی کمی ہے ہمارے دیار میں
پانی نہیں زمین نہیں یا ہوا نہیں

ہندوستاں میں قوت برقی کا قحط ہے
یا یاں ٹنوں[1] اسٹیم بنا اور اڑا نہیں

یا ہم خدانخواستہ معذور بخت ہیں
یعنی کہ چشم و گوش نہیں دست و پا نہیں

[1] اٹھائیس من کا ایک ٹن ہوتا ہے ۱۲

معلوم ہے کہ علم پہ اب ہے مدارِ کار
اور جس کو یہ نہیں اُسے جینا روا نہیں

پر علم وہ کہ جس سے ہے یورپ کو امتیاز
اس سے مراد شاعریِ ایشیا نہیں

کرتا ہے ایک افسرِ تعلیم یوں رپورٹ
ڈھونڈے سے جب کوئی سبب اُسکو ملا نہیں

ہوتے ہیں یوں جو فیل مسلمان بالعموم
ان میں مگر مناسبتِ ہندسہ نہیں

ہے بات یہ کہ جزوِ بدن کس طرح سے ہو
رغبت کے ساتھ کھائی گئی جو غذا نہیں

صد ہا برس سے بگڑے ہوئے ہیں مذاقِ قوم
آخر رواج و رسم کوئی شے ہے یا نہیں

چھٹتے ہی چھٹتے چھوٹے گی عادت پڑی ہوئی
دو چار دن کا کام تو یہ مشغلا نہیں

ہاں ایک سبیل ہے کہ علی گڑھ چلے چلو
اس وقت اس سے ہند میں بہتر جگہ نہیں

وہ آکسفورڈ و کیمبرج کا جواب ہے
بس اتنا فرق ہے کہ وہ آب و ہوا نہیں

واں قدر دانیاں ہیں تو یاں بدگمانیاں
اور تہمتیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں

واں ہر سبق کے واسطے چندوں کی ریل پیل
یاں یہ سبق کہ کوئی متنفس پڑھا نہیں

واں ہمتیں کہ بامِ فلک پر کریں عروج
یاں بیٹھے بیٹھے اُٹھنے کا بھی حوصلہ نہیں

وہ مستعد کہ چل کے کریں سیرِ بر و بحر
ہم ہیں گھروں کی قید سے کوئی رہا نہیں

واں وقت کی یہ قدر کہ ضائع نہ ہو منٹ
یاں روز و ماہ و سال کی پروا ذرا نہیں

وہ محنتی کہ کام میں ہیں ہر وقت مشتغل
ہم اینڈتے اس لئے کہ کوئی مشغلہ نہیں

ایک ہم کہ ہم کو سو میں سے ننانوے ہیں عار
ایک وہ کہ کوئی کام ہو ہرگز ابا[۵] نہیں

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں
اسلامیوں میں اُن کی سی کوئی ادا نہیں

واں اتحاد و یکدلی و اُلفت و وفاق
یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

یاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہے سب کی روک ٹوک
واں ایسی مہملات کا کچھ تذکرہ نہیں

مانو نہ مانو ہم کہے دیتے ہیں صاف صاف
جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا نہیں

[۵] انکار ۱۲

اٹھائیسواں لکچر

الملقب بہ

استمالت

جو

انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے ۱۸۹۷ء میں دیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کسی بزرگ کی نقل ہے کہ اُن کی نماز تہجد ناغہ نہیں ہونے پاتی تھی - پڑھنا نہ پڑھنا تو خیر دوسری بات ہے مگر ابھی تک غنیمت ہے کہ حاضرین میں سے اکثر مسلمان سمجھتے ہونگے کہ نماز تہجد سے کونسی نماز مراد ہے - نماز تہجد سے مراد ہے وہ نماز جو آخر شب میں پڑھی جاتی ہے - ابتداے اسلام میں یہی ایک نماز تھی پھر جب نماز پنج گانہ فرض ہوئی تو نماز تہجد نافلۂ شب قرار پائی - اگرچہ تمام عبادتوں میں نماز بڑی آسان عبادت ہے مگر وہ جو کہتے ہیں ؎

مشکل ز توجہ تو آسان	آسان ز تغافل تو مشکل

لوگوں نے غفلت اور بے پروائی سے اس کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ترجمہ (اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انھیں پر جن کے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے اور اُن کو اُسی کی طرف اُلٹے جانا) اور یہی وجہ ہے کہ بہتیرے مسلمان تارک الصلوۃ ہیں یا پڑھتے ہیں تو گنڈہ دار کیونکہ وہ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ میں نہیں ہیں - اگر اس کا یقین ہو کہ ایک دن خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے - اور حاضر ہونا ہے تو نماز کی پرسش بھی ہونی ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود		اولیں پرسشِ نماز بود	

تو کیوں نماز ترک کی جائے اور کیوں گنڈے وار پڑھی جائے۔ پس نماز کا ترک کرنا یا گنڈے وار پڑھنا نشانِ ضعفِ ایمان ہے۔ نمازِ پنجگانہ کی آسانی میں تو کچھ بھی شبہ نہیں مگر ہاں نمازِ تہجد البتہ مشکل ہے کیونکہ آخرِ شب کا وقت سونے اور آرام کرنے کا ہے وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ترجمہ اور ہم نے تمہاری نیند کو موجبِ راحت بنایا) مگر جیسی مشکل ہے ویسا ہی اس کا ثواب بھی ہے اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا۔ ترجمہ (بے شک رات کا اُٹھنا (نفس کو) خوب زیر کرتا ہے اور اُس وقت دعا بھی ٹھیک (دل سے) نکلتی ہے وہ ایک وقت سناٹے کا ہوتا ہے کہ تمام عالم سوتا پڑا ہوتا ہے اور کوئی چیز صارفِ توجہ نہیں ہوتی۔ اِس وقت کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ بارگاہِ ربّ العزت سے ندا ہوتی ہے۔ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ ترجمہ (کوئی گناہوں کی معافی مانگتا ہے کہ ہم اُس کے گناہ بخش دیں۔ کوئی دعا کرتا ہے کہ ہم اُس کی دعا قبول کریں) سبحان اللہ عجب رحمت اور قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ تو جو لوگ ایسے وقت میں عبادت کرتے ہیں اُن ہی کی نسبت فرمایا ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ ترجمہ (رات کے وقت) اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور (عذاب کے) خوف اور (رحمت کی) اُمید سے اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے ہیں) غرض وہ یہ نماز تھی جس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ کسی بزرگ کی نمازِ تہجد قضا نہیں ہونے پاتی تھی اُن کے معتقدین نے "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کہنا شروع کیا کہ ہر شب بالالتزام سو نفلیں پڑھا کرتے ہیں۔ مشائخ کے حلقوں میں رہنے کا اتفاق ہو تو پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی بہت سی مثالیں نظر سے گزریں۔ مگر مجھ کو تو ساری عمر ایسا اتفاق ہوا نہیں اور بات صاف یہ ہے کہ میں نے اس سلسلے میں داخل ہونے کی ضرورت کو اس وقت تک سمجھا ہی نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ ترجمہ شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا کر دے) بزرگوں کے فیضانِ صحبت اور اُن کے عمدہ نمونے اور نصیحت سے متاثر ہونے کا تو میں قائل ہوں۔ مگر متعارف بیعت کا طریق ایک معما ہے جس کو میں حل نہیں کر سکا۔ بیعت کا ماخذ تو قرآن میں پایا جاتا ہے۔ ایک تو یَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا

جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ترجمہ (اے پیغمبر جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں آئیں (اور) تم سے اس پر بیعت کرنی چاہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھیرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ دختر کشی کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان نہیں بنا گھڑا کریں گی اور نیک کاموں میں (جن کے کرنے کا تم حکم دو) تمھاری حکم عدولی نہیں کریں گی تو (ان شرطوں پر) تم اُن سے بیعت لے لیا کرو اور خدا کی جناب میں اُن کی مغفرت کی دعا کرو) اور دوسرے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ترجمہ (اے پیغمبر) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمھارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر اُن) مسلمانوں سے خوش ہوا) اور إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ - يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ - ترجمہ (اے پیغمبر) جو لوگ تمھارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے ہیں وہ (تم سے نہیں بلکہ) خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں کہ تمھارا نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اور لفظ بیعت کا ماخذ اصل میں باغ ہے جو ہندی میں باکھ ہاتھ کے معنی میں بولا جاتا ہے اور عجب نہیں کہ ہندی کا باکھ وہی عربی کا باغ ہو اور عرب کا دستور تھا کہ جب معاہدہ کرتے - تو متعاہدین ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے اور یہ استحکام معاہدہ کا نشان ہوتا - اور یہاں ہندوستان میں بھی گھوڑوں کے اور کرانے کے دلالوں کو تھپی مارتے دیکھا جاتا ہے - تو جب کوئی نو مسلم داخل اسلام ہوتا یا مسلمان دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کا عہد و پیمان کرتا اُس سے دستور کے مطابق بیعت لی جاتی تھی مگر ہم نہ تو نو مسلم ہیں اور نہ ہم سے کوئی نیا عہد و پیمان لیا جاتا ہے تو بیعت از برائے چہ - ہمارا وہی عہد فطرت ایک پرانا عہد ہے جو ہم خدا کے ساتھ کر چکے ہیں وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ترجمہ اور جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلے میں

خود اُن ہی کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ اُن سے پوچھا) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کسی اور عہد کرنے کی بھی ضرورت ہے تو میں نہ مشائخ کے کسی سلسلے مین داخل ہوں نہ میں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی نہ بیعت کی ضرورت کو سمجھا نہ مشائخوں کے حلقوں میں رہا اور نہ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی مثالیں میری نظر سے گزریں مگر ہاں ایک **حکایت** پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی سنی ہے کہ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دیئے گئے یہ غدر ۵۷ء سے پہلے کی بات ہے اُن دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک ملا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے مجکو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں مگر سرکاری تو کیا ہوگی ملا صاحب اپنے طور پر نمازہی سپاہیوں کی امامت کر دیا کرتے اور مسئلہ مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے۔ غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہے اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہے اسی طرح ملا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات ان سے متعلق تھیں لوگ اپنے طور پر ان کے گزرِ اوقات کا انتظام رکھتے ہوں گے۔ خیر تو جب اُس کمپنی کا نام کٹ گیا تو اُن کے ساتھ ملا قرآنی بھی پلٹن سے نکال دیئے گئے مگر یہ تھے بڑے چلتے پرزے اُنھوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو۔ میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمھاری نظر میں صوبہ داری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے۔ یہ سُن کر سپاہی ملا صاحب کے گرداگرد اس طرح سمٹ آئے جس طرح سنتری ہتیار لینے کے لیئے جمع ہوتے ہیں۔ تب ملا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور پر اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اُس کے مرید و معتقد۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجکو سب سے زیادہ قابلیت ہے لیکن پیر بننا آسان ہے اور مرید بننا مشکل۔ یعنی پریدن آسان ہے اور پرانیدن مشکل۔ یہ کہکر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا۔ اور اس کو سمجھا دیا کہ تم مطلقاً کسی سے بات چیت نہ کرو۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں۔ اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے

چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اُس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اُس کے ساتھ ہولی۔ وہ شاہ صاحب کسی جگہہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ اُن سے دور دور رہتے۔ عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہو۔ کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے اُن کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا۔ اور حواشی بڑی شد و مد کے ساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارقِ عادات کا اُس پر اظہار کرتے۔ کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا ایک مرتبہ اتفاق سے شاہ صاحب کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہو کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سُنا۔ بس وہ وقت اور آج کا وقت حاضرِ خدمت ہوں اور شبانہ روز عجیب عجیب کرشمے دیکھا کرتا ہوں مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجکو دسواں برس ہو ایک بار ارشاد ہوا تھا کہ جا بچہ گھر والوں سے یا والدکر آ اور چلتے وقت ایک بدہنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اِس کے اندر جو کچھ بھی ہو اِس کو نہ تو دیکھنا اور نہ شمار کرنا۔ اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لے کر نکال لیا کرنا۔ تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوائے اُس بدہنی کے اور کوئی آمدنی نہیں ملا قرآنی نے اس طرح کی گھڑی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکایتیں ساتھیوں کو یاد کرا دی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا بے پھنسے نہ رہتا۔ شروع شروع میں ان لوگوں کو کسی قدر تکلیفیں پونہچیں اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کم بخت تو نے ہم کو گھر بھی نہ جانے دیا اور ملا صاحب اُن کی تسلّی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں عن قریب سب درِدّر پاک ہوتے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ لوگ لکھنؤ پونہچے اور ان کی شہرت کی لین ڈوری ان سے آگے آگے چلتی تھی۔ یہانتک کہ کسی کی تقریب سے آغا میر کے امام باڑے میں ان کو جگہہ مل گئی اور آغا میر نے ایک بڑی عالی شان عمارت میں شاہ صاحب اور اُن کے حواشی کے رہنے کے لیے اُن کی فرمایش کے مطابق اُن کے رہنے کے مکانات بنوا دیے جب خود شاہ صاحب کے لیے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت

تو کسی مکان میں رہنے والے ہیں نہیں تحت السماء رہنا پسند فرماتے ہیں۔ اور گرمی برسات جاڑا کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہوگا اور شاہ صاحب کی جگہ پر پھوہار کبھی برسے اور کبھی نہ برسے۔ تمام جاڑے برہنہ رہتے ہیں۔ اور ہم نے تو کبھی رونگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور یوں لوگ دوشالوں کی گٹھریاں چھوڑ جاتے ہیں حضرت کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن ان تمہیدات کے بعد آغا میر کے اصرار سے شاہ صاحب کے لیئے وسط باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب اس میں فروکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں بٹھا دیا اب پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کا وقت آیا تو اس پیر گرملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مدوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازہ کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا اور شاہ صاحب کو شب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ انھیں دروازوں سے سلام کے لیے حاضر ہوں گے اور ہم ان کا مطلب معلوم کر کے اُن سے کہہ دیا کریں گے کہ وہاں فلانے دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑ میں اتنا اشارہ ضرور کر دیا کیجیے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اس کثرت سے ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے بلے بدوان کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بہ مشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اُس خاص دروازے سے جو اس مطلب کے لیئے نامزد کر رکھا تھا۔ یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچتا اور باب الحاجت پر دستک دیتا شاہ صاحب تک نے تک جو کچھ جی میں آتا کہہ دیتے مگر اُس کے مطلب کا ضرور اشارہ ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہوگئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ یہ ہی پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔ پھر ان لوگوں نے کھایا سو کھایا۔ پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہو گیا۔ اس کی تقسیم میں شاہ صاحب اور ملا قرآنی

میں ہوئی تکرار پردہ فاش ہوگیا۔ نوبت بہ عدالت پہنچی سارا مال و متاع ضبط ہوا اور یہ سب لوگ شہر بدر کردیئے گئے۔ تو وہ بزرگ تہجد گزار جن کا حال میں نے بیان کرنا شروع کیا تھا صرف تہجد پڑھا کرتے تھے۔ مگر اُن کے معتقدین نے جو وہ کہتے ہیں کہ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند اُن کی نسبت کہنا شروع کیا اور اوراد و وظائف کے علاوہ ہر شب بہ التزام سو نفلیں پڑھا کرتے ہیں کسی طرح یہ بات اُن بزرگ کے کانوں تک پہنچی اور اُنھوں نے سو نفلوں کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلیا کہ شعر

نیک باشی و بدت بیند خلق	بہ کہ بد باشی و نیکت بیند

مریدوں نے ان کو سو پڑھتے دیکھ کر سو کی پانسو کردیں اب اُن بزرگ کو پانسو نفلیں پڑھنی پڑیں مریدوں کی تو صرف ٹکا بھر زبان ہلتی تھی۔ مگر ان بزرگ سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ کس مشکل سے عہدہ برآ ہوتے ہوں گے۔ مرید جنھوں نے سو کو ایک دم سے پانسو کردیا تھا اُن کو پانسو سے ہزار کردینا کیا دشوار تھا۔ مگر ان بیچارے بزرگ کی ہزار میں چولیں ڈھیلی ہوگئی ہوں گی۔ راوی تو حکایات کو ہزار نفلوں پر ختم کرتا ہے۔ مگر نہیں معلوم مریدوں نے اور اُن بزرگ نے بھی بس کیا یا نہیں۔ ہم اُن بزرگ سے تو اس خیال کی توجیہ کرتے ہیں کہ لوگ اُن کو جس قدر مرتاض سمجھتے تھے وہ اس سے زیادہ مرتاض ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ہزار پانسو نفلیں تو ہماری سمجھ میں آتی نہیں اچی آخر دو دو رکعتوں کی نیت کرتے ہوں گے۔ پھر فاتحہ اور ضم سورہ اور رکوع اور سجود اور قومہ اور قعدہ یہ سب ارکان بھی تعدیل کے ساتھ ادا کرتے ہوں گے۔ ذری حساب تو لگاؤ کہ پانسو نفلوں میں کتنی دیر لگتی ہے۔ اور اس طرح کی عبادت شرعًا ممدوح بھی نہیں۔ رمضان میں جو لوگ شبینہ سُناتے ہیں اس کو بھی فقہا نے اچھا نہیں کہا اس لیے کہ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ترجمہ اور قرآن کو خوب ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھا کرو کی تعمیل نہیں ہوتی۔ اور نہیں ہوسکتی۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے تین دن میں قرآن ختم کیا اُس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ عبادت وہیں تک پسندیدہ ہے جہاں تک خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ ہو چنانچہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں نماز کو اس

قدر کھڑے رہنے لگے کہ آپ کے پاؤں ورم کر آئے اور خوف تھا کہ کہیں فیل پائے کا روگ نہ لگ جائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی۔ ترجمہ (اے پیغمبر) ہم نے تم پر قرآن اس لیئے تو نازل کیا نہیں کہ تم (اس کی وجہ سے اس قدر) مشققت اٹھاؤ) اور حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ اٰخَی النَّبِیُّ صلعم بَیْنَ سَلْمَانَ وَاَبِی الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰی اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَاْنُكِ قَالَتْ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَیْسَ لَهٗ حَاجَةٌ فِی الدُّنْیَا فَجَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَاِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰكِلٍ فَلَمَّا كَانَ اللَّیْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ یَقُوْمُ قَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ یَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ اٰخِرُ اللَّیْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّیَا فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَیْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ
عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَكَادُ اُدْرِكُ الصَّلٰوةَ

۵۱ ابی جُحَیفہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے سلمان اور ابی الدرداء میں بھائی چارہ کرا دیا پس سلمان ابی الدرداء سے ملنے گئے اُنھوں نے ام الدرداء کو ایک مبتذل حالت میں دیکھا اور پوچھا کہ یہ تمھاری کیا حالت ہے اُنھوں نے کہا کہ تمھارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کچھ سروکار ہی نہیں اتنے میں ابو الدرداء بھی آ گئے۔ اُن کے لیئے کھانا طیار کیا گیا اور کہا کھائیے تو اُنھوں نے کہا میں تو روزے سے ہوں میں کھا نہیں سکتا پس سلمان نے کھا لیا اور جب رات ہوئی تو ابو الدرداء نماز کو چلے گئے سلمان نے کہا کہ سو جائیے تو اُن کے کہنے سے سو گئے پھر دوبارہ نماز کو چلے گئے پھر اُنھوں نے کہا کہ سو جاؤ اور پچھلی رات کو سلمان نے کہا کہ اب اُٹھو اور دونوں نے مل کر نماز پڑھی اور سلمان نے ابو الدرداء سے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا حق تم پر ہے اور اسی طرح تیرے نفس کا حق بھی تجھ پر ہے اور تیرے اہل و عیال کا حق بھی تجھ پر ہے پس ہر حق دار کا حق دینا چاہیئے۔ ۵۲ ابی مسعود انصاری سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم سے کسی شخص نے عرض کیا کہ فلاں شخص ایسی لمبی رکعتیں پڑھتا ہے کہ ہم کو نماز دوبھر ہو جاتی ہے۔ میں نے اُس دن سے زیادہ حضرت کو

مِنْ مَا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلعم فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمْ مُنَفِّرُوْنَ فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَ
الضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ وَنَحْنُ
عِنْدَهُ فَقَالَ زَوْجِي صَفْوَانُ ابْنُ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِي إِذَا صُمْتُ وَ
لَا يُصَلِّي الْفَجْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ السُّوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا
فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ لَوْ كَانَ سُوْرَةٌ وَاحِدَةٌ لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِي إِذَا
صُمْتُ فَإِنَّهَا تَصُوْمُ لِيَوْمٍ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
تَصُوْمُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ
قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ
فَصَلِّ۔ اچھا اسی قسم کی ایک حدیث اور عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلعم قَالَ إِنِّي لَأَقُوْمُ فِي الصَّلوٰةِ
أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۶ ۔۔ وعظ میں غضبناک کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نماز سے نفرت دلانے والے ہو پس چاہیئے کہ جو شخص جماعت سے نماز پڑھاے تو چھوٹی چھوٹی رکعتیں کرے یعنی طوالت نہ دے کیوں کہ مقتدیوں میں بیمار کم زور اور کاروبار والے بھی ہوتے ہیں۔ ابی سعید سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور اُس نے عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن معطل ہے جب نماز پڑھتی ہوں تو وہ مجھ سے ہم بستری کرتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو روزہ تڑوا دیتا ہے اور صبح کی نماز سورج نکلنے تک نہیں پڑھتا وہاں صفوان بھی حاضر تھے حضرت نے عورت کی شکایت کے متعلق اُن سے پوچھا انہوں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یہ جو اس نے کہا کہ میں نماز کے وقت اُس سے نزدیکی کرتا ہوں تو یہ دو دو سورتیں پڑھتی ہے حالاں کہ میں نے اسے منع کر دیا ہے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیئے ایک سورت بھی کافی ہے پھر کہا کہ اور یہ جو اس نے کہا کہ میں اس کا روزہ

خیر تو جو کیفیت اُن بزرگ کی تھی کہ جو مریدوں کے بھرے میں آکر نفلیں پڑھنے چلے جاتے تھے وہی کیفیت میری ہے مگر افسوس صد افسوس عبادت میں نہیں بلکہ شعر کہنے میں کہ میری اتنی عمر ہونے آئی میں نے کبھی شاعری کا شوق نہیں کیا اور شاعری کا شوق کیا ہوتا تو نہ میں نوکری کرسکتا نہ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کرسکتا اور نہ کلام مجید کا ترجمہ کرسکتا اور نہ لکچر دے سکتا غرض شاعری کے سوا اور کچھ کر نہ سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا رشد شاعری اور مدرسی دو متضاد مشغلوں کو کس طرح جمع کرتے ہیں مگر یہ اُن کی صفت خداداد ہے نہ میرا کوئی تخلص ہے اور نہ مجھکو اس لایعنی مشغلے کے لیے کبھی فرصت ملی اور صاف بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی شاعری کا مذاق ایسا بگڑا ہے کہ جہاں قومی تنزل کے اور اسباب ہیں ان میں میرے نزدیک ایک بڑا سبب یہ کم بخت ایشیائی شاعری بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے وقتوں میں مولوی حالی نے نظمی مذاق کی بہت کچھ اصلاح کی ہے۔ مگر اب بھی میں نوجوان لڑکوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں اور میں نہیں دیکھنا چاہتا کہ ان میں شاعری کا مذاق پیدا کیا جائے ان کو شاعری کی چاٹ لگی اور انھوں نے جان صاحب کا دیوان خریدا اور جان صاحب کا دیوان ہاتھ میں لیا اور خود جان صاحب ہوئے۔ مگر کون جان صاحب وہ جان صاحب جن کی نسبت فرمایا ہے وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۷ سے۔ توڑوا دیتا ہوں تو یہ آئے دن روزے رکھا کرتی ہے اور میں جوان شخص ہوں مجھے صبر نہیں آتا تو آپ نے فرمایا کہ کسی عورت کو بلا حکم اپنے شوہر کے روزہ نہ رکھنا چاہیے اور یہ جو اس نے کہا ہے کہ دن نکلنے تک میں نماز نہیں پڑھتا تو میرے سارے گھر والے جانتے ہیں کہ سورج نکلنے تک میری آنکھ ہی نہیں کھلتی (میں کیا کروں) آپ نے فرمایا کہ اے صفوان (خیر) جب تم بیدار ہو جب ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ ابی قتادہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میرا ارادہ لمبی رکعت پڑھنے کا ہوتا ہے لیکن میں بچوں کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں (کیوں کہ عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں) اور میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اس کی ماں یعنی بچوں کی ماں پر سختی کروں۔[۱۲۰]

السَّمُوْمِ **ترجمہ** (اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا گرم آگ سے) یہ لوگ جو خلاف اخلاق شاعری کرتے ہیں۔ جو دین کا استخفاف کرتے ہیں جو بزرگان دین کی ہنسی اُڑاتے ہیں پورے پورے مصداق ہیں اس آیت کے لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ - **ترجمہ** (کہ اُٹھاویں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور جو کچھ بوجھ ان کے جن کو وہ بہکاتے ہیں بے تحقیق سنتا ہو۔ بُرا بوجھ ہو جو اُٹھاتے ہیں) آئے **اسلامیہ کالج** کے اسٹاف تمہارا نہ صرف یہ کام ہو کہ طالب علموں کو یونیورسٹی کے امتحان میں پاس کرادو اور اسکو اپنی اور اپنے کالج کی بڑی کامیابی سمجھو۔ نہیں تمہارا بڑا ضروری کام ہو طالب علموں کے چال چلن کی حفاظت کہ اگر یہ کچّی لکڑیاں اس وقت کج ہو گئیں تو پھر ساری عمر سیدھی ہونے والی نہیں اور اگر ان کا چال چلن ٹھیک نہیں یہ اپنے دین و مذہب پر قائم نہیں یہ اپنی سوسائٹی کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تو ان کے امتحان نہ قوم کے حق میں مفید ہیں اور نہ خود ان کے حق میں۔ انگریزی والوں کے لیے اس قسم کی ترغیبات کثرت سے موجود ہیں۔ کہ دین حق سے منحرف ہوں قوم اور سوسائٹی سے متنفر اور افسوس ہو کہ بہت سے لوگ ان ترغیبات کے مطیع اور منقاد ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی سوسائٹی میں رہنا نہیں چاہتے۔ اور جس سوسائٹی میں جانا چاہتے ہیں وہ اپنے میں ان کو شامل نہیں کرتی۔ اور جب تک حاکم و محکوم کا تفرقہ ہو شامل کرے گی بھی نہیں "ازیں سو راندہ وازاں سو درماندہ" نہ اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کہ ہمر مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ **ترجمہ** (وہ مذبذب ہیں اس میں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے) اب لاؤ اس شاعری کے بیان کو ختم کریں تو غرض یہ ہو کہ جس طرح وہ شب زندہ دار بزرگ مریدوں کے بھرے میں آکر ہزار پانسو نفلیں پڑھنے لگے تھے میں بھی لوگوں کے کہے میں آکر شعر کہنے لگا۔ مگر جیسی اُن کی نفلیں ہوتی ہوں گی ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں۔ پچھلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بڑی شد و مد کے ساتھ اعتراضات ہوئے کہ کانفرنس عملاً کچھ نہیں کرتا بلکہ لوگوں نے اس کو مشاعرے کی محفل بنا لیا ہو میں تو سمجھا کہ خدا نے شعر گوئی سے پیچھا چھڑایا مگر آپ لوگ تعجب کریں گے۔ کہ جو

صاحب بڑی شد و مد کے ساتھ شعر گوئی پر اعتراض کرتے تھے وہی بڑی شد و مد کے ساتھ مجھ سے نظم کی درخواست بھی کرتے تھے۔ ادہر تمھارے یہاں پارسال کسی صاحب نے میرا نام لے کر کہہ دیا کہ وہ ہمیشہ لکچر سے پہلے ضرور نظم پڑھا کرتا ہے۔ ہمیشہ اور ضرور تو نہیں مگر ہاں پڑھا کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جس طرح یونانی طبیبوں کے ہر ایک نسخہ میں شربت ہوتا ہے یا خمیرہ یا مصری کہ شیرینی کے شمول سے طبیعت دوا کو قبول کرے اسی طرح نظم کے شمول سے لوگ لکچر کو رغبت سے سنیں خیر تو جو لکچر میں دینے والا ہوں اُس کی تمہید یہ نظم ہے۔ اور اس طرح کو اسد اللہ خان غالب مجھ سے پہلے اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

زندگی اپنی جو اس طرح سے گزری غالبؔ	ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

نظم

ہائے وہ دور موافق کہ مسلمان کبھی	حشمت و سلطنت و یسر و غنا رکھتے تھے
حاکم وقت تھے اور ملک سے لیتے تھے خراج	تاج شاہنشہی و چتر و لوا رکھتے تھے
رعب دیتا تھا انھیں لشکر جرار کا کام	کہ زمانے میں بلند اپنی ہوا رکھتے تھے
فتح اک خادمہ تھی اُن کی اور اقبال غلام	مختصر یہ ہے کہ پتے یہ خدا رکھتے تھے
وہ بھی انساں تھے ہماری ہی طرح کے انساں	یہی صورت تھی اور ایسے ہی قویٰ رکھتے تھے
ہاتھ پاؤں اُن کے بھی دو دو ہی ہوا کرتے تھے	وہ بھی دو آنکھیں دو گوش شنوا رکھتے تھے
وہ بھی تھے عالم اسباب میں محکوم قضا	نہ کوئی قاعدہ قانون نیا رکھتے تھے
بین ستین و سبعین تھی مقدار حیات	اور یہی ضابطۂ صبح و مسا رکھتے تھے
مشکلیں اُن کو بھی پیش آتی تھیں وقتاً فوقتاً	وہ بھی احساس تکالیف و عنا رکھتے تھے
پھر وہ کیا نقص ہے جو ہم میں ہے اور اُن میں نہ تھا	کونسا وصف وہ اپنے میں سوا رکھتے تھے
غیر ازیں ہم کو دکھائی نہ دیا فرق کہ وہ	دل جدا دل سے خیالات جدا رکھتے تھے
دل نہ تھے آئینہ تھے صاف مجلّیٰ شفاف	نور ایمان کی صیقل کی ضیا رکھتے تھے

دین و دنیا کو برتتے تھے مگر عدل کے ساتھ
دونوں پلّوں کو ترازو کے تُلا رکھتے تھے

متوکل تھے مگر کوشش و تدبیر کے ساتھ
اُونٹ کو تھان پہ کھونٹی سے بندھا رکھتے تھے

طالبِ عزتِ دنیا تھے فقط دیں کے لیے
ورنہ دنیا کو وہ نظروں سے گرا رکھتے تھے

کارِ دنیا میں تھے مشغول بظاہر ہمہ تن
دل مگر یادِ الٰہی میں لگا رکھتے تھے

وعدہ کرتے تھے تو بات اُن کی تھی پتھر کی لکیر
قول کے مرد تھے اور پاسِ وفا رکھتے تھے

امن دیتے تھے تو ہو جاتے تھے آپ اُس کی سپر
نہ کہ کہہ دیتے تھے اور دل میں دغا رکھتے تھے

مستحقِ حق کی ضرورت اگر آ پڑتی تھی
کہہ گزرتے تھے نہ کچھ باک ذرا رکھتے تھے

ڈانٹ بتلائی ہے بڑھیوں نے بلا خوف و خطر
بادشاہوں کو اگر قصدِ خطا رکھتے تھے

جنتری میں سے شریعت کی وہ نکلے تھے قدم
عادت و طور و طریقِ صُلحا رکھتے تھے

اُن کے انفاق تھے ایثار کہ دیکھے نہ سُنے
گرچہ دنیا میں بہت جود و سخا رکھتے تھے

آپ سو رہتے تھے مہمان کی خاطر بھوکے
بلکہ بچوں کو بھی فاقے سے سُلا رکھتے تھے

سر بکف رہتے تھے اسلام کی خاطر ہمہ وقت
الغرض قوم پہ اپنے کو فدا رکھتے تھے

ایک کر ڈالا تھا یاروں نے پسینا اور خون
تب کہیں دین کے گلشن کو ہرا رکھتے تھے

فتنہ پرداز کوئی قوم کے حق میں ہووے
خلل انداز وہ کب اُس کو روا رکھتے تھے

فقر و فاقہ کے وہ خوگر تھے بلا استکراہ
پیٹ کو بھوک کی شدت میں کسا رکھتے تھے

بے تکلف تھے سپاہی منش آزاد مزاج
دین دارانہ ہر اک آن و ادا رکھتے تھے

ایک درجے میں گنے جاتے تھے آقا و غلام
نہ کم و بیش نہ چھوٹا نہ بڑا رکھتے تھے

جتنی باتیں ہیں فضیلت کی شرف کی اُن میں
سب سے اپنا قدم آگے کو بڑھا رکھتے تھے

جھٹ اُڑا لیتے نئی چیز اگر دیکھ پڑیں
عار رکھتے نہ تھے اور ذہن رسا رکھتے تھے

بس وہ ممتاز تھے بلا استحقاق
لاجرم مسندِ عزت پہ جگہ رکھتے تھے

کاش وہ دن ہو کہ ہم بھی کہیں ہم رکھتے ہیں
کیا ہوا اس سے کہ سو بار کہا رکھتے تھے

اِس قدر بے سروساماں ہیں کہ آئے نہ یقیں		کھیے کس مونھ سے کہ ہم بھی کبھی کیا رکھتے تھے

حاضرین میں سے کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کی شان و شوکت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔ مگر ہاں کہیں کہیں کچھ پرانی عمارتیں زبانِ حال سے بتا رہی ہیں یا تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کمپنی بھی دنیا کے تھیٹر میں ایک بڑا ایکٹ کر گئی ہے جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان کیوں کر بڑھے چڑھے اور کیوں کر گر کر اُترے۔ اسی سے ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے گا کہ آیا پھر بھی اِن کے پنپنے سنبھلنے کی توقع ہے یا نہیں۔ مسلمان کوئی اجنبی مخلوقات نہیں ہیں بلکہ پیغمبر صاحب آخر الزماں کی بعثت کے وقت جو لوگ موجود تھے کچھ یہودی کچھ عیسائی کچھ آتش پرست کچھ ستارہ پرست کچھ بت پرست کچھ دہریئے انھیں میں سے بعض نے پیغمبر صاحب کے سکھانے سمجھانے سے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور ایک گروہ ممتاز بنا اور از بسکہ اسلام کی تعلیم بالکل فطرت کے مطابق تھی۔ اور کوئی منصف مزاج آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گروہ صاف اپنے معتقدات کی سادگی اور صداقت کی بنیاد پر باوجود گوناگوں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے بڑھتا اور پھیلتا اور ترقی کرتا چلا گیا كَزَرْعٍ [51] أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ اسلام جیسا خود فطرۃ کے مطابق ہے ویسی ہی اُس کی ترقی بھی خود بالکل فطرۃ کے مطابق ہوئی اور اُس کا تنزل بھی بالکل فطرۃ کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اسلام کی کیا تخصیص ہے دنیا کے جتنے واقعات ہیں سب ہی فطرۃ کے مطابق ہوا کرتے ہیں فَلَن تَجِدَ [52] لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا۔ اسلام بڑھا جس طرح ایک سچے مذہب کو بڑھنا چاہیے تھا یعنی سب سے پہلے اُس کی پارٹی میں داخل ہوئے ضعفا

---

[51] جیسے کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس نے غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کر کے اپنی اس (سوئی) کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی (یہاں تک کہ آخر کار کھیتی) اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے ۱۲

[52] تو اے پیغمبر تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے ۱۲

جن کو راستی کے مان لینے میں کوئی امر از قسم حب جاہ و مال مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیاوی حالت کی خستگی کی وجہ سے ان کے دل اصلی اور روحانی تشفی کے جویا تھے اور وہ ان پر پیش کی گئی اور انھوں نے اس کو ایسے شوق سے لیا جیسے پیاسا شربت کو یا بھوکا غذائے لطیف کو۔ ان کو طرح طرح کے عذاب دیئے گئے مگر انھوں نے وہی کہا جو فرعون کے جادوگروں نے کہا تھا جب وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے [۵۱] فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ یہی حال تھا بلال رضؓ کا کہ وہ ایک مشرک کے غلام تھے اور وہ ان کو عرب کی گرمیوں میں تپتے ہوئے کنکروں پر دھوپ میں لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیتا اور ان سے کفر بکوانا چاہتا۔ سارے دن اسی عذاب میں مبتلا رہتے۔ اور شام کو احد احد کرتے اٹھتے اور بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ عمار بن یاسر کی والدہ کو مشرکوں نے اسلام کی وجہ سے بڑی بے دردی اور فضیحت سے مار ہی ڈالا تھا

---

۵۱ تو یہ دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) لگے کہنے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لائے (فرعون نے) کہا کیا قبل اس کے کہ ہم تم کو اجازت دیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو نہ ہو یہ تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے تو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر اُلٹے (رسید ہے) کاٹ ڈالوں اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سولی چڑھاؤں تو سہی اور (اب) تم کو اچھی طرح) معلوم ہو جائے گا کہ ہم (دونوں فریقوں) میں کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے (جادوگر) بولے کہ کھلے کھلے معجزے جو ہمارے سامنے آئے ان پر اور جس (خدا) نے ہم کو پیدا کیا ہے اُس پر تو ہم تجھ کو کسی طرح ترجیح دینے والے ہیں نہیں تو جو تو کرنے والا ہے کر گزر۔ تو دنیا کی اسی زندگی (کے بارے) میں حکم چلا سکتا ہے اور بس ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (خاص کر) جادو کے گناہ جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا اور اللہ (کی دین تیری دین سے) بہتر اور زیادہ دیرپا ہے ۱۲

تھا۔ اور اس طرح کی سینکڑوں مثالیں تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ پھر سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے وہ لوگ جو پیغمبر صاحب کے ساتھ گہرا اختلاط اور ان کے حالات سے پوری پوری آگہی رکھتے تھے۔ مثلاً اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ۔ علی بن ابی طالب۔ حضرت ابوبکر۔ اور یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے بھی تو ایسے نازک وقت میں جب بڑے سے بڑا دور اندیش آدمی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اسلام کو بھی کبھی دنیاوی عروج ہوگا۔ کسی شخص کے چال چلن کی نسبت صحیح رائے قائم کرنے کا آسان کام نہیں ہے۔ مثلاً اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا اپنے شوہر پیغمبر صاحب پر ایمان لانا اس کا محل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ پیغمبر صاحب کو خوش کرنے کے لیے اُن کی خاطر سے ایمان لے آئی ہوں۔ مگر مجرد اُم المومنین خدیجہ اور پیغمبر صاحب کے تعلق زناشوئی کی بنا پر حضرت خدیجہ رضؓ کے ایمان کی طرف سے بدگمان ہونا انصاف کی بات نہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایمان کے مقابلے میں لوگوں نے ان تعلقات کی مطلق پروا نہیں کی بلکہ اختلاف عقاید زن و شو کے ایک دوسرے سے چھوٹ جانے کا باعث ہوا ہے۔ میں ایسے کئی خاندانوں کے حال سے واقف ہوں کہ ایک میں بی بی سنّی ہے اور شوہر شیعہ ان دونوں میں اختلافِ مذہب کی وجہ سے ایسی اَن بن رہا کرتی ہے کہ چھوٹے داخل ہیں۔ ابھی حال میں ایک غیر مقلد عورت نے شوہر سے صرف اس لیے طلاق لی کہ وہ بڑا غالی مقلّد تھا۔ ایک منگنی جس سے طرفین رضامند تھے نہیں ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ لڑکا علی گڈھ کالج میں پڑھتا اور انگریزی لباس رکھتا ہے میں نے اپنے عزیزوں میں ایک مولوی کو اپنی بیوی سے لڑتے دیکھا۔ مولوی صاحب بیوی سے معتقدانہ ادب کے خواہاں تھے اور بی بی اُن سے کہہ رہی تھی کہ موئے میں تیرے رگ و ریشہ سے واقف ہوں۔ بہت میرے سر چڑھے گا تو ابھی سارا لفافہ اُدھیڑ کر رکھ دونگی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نسبت معلوم ہے کہ اسلام میں آنے سے پہلے اعلیٰ درجے کے مذہبی خیالات رکھتی تھیں۔ وہ پیغمبر صاحب کی راستی اور دیانت کی گرویدہ ہوئیں اور اُن کو شام کی طرف قافلہ سالار بنا کر بھیجا اور آخرکار اپنے نکاح کا پیام دیا ان کے خاندان میں دین و مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل توراۃ کے بڑے عالم تھے۔ اور جب پیغمبر صاحب کو

نزولِ وحی کی ابتدا میں خوف ہوا اور غارِ حرا میں جہاں اکیلے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے ڈر کر بھاگے اور خدیجہؓ سے گھبرا کر کہا کہ میں نامانوس آوازیں سنتا ہوں اور مجھکو عجیب عجیب شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ان کو ورقہ پاس لے گئیں اور ورقہ نے پیغمبر صاحب سے کہا کہ وہ ناموس اکبر یعنی جبریل فرشتہ ہے جس کو تم نے دیکھا۔ اور اگر میں تمھارے مبعوث ہونے تک زندہ رہا تو تمھارے مددگاروں میں ہوں گا۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ یہ کہکر پیغمبر صاحب کی تشفی کرتی رہیں۔ اِنَّكَ[ا٥] تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ وَتَصِلُ الرَّحِمَ تم جیسے نیک بندے کو ہرگز خدا ضائع نہیں ہونے دے گا۔ کیا ایسی نیک نہاد بی بی کی نسبت ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ پیغمبر صاحب کی خاطر سے اسلام لائیں۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی صداقت کی طرف سے کسی طرح کا شک رکھتے ہیں وہ نہ تو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں نہ مسلمانوں کا برتاؤ اُن کو حقیقتِ اسلام سے واقف ہونے دیتا ہے اور نہ اُن کو تاریخی واقفیت سے آگہی ہے۔ اُن وقتوں کے اہلِ عرب میں اسلام کا رواج پانا ہی اسلام کی آسانی اور صداقت کی کافی دلیل ہے۔ جو شخص شبہ کرتا ہے کہ اسلام نے تلوار کے زور سے رواج پایا۔ اگر عرب (ان وقتوں کا عرب) ہمارے ہندوستان جیسا ہوتا۔ اور وہاں کے باشندے (اُن وقتوں کے باشندے) ہماری طرح کے آرام طلب۔ کاہل۔ بزدل۔ ڈرپوک ہوتے تو سب سے پہلے ہم آپ شبہ کرتے ہمارا حال تو یہ ہے کہ اتنا بڑا ہندوستان اور اس میں سکھ اور گورکھے اور مرہٹے اور جاٹ اور مسلمان ایک سے ایک سورما اور کوڑیوں نیٹو سٹیٹ (ہندوستانی ریاستیں) اور سب کے پاس گڑھیاں اور قلعے اور لشکر اور ہتیار اور ایسے وسیع اور مختلف العناصر ملک میں کل ہتر ہزار گورے اور ایسی قہرمانی حکومت کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ ہم اسلام کی نسبت شبہ کرتے ہیں تو اُن وقتوں کے اہلِ عرب کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا بچہ بچہ پیدائشی سپاہی

[ا٥] تو اُس چیز کو حاصل کر سکتا ہے جو دوسرے کسی کو نہ مل سکے اور تو مہمان کی عزت کرتا ہے تو حادثات میں لوگوں کی مدد کرتا ہے اور صلہ رحم کرتا ہے۔ ١٢

تھا۔ عورتوں کی سنگ دلی کی ایسی مثالیں ہیں کہ اُن کو سن کر کلیجہ دہل جاتا ہے کہ ابوسفیان کی عورت ہندہ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر کھا گئی۔ ہم سے تو کوئی لاش کے پاس جانے کو کہے تو ہیاؤ نہ پڑے وہ لوگ مرنے مارنے کو ایک کھیل سمجھتے تھے۔ وہ کبھی کسی کے مطیع ہو کر نہیں رہے اور اب بھی نہیں۔ اِن کو زیر کرنے کے لیے اکیلی تلوار ہرگز کافی نہ تھی اسلامی گورمنٹ اول ڈویل (مدغم) گورمنٹ تھی۔ یعنی پیغمبر صاحب دینی اور دنیاوی دونوں حکومتوں کے جامع تھے۔ مگر گورمنٹ کا یہ رنگ پیغمبر صاحب کی حیات تک رہا۔ اس لیے پیغمبری کی حکومت شخصی حکومت تھی۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد خلافتِ راشدہ تک بھی اُس کی شان باقی رہی اور پھر دوسری گورمنٹوں کی طرح ملک مخصوص ہو گیا۔ یعنی نِری دنیاوی حکومت۔ دنیاوی حکومت زبردستی پیغمبر صاحب کے پلے باندھی گئی تھی۔ یعنی اسلام کے مخالفوں نے خود چھیڑ چھاڑ کی پیغمبر صاحب نے وہاں تک طرح دی جہاں تک طرح دینا ممکن تھا ایذاؤں پر صبر کیا۔ مجبور ہو کر جلاوطنی اختیار کی۔ پردیس میں بھی دشمنوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ناچار اپنے بچاؤ کے لیے مقابلہ کرنا پڑا بچاؤ کرتے خدا ملک فتح کرا دے تو یہ اُس کی دین ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔۵

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ اسلام کو تلوار سے مدد نہیں ملی۔ مگر دنیا میں کسی ایک مذہب کا نشان دو جس کا پیہ سلطنت کی چکنائی کے بدون چلا ہو۔ یہود کی تاریخ پڑھو کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اور اُن کے بعد کتنی خونریزی ہوئی۔ یہود کے بعد آئے عیسائی سو عیسائیت نے بھی اُسی سے رواج پایا کہ روم کا بادشاہ کانسٹنٹائن عیسائی اور نہ صرف عیسائی بلکہ عیسائی گر ہو گیا۔ سکھوں کے مذہب نے جس طرح رواج پایا سب کو معلوم ہے۔ لکھنؤ میں ہم نے دیکھا کہ وہاں کے بادشاہ شیعی مذہب تھے تو ہندو تک تعزیہ داری کرنے لگے تھے اور ابھی تک کرتے ہیں۔ دنیا اور دین میں عجیب طرح کا رابطہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ بھی رہنا چاہتے ہیں۔ اور پھر ایک کے بدون ایک کا کام

۵ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ کا فضل (بہت) بڑا ہے ۱۲

بھی نہیں چلتا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ حاکمِ وقت کی کل ادائیں لوگوں کی نظروں میں مطبوع اور پسندیدہ ہو جاتی ہیں اور مذہب بھی اس عموم سے مستثنیٰ نہیں۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ[1] انگریزوں کے حال پر نظر کیوں نہیں کرتے۔ کہ خدا نے ان کو حاکمِ وقت کیا ہے تو لباس اور وضع اور طور اور طریق اور طرزِ تمدن اور زبان ان کی سب ہی چیزیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور لوگ ہیں کہ بعض باتوں میں متاذّی بھی ہوتے ہیں۔ زیر بار ہوتے ہیں۔ اپنے لوگوں کے طعنے مہنے بھی سنتے ہیں مگر بھیڑیا دھسان انگریزوں کی نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح چپکے چپکے غیر محسوس طور پر عیسائیت بھی اپنا اثر دلوں پر ڈال رہی ہے۔ مسلمانوں کے عروج نے اگر اسلام کی اتنی مدد کی ہو۔ تو ہم کو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر یہ کوئی الزام کی بات ہے تو کوئی مذہب اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس سے تو صرف انسانی طبیعت کا ضعف ظاہر ہوتا ہے۔ کافرستان جس کو امیر عبد الرحمن خان نے فتح کیا ہے ضرور اسلام قبول کرے گا اس لیے کہ اس کا فتح کرنے والا مسلمان بادشاہ ہے۔ لیکن اگر اس کو انگریز فتح کرتے تو وہ اب جیسا مسلمان ہونے کے لیے تیار ہے انگریزوں کے فتح کرنے کی صورت میں عیسائی ہونے کے لیے تیار ہوتا۔ مگر کوئی کہتا کہ کافروں کو بزورِ شمشیر عیسائی کیا گیا۔ تو کیوں کہا جاوے کہ امیر نے بزورِ شمشیر مسلمان کیا۔ اور کیوں کہا جائے کہ شروع کے مسلمان بزورِ شمشیر مسلمان کیے گئے تھے۔ اگر مسلمان بزورِ شمشیر مسلمان ہوئے تھے تو یہودی بھی بزورِ شمشیر یہودی ہوئے تھے بلکہ بدرجہ اولیٰ۔ اور عیسائی بھی بزورِ شمشیر عیسائی ہوئے تھے۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ اور بزورِ شمشیر عیسائی ہو رہے ہیں بلکہ بدرجہ اولیٰ۔ اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ابھی اسلامی سلطنت اچھی طرح بیٹھنے اور جمنے نہیں پائی تھی کہ پیغمبر صاحب نے انتقال فرمایا۔ اور ایک دم سے لوگوں نے زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا۔ پھر خلیفہ دوم و سوم یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ اور پھر مسلمانوں نے خاندانِ نبوی کو بے حرمت اور برباد کر دیا لیکن

---

[1] لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں ۱۲

ان سب حالتوں میں ایک متنفس بھی اسلام سے نہیں پھرا جنہوں نے زکواۃ کے دینے سے انکار کیا وہ بھی اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے۔ جنہوں نے خلیفۂ سوم کو شہید کیا وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کے بڑے نواسے کو زہر دلوایا وہ بھی مسلمان تھے۔ جنہوں نے چھوٹے نواسے کو شہید اور خاندان نبوت کو بے حرمت اور برباد کیا وہ بھی مسلمان تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ غاصب تھے۔ ظالم تھے۔ ملعون تھے۔ مردود تھے۔ واجب القتل تھے۔ مگر بااین ہمہ مسلمان تھے خدا رسول کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اب بھی لوگ حقوق العباد غصب کرتے۔ ظلم کرتے۔ قتل نفس کرتے اور مسلمان رہتے اور مسلمان سمجھے جاتے ہیں یا واجب قید ہوتے۔ کالے پانی بھیجے جاتے۔ پھانسی پاتے۔ مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ گناہ اور چیز ہے اور اسلام دوسری چیز ہے۔ یہود ونصاریٰ کی طرح [۵۱] نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ کا اور [۵۲] لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ہمارا عقیدہ نہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمان قبیح سے قبیح گناہ کا مرتکب ہو مگر پھر بھی مسلمان رہے۔ ممکن ہے کہ مسلمان گناہوں کے بدلے دوزخ میں ڈالا جائے۔ ہم کسی شخص خاص کے انجام کی نسبت قطعی اور حتمی کوئی رائے نہیں لگا سکتے۔ مگر ہاں جب تک ایک شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے گو وہ کچھ بھی کرے اور گو وہ دل سے مسلمان نہ بھی ہو مگر ہم اس کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کر سکتے کیونکہ شریعت ظاہر پر حکم کرتی ہے۔ اور ایسے واقعات پیغمبر صاحب کے وقت میں بھی پیش آئے کہ مسلمان کسی گانوں پر چڑھ دوڑے اُن لوگوں نے لپک کر اُن سے سلام علیک کی اُنہوں نے اس کو اُن کا فریب سمجھا۔ پیغمبر صاحب کو خبر ہوئی آپ نے فرمایا [۵۳] هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ اور اسی بارے میں حق بھی نازل ہوئی۔ [۵۴] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

---

۵۱ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ۱۲ ۵۲ گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی (بھی تو) نہیں ۱۲ ۵۳ تو نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھا ۱۲ ۵۴ مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں (لڑنے کے لیے) [illegible] لوگوں پر چڑھ کر جاؤ (اُن کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص (اظہار اسلام کے لیے) تم سے

فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا اور یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا مَا[51] تَقُوْلُ فِیْ يَزِيْدَ فَسَكَتَ وَلَمْ يُجِبْ حالانکہ قرآن مجید میں نص صریح موجود ہے۔ وَمَنْ[52] يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا جب کہ عام مومن کے قاتل کے حق میں ایسی وعید سخت ہو تو قاتل حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں سکوت کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر وہی کہ شرع ظاہر پر حکم کرتی ہے۔ اور یزید باوجودیکہ بدترین امت تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے تئیں مسلمان کہتا تھا۔ کسی کو حق نہ تھا کہ اُس کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا۔ ایک وقت هَلْ لَا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ کا تھا۔ ایک وقت فَسَكَتَ وَلَمْ يُجِبْ کا تھا ایک وقت تکثیر جماعت کا تھا یا ایک وقت ہے کہ اسلام سے خارج کر دینے کے لیے حیلے ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ کوئی انگریزی پڑھے اسلام سے خارج کوئی انگریزی کپڑے پہن لے۔ اسلام سے خارج۔ نماز نہ پڑھے تو خیر۔ مگر پڑھے اور نماز میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۸ :- سلام علیک کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں (اور اس کہنے سے) تمہارا مقصود ہو زندگی دنیا کا ساز و سامان (تاکہ اُس کو دشمن ٹھیرا کر لوٹ لو سو ایسی لوٹ پر کیا گرتے ہو) خدا کے ہاں تمہارے لیے بہت سی (جائز) غنیمتیں (تیار موجود) ہیں۔ پہلے تم بھی تو ایسے ہی (کھل کر اظہار اسلام کرتے ہوئے ڈرتے) تھے پھر اللہ نے تم پر اپنا فضل کیا (کہ کھلم کھلا اظہار اسلام کرنے لگے) تو (دوسرے نو مسلموں کی کمزوری پر نظر کرکے لڑنے سے پہلے) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے ۱۲

[51] یزید کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں تو خاموش ہو رہے اور کچھ جواب نہیں دیا ۱۲

[52] اور جو مسلمان کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (رہے) گا اور اُس پر اللہ کا غضب (نازل) ہوگا۔ اور اُس پر خدا کی پھٹکار پڑے گی۔ اور اللہ نے اُس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ۱۲

پکار کر آمین کہے اسلام سے خارج۔ امام کے پیچھے آہستہ سے الحمد پڑھے اسلام سے خارج شب برات کا حلوا زبان پر رکھے اسلام سے خارج۔ عید کی سویاں چکھے اسلام سے خارج کسی کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھے اسلام سے خارج۔ یعنی ایک وقت تھا کہ اسلام کسی نہ کسی بہانے سے گلے مڑھا جاتا تھا اور یا اب ایک وقت ہے کہ اسلام کسی نہ کسی بہانے سے چھینا جاتا ہے۔ اچھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب اسلامی سلطنت ایسی متنزل ہوگئی کہ لوگوں نے زکوٰۃ روک دی۔ خلیفہ سوم کو شہید کیا اور آخر کار پیغمبر کے خاندان کو برباد کر دیا یا وہ زور شمشیر تھا۔ جو ان کو اسلام کا مطیع کیے ہوئے تھا۔ نہیں بلکہ اسلام کی اصلی صداقت اور دل نشینی ان کو مجبور کیے ہوئے تھی۔ کہ وہ ترک اسلام نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہی بات تو ہرقل روم نے بھی کہی تھی کہ جب پیغمبر صاحب نے سلاطین کے نام دعوت کے خطوط جاری کیے ان میں ایک خط ہرقل کے نام کا بھی تھا۔ جب یہ خط ہرقل پاس پہنچا۔ اس نے پیغمبر صاحب کے حالات کی تفتیش کی۔ اتفاق سے ان دنوں عرب کا قافلہ تجارت کی تقریب سے وہاں وارد بھی تھا۔ ہرقل نے ان لوگوں کو بلا کر دریافت کیا۔ اور جب اس کو پیغمبر صاحب کی ذاتی کیفیت اور ان کی تعلیم و تلقین کا حال معلوم ہوا تو وہ بے اختیار معتقد ہو گیا۔ ہرقل نے اہل عرب سے جہاں اور سوالات کیے تھے یہ بھی پوچھا تھا کہ بھلا اسلام لائے پیچھے کچھ لوگ مرتد بھی ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ایسا تو نہیں ہوتا ہرقل بولا کہ بس دین حق کا قاعدہ ہے کہ جب ایک دفعہ ذہن نشین ہو جاتا ہے تو پھر اس سے انسان انحراف نہیں کر سکتا۔ یہی حال تو مسلمانوں کا ہوا۔ کہ ان میں سے بعض نے نالائق سی نالائق حرکت کی۔ مگر بت پرستی نہیں اختیار کی۔ اسلام کو اپنی حفاظت کے لیے تو بے شک تلوار کی ضرورت پڑی مگر اپنے تئیں رواج دینے کے لیے نہ پہلے کبھی تلوار کی ضرورت تھی نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوگی۔ آدمی تہذیب اور شائستگی اور سویلیزیشن (تہذیب) کے اعتبار سے کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو جائے اس میں خدا نے ایک نور فطرت رکھا ہے کہ وہ ماند تو ہو سکتا ہے مگر معدوم نہیں ہو سکتا۔ اور یہی نور فطرت اسلام کی بنیاد ہے۔ یہی نور فطرت انسان کو دکھاتا ہے کہ اس کا اور دنیا کے اس عظیم الشان

کارخانے کا کوئی خالق ہے اور وہ نہ آدمیوں میں کا ہے نہ اجرام فلکی میں کا۔ نہ عناصر میں کا۔ مگر ہے۔ اور ہونے کے علاوہ اکیلا منفرد ہے۔ ازلی ابدی ہے۔ علیم ہے۔ حکیم ہے۔ قادرِ مطلق ہے۔ اور ایسا نہ ہو تو نہ وہ خلق عالم کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کارخانہ کو چلا سکتا ہے پس وہ جو کہتے ہیں کہ تنکے کی اوجھل پہاڑ اصل اسلام تو اتنی بات ہے اور باقی ڈھکوسلا مشین (دھوکا) ہے اور دنیا میں امن و عافیت کے ساتھ رہنے کے قواعد ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ اب تم میں سے کوئی ایک متنفس بولو کہ وہ خدا کو نہیں مانتا۔ تو اس کو قائل ہونا پڑے گا کہ وہ آپ سے آپ پیدا ہوا۔ اپنے ارادے سے زندہ ہے اور اپنے ارادے سے مرے گا بھی جو صریح جھوٹ ہے۔ اس کو قائل ہونا پڑے گا کہ دنیا کا کارخانہ آپ سے آپ ہو گیا۔ اور آپ سے آپ اس تدبیر و حکمت کے ساتھ پڑا چل رہا ہے۔ لیکن کوئی مونہ سے کہے تو کہے کسی کے دل سے تو یہ بات نکل نہیں سکتی۔ اور یوں کوئی تندرستی اور کامیابی اور خوش حالی کی حالت میں کہہ بیٹھے کہ میں نہیں جانتا کہ خدا کیا چیز ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا[۵۱] لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا[۵۲] وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا تو یہ انکار سند نہیں ہم تو اس کو انکار سمجھیں حَتّٰۤى[۵۳] اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى

[۵۱] اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ [۵۲] کیا جس کے آگے تم ہمیں (سجدہ کرنے کو) کہو اسی کو سجدہ کرنے لگیں اور رحمٰن کا نام سن کر ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ۱۲ [۵۳] یہاں تک کہ بعض اوقات تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ سواران کشتی کو باد موافق کی مدد سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (ناگاہ) کشتی کو ایک ہوا کا جھونکا آ لگتا ہے۔ اور لہریں (ہیں کہ) ہر طرف سے ان پر (چڑھی چلی) آ رہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بس اب) گھرے تو خالص خدا ہی کو مان کر اس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں کہ (بار خدایا) اگر (اپنے فضل سے) تو ہم کو اس (مصیبت) سے بچا دے تو ہم ضرور (تیرے بڑے ہی) شکر گزار ہوں گے پھر جب وہ ان کو اس بلا

اَنْفُسِکُمْ مَتَاعَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۵۰ وَاِذَا مَسَّ
الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْ
عُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۵۱ کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ
وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ
اور یوں تن درستی اور خوشحالی اور کام یابی میں خدا سے انکار کرنا تو آسان بات ہے۔ فرعون ساری
عمر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا رہا۔ اس لیے کہ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِیْٓ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ فَلَوْلَآ
اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ لیکن لگا ڈوبنے
تو ساری حقیقت کھل گئی حَتّٰی ۵۵ اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ
اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲ — نجات دے دیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو!
تمھاری سرکشی تمھاری ہی جان کا وبال ہے (یہ بھی) دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں (سو خیر ان کے مزے اڑالو)
آخر کار تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو (اس وقت) جو کچھ بھی تم (دنیا میں) کرتے رہے ہم تم کو (اس کا برا بھلا) بتادیں گے
۱۲ ۵۱ اور جب انسان کو کسی قسم کی تکلیف (بھی) پہنچ جاتی ہے تو پڑا یا بیٹھا یا کھڑا (کسی حال میں ہو) ہم کو پکارنے چلا
جاتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کرتے ہیں تو ایسا (بے پروا بن کر) چل دیتا ہے کہ گویا اس تکلیف کے
دور کرنے کے) لیے جو اس کو پہنچ رہی تھی ہم کو (کبھی) پکارا ہی نہ تھا جو لوگ حد (بندگی) سے قدم باہر رکھتے ہیں ان کو
ان کا کیا اسی طرح بھلا کر دکھایا گیا ہے ۱۲ ۵۲ سنو جی! جب (جان بدن سے کھنچ کر گلے کی) ہنسلی تک آپہنچے گی اور
(بیمار دار) چلا اٹھیں گے کہ (ارے) کوئی جھاڑنے والا ہے؟ (جو اس کو آکر جھاڑے) اور اس (بیمار) کو یقین ہوجائے گا
(اب) یہ (دنیا سے) مفارقت (کا وقت) ہے اور (جان کنی کی تکلیف سے ایک) پاؤں کی پنڈلی (دوسرے پاؤں کی) پنڈلی
سے لپٹ (لپٹ) جائے گی (اے شخص جب یہ حالتیں پیش آئیں گی) اس دن (سمجھ کو) اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے
۵۳ میں تمھارا سب سے بڑا خدا ہوں ۱۲ ۵۴ کیا ملک مصر ہمارا نہیں اور (تم دیکھ ہی رہے ہو) یہ نہریں ہمارے (ایوان)

تو ساری حقیقت کھل گئی حَتّٰی[۵] اِذَا اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ - فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا کو بجمیع صفات ماننا تقاضائے فطرۃ انسانی ہے اور اجلی البدیہیات ہے اور اس لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں - روزِ روشن میں کوئی کہے کہ آفتاب نکلا ہوا ہے اور اس سے دلیل مانگی جائے تو وہ کہے گا کہ اس کی دلیل ہے تمھاری آنکھیں ایک چھوڑ دو دو پیغمبر اسلام کی تمام تر تعلیم فطرت پر مبنی ہے اور اُن کے تمام دعووں کی دلیل ہے فطرت - وہ کہتے ہیں کہ خدا ہے اور تمھاری فطرت اُس کی گواہ ہے - وہ کہتے ہیں کہ قیامت ہوگی اور تمھاری فطرت اس کی گواہ ہے - وہ کہتے ہیں کہ قیامت میں اعمالِ نیک و بد کی جزا و سزا ہوگی اور تمھاری فطرت اس کی گواہ ہے - اُن کی ساری باتیں ناممکن التردید ہیں - جیسے دو اور دو چار - تو جس کو راستی کی تقویت ہو - جس کو فطرت کی امداد ہو - اُس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ تلوار سے مدد لیتا پیغمبر نہ سہی یہ تو معلوم ہے اور دشمن سے دشمن بھی اس کو تسلیم کرے گا کہ وہ بڑے لایق جنرل تھے - وہ بڑے لایق مقنن تھے - وہ بڑے لایق ایڈمنسٹریٹر (منتظم) تھے وہ بڑے فصیح و بلیغ لکچرار تھے - وہ بڑے رفارمر تھے - غرض تمام صفات سے جو ایک اعلیٰ درجے کے خدا پرست پاک نفس شائستہ مہذب دانش مند بشر میں ہونے ممکن ہیں متصف تھے - اور متصف تھے تو نہ کسی کی تعلیم و تربیت سے بلکہ اپنی طبیعت سے اور اگر

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲ کے کنگن (خدا کے ہاں سے) کیوں نہیں اُترے یا فرشتے مجتمع ہو کر اُس کے ساتھ آئے ہوتے

[۵] یہاں تک کہ جب ڈوبا (دریا) فرعون (کے سر) پر آ پہونچا تو لگا کہنے کہ اب مجکو یقین آیا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اُس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں اور (اب) میں (بھی اُسی کے) فرمان برداروں میں ہوں (تو خدا نے اُس کو ملامت کی اور فرمایا کہ) کیا اب (ایسے وقت میں ایمان) اور تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے پہلے ہمیشہ نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں کا ایک ہی مفسد تھا تو آج (تیری) روح کو تو نہیں مگر) تیرے بدن کو ہم (دریا میں تہ نشین ہونے سے) بچاویں گے (وہ بھی) اس غرض سے کہ جو لوگ تیرے بعد آنے والے ہیں تو اُن کے لیے (نشان) عبرت ہو - اور البتہ بہت سے لوگ ہماری (قدرت کی) نشانیوں سے غافل ہیں ۱۲

وہ ایسے نہ ہوتے تو بیس صرف بیس اور دس صرف پندرہ اور پانچ برس کے عرصے میں عرب جیسے وحشی اور اکھڑ لوگوں کو ہرگز اپنا مطیع و منقاد و معتقد نہ کر سکتے اُن وقتوں کا نہ ایک عرب اور نہ آج کل کے ہزار کابلی پٹھان شہری نہیں دیہاتی تو کیا ایسے باکمال شخص اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے کہ تلوار جسموں پر زور چلا سکتی ہے نہ دلوں پر۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ دباؤ اور لالچ کا ایمان سرے سے ایمان ہی نہیں۔ کیا اُن کو معلوم نہ تھا کہ تلوار کا اثر دیرپا نہیں۔

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور اسلام پر کیا موقوف ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب بھی تلوار کے بل بوتے پر نہیں چلا۔ مذہب چلا ہے اور چلے گا تو صرف صداقت کے بل بوتے پر۔ یہ سن کر تو مسلمانوں نے کان کھڑے کیے ہونگے اور نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ ہر مذہب کے لوگوں نے کہ آج تو رو میں اس کا عقیدہ کھل پڑا کہ نفس مذہب کی نسبت کہتا ہے کہ مذہب چلا ہے اور چلے گا تو صداقت کے بل بوتے پر۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ سب مذہب سچے اور برحق ہوں۔ ہاں ہاں میں پکار کے کہتا ہوں کہ مذہب چلا ہے اور چلے گا تو صرف صداقت کے بل بوتے پر۔ اور میری مراد یہ ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس میں صداقت کا انش یعنی جزو نہ ہو۔ جتنے مذہب دنیا میں ہیں وقت اور مقام کے لحاظ سے سب کے سب آدمی کی اصلاح اور اُس کے فائدے کے لیئے چلے ہیں۔ اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ فائدے اور صداقت اور نیکی کا انش ضرور ہے جو اُن کو چلائے جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہندو اس ملک میں گائے کی تعظیم مذہباً کرتے ہیں تو اس میں یہ فائدہ مضمر ہے کہ اس ملک میں کوئی جانور گائے بیل سے زیادہ آدمی کو فائدہ رساں نہیں۔ گائے دودھ دیتی ہے جس سے گھی۔ اور مکھن اور پنیر اور انواع و اقسام کی مٹھائیاں بنتی ہیں۔ بیل کے بدون کھیتی نہیں ہو سکتی۔ مرے پیچھے بھی اس بیچارے کی کھال کام دیتی ہے۔ کسی اور جانور کا نام لو جس سے آدمی کے اتنے سارے کام نکلتے ہوں۔ اس کی پوری پوری حفاظت ہو نہیں سکتی تھی۔ تا وقتیکہ مذہباً اس کو مقدس نہ مانا جائے۔ یا گنگا جمنا کی تعظیم بلکہ تمام دریاؤں

کی کہ اُن سے زراعت کی آب پاشی ہوتی ہو جان داروں کی زندگی پانی پر موقوف ہو [۵۱] وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ - لیکن یہ باتیں اُس وقت سوجھتی ہیں جب مزاجوں میں سازگاری ہوتی ہو - نہیں تو

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد		عیب نماید ہنرش در نظر	

مسلمانوں کو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندو اگر گائے کی رکھشا کرتے ہیں تو اپنے فائدے کی احراز کی غرض سے کرتے ہیں - اور اس میں اُن پر الزام کی کوئی بات نہیں - اُدھر شارع اسلام نے دیکھا کہ آدمی جہاں تک ہو سکتا ہو اپنے مفاد کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا - [۵۲] اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا گائے بیل کی حفاظت کے بارے میں از روئے مذہب حکم دینا تحصیل حاصل ہو اب رہا تقدس سو انسان خود اشرف المخلوقات ہو

جو کچھ کہ جہاں میں ہو سب انساں کے لیئے ہو	آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیئے ہو

اور مخلوقات کی طرح گائے بیل بھی انسان کی خدمت کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور ساری عمر ان کو انسان کی خدمت ہی کرتے گزرتی ہو اور خدمت بھی شاقہ اور مبتذل - میرے گھر کے قریب کھاری باؤلی کا مشہور بازار ہو اور وہ اناج کی منڈی ہو اور غلہ فروش جھڑا ہندو کیوں کہ مسلمان تو نرا کھانا جانتے ہیں اور کھانا بھی طنطنے کے ساتھ - اناج کی دکان لے کر بیٹھیں تو بنیئے کہلائیں - اور اوعائی عزت کر کری ہو - بہرکیف کھاری باؤلی میں اس سرے سے اُس سرے تک ایک تو تمام غلہ فروش ہندو ہیں - دوسرے ان ہی ہندوؤں کی وجہ سے بازار میں گائے بیل بہت چھوٹے پھرتے ہیں - کہ یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں - لیکن ایک طرف تو خدمت کرتے ہیں - میں نے بعض کو حلوا - پوری - کچوری اور عمدہ مٹھائی کھلاتے دیکھا ہو - اور دوسری طرف ہر دکان کے آگے ایک آدمی لٹھ لیئے بیٹھا ہوتا ہو کہ گائے بیل نے اناج کے ڈھیر کی طرف رخ کیا اور اس نے ایک

[۵۱] اور پانی سے تمام جان دار چیزیں بنائیں ۱۲ [۵۲] بے شک آدمی بڑا ہی تھڑ جیا پیدا کیا گیا ہو کہ جب اُس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہو تو گھبرا اُٹھتا ہو - اور جب اُس کو (کسی طرح کا) فائدہ پہنچنے لگتا ہو تو بخل کرنے لگتا ہو - ۱۲

لاٹھی سہی کی۔ کہاں تقدس اور کہاں یہ مدارات اس سے بڑھ کر ایک اور غضب کی بات سنو کہ کھلیان گاہی جاتی یعنی پیداوار سے دانہ نکالا جاتا ہے تو اُس کی یہ تدبیر کرتے ہیں کہ انبار لگا کر اُس کو بیلوں سے روندواتے ہیں۔ بیچارے بیلوں کے کھر گھائل ہو ہو جاتے ہیں اور میں نے بیلوں کے پاؤں میں کیڑے پڑے دیکھے ہیں۔ اول تو ادعائی تقدس اسی کو کیا جائز رکھتا ہے کہ بیل سے ایسی سخت محنت لی جائے۔ پھر اُس پر یہ ظلم کہ گاہتے وقت بیلوں کے مونہہ پر جالی کا توبڑہ چڑھا دیتے ہیں کہ کہیں بیل اناج کے انبار میں مونہہ نہ ڈال دے اے آدمی اللہ رے تیری خود غرضی اللہ رے تیری حرص۔ اللہ رے تیرا بخل۔ بیل نے تو زمین جوت کر مصیبت سے اناج پیدا کیا اور تو اُس کی محنت کی پیداوار سے اُسی کو ایک لقمہ نہ کھانے دے۔ یہ جو لاکھوں من دودہ آدمی ڈکوستے ہیں۔ اپنے مزے کی خاطر بچھڑوں کا پیٹ کاٹتے ہیں اور اُسی سے گائے بیل کی نسلیں یوماً فیوماً کمزور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ غرض استخدام کا قاعدہ لِیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا[۵۱] گائے بیل کے تقدس کو چلنے نہیں دیتا اور یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کہ کہو سب کچھ اور کرو کچھ نہیں۔ [۵۲] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ پس ہم کو تو اسلامی اصول بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ گائے بیل کی حفاظت کو آدمی کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے۔ یعنی گائے بیل سے آدمی کا کام نکلتا ہے اور گائے بیل کا بکار آمد ہونا اس کی حفاظت کے لیے کافی ہے۔ ہم نے گاڑی بانوں اور کاشتکاروں کو گھوڑوں کی طرح بیلوں کو راتب کھلاتے اور اُن کی مالش اور چمپی کرتے دیکھا ہے۔ گائے بیل جس کے کام کے ہیں۔ اُس کو وہ بچوں کی طرح عزیز ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں جیسی قدر گائے بیل کی ہے۔ ویسی ہی عرب میں گھوڑوں کی۔ حماسہ جو ادب عربی کی مشہور کتاب ہے اُس میں جا بجا اس قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ کہ گھر میں ایک اونٹنی دودہ دیتی ہے اور دودہ بچھیرے کو پلایا جاتا ہے

۵۱ تاکہ اُن میں ایک کو ایک (اپنا) محکوم بنائے رہے ۱۲ ۵۲ مسلمانو! ایسی بات کیوں کہا کرتے ہو جو تم کرتے نہیں دکھاتے (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو کچھ نہیں۔ ۱۲

اور بچوں کو نہیں دیا جاتا - بچوں کی ماں ناخوش ہو اور باپ بچھیرے کے آگے بی بی بچوں کی پروا نہیں کرتا - ایک بادشاہ کسی قبیلے کی گھوڑی پسند کرتا ہو - اور گھوڑی کا مالک گھوڑی کے دینے سے رضامند نہیں - قبیلے کا قبیلہ گھوڑی کے واسطے بادشاہ سے بمقابلہ پیش آتا ہو - تو غرض اس طول مقال سے یہ ہو کہ ہر ایک مذہب کے احکام اور قواعد وقت اور مقام کے لحاظ سے ضرور کسی نہ کسی مصلحت پر مبنی ہیں دوسرے مذہب کے لوگ اس مصلحت پر نظر نہ کرکے اُن سے پرخاش کرتے ہیں - اس سے زیادہ ایک عجیب بات یہ دیکھی جاتی ہو کہ صرف لفظی اختلاف لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بس کرتا ہو ورنہ ہم بہت سی نیکیوں کو مذاہب میں باوجود اختلاف مشترک پاتے ہیں - خاص کروہ جن پر تمدن کا مدار ہو - جھوٹ بولنا - شراب پینا - جوا کھیلنا - چوری کرنا - لوگوں کو ناحق ستانا - وغیرہ وغیرہ سب مذہبوں میں ممنوع ہیں اور ممنوع نہ ہوں تو تمدن ایک دن قائم نہ رہے - مسلمانوں کی نماز - ہندوؤں کی پوجا پاٹ - اُن کی زکوٰۃ - ان کا دان پن - اُن کے روزے ان کے برت - اُن کا حج - اِن کا تیرتھ - اُن کا رحم - اِن کی دیا - کیا یہ مماثل نیکیاں نہیں ہیں - اور کیا ایک ہی تحریک - ایک ہی ارادے - ایک ہی قصد سے صادر نہیں ہوئیں مگر ہندو مسلمان کی اذان سننا نہیں چاہتا - مسلمان ہندو کے سنکھ کی برداشت نہیں کرسکتا سنو کان لگا کر سنو میں اسی بات کو جو ابھی کہہ چکا ہوں پھر ایک بار اعادہ کرتا ہوں تاکہ تم لوگوں پر حجت الٰہی تمام ہو - اور میرا مطلب اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے - غرض کسی مذہب کی کوئی بات لو اُس کو پاؤ گے کہ وقت اور مقام کے لحاظ سے اُس میں کچھ نہ کچھ آدمی کا فائدہ ہو - اُس میں نیکی ہو - اُس میں صداقت ہو - چونکہ لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے اسی سے اختلاف پیدا ہوتے ہیں - اسی سے مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے لڑے مرتے ہیں - وہ کیوں نہیں خیال کرتے کہ سب کی منزل مقصود ایک ہو - اور رستے مختلف - ممکن ہو کہ کوئی ٹیڑھی اور غلط راہ چلتا ہو - مگر اُس کی غرض و غایت تو وہی ہو جو سیدھی اور صحیح راہ پر چلنے والی کی ہو - پس بجائے اس کے کہ ہم اُس سے ناخوش ہوں اُس سے عداوت کریں اُس کے آزار کے درپے

ہوں۔ ہم کو اُس پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ ناخوشی اور رحم میں بہت بڑا فرق ہے۔ رحم کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ نہ تو تو میں میں اور گالی گلوچ اور لاٹھی پونگا اور لڑائی جھگڑا اور ہنگامہ و فساد جیسا کہ ہو رہا ہے۔ یوں سمجھو کہ مثلاً دنیا میں ہر شخص معاش کا جویا ہے تو اُس کے لئے کوئی نوکری کرتا ہے کوئی تجارت۔ کوئی زراعت۔ کوئی ایک پیشہ۔ کوئی دوسرا پیشہ۔ کوئی کچھ کوئی کچھ۔ لیکن لوہار درزی سے نہیں لڑتا کہ تو بھی آہنگری کیوں نہیں کرتا۔ زمیندار سوداگر کا دشمن نہیں کہ تو گاؤں کیوں نہیں لیتا۔ نوکری پیشہ سوداگر سے ناراض نہیں کہ تو نوکری کیوں نہیں اختیار کرتا۔ اسی طرح بعینہٖ اسی طرح مذہب کیا چیز ہے کہ ہر ایک شخص نجات چاہتا ہے۔ ایک ہندو دھرم ہے کہ وہ اسی کو مکش کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ کوئی مسلمان ہے۔ کوئی عیسائی ہے۔ کوئی یہودی۔ لیکن معاش کے ذرایع کے اختلاف پر نہ لڑیں اور نجات کے ذرائع کے اختلاف پر لڑیں۔ یہ کیوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص صریح غلطی پر ہے تو ہماری بلا سے اپنا سر کھائے۔ اور اگر انسانی ہمدردی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تو ایسے احمق کوئی اور ہوں گے۔ جو اس عذر کو تسلیم کرلیں گے۔ ہمدردی کی یہی ایک علامت تو نہیں ہے۔ اگر واقعی دل میں ہمدردی ہے تو وہ تمھاری تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہونی چاہیئے کہ کسی کو ننگا۔ بھوکا نہ دیکھ سکو۔ کسی کو مبتلائے مصیبت نہ دیکھ سکو۔ نہ یہ کہ آپ پشمینہ شال و دشالے تمھارے پڑوسیوں کو کمبل بھی نصیب نہ ہو۔ تم ہر روز تداخل اور بدہضمی کے علاج میں رہو۔ تمھارے ہمسائے اور جان پہچان بلکہ دور کے قرابت مند فاقے کریں۔ مسلمان تو خیر پہلے ہی سے ناحق جہاد کی وجہ سے بدنام ہیں۔ ہم کو ہندوؤں پر تعجب آتا ہے کہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اُن کے مذہب میں دیا اور آہنسا بہت ہے اور ہتیا کی ان کے ہاں سخت ممانعت ہے۔ یہ لوگ ہرے روکھ کو بھی کاٹنا نہیں چاہتے اور جان کی رکھشا تو جیسی ان کے ہاں ہے کسی مذہب میں بھی نہ ہوگی۔ انہیں کا ایک فرقہ منھ پر پٹی باندھے رہتا ہے کہ کہیں کوئی بھنگا سانس کے ساتھ منھ میں نہ چلا جائے۔ رات کو پروانوں کے لحاظ سے چراغ نہیں جلاتے۔ بہت سے ہندو چیونٹیوں کے بلوں میں کھانڈ ڈالتے پھرتے ہیں

میازار موری کہ دانہ کش است	کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

آہستہ خرام بلکہ مخرام		زیر قدمت ہزار جان است	

ہندوؤں کے بازار میں جابجا پیاؤ بیٹھے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دیا یہ رحم دلی یہ مہربانی اُس وقت کہاں غارت ہوجاتی ہے۔ جب ہم ان کو اپنی طرح کے آدمیوں کو ستاتے اور دکھ دیتے دیکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کو مانا کہ مسلمان ہی ابتدا کرتے ہوں۔ لیکن معاوضہ اور انتقام بھی تو دیا کے خلاف ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا		اگر مردی اَحسِن اِلیٰ مَن اَساء	

علاوہ بریں ہم نہیں سمجھتے کہ جب ہندو اپنے مذہب میں کسی کو نہیں لیتے اپنے گروہ میں کسی کو نہیں ملاتے اور نہیں لے سکتے۔ اور نہیں ملا سکتے۔ تو ان کو دوسرے مذہبوں کے ساتھ پرخاش ہی کیوں ہو اب روئے سخن مسلمان بھائیوں کی طرف ہے کہ اُنھوں نے اپنے طرز مدارات سے اسلام کی تمام خوبیوں پر (اور) اسلام میں سرتاسر خوبیاں ہیں۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم		کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست	

غرض مسلمانوں نے اپنی طرز مدارات سے اسلام کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ جہاد کی وجہ سے ناحق بدنام تھے تو ان کو چاہیئے تھا کہ اس داغ کو اپنے ناصیہ حال سے خوب رگڑ رگڑ کر دھوتے مگر یہ تو لگے چوکھے لڑنے نہ صرف غیروں سے بلکہ اپنوں سے بھی۔ مگر ہاں سیف وسناں کی جگہ اب قلم اور زبان ہے سو سیف سے قلم کا کاٹ اور سناں سے زبان کا گھاؤ کہیں زیادہ موذی ہوتا ہے۔

۵ جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ		وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ	

شروع کے جہاد اسلامی جہاد تھے۔ اور اس جہاد کو پینل کوڈ (مجموعہ تعزیرات) نے بھی جائز رکھا ہے۔ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر متنفس کے لیے۔ اور اسی کا دوسرا نام ہے "استحقاق حفاظت خود اختیاری"، پھر بعض مسلمان بادشاہوں نے اس کو ملک گیری کا حیلہ ٹھہرالیا۔ اور اب تو نری جہالت ہے۔ اور سخن پروری ہے۔ اور شیخی ہے۔ اور شہرت طلبی ہے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور غرض ہے جس کو دین و مذہب سے کچھ سروکار نہیں۔ شروع میں جہاد ہوتے تھے۔ اور جن

۵ بھالوں کے زخم مندمل ہوجایا کرتے ہیں اور زبان کے گھاؤ نہیں بھرا کرتے ۱۲

ہیں سے دو "استحقاق حفاظتِ خود اختیاری" سے تعبیر کیا ہے وہ بھی ہارے درجے کو اختیار کیے
جاتے تھے۔ ورنہ صبر اور برداشت اور تحمل کی تو جیسی اسلام میں تاکید ہے شاید ہی کسی مذہب میں ہو گی
مگر ہاں صبر و تحمل وہیں تک جو مقدورِ بشر ہے۔ بشر نے کیا ہے اور بشر سے ہو سکتا ہے اور یوں مُونہہ سے
کہدینے کو جو چاہو کہہ دو۔ اور کتاب میں لکھ لینے کو جو چاہو لکھ لو۔ مسلمانوں سے فرماتے ہیں۔

ملہ لَتُبْلَوُنَّ فِي اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ اِدْفَعْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
ملہ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ
الْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

ملہ اور تمھاری جانوں (کے زیان) میں ضرور تمھاری (ایمان داری کی) آزمایش کی جائے گی اور جن لوگوں کو تم سے
پہلے کتاب (آسمانی) دی جاچکی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) اُن سے اور مشرکین (مکہ) سے تم بہت سی ایذا کی باتیں
(بھی) ضرور سنوگے اور اگر صبر کیے رہو۔ اور پرہیزگاری (کو ہاتھ سے نہ جانے دو) تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام
ہیں۔ بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کروگے) تو (تم دیکھ لوگے کہ) تم میں اور کسی
شخص میں عداوت تھی۔ تو اب ایک دم سے گویا وہ (تمھارا) دل سوز دوست ہے۔ اور حسن مدارات (کی توفیق) اُن
ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اُن ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں تو اے پیغمبر جس طرح
(اور) ہمت والے پیغمبروں نے (کافروں کی ایذاؤں پر) صبر کیا۔ تم بھی صبر کرو۔ ۱۲ ملہ (مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ
کو یہ) جواب دو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور (قرآن) جو ہم پر اُترا (اُس پر) اور (صحیفے) جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور

اَحۡسَنُ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ اُنۡزِلَ اِلَیۡكُمۡ وَ اِلٰـهُنَا وَ اِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ آپ تو ہی انصاف سے دیکھو کہ پیغمبر اسلام غیر مذہب کے لوگوں کو کیا زہر دیتے تھے۔ کیا ان کے پیٹ میں چھرا بھونکتے تھے۔ وہ ان کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے تھے اور بس۔ مگر لوگوں نے ایسی واجبی اور معقول بات پر ان کے ساتھ بدسلوکی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ان کو گالیاں دیں ان پر دست درازیاں کیں۔ راہ میں کانٹے بچھائے۔ وہ نماز پڑھ رہے ہیں کہ اونٹ کا اوجھ اُن کی گردن پر لاکر ڈال دیا۔ اُن کو زہر دیئے۔ اُن کی جان کے لاگو ہوئے یہاں تک کہ اُن کو ترکِ وطن کرنا پڑا جس کو ہجرت کہتے ہیں کسی نے حبشے میں جا پناہ لی۔ کوئی مدینے بھاگا کوئی چھپا چھپا پھرا قطعہ

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی	گالی کبھی نہ دی تھی سو اب بات ہوگئی
اِک مار تھی سو اُس بتِ بدخو کے ہاتھ سے	مدت ہوئی کہ اپنی وہ اوقات ہوگئی

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۰- اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اترے (اُن پر) اور موسیٰ اور عیسیٰ کو جو (کتاب) ملی (اُس پر) اور جو (دوسرے) پیغمبروں کو اُن کے پروردگار سے ملا (اُس پر) ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی ایک میں بھی (کسی طرح کی) جدائی نہیں سمجھتے اور ہم اُسی (ایک خدا) کے فرماں بردار ہیں (اے پیغمبران سے) کہو کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) مالک نہ سمجھے۔ پھر اگر (ایسی سیدھی اور سچی بات سے بھی) منہ موڑیں تو (مسلمانو!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں اور (مسلمانو!) اہلِ کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسی طرح کہ وہ نہایت ہی عمدہ (اور شائستہ) ہو ہاں جو لوگ اُن میں سے زیادتی کریں (تو اُن کو جواب ترکی بترکی دینے کا مضایقہ نہیں) اور (ان لوگوں سے) کہو کہ جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اور (جو کتابیں) تم پر نازل ہوئیں ہم تو سب ہی کو مانتے ہیں اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں ۱۲ ؁ اور وہ مسلمانوں کی اسی بات پر چڑے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو زبردست سزاوار حمد (و ثنا) ہے (اور وہ ایسا قادر مطلق ہے) کہ آسمان و زمین کی سلطنت اُسی کی ہے ۱۲

اگر راہ و رسم عشق یہی ہے تو ایک دن	سن لیجیو کہ ترک ملاقات ہو گئی

مسلمانوں کی کون کہے خود پیغمبر صاحب کو مونہہ در مونہہ کہتے تھے۔ [51] یَا اَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ وَعَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ کَذَّابٌ مگر ان گالیوں کا جواب بھی سنا۔ [52] اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ یہ صبر دو چار دن نہیں مستقل گیارہ برس۔ اب اس صابر اس متحمل پیغمبر کے پیرو مسلمان ہیں کہ بات بات پہ جامے سے باہر نکلے پڑتے اور پیغمبر اور دین پیغمبر کو بدنام کرتے ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اصلیت کو سمجھا ہی نہیں۔ گویا یوں ایک ہے اسلام ایک ہے ایمان۔ ایمان نام ہے دلی عقیدے کا جس کو سوائے صاحب عقیدہ اور خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ اسلام البتہ اوٹراپیرنس (یعنی صورت حال کو کہتے ہیں) یوں سمجھو کہ مسلمانوں کا ایک خدائی لشکر ہے۔ تو اسلام وردی کی جگہ ہے۔ اور ایمان اوتھ آف الیجینس یعنی وفاداری کا حلف۔ شارع اسلام نے یہ لشکر کھڑا کیا تو امتیاز کے لیے یہ قرار داد کیا کہ جو ہمارے قبلے کی طرف کو مونہہ کرکے ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھالے وہ مسلمان اور جس کا ظاہر مسلمان وہ سچا دین دار ہے۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی	پارسا دان و نیک مرد انگار
ور ندانی کہ در نہانش چیست	محتسب را درون خانہ چہ کار

[51] اور (اے پیغمبر) کفار (مکہ تم سے اس طرح پر خطاب کرکے) کہتے ہیں کہ اے شخص جس (کے ذہن میں یہ خبط سمایا ہے کہ اس) پر (خدا کے ہاں سے) قرآن نازل ہوا ہے تو تو دیوانہ ہے) اور (ان لوگوں نے (اس بات سے بھی) تعجب کیا کہ ان (ہی) میں کا (ایک شخص) ڈرانے والا (خدا کی طرف سے) ان پاس آیا اور (یہ) منکر لگے کہنے کہ یہ جادو گر جھوٹا لپاٹیا ہے ۱۲

[52] کہ میں نصیحت کے طور پر تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں کہ خدا کے لیئے دو دو مل کر) اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر سوچو (تو تم کو) معلوم ہو جائے گا کہ تمھارے رفیق کو کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے بلکہ (تم پر ایک سا) عذاب سخت (نازل ہونے والا ہے اور اس) کے آگے آگے یہ تم کو ڈراتا ہے اور بس ۱۲

جو لوگ مسلمانوں کے گروہ سے خارج رہے اُن کا نام رکھا کافر جس کے لغوی معنی ہی خارج کے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے گروہ سے الگ یا باہر۔ کافر کا مادہ ہے کاف، فے، رے اور اس کی اصل وضع خروج کے لیے ہے کاشتکار کو بھی کافر کہتے ہیں کہ وہ زمین کو جوت کر تلے کی مٹی کو باہر لاتا ہے۔ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ۔ کفارے کو اسی لیے کفارہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آدمی گناہ سے باہر نکل آتا ہے۔ ابتدائی وضع میں مسلمان اور کافر محمڈنز اور نان محمڈنز کے مرادف تھے یعنی مسلمان اور نامسلمان اور اس سے کسی کی توہین منظور نہ تھی لیکن جوں جوں مسلمان دولت و حشمت حاصل کرتے گئے اُن لوگوں کو جو ان کے گروہ سے خارج تھے حقیر سمجھنے لگے۔ اور یوں لفظ کافر ایک تحقیر کا کلمہ ہو گیا۔ جیسے شیعوں کے لیے رافضی اور سنیوں کے لیے ناصبی اور خارجی یا مسلمانوں کے ایک گروہ خاص کے لیے معتزلی۔ حالانکہ رافضی اور ناصبی اور خارجی اور معتزلی کسی میں توہین کے معنی نہیں۔ اب ہندو یا عیسائی کو نان محمڈن کہو تو وہ مطلق برا نہیں مانتا اور کافر کہو تو وہ اس کو گالی سمجھتا ہے۔ شارع اسلام کو یہ مدنظر تھا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کا گروہ بڑھے اور پھیلے۔ وہ ساری دنیا کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی رسالت کا اصلی مقصود یہی تھا۔ اور اسی لیے۔ اُنھوں نے اسلام کا مدار ایسی بات پر رکھا تھا جس سے کسی آدمی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر وہ خدا جو چاہتا تھا اور چاہتا ہے کہ ساری دنیا کا ایک مذہب ہو جائے اسلام۔ وہ آدمیوں کے اختلاف طبائع سے بخوبی واقف تھا۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ[۵۱] اور وہ فرما چکا تھا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ[۵۲] اسی پیشین گوئی کے پورا ہونے کے لیے ایسے اتفاقات پیش آئے اور پیش آ رہے ہیں اور پیش آیا کریں گے کہ دوسرے مذہبوں کے شمول میں ع وہ ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد، ہو جاتا ہے اسلام

ملہ بھلا (ہو سکتا ہے کہ خدا) جو پیدا کرے (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک بیں اور باخبر ہے ۱۲ ملہ اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کی ایک ہی ملت کر دیتا لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمھارا پروردگار فضل کرے ۱۲

کی بھی مٹی خراب ہے۔ بات بات میں تو اسلام میں سے نکالا ملتا ہے۔ ہم نے پھوٹیں اور گاجریں اور مولیاں بھی کبھی ایسی سستی نہیں دیکھیں جیسا اس زمانے کے مسلمانوں میں کفر سستا ہے۔ ہندی کی چندی کر کے تو خدا نے ساری باتیں ان کو قرآن میں سمجھا دی ہیں۔ مگر یہ خدا کے کہے پر چلیں بھی۔ فرماتے ہیں۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا اب کوئی ان سے پوچھے کہ وَلَا تَفَرَّقُوا پر عامل تھے۔ تو یہ شیعہ سنی۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ وہابی۔ بدعتی کہاں سے نکل پڑے۔ ہر ایک فریق دوسرے کے سر ہو رہے گا کہ ہم تو بدستور مذہب حق پر قائم ہیں یہ جھٹک کر الگ ہو گئے۔ نہیں نہیں تمامی اسلامی فرقے سب ہی تو تفرقے کے مجرم ہیں لوگوں نے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کے معنی ہی ٹھیک نہیں سمجھے۔ خدا فرماتا ہے کہ خدا کی رسی کو سب کے سب مضبوط پکڑے رہو اور جدا نہ ہو۔ کا ہے سے۔ اسی اللہ کی رسی سے۔ یعنی سب کے سب خدا پر بھروسا رکھو اسی کو اپنا حامی اور مددگار اور کارساز سمجھو جب تک اللہ کی رسی کو پکڑے رہو گے تم سب ایک ہو۔ بڑی بات ہو رسی کا پکڑے رہنا۔ خدا تو کہے تم ایک ہو اور یہ کہیں کہ نہیں ہم تو بہتر ہیں۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلاف خارج از بحث ہیں۔ ورنہ سب خدا کی رسی ہی تھامے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ سب مسلمان ہیں۔ مذہب کے بارے میں دو بڑی کرده غلطیاں لوگوں سے ہو رہی ہیں۔ ہندو ہوں۔ یا مسلمان۔ یا عیسائی۔ یا کوئی یا کوئی۔ مذہب کی اصلی غرض ہے اپنے نفس کی اصلاح۔ لوگ اس سے تو ہیں غافل اور دوسروں کے پیچھے پڑے ہیں قاضی جی دبلے کیوں شہر کے اندیشے سے ؎

	تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو		زندہ سزا ہے حال کو زاہد نہ چھیڑ تو	
		؎		
	ناصح خود یافتم کم در جہاں		ہر یکے ناصح برائے دیگراں	

سلہ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (آپس میں جھگڑا کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور سب مل کر خوب مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا ۱۲

دوسری غلطی جو پہلی غلطی کی طرح عام ہے یہ ہے کہ ہر ایک مذہبی فرقہ تمام دوسرے فرقوں کو خیر جہنمی سمجھے تو سمجھے یہ کیسی بے انصافی اور ہٹ دھرمی اور ہٹ دھرمی کی بات ہے کہ وہ دوسرے فرقوں کے لوگوں کو مطلقاً نیکی سے بے نصیب اور تمام قسم کی بدیوں کا جامع سمجھ لیتا ہے۔ ایک ہندو ہر ایک مسلمان کو جھوٹا دغاباز۔ بے رحم۔ مردم آزار۔ چور۔ خائن۔ کشتنی۔ گردن زدنی فرض کر لیتا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہے اور یہی حال ہے مسلمانوں کا ہندوؤں کی نسبت۔ تو ان میں میل ہو چکا اور اسی سے تو فرماتا ہے۔ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ[1] کہ اختلافِ مذہب لوگوں میں کبھی التیام ہونے دینے کا ہی نہیں۔ قرآن کی اور بہت سی پیشین گوئیوں میں تو ایک یہی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف ہر جگہ پوری ہو رہی ہے۔ مذہب کے بارے میں لوگوں کی غلطیاں گنوانے پر آؤں تو گنواتے گنواتے صبح کر دوں۔ مگر وہ جو میں نے کہا تھا کہ خود مسلمان اسلام اور ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ اسی کی ذری سی توضیح اور سہی کہ بات کو اگر منطق کے ضلع میں لا ڈالیں تو اسلام اور ایمان میں عموم اور خصوص من وجہ کی نسبت ہے جس میں دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں اور ایک یا دو اجتماع کا یعنی بعض شخص ایمان بھی رکھتے ہیں اور مسلمان بھی ہیں جیسے میں۔ دوسروں کو میں اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ ہر چند اسلام ظاہر سے متعلق ہے اور آپ لوگوں کا ظاہر حال مسلمانوں کا سا ہے الا ماشاء اللہ۔ مگر ایمان دلی خیال کا نام ہے اور اس کو صاحب خیال اور خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ اگرچہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[2] کی رو سے کسی کو کسی کی نسبت بدگمانی کرنے کا حق نہیں اور میں سب ہی کو اپنے سے بہتر ایمان دار سمجھتا ہوں مگر پھر بھی کسی کے دل کے بارے میں حتماً برا یا بھلا کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ اگر کسی صاحب کو میرا یہ کہنا ناگوار ہو اُن کو میری نسبت ایسا ہی خیال کرنے کا اختیار ہے۔ میں ذرا بھی برا نہیں مانتا۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کا معاملہ خدا اور بندے کا معاملہ ہے۔ کسی دوسرے بندے کو اس میں دخل دینا

---

[1] لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے ۱۲۔ [2] مسلمانو! (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں ۱۲۔

نہیں چاہیئے - بہرکیف ایمان اور اسلام میں عموم اور خصوص من وجہ کی نسبت ہی۔ دو مادے افتراق کے ہیں اور ایک مادہ اجتماع کا۔ تو بعضے مومن بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں۔ یہ تو اجتماع کا مادہ ہوا۔ اور بعض مومن ہیں مسلمان نہیں۔ یعنی اُن کے دل میں ایمان ہی مگر بظاہر مسلمانوں کے گروہ سے الگ ہیں۔ اور بعض مسلمان ہیں مومن نہیں۔ یعنی اُن کا ظاہر مسلمان ہی اور دل میں ایمان نہیں ہم ایک شخص خاص کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان نہیں۔ جب کہ اُس کا ظاہر مسلمانوں کا سا نہ ہو۔ اور جب کسی کی نسبت کفر کا حکم لگایا جائے اُس کا یہی مطلب ہوتا ہے مگر کوئی شخص کسی شخص کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ وہ مومن نہیں۔ اگر یہ تفرقہ ملحوظ خاطر رہے تو مذہبی عداوتوں کی شورش بہت کچھ فرو ہو جائے۔ مگر افسوس بہت تھوڑے لوگ اس بھید سے واقف ہیں کہتے ہیں کہ تین چیزیں دنیا میں بنائے فساد ہیں۔ زر۔ زمین۔ زن۔ بے شک اکثر فسادات زر۔ زمین۔ زن سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جس نے فسادات کو ان تین چیزوں میں محصور کیا۔ اُس سے بڑی فروگزاشت ہوئی کہ اُس نے مذہب سے ذہول کیا۔ حالانکہ سب سے زیادہ بنائے فساد مذہب ہی۔ لوگوں کے ظرف متحمل نہیں۔ ورنہ مجھ کو ایسی بہت سی باتیں معلوم ہیں کہ اگر معلوم کرا دوں تو تم کو دنیا میں اپنے سوائے کوئی کافر ہی نہ دکھائی دے ؎

گرت چشم خدا بینی ببخشد		نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش

؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز		ورنہ در مجلس رنداں خبرے ہست کہ نیست

اُنتیسواں لکچر

یہ نظم مدرسۂ طبیہ دہلی کے آٹھویں سالانہ جلسے منعقدہ (۲۷) مارچ سنہ ۱۸۹۵ء کو پڑھی گئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگرچہ دیر سے ہیں مجتمع خواص و عوام
پر اس میں شک نہیں جلسہ ہوا کا بے ہنگام

کسی طرف سے بھی آوازِ خوش نہیں آتی
کچھ ایسا بگڑا ہے نظمِ لیالی و ایام

وہ بمبئی کہ جو تھا مرکزِ تجارتِ ہند
وبا نے کر دیا گویا کہ اُس کا کام تمام

مکان۔ رت جگے رہتے تھے جن میں ساری رات
وہ کر رہے ہیں پڑے بھائیں بھائیں اول شام

حکایتیں جو مصائب کی اُن کی سنتے ہیں
تو دونوں ہاتھوں سے لیتے ہیں ہم کلیجہ تھام

خدا ہی جانے ہوئیں کتنی عورتیں بیوہ
خدا ہی جانے ہوئے بچے کس قدر ایتام

جلا وطن ہوئے کتنے کہ جو نہ ٹھہر سکے
کوئی سلون کو بھاگا کوئی گیا آسام

مگر پناہ نہیں آ ہوئے حرم کو بھی
کہیں۔ جہاں ہیں جس دم قضا بچھائے دام

مرا تو کرتے ہیں لیکن نہ یوں مرا جاتا
تپ آئی صبح کو دن چڑھتے ہو گیا سرسام

ہوئی دوپہر تو دنیا سے ہو گئے رخصت
کہ تپ کے ساتھ ہی آیا تھا مرگ کا پیغام

ہزاروں آدمی گر جاں بحق ہوئے تو ہوئے
یہ کیا غضب ہے ہوئی طب رہی سہی بدنام

علاج جتنے کیے سب کے سب گئے بے سود
بتائیں جتنی تدابیر سب رہیں ناکام

بس اب کھلا کہ طبابت کی اتنی ہستی ہے
کہ جھٹ سے لکھ دیا خیساندہ از برائے زکام

سکنجبین کو فرمایا قاطعِ صفرا
مریضِ یبس[۱] کو بتلایا روغنِ بادام

بنی جب آن کے جانوں پہ اور رہی عاجز
تو ایسی طب کو سلام اور سلام اور سلام

[۱] خشکی ۱۲

دوا کا حیلہ ہے گر وقت ابھی نہیں آیا — تو ہوتے دیکھا ہے چٹکی سے خاک کی آرام
اور آن پہنچا ہے وعدہ تو بس سمجھ رکھو — دعا دوا کوئی تدبیر بھی نہ آے کام
ادہر وبا نہیں پر قحط اور گرانی سے — مچا ہوا ہے ہر اک گھر میں رات دن کہرام
غلط کہ عید ہوئی ہم کو کوئی سمجھاوے — یہ فاقے کیسے اگر ہو چکا ہے ماہِ صیام
ہمیں تو بے زری اور مفلسی نے مار دیا — وگرنہ کیا تھا جو ہوتے گرہ میں اپنی دام
وبا و قحط سے باقی تھا کیا اُجڑنے میں — مگر بھلے کو نگہبانِ خلق تھے حکام
کجا فراغ خوشی کیسی کس کا اطمینان — ان آفتوں کے سبب ہو رہی ہے زیست حرام
یہ قحط دور ہو تب لکچروں کی بات سوبات — سُنا تو ہوگا کہ اول طعام بعد کلام
پھری ہوئی ہے خدا کی نظر کچھ ان روز وں — کہ ہم نے توڑے ہیں اس کے حدود البطوا حکام
بساط یہ ہے اور اس پر گناہ کی جرأت — بمو دیہ ہے اور اس پر قصور کا اقدام
کیا ہے دین و شریعت کا ہم نے استخفاف — مگر خدا کو بھی سمجھا ہے واحسِل اوہام
اُسی سے ہو سکے ہم سے بدول کے تتّا سلو — اُسی سے بن پڑے نالایقوں کو دے انعام
سواے توبہ نہیں کچھ علاجِ قہرِ خدا — طبیب ہو کر طبابت کسی پہ کیا الزام
وہ چاہے مار دے ہم سب کو بے وبا بے قحط — بقا کبھی کو ہے اک ذوالجلال والاکرام
گناہ گار ہیں پر معترفِ قصور کے ہیں — وسیع ہے تری رحمت کرم ہے تیرا عام
جلیں تو خوش [illegible] — جب آئے موت تو سب کا بخیر ہوا انجام

کبھی آپ صاحبوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اہل یورپ خاصکر انگریزوں کی دنیاوی ترقی کا اصل گر کیا ہے۔ میں انگریزوں کو اس لیئے خاص کرتا ہوں کہ اول تو ہم کو ان ہی لوگوں سے قومی تعلق ہے کہ یہ ہمارے حاکم ہیں ہم محکوم یہ بادشاہ ہیں ہم رعیت دوسرے کیا وسعتِ رقبہ کے اعتبار سے اور کیا مردم شماری کے اعتبار سے اور کیا ملک کی زرخیزی اور رعایا کی خوش حالی کے اعتبار سے ان کی سلطنت روے زمین کی تمام سلطنتوں سے پیش پیش اور زبردست اور مطمئن تر ہو سکتے ہیں

اور سچ کہتے ہیں اور بالکل سچ کہتے ہیں کہ کوئین وکٹوریا امپرس آف انڈیا کی سلطنت میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اس کے یہ معنی ہیں کہ زمین گول ہے اور اپنے اوپر پلٹے کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد گھومتی ہے جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں تو کسی وقت آفتاب کے غروب نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئین وکٹوریا امپرس آف انڈیا کی سلطنت اس قدر وسیع ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہمہ وقت محاذی آفتاب رہتا ہے اگر امپرس وکٹوریا کی سلطنت میں کسی وقت آفتاب نہ ڈوبنے کے یہی معنی ہیں تو ان میں بھی شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ حکایتِ واقعی اور نفس الامری ہے۔ روئے زمین کا ایک کرہ لو اور جغرافیہ کے نقشوں کی رو سے اُس پر جابجا ملکہ کی عملداری کے نشان کرو تو پاؤ گے کہ جابجا ملکہ کی عملداری اس کثرت سے ہے کہ گویا ایک چپہ بھر جگہ ملکہ کی عملداری سے خالی نہیں لیکن کرہ لو اور اُس پر نشانات کرو تب تم کو اس کا یقین آئے۔ مگر ملکہ کی عملداری میں کسی وقت آفتاب کے نہ ڈوبنے کے ایک اور بھی معنی ہیں جس کو آپ لوگ بے کُرے اور بے نشان باور کرسکتے ہیں وہ یہ کہ ظلم اور بے انصافی کو اندھیرے سے اور عدل و انصاف کو نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی ہائی کورٹ کی ایک حکایت سُنی تھی کہ کوئی حق دار بارسٹروں اور وکیلوں کے قانونی اڑنگوں کی وجہ سے اپنے حق واجب سے محروم ہوگیا جب اُس کو کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو[۵۱] إِذَا يَئِسَ الْإِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ وہ ایک آخری درخواست ججوں کے پاس لے گیا۔ ایک ہاتھ میں درخواست اور دوسرے میں مشعل۔ روزِ روشن میں مشعل کی وجہ پوچھی گئی تو اُس نے کہا کہ اس عدالت میں اندھیر ہے اس سے میں مشعل لے کر آیا ہوں علاوہ اس کے ظلم و ظلمت کا مادہ بھی ایک ہے تو ملکہ کی عملداری میں کسی وقت آفتاب کے غروب نہ ہونے کا یہ مطلب ہوا کہ اس عملداری میں آفتابِ عدل و انصاف ہمہ وقت تاباں و درخشاں رہتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ کوئی متنفس انکار نہیں کرسکتا۔ اچھا پھر انگریز ایک چھوٹے سے جزیرے انگلستان کے رہنے والے کس کمال کے بنے ہوئے ہیں کہ ربع مسکون کے اکثر حصے پر پھیل گئے۔ اور پھیلنا بھی بادشاہوں کا سا پھیلنا کہ اپنے سے دس گنے پچاس گنے سو گنے ہزار گنے بلکہ زیادہ گنے باشندوں کو زیر کرکے ان پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ کیوں۔ آیا اس لئے

[۵۱] جب آدمی ناامید ہوتا ہے تو زبان دراز کرنے لگتا ہے۔

کہ سرد ملک کے رہنے والے ہیں۔ نہیں۔ یا اس لیے کہ رنگتیں گوری ہیں۔ نہیں۔ یا اس لیے
کہ عیسائی ہیں۔ نہیں نہیں نہیں۔ اچھا میں ان کی ترقی کا اصلی گر بتاؤں۔ سائنس۔ سائنس کہو
فلسفہ کہو علم کہو ایک ہی بات ہے۔ بات تو ایک ہی ہے مگر جس کو ہم علم سمجھتے ہیں وہ علم نہیں بلکہ دوسرے
دوسرے علوم جس میں اُنھوں نے ترقی کی یا اُنھوں نے نئے نئے ایجاد کیے ہمارے ہاں تو علم الفاظی
اور خیالی مفروضات کا نام تھا۔ خیالی مفروضات کے سمجھانے کے لیے ایک نقل بیان کرتا ہوں
کہ دو حقیقی بھائی تھے ایک ماں ایک باپ دونوں نے پڑھی منطق اتفاقاً ان میں کسی بات پر لڑائی
ہوئی اور وہ مناظرے سے بڑھ کر حد مشاتمۃ یعنی گالی گلوج تک پہنچی اور مناظرے کا انجام اکثر یہی
ہوا کرتا ہے تو ایک بھائی دوسرے بھائی کو ماں کی گالی دیتا تھا مگر اس حیثیت سے کہ وہ دوسرے کی
ماں ہے اور اسی سے تو کہا ہے کہ لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ[۵۱] لیکن اب علم کی شان بدل گئی ہے
اس کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا ہے۔ کوئین وکٹوریہ امپرس آف انڈیا کی سلطنت سے بھی اضعافاً
مضاعفۃً۔ اب خیالی مفروضات کی جگہ واقعات ہیں اور تمام موجوداتِ عالم۔ اور ان کے تمام حالات
میں سے ایک ایک موجود اور اس کا ایک ایک حال علمِ جداگانہ کا موضوع ہے علوم میں ایسی
موشگافیاں ہو رہی ہیں کہ ایک ایک علم میں سے کتنی شاخیں پھوٹتی چلی آتی ہیں اور ہر شاخ بجائے
خود ایک علمِ جداگانہ ہے۔ یہ نہیں کہ جیسے ہمارے یہاں کے حکیم کہ جتنے عوارض انسان کو از سرتا پا لاحق
ہوتے ہیں وہی سب کی تشخیص کریں وہی علاج کریں وہی دوا بتائیں وہی دوا بنائیں وہی چیر پھاڑ
کریں وہی فصد لیں وہی دایہ گری کا کام دیں وہی بیمار دار ہوں۔ بے شک ان میں سے کئی
کام ہیں جو حکیم نہیں کرتے مگر جس کو حکیم نہیں کرتے وہی جیسا چاہیے ہوتا بھی نہیں۔ ہمارے ہاں کی
طبابت کا حال قریب قریب پولیس کا سا ہے کہ ہمارے دیکھتے وہی لوگ پرٹی[۵۲] رنٹلو تھے۔ وہی لوگ
پرونٹلو[۵۳] وہی ڈٹیکٹو[۵۴] وہی گرفتار کرنے والے وہی اکثر حالتوں میں مجسٹریٹ تجویز کرنے والے اب ان سے
تجویز کے اختیارات نکال لیے گئے ہیں اور ہاں کہیں کہیں ڈٹیکٹو پولیس بھی الگ ہے گر ادا

[۵۱] اگر حیثیت کا لحاظ نہ ہو تو حکمت کوئی چیز نہیں ۱۲ [۵۲] انسدادی [۵۳] محافظ۔ [۵۴] تفتیشی ۔ ۱۲

سب خدمتیں بدستور ہیں۔ ہمارے یہاں کی طب میں تو نہیں مگر انگریزی طب میں تفریق ہو چلی ہے
اکثر اسپشلسٹ ہوتے ہیں جیسے ڈنٹسٹ[51] کہ وہ صرف دانتوں کا طبیب ہے۔ کوئی صرف بال لیے
ہوئے بیٹھا ہے۔ کوئی صرف حلق۔ کوئی صرف جلد بدن کوئی آنکھ پھر دواساز الگ ہیں چیر پھاڑ کرنے والے
الگ۔ دائیاں الگ۔ بیمار دار نرسز[52] الگ۔ ہم اپنے جو یہاں کی طبابت کی حالت خراب دیکھتے ہیں تو
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اپنی خوشی جی رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ ہم کیوں تن درست رہتے ہیں اور
کیوں بیمار پڑے پیچھے ہمیشہ مر نہیں جاتے۔ طب کی یہی خرابیاں تو ہیں جن کے دور کرنے کو حکیم
عبدالمجید خاں صاحب نے یہ مدرسہ جاری کیا ہے۔ مگر اس کو حکیم صاحب کی مرضی کے مطابق
درجۂ تکمیل کو پہنچنے کے لیے ایک عمر چاہیے۔ پبلک حق قدر قدر نہیں کرتی اور ہم پیشہ بنظر استحسان
سے نہیں دیکھتے۔ نیز یہ رونا تو ہمارے جیتے جی ہندوستان سے جاتا نہیں۔ لاؤ وہ سائنس والی
بات پوری کریں۔ سائنس کی ترقی کے نہ صرف یہ معنی ہیں کہ اہل یورپ نے سینکڑوں ہزاروں
نئی باتیں دریافت اور ایجاد کی ہیں جو یونانیوں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں بلکہ اسٹرانمی
(علم ہیئت) کیمسٹری (کیمیا) نیچرل فلاسفی (طبعیات) جیالوجی (طبقات الارض) باٹنی (علم فلاحت)
ہسٹری (تاریخ) جیاگرفی (جغرافیہ) شاید ہی کوئی علم ہوگا جس میں فلاسفۂ یورپ نے یونانیوں کی
غلطیاں نہ پکڑی ہوں۔ میں شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ کی طرح سائنٹفک[53] مین تو ہوں
نہیں پھر بھی مجکو یوروپین سائنس کے بتانے سے کہ میں نے اس کو کھایا نہیں مگر اس کا ذائقہ
چکھا ہے۔ غرض یوروپین سائنس کے بتانے سے مجکو یونانیوں کی کئی غلطیاں معلوم ہوئیں۔ اگرچہ
میں جانتا ہوں اور خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ یونانیوں کے مسلّمات کو غلط کہنا بعض مسلمانوں
کے نزدیک کفر ہے کہ انھوں نے یونانیوں کے مسلمات کو معتقدات مذہبی میں داخل کر رکھا ہے۔ مگر
میں اس کفر سے کہاں بچ سکتا ہوں۔ ان لوگوں کے اسلام کی رو سے تو میری جتنی ادائیں ہیں کفر ہی
کفر ہیں۔ میں نے دہلی گورمنٹ کالج میں گو عربی پڑھی مگر گورمنٹ کالج میں پڑھا۔ ایک کفر اور عربی

[51] کسی فن کا معالج خاص۔ [52] دندان ساز۔ [53] تیمار دار دایہ ۱۲

کے ساتھ انگریزی سائنس کا تھوڑا ترجمہ پڑھا۔ دوسرا کفر۔ انگریزی نوکری کی۔ تیسرا کفر اور نوکری کی بھی تو مَنْ[۵۱] لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ الخ کے خلاف۔ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ زانی کو سنگسار نہیں کیا۔ دعووں کی سماعت میں قانونِ اسٹامپ اور لا آف لیمیٹیشن یعنی (قانونِ میعاد سماعت) لا آف ایوی ڈنس (قانونِ شہادت) پر عمل کیا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مذہب کے لوگوں کی شہادت قبول کی۔ بلکہ بعض دفعے مسلمانوں کی شہادت پر کافروں کی شہادت کو ترجیح دی ۱۸۵۷ء کے غدر میں مسٹر لیین کی جان بچانے میں شریک ومعین رہا ساری عمر انگریزی عملداری کو اچھا سمجھا اور برٹش گورنمنٹ کی خیر خواہی کا دم بھرتا رہا۔ بلا ضرورت انگریزی پڑھی۔ سید احمد خاں نیچری کے کالج کا ٹرسٹی اور کانفرنس کا لکچرار بنا۔ اور وہی[۵۲] لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ۔ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب و مولوی شاہ عبدالقادر صاحب کے ایک چھوڑ دو دو ترجمے ہوتے سارے قرآن کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ سب کتنے کفر ہوئے۔ اس حساب سے تو میرے روئیں روئیں میں کفر ہے۔ اچھا تو ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ جہاں اتنے سارے کفر ہیں وہاں ایک کفر یہ بھی سہی کہ میں انگریزی سائنس کے بتانے بلکہ یوں کہو بہکانے سے یونانیوں کے بعض مسلمات کو غلط سمجھتا ہوں۔ اس وقت میں صرف ایک ہی بات کہنی چاہتا ہوں کہ یونانیوں کے سکھانے سے ہم لوگ اباً عن جدٍ مانتے چلے آتے ہیں کہ دنیا چار عناصر سے بنی ہے باد و خاک و آب و آتش۔ اور یہ چاروں بسیط ہیں کہ ان میں ترکیب نہیں۔ اہلِ یورپ نے کیا کفر پھیلایا کہ ہوا میں ترکیب ثابت کی اور علم کیمیا کے زور سے آکسیجن۔ ہیڈروجن نائٹروجن۔ تین قسم کی مختلف الخواص ہوائیں الگ الگ کرکے دکھادیں۔ اسی تحقیقات میں منکشف ہوا کہ آکسیجن کے بدون آگ نہیں جل سکتی۔ نباتات کو نمو نہیں ہو سکتا جب تک ایک خاص پروپورشن یعنی نسبت کے ساتھ آکسیجن اور ہیڈروجن کا امتزاج نہ ہو پانی نہیں بن

۵۱ جو شخص خدا کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فصل خصومات نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر اور ظالم اور فاسق ہیں ۱۲ ۵۲ گو سب سے اخیر مگر کسی سے کم نہیں ۔۱۲

سکتا۔ انسان کو خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہی اور اس خلافت کے یہی معنی ہیں کہ خدا نے انسان کو عقل دی ہی جس کی مدد سے وہ مخلوقات کے خواص اور اُن کی تاثیرات اور علت و معلول کے تعلقات کو دریافت کرے اور دریافت کیے پیچھے مخلوقات میں تصرفات کرے۔ جو اس کے لیے بکار آمد ثابت ہوں انسان ایسا کرے تو حقیقت میں وہ اپنا فرض انسانیت ادا کرتا ہی اور اسی لیے وہ پیدا کیا گیا ہی۔ لیکن اس کی تحقیقات کسی درجہ تک اور اس کے تصرفات کسی حد تک پونہچیں اسکو چاہیئے کہ دائرۂ عبودیت سے قدم باہر نہ رکھے۔ سر ائزک نیوٹن جس کو یورپ کے فلسفیوں کا جدِ امجد کہنا چاہیئے اور یورپ کے فلسفیوں کا جدِ امجد ہوا تو ہندوستان کے نئے فلسفیوں کا پردادا۔ بہرکیف نیوٹن بایں رسائی ذہن کہ اُس نے لا آف گریے ویٹیشن[۵۱] اور اٹریکشن[۵۲] دریافت کرکے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ کہا کرتا تھا کہ میں جو اسرار نیچر کی ٹوہ میں لگا رہتا ہوں میری مثال اُس بچے کی سی ہی جو سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا گھونگے اور سیپیاں جمع کر رہا ہو اور قعر دریا میں جو موتیوں کا ذخیرہ ہی اُس کی اُس کو خبر تک نہیں۔ سچ ہی وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا[۵۳] جو شخص کوئی مفید چیز ایجاد یا دریافت کرتا ہی۔ اُس کو وہیں تک فخر کرنے کا حق ہی جیسے رمضان کے بعد ہلال عید کے لیے لوگ سخت بے قرار ہوتے ہیں وہ نہ جنتری ہی کو مانتے ہیں نہ پترے کو نہ ودرج کو۔ اور نہ مطلع کے صاف یا ناصاف ہونے کی پروا کرتے بلکہ انتیسویں[۲۹] تاریخ کچھ دن رہے سے میدانوں میں نکل جاتے یا بلندیوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ایک بھیڑ کی بھیڑ چاند دیکھتی ہوتی ہی۔ اور اُن میں سب سے پہلے چاند ایک شخص کی نظر پڑ جاتا ہی اور وہ خوش ہوتا ہی پس ایسی ہی خوشی اور اتنی ہی خوشی ایک موجد اور مخترع کو ہونی چاہیئے۔ چاند کے دیکھنے والے نے اتنا ہی کیا کہ سب سے پہلے چاند دیکھا۔ نہ یہ کہ چاند بنایا۔ یا اُس نے اپنی آنکھ بنائی اور اُس کو قوتِ بصارت دی۔ اسی طرح جس نے سب سے پہلے مثلاً سٹیم کی طاقت دریافت کی اُس نے نہ پانی کو پیدا کیا نہ آگ کو اور نہ پانی اور آگ کی اُس خاصیت کو کہ آگ کی حرارت

---

۵۱ قانون کشش ثقل۔ ۵۲ کشش۔ ۵۳ تم لوگوں کو بس تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہی۔۱۲

پاکر پانی کی سطح بنے۔ اور نہ اُس نے سطح میں یہ زور ڈالا کہ وہ روس کے ندرُ کے دبائے نہ دبے۔ جب یہ بات دریافت ہوئی کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کے اتنے پروپورشن[51] سے پانی بنتا ہے تو دہری فلسفی لگے اُچھلنے اور بغلیں بجانے کہ بس اب کیا تھا ہوا میں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا یہ پروپورشن پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ جابجا اکسپریمنٹ (تجربے) ہونے لگے۔ چار یا پانچ برس ہوئے میں نے کسی انگریزی اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ مدراس پریزیڈنسی میں بھی کوئی بلند مقام تجویز کرکے گولے چلائے گئے اور اتفاق سے کسی محدود مقام میں کچھ یوں ہی سی بوندا باندی بھی ہوگئی تھی شیخ ابراہیم ذوق کیا خوب فرماتے ہیں ؎

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

سب تو سرآئزک نیوٹن کا سا ظرف نہیں رکھتے۔ عجب نہیں اِن فلسفی گولہ اندازوں کے ذہن میں یہ قیاس سمایا ہو کہ اب ہم خدا کے بڑے اختیار پر قابو پاگئے ہیں۔ اسی طرح طبابت بھی ترقی کی بڑی بڑی لیپیں اینڈ بونڈز (چھلانگیں) مار رہی ہے۔ ایک تازہ ایجاد تو یہ ہے کہ بے چیرے پھاڑے احشار یعنی اعضار اندرونی کی ہوبہو تصویر اُتارتے۔ اور آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ کس جگہ کیا آفت ہے۔ اس فن میں بھی کمال پیدا کرکے حدِ بشری میں رہنا اور اپنے تئیں بندۂ عاجز اور خادمِ نیچر سمجھنا بڑے حوصلے والوں کا کام ہے۔ آدمی عالمِ اسباب میں پیدا کیا گیا ہے اور اُس کا جینا۔ مرنا۔ چلنا پھرنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ یعنی وہ خود اور اُس کے تمام حرکات وسکنات اور تمام عوارض وحالات محکوم قاعدۂ اسباب ہیں۔ باایں ہمہ اُس سے اکثر ایسی غلطی ہوتی ہے کہ وہ تعیین سبب میں دھوکا کھاتا ہے اور چوں کہ وہ اسباب مرئی اور مشاہدہ کا خوگر ہے۔ سببِ اصلی یعنی خدا کو بھلا دیتا ہے۔ میں اس کی ایک مثال کلامِ الٰہی سے دیتا ہوں۔ إِنَّ قَارُونَ[52] كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ

[51] تناسب [52] قارون موسیٰ کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) میں سے تھا پھر وہ اُن پر ظلم کرنے لگا۔ اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دے

مِنَ الدُّنْيَا وَ أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ اب میں پوچھتا ہوں کہ گو مونہ سے نہ کہیں مگر کیا ہم بنی آدم اپنی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں کو اپنی تدبیر اور صرف اپنی تدبیر کی طرف منسوب نہیں کیا کرتے ہے

ہیچ کس از ما کم از فرعون نیست	لیکن او را عون ما را عون نیست
کیست از خواہش پرستی ہا بری	عصمتِ بی بی ست از بے چادری

فرعون کی نسبت لکھا ہی کہ وہ بڑا فلسفی تھا اور ریاضی میں اُس کو ایک خاص دستگاہ تھی فلسفیانہ عقل اور ریاضی کی دستگاہ رکھ کر جو وہ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کہتا تھا تو اُس کی کوئی وجہ ہوگی۔ اور وہ وجہ نہیں تھی مگر یہ کہ وہ اپنی حالت پر مغرور تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنا مقابلہ کر کے لوگوں سے کہتا تھا کہ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ - آمر

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۴ - رکھے تھے کہ کئی زور آور مرد اُس کی کنجیاں بمشکل اُٹھاتے۔ ایک بار اُس کی قوم (کے لوگوں) نے اُس سے کہا کہ اترا مت۔ کیوں کہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ) جو (ساز و سامان دنیا) تجکو خدا نے دے رکھا ہی اُس میں (سے کچھ) آخرت کے گھر کا (بھی) فکر کرتا رہ اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہی اُس کو فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہو تو بھی (اوروں کے ساتھ) احسان کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو (کیوں کہ) اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا (قارون) بولا یہ (مال اور دولت) تو مجکو اپنی لیاقت سے حاصل ہوا ہی ۱۲ ؎۵ تو انسان (کی عادت ہی کہ اُس) کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہی تو ہم کو پکارتا ہی۔ پھر جب ہم اُس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہی کہ یہ تو مجکو بس (میری) لیاقت کی وجہ سے ملی ہی ۱۲ ؎۵ کیا ملکِ مصر ہمارا نہیں ہی (ضرور ہی) اور یہ نہریں ہمارے (ایوان شاہی کے) تلے بڑی بہ رہی ہیں کیا تم کو نہیں سوجھتا۔ ضرور میں اس (موسیٰ) سے بدرجہا بہتر ہوں کہ وہ ایک ذلیل (آدمی) ہی اور ادائے مافی الضمیر بھی نہیں کر سکتا۔ تو اس پر سونے کے کنگن (خدا کی طرف سے) کیوں نہیں اُترے (کہ وہ اُن کو زیب تن کرتا) یا فرشتے اکٹھے ہو کر (اُس کی تصدیق کو) اُس کے ساتھ آئے ہوتے - ۱۲

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ میں سے دنیاوی دولت کا ایک نمونہ حیدرآباد میں دیکھا ہے کہ بعض اُمرا سنِ طفولیت سے ایسے ناز و نعم میں پرورش پاتے ہیں کہ ساری عمر اُن کو آوازِ مخالف سننے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ ہم متوسط الحال لوگوں کے لڑکے بات بات میں جھڑکے اور ملامت کیے جاتے ہیں اس پر بھی رو براہ نہیں ہوتے والے اُن لوگوں کے حال پر جنھوں نے جھڑکی اور ملامت کیسی آوازِ مخالف بھی کبھی نہیں سنی۔ مدت کی بات ہے جن دنوں میں سلطنتِ اودھ منتزع ہونے کو تھی میں اُس سے کچھ پہلے قیصر باغ کے میلہ رہس میں شریک ہوا تھا۔ میں نے جو جو سامان وہاں دیکھا اُس کا اثر مجھ پر یہ ہوا تھا کہ اُس کے بعد جو کوئی واجد علی شاہ کو بُرا کہتا تھا مجکو ناگوار گزرتا تھا۔ اور میں کہتا تھا کہ اُس صحبت میں رہ کر اور ویسے سامان رکھ کر دوسرے واجد علی شاہ نہ بن جاؤ تو تم آدمی نہیں بلکہ فرشتے ہو۔ دنیا کی خوش حالی آدمی کی طبیعت پر بہت سے بُرے اثر کرتی ہے اور اسی وجہ سے دین دار لوگ دنیا کی مذمت کرتے ہیں۔ اُس کے آثارِ بد میں سے ایک اثرِ بد ہے غرور جو تمہید ہے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کی۔ ہمارے ملک میں اُمرا کے خطاب کیوان جاہ۔ فلک شکوہ وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہیں غرض کامیابی اور خوش حالی کی صورت میں حدِ عبودیت کے اندر رہنا بڑے مرد کا کام ہے ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

تو جس طرح ہر ایک آدمی کامیابی اور خوش حالی میں از خود رفتہ ہوتا ہے اسی طرح گو لنداز فلسفیوں نے ینہ کو بہ اسی طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں نے زندگی اور موت کو اپنی اختیاری بات سمجھ لیا ہو تو اُنھوں نے وہی غلطی کی جو ہم سب کرتے ہیں مگر خدا کو تو ہمیں اس غلطی پر متنبہ کرنا تھا۔ اس لیے اُس نے وبا اور قحط کو بھیجا تا کہ ہم لوگ اُس کی طرف رجوع ہوں۔ عجب نہیں اس خیال کو لوگ اضحوکہ اور سوپرسٹشن[۵۱] سمجھیں۔ لیکن دنیا ہے تو خدا ہے اور خدا ہے تو اُس کی قدرتیں ہیں اُس کے انتظام ہیں اور

---

۵۱ توہم ضعیف الاعتقادی ۱۲۰

اس کی مصلحتیں ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے ؎

آنکه در آدم دمیده روح را	داد از طوفاں نجاتے نوح را
آنکه فرماں کرد قہرش باد را	تا سزائے داد قوم عاد را

ہم کو تو دین کی تعلیم یہی ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[۵] حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے جو مدرسۂ طبیہ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر طرح سے ان کو مبارکباد دی جائے۔ لیکن میری طبیعت واقع ہوئی ہے مشکل پسند میں دوسرے پہلوؤں سے اس مدرسہ کو دیکھتا ہوں اور اسی وجہ سے حکیم عبدالمجید خاں کو مبارکباد دینے میں مضایقہ کرتا ہوں بے شک مدرسہ کی حالت نے امسال ہز ہائنس نواب صاحب رامپور کی امداد سے نمایاں ترقی کی ہے مگر وہ حکیم عبدالمجید خاں کا ذاتی انفلوئنس ہے کہ نواب صاحب کے مزاج میں دخل پا گئے ہیں تو یہ امداد شخصی امداد ہوئی۔ امداد اس سے کم اور بہت کم ہوتی مگر پبلک کی طرف سے ہوتی تو میں اس کی زیادہ قدر کرتا۔ پبلک کو دیکھتا ہوں تو وہ اس مدرسے سے ویسے ہی الگ تھلگ جیسے پچھلے برسوں میں رہے ہیں اور جیسے شاید وہ آیندہ بھی رہیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے ہم پیشہ طبیبوں میں بھی کوئی ایسا نہیں دکھتا مولوی وکیل احمد صاحب مدرسہ کے موروثی ممتحن ہیں۔ ان کے علاوہ حکیم محمد واصل خاں صاحب وہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے بھائی نمبر ۱ حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب نمبر ۲ حکیم احمد سعید خاں صاحب نمبر ۳ کیا یہ کوئی خوشی کی بات ہے کہ سارا چھپڑ ایک ہی خاندان پر ڈال دیا جائے۔ غرض ہم کو شکایت ہے پبلک سے ہم کو شکایت ہے طبیبوں سے ہم کو شکایت ہے مسٹر سید سے۔ جو حسن اتفاق سے اس وقت تشریف رکھتے ہیں کہ انھوں نے علی گڈھ کالج میں لا کلاس کھولی جس میں قانون پڑھایا جاتا ہے اور ایک

۵۔ (اے شخص) جو تجکو بھلائی پہنچ جائے تو (اس کو سمجھ کہ) خدا کی طرف سے ہے اور جو تجکو کچھ برائی پہنچے تو (جان کہ) تیری ذات سے ہے ۱۲

شاخ قواعد اور سواری سکھانے کے لئے خاص کی مگر فن طب کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس مدرسے کو اپنے کالج کے ساتھ افلی ایٹ کر لیتے جیسے مارہرہ اسکول اٹاوہ اسکول تلہرا اسکول پھر دی لاسٹ ونا ٹ دی لیسٹ۔ ہم کو شکایت ہے گورنمنٹ سے کہ لوگوں کی جان بچانے کے لئے کیسی مضبوطی اور استحکام کے ساتھ وبا اور قحط کا مقابلہ کیا جارہا ہے اور سرکار نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ کسی جان کو فاقے سے ضائع نہ ہونے دے لیکن یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ لوگوں کو تو فاقے سے نہ مرنے دیں اور بیماریوں سے مرنے دیں۔ اے صاحب کمشنر صاحب بہادر یہ تو ہمارے درد کا علاج نہیں ہے کہ آپ جلسہ سالانہ کی پریسیڈنٹی کر دیا کریں اور بس۔ ہم ایسے نہیں بیٹھے کہ انگلی پکڑا دینے کے سہارے سے کھڑے ہو جائیں۔ ہم کو تو گود لیجئے۔ لاد دو لدا دو لادنے والا ساتھ دو تب ہم کچھ سنبھلیں تو سنبھلیں۔ فقط۔

متفرق نظمیں جو وقتاً فوقتاً جلسوں میں پڑھی گئیں

بہ تقریب جلسہ عام دہلی ڈائمنڈ جوبلی شصت سالہ حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند

بعد مدت ہوئی خوشی غم میں
گر پڑی جوبلی محرّم میں

ایسی تقریب میں نہ خوش ہوں تو پھر
کیا تفاوت ہو واپ میں ہم میں

ہیں مسلماں رعیت انگریز
ایک طرح پر ہر وقت بد غم میں

روئے اک آنکھ اور ہنسے ایک آنکھ
رقص کی شان نکلے ماتم میں

دل میں ہو آہ مونہ سے نکلے واہ
نفی اثبات دونوں ایک دم میں

زمزمے سے اگر ہو شادی مرگ
ڈوب جائیں گے آب زمزم میں

قحط ہو یا وبا ہو یا افلاس
جائیں سب ایک دم جہنم میں

اٹھو گت بھر کے ہم کو دکھلاؤ
وہ نہیں ہم کہ شاد ہوں کم میں

پر رعایت اصول کی رکھنا
زیر میں بم میں تال میں سم میں

ملکہ کو دعائیں دو دل سے
کہ رہیں تابد یہ عالم میں

آفتاب ان کے عدل کا تاباں
جیسے پورب میں ویسے پچھم میں

پرورش پائے اُن کی ہیبت سے
بیرہ برگ نسیم میں

وہ شہنشاہِ روم کی ہوں رفیق
بحرِ مواج و برِ اعظم میں

اور کبھی کشمکش نہ ہو واقع
دونوں کے ارتباطِ باہم میں

کاش اُڑتا ہوا دکھائی دے
یونین جیک[۵۷] جیش ادہم میں

نظم بہ تقریب جلسۂ ڈائمنڈ جوبلی دہلی

عجیب زمانے کی حالت ہے ان دنوں ابتر
کہ کوئی خبر نہیں جس میں شر نہ ہو مضمر

کیا ہے روم پہ یورپ نے اس طرح نرغہ
کہ دست رس ہو تو کر ڈالیں اس کو زیر و زبر

بایں قصور کہ اس سلطنت کے صوبے چند
یہ چاہتے ہیں کہ ہو جائیں حاکم خودسر

وہ دیکھتے ہیں کہ اور اُن کے بھائی عیسائی
ہوئے ہیں مالکِ روئے زمیں چہ بحر و چہ بر

انھیں کے ہاتھ میں ہے مدعا چہ نیک و چہ بد
انھیں کے قبضۂ قدرت میں ہے چہ خشک و چہ تر

اب ان سے اٹھ نہیں سکتا جوا حکومت کا
علی الخصوص مسلط ہو غیر گر اُن پر

خراج مانگیں تو چلا اٹھیں کہ لوٹ لیا
ہے ان سے بات کا کہنا بھی مارنا پتھر

یہ اونٹ دیکھیے اب بیٹھتا ہے کس کروٹ
کہ بات آن پڑی اختلافِ مذہب پر

ادھر عساکرِ مصری ہیں عازم خرطوم
مقابلے میں ہیں درویش ہو کے سینہ سپر

رکے یہ وہ نہیں طوفاں کسی کے روکے سے
بجھے کسی کے بجھائے یہ وہ نہیں اخگر

۵۷ انگریزوں کا جھنڈا ۱۲

بہائے خون کے دریا یہ سیل ملکوں میں
یہ آگ کر دے علاقے جلا کے خاکستر

ہو جب مخاصمتِ مذہبی فریقوں میں
تو صلح کیسے ہو اور التیام ہو کیوں کر

نہ وہ مسیح کے قائل کہ تھے وہ ابن اللہ
نہ یہ رسولِ عرب کا کہا کریں باور

وہ ان کو سمجھیں بد و بدترین مخلوقات
یہ اُن کو جانیں ملاعین مستحقِ سقر

عجیب کشمکشوں میں ہے ملکِ افریقہ
لٹک رہا ہے پڑا بیچ میں اِدھر نہ اُدھر

اٹالینز[51] ہیں شاہِ حبش سے برسرِ کیں
ہے دو فریق میں دارِ شکست و فتح و ظفر

ابھی کبھی چین سے رہنا اسے نصیب نہیں
اگرچہ چین نے جاپان سے صلح کی دب کر

وہی مثل ہے جو پڑھتے ہوئے سنی ہو گی
کسی سکول کے لڑکے کو آپ نے ریڈر

شکار گرگ نے مارا اور اُس پہ ٹوٹ پڑے
براہِ حرص شغال و پلنگ و شیر ببر

اگر نہ ہو خبر خوش تو کیا کرے مخبر
توقعات پہ بدنام ہے عبث رویٹر[52]

جدھر نگاہ اٹھاؤ اُدھر فساد و فساد
اگر زمانہ ہم تمدن ہے کُلِّ یوم بتر

نہیں کہ ہند ہے آفاتِ دہر سے محفوظ
بلائے قحط ہے اور مرگِ بے اماں[53] [illegible]

صفائی ہوتی گئی جس قدر صفائی کی
تھے آدمی خس و خاشاک موت تھی بہتر

ڈرے بلا سے ہماری بلا کہ ہم کو نہیں
کسی گزند سے بیم و ہراس و خوف و خطر

ہمیں پناہ ہے وکٹوریہ کی شفقت کی
ہم اُسکے بچے وہ ہم سب کی مہربان مادر

گر آسماں نے کیا بخل اور نہ برسا مینہ
کی اُس کے فیض نے باراں سے بڑھ کے بارشِ زر

جہاں کہیں ہے کوئی شئے ز قسمِ ماکولات
ہمارے پاس چلی آ رہی ہے لد لد کر

پلیگ آتے تو آئی پر اُس نے کیا دیکھا
کہ اُس کے دفع کی خاطر ہے مستعد لشکر

ہے ایک محکمہ حفظانِ تن درستی کا
ہزاروں آدمی از زیردست تا افسر

جہاں دیکھیے ہوئے ڈاکٹر گروہ گروہ
یہ کر کے چھوڑیں گے طاعون کو کوئی دن میں باہر

۵۱ اٹلی والے - ۵۲ یورپ سے تار برقی پہونچانے کی بڑی بھاری ایجنسی - ۱۲ ۵۳ تپ - ۱۲

غرض کہ جو ہوا جو ہو رہا ہے اُس سے سوا
جہاں میں کہ نہیں سکتا ہے کوئی فردِ بشر

دعائیں کیسے نہ دیں شرطِ آدمیت ہے
کبھی ہوا ہے کہیں ایسا شاہِ نیک سِیَر

کہ لیکن زندہ سلامت بخیر و با اقبال
یہی دعا ہے ہماری خدا سے آٹھ پہر

وہ ہم نہیں کہ شکایت زبان پر لائیں
اگرچہ سیلِ بلا سر سے کیوں نہ جائے گزر

ہمارا شیوۂ دیں ہے اطاعتِ حاکم
یہی بلا ہمیں حکمِ خدا و پیغمبر

جُز امتثال نہیں کوئی ہم کو چارۂ کار
جز اتقیا و نہیں ہم کو کچھ گریز و مفر

کریں خلاف تو اسلام سے ہوئے خارج
کریں عدول تو جانو کہ ہو گئے کافر

پر اپنا حال نہ تم سے کہیں تو کس سے کہیں
کہ تم ہو اہلِ دول ہم فقیر و دست نگر

ہوئے ہیں ہم ہدفِ حادثات مدت سے
تمھیں پناہ ہماری تمھیں ہماری سپر

ہمارا حال ہے از بسکہ قابلِ عبرت
بیان کیجے تو یہ جائے خون ہوئے جگر

وہی ہیں ہم کہ کبھی افسری کے شایاں تھے
وہی ہیں ہم نہیں رکھتا ہمیں کوئی نوکر

وہی تو ہم ہیں کہ ہیں کوڑیوں کو اب محتاج
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ زر و گوہر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے بانیِ حصون[۵۱] و قصور
وہی تو ہم ہیں کہ کھپریل بھی نہیں چھپر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مسندوں پہ جا گزیں
وہی تو ہم ہیں کہ اب فرشِ خاک ہے بستر

وہی تو ہم ہیں کہ باغِ جہاں کی رونق تھے
وہی ہیں ہم خس و خاشاک سے کہیں بدتر

وہی تو ہم ہیں کہ اب سب ہیں گئے گزرے
وہی تو ہم ہیں کہ اپنا نہ تھا کوئی ہمسر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ رقابِ امم
وہی تو ہم ہیں کہ اب سب کے ہیں خریدہ کا زر

وہی تو ہم ہیں کہ ہیں جاہلوں میں اپنا شمار
وہی تو ہم ہیں کہ تھے سب علوم مستحضر

وہی تو ہم ہیں کہ اب پا شکستہ بیٹھے ہیں
وہی تو ہم ہیں کہ سیر و سفر کے تھے خوگر

وہی تو ہم ہیں کہ سب ایک سمجھے جاتے تھے
وہی تو ہم ہیں کہ بہتر[۵۲] ہیں بلکہ دو اوپر

[۵۱] قلعوں اور محلات ۱۲ [۵۲] مسلمانوں کے بہتر فرقے مشہور ہیں ۱۲

وہی ہیں ہم کہ کبھی ملک داریاں کیں ہیں
وہی ہیں ہم کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا گھر

وہی تو ہم ہیں کہ اپنا بھی کچھ شعور نہیں
وہی تو ہم ہیں کہ رکھتے تھے غیب تک کی خبر

وہی تو ہم ہیں کہ جادو اُتارے کتنوں کے
وہی تو ہم ہیں کہ اب ہم کو کھا گئی ہے نظر

وہی تو ہم ہیں کہ جس امتحاں میں دیکھو فیل
وہی تو ہم ہیں کہ تھے پاس اولیں نمبر

لئے بہت مگر ایسے بھی کم لئے ہوں گے
کہ جن کے پاس نہ دولت رہی نہ علم و ہنر

ہم اپنے مُونہہ سے کہیں کیا کہ ایں کُن آں مکُن
جو جی میں آئے کرو رکھو پر کرم کی نظر

قطعہ

جس کو مولوی صاحب موصوف نے طلائی کاغذ پر لکھوا کر اور سنہری چوکھٹے میں نصب کرا کر مع ایک جلد قرآن مجید مترجمہ خود جناب سر میکورتھ ینگ صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں ۱۸۹۲ء میں پیش کیا اور قطعہ خود پڑھ کر سُنایا ہِز آنر نے بڑی خوشی کے ساتھ مولوی صاحب کے تحفہ کو قبول فرمایا

بدلے گا اب بہار سے قطعاً خزاں کا رنگ
حاکم ہوئے ہیں صوبہ کے سر میکورتھ ینگ

کیا حسنِ انتظام ہے بسمارک[۵] بھی اگر
جرمن سے آگے دیکھے تو ہو جائے عقل دنگ

ایک نصف و بر جن آنکھوں سے گزرے ہیں لفٹننٹ
پران کے انتظام کے بالکل نئے ہیں ڈھنگ

انصاف اس کو کہتے ہیں عدل اس کا نام ہے
ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں بز غالہ و پلنگ

ہیبت تمھاری لشکرِ اعدا کو دے شکست
ظاہر کا ایک حیلہ ہے کیا توپ کیا تفنگ

منظور ہو جسے کہ ہو ہر طرح کامیاب
بس تم سے آکے سیکھ لے تدبیرِ صلح و جنگ

قائل نہ تھے کسی کے مگر تم کو دیکھ کر
ہم ہو گئے ہیں معتقدِ دانشِ فرنگ

اب حسن کے تم کو حاکمِ پنجاب خوش ہوئے
تھے اس سے پہلے اہلِ ہنر زندگی سے تنگ

مجھکو ملا خطاب تو ہے مجھکو اُس سے فخر
گو ہے خطاب کو میری نسبت سے عار و ننگ

۵ وزیر جرمن کا نام ہے جو بڑا لائق اور مدبر ضرب المثل تھا ۱۲

ہر چند ہوں کمال و فضیلت سے بے نصیب
پر شکر ہے کہ طبع میں جودت ہے اور امنگ

کہتا نہیں مگر مجھے قدرت ہے نظم پر
لیکن نہیں ہوں دوسروں کی طرح سے دبنگ

لوہا نہیں ہے ذہن کی تلوار کا خراب
ہاں بے مہارتی کے سبب سے چڑھا ہے زنگ

الماس ہے نتیجۂ فیضانِ تربیت
ہے ورنہ اصل وضع میں اس کی سرشت سنگ

تم پرورش کرو تو کرے مات برق کو
عند السباق سرعتِ رفتار اسپ لنگ

عہدِ حکومت آپ کا یوں ہو مفید ملک
سیراب جیسے کرتا ہے کھیتوں کو آبِ گنگ

خلعت اور خطاب شمس العلما یہ دونوں چیزیں میونسپل ہال دہلی کے دربار عام منعقدہ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ سے ملیں اُس وقت اشعار ذیل پڑھے گئے۔

کیوں کر کہیں کس سے کہیں ہم کون ہیں کیا ہیں
اک ذرہ ہیں اور نام کے شمس العلما ہیں

انسان کو کہتے ہیں کہ ہے بندۂ احسان
یعنی کہ ہم آوازۂ گنبد کی صدا ہیں

گر شاہ کرے لطف و عنایت تو رعایا
تسلیم و اطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں

خود تم کو نہیں مال و زر و سیم کی پروا
اور ہم بھی اُدہر مفلس و بے برگ و نوا ہیں

لیکن دل و جاں رکھتے ہیں اور دونوں کے دونوں
سچ مانتا قربان ہیں تم پر سے فدا ہیں

کیا ہوسکے احسانِ گورمنٹ کا بدلہ
بس جہدِ مقل یہ ہے کہ مصروفِ دعا ہیں

جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں الٰہی
قائم رہے جس وقت تلک ارض و سما ہیں

ڈیوس کو خدا لاٹ کرے سب کہو آمین
اس کشتیٔ طوفاں زدہ کے ناخدا ہیں

متفرق نظمیں

نظم

اغیار اگر ہم سے ہوں ناخوش تو عجب کیا
مدت ہوئی ہم آپ ہی اپنے سے خفا ہیں

کرنے کے لیے قالب بے جان ہیں لیکن
گر کہنے پہ آجائیں تو آندھی سے سوا ہیں

ہفتاد و دو ملت میں کسی سے نہیں ملتے
اسلام میں شامل ہیں اور ان سب سے جدا ہیں

ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہے امام اس کے ہیں ہم آپ
ہم آپ ہی آواز بھی اپنی صدا ہیں

ہر مرتبہ شرمندہ ہیں ماہِ رمضاں سے
اور بارے نمازیں ہیں کہ ہر روز قضا ہیں

دنیا ہمہ تن درد ہو ہونے دو ہمیں کیا
ایسا بھی مرض ہے کوئی ہم جس کی دوا ہیں

یوں دیکھنے میں ایک نہیں آنکھیں ہیں دو دو
اور پھر بھی پسِ پردۂ کوری و عمی ہیں

ہونا متعرض نہ مسلماں سے کہ یہ لوگ
دردی کشِ میخانۂ تسلیم و رضا ہیں

پس پہنچ چکی منزلِ مقصود کو وہ قوم
جن میں وہی گمراہ ہیں جو راہنما ہیں

ہر چند تہی دست ہیں بے برگ و نوا ہیں
جو دل کے غنی ہیں وہ امیر الامرا ہیں

معلوم مسلم ہے کہ اسبابِ تکلف
اکثر سببِ زحمت و تکلیف و عنا ہیں

بے ان کے بھی جی سکتے ہیں اور جیتے ہیں کتنے
دنیا میں غنی کم ہیں اور اکثر غربا ہیں۔

ہستی بھی ہے اک قید مسلماں کے حق میں
خوش بارے اجل آتے ہی مجلس سے رہا ہیں

کس دن کے لیے دردِ سرِ جمعِ زر و سیم
سب ہیچ ہے جب ہم ہی سرِ راہِ فنا ہیں

تقدیر پہ شاکر ہیں توکل پہ ہیں قانع
کاہل ہیں سبھی کار حوالت بخدا ہیں

سیّد کے عقائد کی تو کہتے نہیں لیکن
امت پہ محمد کی دل و جاں سے فدا ہیں

یہ عمر کہ ہے بیٹھ کے اٹھنا متعذّر
اور قوم کی خدمت میں لگے صبح و مسا ہیں

بد سنتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں نیکی
گویا بشر از صنفِ ملک زیرِ سما ہیں

سادات کی عادات ہیں عادات کے سادات
یہ لوگ مجسم کرم و جود و سخا ہیں

قوم ان کے بزرگوں نے بنائی تھی اور اب بھی
سادات ہی کر سکیں وہ امید و رجا ہیں

گر ان کو نہ ہو درد ہمارا تو کسے ہو
آخر تو یہ اولادِ شہِ ہر دو سرا ہیں

چندے ان کے حواری ہیں مگر ساتھ ہیں وہ بھی
مطعون ہیں بدنام ہیں انگشت نما ہیں

اک قوم کی قسمت ہی بری ہو تو کریں کیا
یاں جتنی تدابیر ہیں سب حکمِ قضا ہیں

بیمار ہو اور اُس کے معالج بھی ہیں حاذق
اور نسخے بھی تاثیر میں معجونِ شفا ہیں

لیکن یہ مصیبت ہے کہ بیمار ہو ضدّی
جس سے کہ طبیبوں کے بھی اوسان خطا ہیں

جو چیزیں کہ اُس کے لیے ہیں زہرِ ہلاہل
اُس کو وہی مرغوب ہیں اور اس کی غذا ہیں

پس اس کا تو مرنا ہی تیقّن ہے عزیزو
اب صبر کریں صبر جو اُس کے ورثا ہیں

نظم دیگر

نکل جائے ارمان گُل کی ہوس کا
جو ہو جائے قسمت سے وا در قفس کا

اگر موت سے ابنِ آدم ہے عاجز
وگرنہ نہ تھا یہ کسی کے بھی بس کا

ہوا انساں کیا ایسی ہستی پہ نازاں
کہ مہماں ہے دنیا میں چندیں نفس کا

کس آہستگی سے رواں ہیں قوافل
نہ بانگِ حدی ہے نہ نالہ جرس کا

الٰہی وہ کیا ہو گیا زورِ بازو
کہ ہم میں کا ایک ایک مقابل تھا دس کا

اگر اس کا فیضانِ حکمت ہو شامل
تو ہو شہدِ صافی اُگال ایک مگس کا

جو کچھ تم کو کرنا ہے کر لو عزیزو!
کہ اب وقت باقی نہیں پیش و پس کا

بچاتے رہو تو سے دامانِ تقویٰ
نہ لگ جائے دھبہ کہیں اس نجس کا

عجب کس تھا جو منّ و سلویٰ کے ہوتے
تھا مشتاق قثّار و فوم و عدس کا

وہ ہم ہیں اُٹھا لائے بارِ امانت
یہ زہرہ نہیں ہے کسی بوالہوس کا

ہنر ہو تو عزت کو پوچھو ہی پوچھو
ٹکا کیا نہ ہوگا کبھی عطر خس کا

نہ کرنا مساکین سے بد دماغی
سنا کیا نہیں تم نے مضمون عبس کا

فراغ و سبکدوشی و بے نوائی
نہ درباں کی منت نہ احسان عسس کا

اب آگے کو جینے کا ہے شوق تم سے ڑانا
ہوا جب کہ سن ساٹھ اکسٹھ برس کا

کھڑا کھائے عار اور رنگیہ سے نہ کھسکے
قدم اُٹھ چکا راہ میں ایسے بچش کا

تمدن میں داخل ہوئی وضعِ یورپ — چلن ہو چلا سکّۂ ملتبس کا
کہیں اب کے جلسے میں ایسا نہ کرنا — کہ ناغہ ہو معمول برسا برس کا

نظم دیگر

عزیزو کبھی تم نے یہ بات سوچی — رہے کیوں مسلمان موچی کے موچی
عجب لے کے آئے تھے قسمت خدا سے — سرِ چشمۂ آبِ حیواں پیاسے
زمانے کے آخر میں پیدا کیا تھا — خدا نے مگر اُن کو سب کچھ دیا تھا
سو قر تھے مقبول تھے محترم تھے — بہر کیف ہر طرح خیر الامم تھے
وہ مذہب ہی قدرت سے ایسا ملا تھا — کہ فتح و ظفر اس کا عاجل صلہ تھا
تھے اسلام سے پہلے بدتر سے بدتر — مسلماں ہوئے ہو گئے خلق آخر
اسی واسطے اُس زمانے کے کافر — جنابِ پیمبر کو کہتے تھے ساحر
شیاطین کی یک لخت گدی اُلٹ دی — جسے چھو گئے اُس کی کایا پلٹ دی
ادب قاعدہ سب کچھ اُن کو سکھایا — بہائم کو انسان و آدم بنایا

نظم دیگر

آؤ دیکھو مشن کے لڑکوں نے — جھولتے جھولتے بڑھا لی پینگ
سب کو جلسے میں چیلنج بلوایا — اس کو شیخی قرار دو یا ڈینگ
یعنی بچھڑوں ہیں کتنے بوڑھے بیل — آن شامل ہوئے کٹا کر سینگ
یہ جو لکچر ہے اپنے گھر جا کر — اس کو چاٹا کرو لگا کر ہینگ

یہ رقعہ حسب فرمایش منشی احمد حسین صاحب بتقریب شادی نور حسین سنہ ۱۳۰۹ھ میں لکھا گیا

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

نقدِ مطلب سے ہوئی جیب تمنا معمور | پر ہے گلہائے فرح بخش سے دامانِ اُمید
شکر صد شکر کہ جی کھول کے نکلے ارماں | شکر صد شکر ملی قفلِ مسرت کی کلید
یعنی فرزندِ جگر بندِ عزیز دلہا | غازۂ روئے خرد خالِ رخِ بخت رشید
اُن کی عادات ستودہ ہمہ خوبی و صلاح | اُن کے اطوار پسندیدہ و اوصاف حمید
چشمِ بد دور ہے نام اُن کا محمد انور | جب کہ ہو نامِ ہمایوں سے حسین اُس میں مزید
صبح اتوار کو عقد اُن کا ہے ماشاء اللہ | اِس مہینے کی ہے جو بیسویں اور روزِ سعید
ہمہ داں حامیِ دیں مولوی ابوالمنصور | جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید
اُن کا دولت کدہ ہے بزم گہِ عقدِ نکاح | کہ وہ خود جائے مبارک ہے مگر قابلِ دید
نہ مزامیر نہ باجا نہ سرود اور نہ رقص | اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امر جدید
سر بسر خالصۃً حکمِ خدا کی تعمیل | مو بمو قاطبۃً شرعِ نبی کی تقلید
عقد کے دوسرے دن ہوگا ولیمے کا طعام | جو میسر ہو زنان و نمک و آش و ثرید
آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت | میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجھکو خرید

لکچر نمبر ۳۱

انجمن حمایت الاسلام لاہور کے تیرھویں سالانہ جلسے میں ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء اور اُس کے ایک دن بعد دیا گیا

جوامع الکلم کی قسم کا ایک شعر ہے

آسایش دو گیتی تفصیل ایں دو حرف است | با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

جوامع الکلم وہ قول اور دل مختصر جملے ہیں جن کو اصطلاح منطق میں کلیہ کہتے ہیں۔ یہ کلیے ہیں بڑے کام کی چیز جیسے حساب میں گُر اور اُن کے وضع کرنے کو بڑی عقل درکار ہے۔ بڑا وسیع تجربہ اور بڑی بلش میں نظر۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فخر کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔ اُوتیتُ جوامعَ الکلِم

جوامع الکلم ہونے کے لیے جملہ ہونا بھی ضرور نہیں۔ مفہوم کلّی ہونا بس کرتا ہے۔ اور اسی لیے میں اسلام کو بھی جوامع الکلم کی ایک فرد سمجھتا ہوں کیوں کہنے کو ایک لفظ اسلام ہے اور اس کے تفصیلی معنے قرآن اور حدیث اور فقہ اور ان کے ماله وما علیہ بجائے خود ایک کتاب خانہ۔۔۔ اگر کسی سے اسلام کے معنی پوچھو تو وہ کہے گا مسلمان ہونا۔ لیکن یہ تعریف المجہول بالمجہول ہے مطلق لفظ مسلمان سے اُن باتوں کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا جو مدلول اسلام ہے۔ جس طرح تجارت کے ذریعے سے ایک ملک کی پیداوار دوسرے دوسرے ملکوں میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے باشندوں کے اختلاط سے ایک زبان کے الفاظ بھی دوسری دوسری زبانوں میں جا ملتے ہیں۔ اہل عرب دوسری زبان کا لفظ لیں تو اُس کو تعریب کہتے ہیں۔ اور لفظ کو معرّب۔ تو میں لفظ مسلمان کو مفرّس کہوں گا کہ اصل میں عربی کا مسلم تھا فارس میں جا کر مسلمان بن گیا۔ جب ایک زبان والے دوسری زبان کا لفظ لیتے ہیں تو اکثر اُس کو بے تصرف کیے نہیں چھوڑتے اور تصرف بھی کرتے ہیں تو ایسی آزادی کے ساتھ کہ اس کے لیے کوئی قاعدہ منضبط نہیں۔ فارس والوں نے مسلم کو مسلمان کیا تو انگریزوں نے ماسلم چنانچہ ماسلم کرانیکل ایک انگریزی اخبار ہی نکلتا ہے۔ اب ہم کو لفظ مسلمان کی تحقیقات کرنی ہو کہ مسلمان کو مسلمان کیوں کہتے ہیں تو ہم کو لفظ اسلام کی تحقیق کرنی چاہیئے کہ اسلام کو اسلام کیوں کہتے ہیں۔

سو اسلام کے اصل معنی ہیں انقیاد گردن نہادن اور وہ نکلا ہے سلام سے جس کے معنی سلامتی کے ہیں سلام خدا کا بھی نام ہے کیوں کہ وہ اپنی ذات سے ہمیشہ سلامت رہتا ہے۔
اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ۔ سلام متعارف کو سلام اسی وجہ کہتے ہیں کہ وہ سلامتی کی دعا ہے سلمہ پتھر کو کہتے ہیں کہ وہ ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہتا ہے اور اسی سے حجر اسود کے چھونے اور بوسہ دینے کو استلام کہتے ہیں۔ بیع سلم مشہور ہے کہ اس میں پہلے سے ایک نرخ کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ سلم صلح کہ اس کے ذریعے سے مخالفت کے شر سے محفوظ رہتے ہیں سلم سیڑھی

۵۷ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ۱۰۰

کہ وہ ایک ذریعہ ہی بلندی پر محفوظ پہنچنے کا۔ مارگزیدہ کو تفاؤلاً سلیم کہتے ہیں سَلْمان سُلَیمان سَلْمہ
سَلِمہ سلمیٰ سُلَیم۔ لوگوں کے دعائیہ نام ہیں جیسے عائشہ جس کا ترجمہ جیونی ہے۔ اور فاطمہ جس سے
مراد ہے کہ خیریت و عافیت سے دودھ چھوٹے۔ جیسے تمہارے پنجاب میں اللہ جوایا۔ اللہ جوائی
ست بھرائی۔ غرض سین لام میم کے مادے میں سلامتی اصل ہے اور اس کے کل مشتقات میں
سلامتی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسلام بھی اسی وجہ سے اسلام کہلایا کہ مطیع و منقاد ہو کر رہنا
یعنی وہ "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا" رکھنا دونوں جہان کی سلامتی کا موجب ہے۔ اگرچہ
صفت اطاعت و انقیاد اسلام کی اصل وضع میں داخل ہے۔ مگر اب تو کوئی بھول کر بھی اس کا خیال
نہیں کرتا۔ اور مسلمان کہنے سے قوم کی طرف تو ذہن منتقل ہوتا ہے مگر اطاعت و انقیاد کی طرف نہیں جو مسلمان
کی وجہ تسمیہ تھی۔ اے کاش یہ بات مسلمانوں کو ہمہ وقت پیش نظر رہتی کہ ہم مسلمان کس لیے مسلمان
کہلائے۔ ہم مسلمان کہلائے اطاعت و انقیاد سے۔ اور جب یہ نہیں تو ہم مسلمان کہاں کے برعکس
نہند نام زنگی کافور۔ میں نے جو لفظ اسلام کی لغوی تحقیقات بیان کی تو لوگ تعجب کریں گے کہ اس
مرتبہ تو لکچر کا اور ہی رنگ ہے۔ بات یہ ہے کہ جب سے میں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تو میں نے اپنی باقی
زندگی کو جیسی کچھ بھی ہو خدا اور رسول کے کلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ قرآن کا ترجمہ
شائع کیا وہ لوگوں کی نظر سے گزرا اور لوگ مجھکو یقین دلاتے ہیں کہ اس ترجمہ کے ذریعے سے قرآن کو
آسانی کے ساتھ سمجھنے اور اس کے پڑھنے میں ان کا دل لگتا ہے۔ اب میں دو تفسیریں لکھ رہا ہوں
ایک تفسیر کا یہی موضوع ہے جو لفظ اسلام کی نسبت آپ نے سنا۔ میں نے دیکھا کہ عموماً مسلمانوں
نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ یہود کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ۱؎ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ
كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۔ میں ڈرا کہ یہی حالت تو مسلمانوں کی بھی ہے۔ لفظوں کا منہ سے

۱؎ اور وہ اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتے ہیں تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب
(توراۃ) کو جس میں ان رسول کی پیشین گوئی بھی ہے (ایسا) منہ پیچھے پھینکا کہ گویا ان کو کچھ خبر ہی نہیں ۱۲

کھ لینا تو اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ[1] میں محسوب نہیں ناچار ترجمہ کیا اُن لوگوں کے لیئے جو عربی نہیں جانتے اب رہے وہ لوگ جو عربی داں ہیں اُن کو بھی فہم قرآن سے سروکار نہیں علم ادب کے بدون فہم قرآن ہو نہیں سکتا اور ادب ان کے درس سے خارج۔ انگریزوں نے ادب کو کورس میں رکھا ہی مگر قرآن جو ادبیت کے اعتبار سے بہترین کتب ہی۔ نہ اُن کو اس کے کورس میں رکھنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ کورس میں ہی۔ اور نہ ہم کو یہ منصب ہی کہ انگریزوں کو الہام دیں۔ پس میں نے ادب کی حیثیت سے قرآن کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اور ادب میں بھی خاص کر اشتقاق کو پکڑا۔ اشتقاق کی تھوڑی صراحت تو لفظ اسلام میں سن چکے مزید توضیح کے لیئے ایک مثال اور سہی۔ مثلاً جنت (باغ) جنون (دیوانگی) جنہ (سپر) جنین (بچہ جو شکم مادر میں ہو) جان (سانپ اور شیطان) جنان (دل) چند الفاظ ہیں ان کی ساخت ایک دوسرے سے ملتی ہوئی ہی اور معلوم ہوتا ہی کہ ایک اصل کی فرع ہیں مگر معانی میں ظاہراً ایک دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں۔ میں نے تتبع کر کے ان معانی میں ایک وجہ اشتراک پیدا کی۔ کہ منقول کو معقول کا پیرایہ دینے سے لغات کا یاد رکھنا آسان ہوگا۔ مثلاً الفاظ مذکورہ میں ستر کو مشترک پایا جس کے معنی ڈہانکنے کے ہیں۔ بس اب ایک یہ بات یاد کر لو۔ اور سب لفظوں کو اسی پر ڈہال لو کہ باغ کو جنت کہتے ہیں اس لیئے کہ درخت زمین کو ڈہانکے ہوتے ہیں ایک جنت بہشت ہی کہ اُس میں باغات ہونگے۔ جُنّہ ڈہال کہ وہ چھپاتی اور ڈہانکتی ہی۔ جنون عقل کو چھپا لیتا ہی۔ جنین بطن مادر میں چھپا ہوتا ہی۔ جان سانپ بل میں چھپا رہتا ہی۔ جن دیو کہ وہ آنکھوں سے مخفی ہی۔ جنان دل کہ وہ سینے میں چھپا ہی۔ اب یہ سب الفاظ جداگانہ ہیں۔ کہ ان سب کا یاد رکھنا مشکل تھا۔ بلکہ ایک سلسلے میں آگئے غیر تو آؤ مسلمان کی بات سے پھر گرہ لگالیں۔ ہمارا نام مسلمان یعنی مسلم حضرت ابراہیم کا رکھا ہوا ہی مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا[2] اور حقیقت میں اس سے

[1] جن لوگوں کو ہم نے قرآن دیا ہو وہ اس کو پڑہتے رہتے ہیں جیسا اُس کے پڑہنے کا حق ہی [2] تمہارے لیئے وہی دین (تجویز کیا ہو) تمہارے باپ ابراہیم کا (تھا) اُس (خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا یعنی

بہتر مسلمان کا نام ہو نہیں سکتا کہ من وجہ مذہب اسلام کا خلاصہ اس کے معنی ہیں ہے۔ وہ کیا ہے ڈو سلٹی آدھینتا۔ غریبی۔ مسکنت۔ فروتنی۔ شایستگی۔ آدمیت۔ انسانیت۔ لیکن یہ صفتیں ہمہ وقت تو آدمی سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ کسی کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ یہ شخص بھلا آدمی مسکین۔ ملنسار ہے۔ مدتوں کے برتاؤ سے معاملہ پڑنے سے آدمی کے مزاج کا حال معلوم ہوتا ہے ؎

توان شناخت بہ یک روز از خصائل مرد	کہ تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو	کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

مگر ہندوستان میں مسلمان کی ایک ظاہری شناخت بھی تھی اور اگرچہ لوگوں کی سہل انکاری سے اُس شناخت میں فتور آگیا ہے تاہم وہ شناخت کلیتہً معدوم نہیں ہوئی۔ لوگ مسلمان کو اس سے پہچانتے تھے کہ مُونہہ پر ڈاڑھی ہو مونچھیں ترشی ہوئی اور اگر وہ انگرکھا پہنتا ہے تو بائیں طرف پردہ۔ اور ایک ظاہری شناخت قرآن میں خدا نے فرمائی ہے۔ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ[1] سو چہرہ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ تو ہر ایک کو نصیب نہیں افسوس ہے کہ ڈاڑھی مونچھ اور انگرکھے کا ظاہری امتیاز بھی اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ مسلمان ڈاڑھی بڑھائے اور مونچھوں کو کترواے بعض مسلمانوں نے اور خاص کر انگریزی داں مسلمانوں نے اُس کو بالکل اُلٹ دیا ہے تو ان کی مثال اُس سپاہی کی سی ہے جو اپنی پلٹن کی وردی نہیں پہنتا یا یوں کہو کہ اشرفی ہے مگر ٹکسال باہر ہی جیسا میر انیس نے اُن لوگوں کے حق میں کہا ہے جو غم حسنین رضی اللہ عنہما میں بہ تصنع روتے ہیں ع "اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں" ہمارے اطراف میں شیعیت کے اعتبار سے لکھنؤ ہند کا ایران ہے اور وہاں کے شیعی عموماً ڈاڑھی منڈواتے یا خشخاشی کترواتے ہیں اور میں نے جناب امیر رضی اللہ عنہ کا حلیہ کتابوں میں پڑھا ہے۔ كَانَتْ لِحْيَتُهُ تَمْلَأُ صَدْرَهُ یعنی آپ کی ڈاڑھی تمام سینے کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ یہ وضع شیعانِ لکھنؤ نے کہاں سے اخذ کی ہے۔ لکھنؤ والے چاہے کسی وجہ سے بھی ڈاڑھی نہ رکھتے ہوں مگر ہمارے انگریزی خواں بھائی

[1] ان کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گٹے ان کی پیشانیوں پر ہیں ۱۲

تو اس کو انگریزی فیشن سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ اس سے جوامع الکلم کی ایک دوسری فرد کی تصدیق ہوتی ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ[۱] انگریزوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنے کے بہت سے پیرائے ہیں اور انگریزی خوان مسلمانوں کے زعم میں ان میں سے ایک پیرایہ ڈاڑھی کا منڈوانا اور مونچھوں کا بڑھانا بھی ہے۔ اب جو اس پیرائے کو اختیار کرتے ہیں اور جس غرض سے اختیار کرتے ہیں خود سمجھ لیں کہ انگریزوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا یعنی کوّے کو ہنس کی چال چلنا کہاں تک ان کے حق میں مفید ثابت ہوا ہے۔ ایک قسم کا تشبہ بعض ہندوستانی اخباروں نے بھی کیا تھا کہ لگے ولایت کے خاص اخباروں کی طرح زبان درازیاں کرنے تو انھوں نے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتا وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ڈاڑھی مونچھ کی بات کو اتنا طول دیتا کیوں کہ میرے پاس اتنی کی قدرتی کوتاہی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ ڈاڑھی مونچھ کے بارے میں ایک تو شارع اسلام کا حکم ہے قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحْیَۃَ دوسرے شعار قومی ہے تیسرے تقاضائے فطرت ہے۔ تقاضائے فطرت کو بعض صاحبوں نے نہیں سمجھا ہوگا تو قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا ایک تذکرہ ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی خدا نے ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا اور ابراہیم امتحان میں پورے اُترے تو خدا نے خوشنود ہو کر فرمایا کہ بجا آوری حکم کے صلے میں ہم تم کو لوگوں کا پیشوا بنائیں گے سو ابراہیم علیہ السلام واقع میں ابوالانبیاء کہلاتے ہیں اور جتنے اہل کتاب ہیں یہود اور نصاریٰ اور مسلمان سبھی تو اُن کا ادب کرتے ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس دعا کی مقبولیت کا جو ابراہیم نے کی تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ[۲] مفسرین نے کلمات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کلمات سے مراد قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحْیَۃَ کے قسم کے احکام تھے طہارت جسمانی سے متعلق مقتضائے فطرت۔ غرض قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحْیَۃَ کے پیوُر (حمایت) میں ایک تو حکم شارع ہے دوسرے شعار قومی تیسرے تقاضائے فطرت اور ان کے مقابلے

[۱] لوگوں کا دین وہی ہوتا ہے جو بادشاہ کا دین ہے ۱۲ عہ اور سمجھے کہ (ایسا کرنے سے) کوئی بلا نہیں آئے گی اور اس خیال غلط کی وجہ سے اندھے اور بہرے ہو گئے ۱۲ عہ جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انھوں نے ان کو پورا کر دکھایا (تو خدا نے رضامند ہو کر) فرمایا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام (یعنی پیشوا) بنانے والے ہیں۔ [۲] اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ

میں صرف انگریزوں کا تشبہ ہی جس کے فائدے موہوم بلکہ معدوم ہیں تو جو لوگ ایسی ضعیف ترغیب کو زیست (روک) نہ کر سکیں اُن سے کیا توقع کی جا سکتی ہی کہ وہ۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ[۱] کے امتحان سخت میں ٹھہر سکیں گے ایک طرف تو یہ لوگ مسلمانوں کی سی صورت بنانے کو عار سمجھتے ہیں اور دوسری طرف دعوی اسلام میں مگر زبانی دعوے میں ایسا جوش ظاہر کرتے ہیں کہ گویا قرن اول کے مسلمان ان میں حلول کر گئے ہیں۔ پس دین و مذہب کے اور وضع و لباس کے امتیاز سے الگ ہو کر اسلام گویا ایک امتیاز قومی رہ گیا ہی جیسے مسلمانوں میں شیخ سید مغل پٹھان کا امتیاز۔ اصل میں مذہب نے مسلمانوں کی ایک قوم بنائی مگر اب مذہب کی جگہ قومیت رہ گئی۔ وہ جو میں نے مسلمانوں کے لیئے ڈوسلیٹی۔ آدھینتا۔ غریبی۔ مسکنت۔ فروتنی۔ شائستگی۔ انسانیت۔ آدمیت۔ بہت سے الفاظ کہہ دیئے تھے۔ اپنا خیال ظاہر کرنے کے لیئے کہہ دیئے تھے ورنہ میں تو صرف یہ کہنے کو تھا کہ اسلام آدمیت۔ انسانیت ہی اور مسلمان آدمی اور انسان اور اگر لفظ مسلمان ترجمہ بندۂ خدا بھی کرو تو بندۂ خدا اور آدمی۔ اور انسان کو میں مرادف یکدگر سمجھتا ہوں۔ میری یہ بات سُن کر نہ صرف دوسرے مذہب کے لوگ تعجب کریں گے اور شاید بُرا بھی مانیں گے یہ سمجھ کر کہ مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت کہتا ہی تو اس کے نزدیک ہم آدمی نہیں یعنی جانور ہیں بلکہ مسلمان تعجب کریں گے اور شاید بُرا بھی مانیں گے اس خیال سے کہ مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت بتاتا ہی تو اس کا یہ مطلب کہ بے تخصیص مذہب سب آدمی مسلمان ہیں۔ غیر مذہب والوں کو یا مسلمانوں کو میرا کہنا بُرا لگا ہو تو ان کی خفگی میری سر آنکھوں پر۔ مگر یہ قصور عبارت اور الفاظ کا ہی ورنہ میرا مقصد کسی کو ناراض کرنے

---

[۱] (مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مزے سے) بہشت میں جا داخل ہو گے اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ اُن کو سختیاں (بھی) پہنچیں اور تکلیفیں (بھی پہنچیں) اور جھنجھوڑے (بھی) گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور جو ایمان والے لوگ ان کے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ (آخر) خدا کی مدد (کے آنے) کا کوئی وقت بھی ہی؟ ۱۲

کا نہیں مصرعہ

شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم

اس سے کہیں نے مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت کہا اور کسی نے یہ سمجھا کہ میں مسلمان کے سوا کسی کو آدمی نہیں سمجھتا تو یہ آدمی نہ سمجھنا ویسا نہیں ہے جیسا کہ حافظ شیراز نے کہا ہے ؎

واعظ شہر کہ مردم ملکش می نامند	قول ما نیز ہمین ست کہ او آدم نیست

معلوم ہو کہ واعظ شہر کو آدمی نہ سمجھنے سے حافظ صاحب کی کیا مراد تھی۔ مگر میں تو اس قاعدے پر چلتا ہوں جو علم معانی و بلاغت اور لغت اور اصول فقہ میں مسلم قرار پا چکا ہے کہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے فرد اکمل مراد ہوتی ہے اور اس سے تو مسلم اور نامسلم کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ عنقا شاید ڈھونڈنے سے ہاتھ آجائے کیمیا عجب نہیں جستجو سے ملے مگر نہیں ہاتھ آتا اور نہیں ملتا تو انسان کامل اور ایسی ہی کمیابی مسلمان کامل کی بھی ہے۔ عالمگیر کی ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک دن نماز پڑھ کر بہت گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا۔ کسی نے جو ایسی جرأت کر سکتا تھا پوچھا کہ اتنی وسیع سلطنت کے حاصل ہوتے پیچھے بھی کیا مانگا جا رہا ہے۔ کہا آدمی اور شاید اسی وقت یہ شعر پڑھا ؎

آنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیارست و نیست	نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیارست و نیست

یہی مطلب ایک ریختہ گو نے اس طرح پر ادا کیا ہے ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اب سمجھیے کہ لفظوں میں کیسے متضاد پہلو ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں لڑائی ہو رہی تھی تو حضرت علیؓ کے طرف داروں نے چاہا کہ ہم فریق ثانی کو قرآن سے جا کر قائل کریں فرمایا۔ لِلْقُرْاٰنِ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ [1] سچ ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا [2] یہ جھگڑنے پر آمادہ ہو تو اس کو کوئی کیا قائل کر سکتا ہے۔ دور کیوں جاؤ صرف مسلمانوں کو لو کہ ان میں بہتر فرقے مشہور ہیں اور تمہارے پنجاب میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا گروہ ملا کر تہتر ہوئے یا شاید یہ بھی بہتر ہی کا ایک ہو خیر بہتر ہوں یا تہتر سب

[1] قرآن کا ایک ظاہر اور باطن ہے ۱۲ [2] مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے ۱۲

اپنا ماخذ ایک قرآن کو بناتے ہیں یہ بہتر یا بدتر الفاظِ قرآنی کے اختلاف سے نہیں نکلے بلکہ لِلْقُرْآنِ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ سے اور خبر حضرت علی نے تو لِلْقُرْآنِ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ ہی پر بس کیا تھا مولوی روم کہتے ہیں ؎

من ز قرآں مغز را برداشتم — استخواں پیشِ سگاں انداختم

اور اسلام پر کیا موقوف ہو کون سا مذہب ہو جس میں فرقے نہیں اور ان کا ماخذ بھی اپنی جگہ ایک ہی ہوگا اور کوئی سا مذہب بھی ہو جتنا پرانا ہوتا جائے گا ضرور ہو کہ اس میں اختلاف بڑھتا جائے تاکہ خدا کی وہ پیشین گوئی پوری ہو اور وہ ضرور پوری ہو کر رہے گی جہاں فرماتا ہو۔ [۱] وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ اور مذہب کی کیا خصوصیت ہو دنیا میں جس قدر فساد ہو اور افسوس ہو کہ بہت ہو اور ترقی کر رہا ہو پیدا ہوتا ہو اختلاف سے اور اختلاف پیدا ہوتا ہو لفظوں سے ایک ظریف کا مقولہ ہو کہ خدا نے انسان کو اظہار مافی الضمیر کے لیے گویائی نہیں دی بلکہ گویائی کو اس کے مافی الضمیر کا پردہ دا بنایا ہو۔ اختلافِ لفظی کے متعلق مولانا روم نے ایک بہت ہی دلچسپ حکایت لکھی ہو وہ فرماتے ہیں ؎

چار کس را داد مردے یک درم — ہر یکے از شہرے افتادہ بہم
فارسی و ترک و رومی و عرب — جملہ باہم در نزاع و در غضب
فارسی گفتا ازیں چوں وارسیم — ہم بیا کیں را بہ انگورے دہیم
آں عرب گفتا معاذ اللہ لا — من عنب خواہم نہ انگور اے دغا
آں یکے کز ترک بُد گفت اے گزم — من نمی خواہم عنب خواہم ازم
آں کہ رومی بود گفت ایں قیل را — ترک کن خواہیم من استافیل را
در تنازع مشت بر ہم مے زدند — کہ ز سِرِّ نامہا غافل بُدند

[۱] اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمہارا پروردگار فضل کرے اور اسی لیے تو ان کو پیدا کیا ہو ۱۲

مشت بر ہم مے زدند از ابلہی	پر بُد از جہل و ز دانش تہی
صاحب سرّے عزیزے صد زباں	گر بُدے آنجا بدادے صلح شان
پس بگفتے او کہ من زیں یک درم	آرزوئے جملہ تاں را می دہم
چونکہ بسپارید دل را بے دغل	ایں درم تاں می کند چندیں عمل
یک درم تاں می شود چار المراد	چار دشمن می شود یک ز اتحاد
گفت ہر یک تاں دہد جنگ و فراق	گفت من آرم شما را اتفاق
پس شما خاموش باشید انصتوا	تا زباں تاں من شوم در گفتگو

اختلاف لفظی کی ایک مثال تو مولانائے روم نے بیان کی جو میں نے آپ کو اُن کی مثنوی میں سے پڑھ کر سُنائی اور ایک مثال میں دیتا ہوں کہ آپ لوگ ہر روز دیکھتے ہوں گے کہ کسی حاکم کے روبرو ایک مقدمہ پیش ہوتا ہے فریقین اپنا اپنا وکیل لے جا کر کھڑا کرتے ہیں۔ قانون کی ایک خاص دفعہ مقدمہ سے متعلق ہوتی ہے اُس دفعے کا ایک کان وکیل مدعی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرا وکیل مدعا علیہ کے اور فرض کرو کہ جج کو فریقین کے وکیلوں سے اتفاق نہیں ہوتا تو وہ بے چاری اُس دفعہ کی ناک کو اپنی طرف پکڑ کے گھسیٹ لیتا ہے۔ جیسا ابھی چند روز ہوئے تلک کے مقدمے میں دیکھ چکے ہو کہ ایک لفظ ڈس افکشن کے معنوں میں اختلاف کا طوفان برپا ہوا یہاں تک کہ پریوی کونسل تک جا چڑھا۔ کہیں بمبئی ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس اسٹریچی کے قلم سے نکلا کہ ڈس افکشن کے معنی ہیں ایبسنس آف افکشن اور ایبسنس اف افکشن اور وانٹ آف افکشن اور ڈس لائلٹی اور ریبلین اور سڈیشن مرادف یک دگر ہیں۔ باوجودیکہ بمبئی۔ مدراس۔ الٰہ آباد۔ کلکتہ کی ہائی کورٹوں نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ جسٹس اسٹریچی سے اتفاق کیا مگر تلک کے طرف داروں کو تسلی نہ ہوئی اور پریوی کونسل پہنچے وہاں سے بھی جواب صاف ملا۔ گورنمنٹ نے دیکھا کہ قانون کے لفظوں میں ابہام ضرور ہے اور لوگ چپ کرنے والے نہیں ناچار اُس کو ایک قانون بنانا پڑا اس سے زیادہ صاف جس کا مسودہ لیجس لیٹو کونسل میں پیش ہے۔ دیکھا لفظی

بحث و اختلاف کا انجام اور پھر کیا اس قانون کے الفاظ اس بحث سے محفوظ رہیں گے۔ خدا ہمارے بارسٹروں اور وکیلوں کے گروہ میں برکت دے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ ایک ایک جملے اور ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی دھجیاں اُڑائیں تو سہی۔ بے شک گورمنٹ رفع اختلاف کے لئے قانون جاری کرتی ہے اور جاری کرنے سے پہلے قانون کے لفظ لفظ پر مباحثے ہوتے ہیں مگر نتیجہ کیا ہے کہ ایک رخنہ بند کیا جاتا ہے تو اُس کی جگہ دو رخنے نئے پیدا ہو جاتے ہیں خدا کو بھی ہم ہی لوگوں سے معاملہ کرنا ہے وہ بھی اپنے احکام پیغمبروں کے ذریعے سے ہماری ہی بولی میں ہم کو پہونچاتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ وَيُضِلُّ وَيَهْدِيْ اسی اختلاف پر متفرع ہے جس کا رونا میں رو رہا ہوں۔ اگرچہ لوگوں میں طرح طرح کے اختلافات ہیں مگر سب سے زیادہ قابلِ افسوس مذہبی اختلافات ہیں۔ اور اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لفظوں کو بہت بڑا دخل ہے ایک چھوٹا سا جملہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں یعنی اعلیٰ درجہ کی تعظیم جس کا دوسرا نام عبادت ہے اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ یہ ایسا مضمون ہے کہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آڈینس میں شاید کوئی متنفس نہیں جو اس کا قائل نہ ہو۔ مگر ہاں اللہ کو کوئی بھگوان کہہ کر پکارتا ہے کوئی گاڈ۔ کوئی خدا۔ الغرض میں جہاں تک خیال کرتا ہوں ایسا کوئی مذہب نہیں جس کا اصل الاصول یہ نہ ہو۔ اس پر بھی لوگ ہیں کہ صرف فروعی اور لفظی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ لفظی اختلاف کی ایک مثال قرآن مجید میں بھی ہے کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو دیکھتے ہو اس کو اسلام نے رواج دیا ہے ورنہ عرب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنے کا دستور تھا جب پیغمبر صاحب عمرہ کرنے مکہ تشریف لے جانے لگے اور قریش نے روکا اور پیغمبر صاحب حدیبیہ میں ٹھہر گئے اور آخر کار قریش کے ساتھ صلح ہوئی صلح نامہ لکھا جانے لگا تو مسلمانوں نے اپنے قاعدے سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا۔ قریش اڑے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیسا وہی ہمارے یہاں کا بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو اور جب تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو

۵۱ اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو (اُس کو) اُسی کی قومی زبان میں (بات چیت) کرتا ہوا بھیجا) تاکہ وہ اُن کو (اچھی طرح) سمجھا سکے ۱۲

مٹوانہ لیا آگے کو چلنے ہی نہ دیا۔ اللہ کے نام کو تو متبرک سمجھیں اور جب اُس کے نام کے ساتھ رحمٰن
ورحیم دو صفتیں بڑھالی جائیں تو مرنے اور مارنے کو تیار ہوں۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ[۵۱] اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ
قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ پر
لڑنا ایسی لغو اور بیہودہ اور مہمل لڑائی تھی کہ جو سُنے اُس کو ہنسی آئے مگر یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ہوا تھا
اور ہم ہی جیسے آدمیوں سے ہوا تھا۔ اور اگر ہم اپنے افعال کا احتساب کریں تو پائیں گے کہ اس
زمانے میں بھی اس قسم کی لڑائیاں مذہبوں میں بہت ہیں۔ ان لڑائیوں میں مذہبوں کا اتنا قصور
نہیں جتنا مذہب والوں کا۔ جب دو فریق مذہبی مباحثہ کرتے ہیں شاذ و نادر ہی کسی کو احقاق حق منظور
ہوتا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی مذہب مغلوب بمباحثہ ہو کر معدوم نہیں ہوا۔ لوگوں نے مذہب
کو شطرنج کی بساط بنا رکھا ہے اور شروع سے فریق مقابل کو بُرد و مات دینا چاہتے ہیں۔ یٰحَسْرَةً[۵۲]
عَلَی الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ میں تو مطلق مذہب کی طرف سے
ایسا خوش عقیدہ ہوں کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں چاہیے وہ آدمی کا بنایا ہوا کیوں نہ ہو تاہم اور
لوکیلٹی (وقت اور مقام) کے لحاظ سے انسان کی اصلاح اور بہتری کے لیئے بانی مذہب نے اُس کو
وضع نہ کیا ہو اور جو کچھ کھلی ہوئی خرابیاں کسی مذہب میں نظر آتی ہیں سو یا تو اُس مذہب کی اصل حقیقت
اُس سے کچھ سے کچھ ہو گئی ہے یا ویسے لوگ نہیں رہے جن کے مناسب حال اُن کے لیئے مذہب
بنایا گیا تھا۔ معلوم ہے کہ آدمی کے جتنے افعال ہیں معلل بالاغراض ہوتے ہیں۔ یعنی آدمی جو کام کرتا ہے
اُس کی کوئی غرض و غایت ضرور ہوتی ہے اور مذہب کا اختیار کرنا بھی ایک فعل ہے تو اس کی بھی کوئی
غرض و غایت ضرور ہوگی جس طرح لوگ مذہب میں اختلاف کرتے ہیں اسی طرح مذہب کی غرض و
غایت میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے حیاتِ ابدی۔ کوئی کہتا ہے نجات۔ کوئی کہتا ہے آسمانی بادشاہت

---

۵۱ اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے کیا جس کے آگے تم ہمیں (سجدہ کرنے کو) کہو اسی کو سجدہ کرنے لگیں اور رحمٰن کا نام سُن کر اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ۱۲ ۵۲ بندوں (کے حال) پر (کبھی بڑا ہی) افسوس ہے کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی اُنہوں نے ہنسی نہ اُڑائی ہو ۱۲

کوئی کہتا ہی قطرہ جس طرح دریا میں مل کر دریا ہو جاتا ہی اسی طرح خدا سے جا ملنا یعنی خدا ہو جانا ۔ مگر یہ اغراض جو لوگ بیان کرتے ہیں آخرت سے متعلق ہیں ۔ مذہب کی ایک غرض و غایت دنیاوی بھی ہی وہ کیا ہی ۔ آپ آرام سے رہنا اور دوسروں کو آرام سے رہنے دینا ۔ پھر وہی بات آگئی جس سے میں نے لکچر شروع کیا تھا ؎

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ۔۔۔ با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

حدیث شریف میں آیا ہی اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ لوگ اللہ کے بال بچے ہیں شفقت کے اعتبار سے خلق کو عیال اللہ کہا ورنہ خدا تو بال بچوں کے بکھیڑے سے پاک اور بے نیاز ہی اور غالبًا اسی نظر سے عیسائی جناب مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں ۔ تو جس طرح کثیر العیال باپ چاہتا ہی کہ اس کے بچے ایک دوسرے سے لڑیں جھگڑیں نہیں ۔ گھر میں شور و فساد و غل غپاڑہ نہ ہو ایسا ہی خدا ہم لوگوں سے چاہتا ہی اس نے یہ دنیا کا کارخانہ کسی مصلحت سے ایک وقت خاص تک کے لیے بنا کھڑا کیا ہی اور اس کی پاک اور مقدس مرضی ہی کہ اس کو اسی طرح چلنے دیا جائے اور خدائی کہنے میں انسان بڑا شریر ہی یہ شرارت پر آئے تو انتظام عالم کو درہم و برہم کر ڈالے دیکھو آج کل سرحد پر کیا کچھ ہو رہا ہی افریقہ میں کیا ہو رہا ہی ۔ سوڈان میں کیا ہو رہا ہی ۔ چین میں کیا ہو رہا ہی ۔ ابھی کل کی بات ہی یونان و روم میں کیا ہوا تھا ۔ غرض انسان کی تو بوٹی بوٹی میں شرارت ہی اور یہ مادر زادگی ہی بے وضع قانون اپنی شرارت سے باز آنے والا نہ تھا ۔ اس کی روک تھام کے لیے دین و مذہب ایجاد ہوا یہ ہی دین کی اصل حقیقت اور اسی سے دین کی غرض و غایت بھی معلوم ہوتی ہی ۔ وہی با دوستان تلطف با دشمنان مدارا ۔ یہی با دوستان تلطف با دشمنان مدارا جو دین کی غرض و غایت ہی یہی دین کی عمدگی اور صداقت کا معیار بھی ہی ۔ یہ میرا مطلب نہیں ہی کہ مذہبوں میں محاکمہ کروں اگرچہ میں نے اپنی تسلی و تشفی کے لیے محاکمہ کر لیا ہی مگر بہت سے لوگوں کے ظرف ہیں جو میرے محاکمہ کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اس کو ایسے مجمع عام میں بیان کرنا گویا مناظرے کا پہلو اختیار کرنا ہی جس کا میں سخت مخالف ہوں ۔ لیکن ہاں میں تھوڑی سی کوشش اس امر کی تو کروں گا کہ اسلام کو جس کا میں بڑے

استحکام کے ساتھ معتقد ہوں مصرعہ

باد وستاں تلطف با دشمناں مدارا

کی کسوٹی پر کس کر دکھاؤں تاکہ خاص کر حسنِ معاشرت کے بارے میں جو غلطیاں خود مسلمانوں کو اور جو بدگمانیاں دوسرے مذہب والوں کو ہیں دور ہوں۔ اسلام کی نسبت عموماً ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام فی حدِ ذاتہٖ ایسا مذہب ہے کہ اُس کے معتقد کسی دوسرے مذہب والے کو دیکھ نہیں سکتے۔ میرے نزدیک یہ خیال دو سبب سے پیدا ہوا اول یہ کہ دعوتِ اسلام عام ہے یعنی کوئی شخص کسی ملک کی پوزیشن کسی پروفیشن کا ہو اسلام کا پھاٹک اُس کے لیے کھلا ہوا ہے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[۵۱] لیکن عمومِ دعوتِ اسلام کی طرف سے بدگمان ہونے کا کافی سبب ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ عمومِ دعوت تو بعض دوسرے مذہبوں میں بھی ہے جیسے عیسائیت مگر تاہم عمومِ دعوت کو اس ناحق کی بدنامی میں تھوڑا یا بہت دخل تو ضرور ہے پھر اسلام کا نشو ونما ہوا عرب میں جہاں کے رہنے والے سخت جاہل جنگ جو اور وحشی تھے۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ[۵۲] وہ اسلام کا نام سنتے ہی مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور جیسی جیسی ایذائیں ان لوگوں نے اُس وقت کے مسلمانوں کو دی ہیں کتابوں میں ان کو پڑھ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ افسانے نہیں ہیں بلکہ واقعات ہیں نفس الامری جو آخر الابد تک خون کی پکی سیاہی سے صفحاتِ تاریخ پر ثبت رہیں گے اُن وقتوں کے مسلمان چاہتے کیا تھے صرف اتنی بات کہ اپنے عقیدے کے مطابق خدائے واحد کی عبادت کریں اُن کا یہ چاہنا اہلِ عرب کی نظر میں ایسا بڑا جرم تھا کہ خون کی تو دیت بھی تھی اور نہ تھی تو اس جرم کی مذہبی لڑائیاں سنی بھی اور دیکھی بھی مگر جس کو حقیقت میں مذہبی لڑائی کہنا چاہیے وہی لڑائیاں تھیں ا

---

[۵۱] پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ۱۲ [۵۲] دیہات کے لوگ کفر و نفاق میں بڑے سخت ہیں اور (جہالت کی وجہ سے) اسی لائق ہیں کہ خدا نے جو اپنے رسول پر کتاب اُتاری ہے اُس کے احکام (کما) سمجھیں بوجھیں نہیں ۱۲

جو شروع کے مسلمانوں کو پیش آئیں۔ ان میں مابہ النزاع مذہب کے سوا کوئی اور چیز ہی نہ تھی۔ اور لوگ کیا کرتے ہیں کہ لڑتے ہیں ملک گیری یا کسی اور غرض سے اور لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی غرض سے لڑائی کو مذہب کا رنگ دیدیتے ہیں۔ اور شروع کے مسلمانوں کو مذہبی لڑائیاں ان پیش بھی آئیں۔ تو مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کیا گیا ورنہ ان لوگوں نے تو مذہب کی خاطر ترک وطن کرکے حبشے میں جا پناہ لی تھی۔ اگرچہ ہم کو شروع کے مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہیں نہ ویسے عقیدے ہیں نہ ویسے عمل مگر یہ ایک قدرتی مناسبت تو ضرور ہے کہ اول آخر نسبتے وارد وہ بھی ایک نصرانی بادشاہ نجاشی کے مستامن تھے ہم امپرس وکٹوریہ کی رعایا ہیں ؎

اگرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ	ذرۂ آفتاب تابانیم

اگرچہ اہل مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے اور اُس وقت اسلام لانا مال اور آبرو اور جان سب سے دست بردار ہونا تھا۔ مگر اللہ رے اسلام تیری صداقت اور اللہ رے مسلمانوں تمہارے دل کہ سامنے موت دکھائی دے رہی ہے اور پروانوں کی طرح شمع ہدایت پر گرے پڑتے ہیں۔

مولوی شاہ سلیمان صاحب امسال تشریف نہیں لائے وہ کثرت سے اپنے وعظ میں مولانا روم کی مثنوی پڑھا کرتے تھے لاؤ آج میں اُن کی نیابت بھی کروں۔ خلافت نہیں کیوں کہ مجکو اُن سے بیعت نہیں میرے اِس مطلب کے قریب مولنا روم فرماتے ہیں ؎

آن جہود سگ ببیں چہ رائے کرد	پہلوئے آتش بتے برپائے کرد
کانکہ ایں بُت را سجود آرد برست	ورنیارد در دل آتش نشست
یک زنے با طفل آورد آں جہود	پیش آں بت آتش اندر شعلہ بود
گفت اے زن پیش ایں بت سجدہ کن	ورنہ در آتش بسوزی بے سخن
بود آں زن پاک دین و مومنہ	سجدہ آں بُت نکرد آں موقنہ
طفل ازو بستد در آتش درفگند	زن بترسید و دل از ایماں بکند
خواست تا او سجدہ آرد پیش بت	بانگ زد آں طفل کانی لم امُت

اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم — گرچہ در صورت میان آتشم
اندر آ مادر بہ بیں برہان حق — تا بہ بینی عشرت خاصان حق
اندر آ اسرار ابراہیم بیں — کو در آتش یافت ورد و یاسمیں

جب یہ لوگ مرد و زن اتنے ہو گئے کہ پیغمبر صاحب ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے ناچار آپ نے ان کو حبشے چلے جانے کی اجازت دی اسی کو ہجرت اولی کہتے ہیں۔ ان مہاجرین اولین میں حضرت کی صاحبزادی رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان اور آپ کے پھوپا زبیر بن العوام سمیت گیارہ مرد تھے اور چار عورتیں۔ ان کو نجاشی کے یہاں ملا امن۔ اور امن کی خبر مکے کے نومسلموں کو ملی تو حضرت کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب کے ساتھ دوسری کھیپ روانہ ہوئی اور اب نجاشی کی حفاظت اور حمایت میں مرد و زن اور بچے ملاکر بیاسی تن ہو گئے۔ اُدھر کفار قریش مسلمانوں کے در پے تو تھے ہی انھوں نے تحفے تحائف دے کر نجاشی کی طرف سفیر روانہ کیے تاکہ نجاشی ان مستامنوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرے ان لوگوں نے نجاشی سے یہ جا لگائی کہ یہ نومسلموں کا گروہ جو آپ کے یہاں پناہ گزیں ہوا ہے یہ پیرو ہیں ایک شخص کے جو مدعی نبوت ہوا ہے اور ہمارے بتوں کی توہین کرتا ہے لوگوں کو بہکاتا ہے اور اس نے ہمارے دین آبائی میں بڑا فتور ڈال رکھا ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے حضور میں طلب کیا تو ابھی مسلمان نجاشی تک پہنچنے نہیں پائے تھے کہ سفیر قریش نے جڑ دیا کہ آپ ملاحظہ فرمالیں گے کہ کیسے مغرور ہیں ہر شخص آپ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم نے بھی کیا اور یہ آپ کے واجب شاہی میں داخل ہے مگر مسلمان ہرگز آپ کو سجدہ نہیں کریں گے اور بے باکانہ نہایت بے تمیزی اور گستاخی کے ساتھ آپ کے سامنے اکڑ کے ہوں گے۔ یہ بات نجاشی کے کان میں ڈالی جا چکی تھی کہ اتنے میں جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کو ساتھ لیے سراپردۂ شاہی پر آموجود ہوئے اور وہیں سے حضرت جعفر نے پکارا۔ حِزْبُ اللّٰہِ یَسْتَأْذِنُکَ یعنی خدائی گروہ آپ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ نجاشی نے جعفر کی آواز سنی اور اندر آنے کی اجازت دی ان سب نے جا کر نہ تو نجاشی کو سجدہ کیا اور نہ جاہلیت کے دستور کے

کے مطابق ابیت اللعن کہا بلکہ اسلامی قاعدے سے السلام علیک کہہ کر مخاطب ہوئے نجاشی نے مسلمانوں کی بھیڑ دیکھ کر حکم دیا کہ تم میں سے ایک شخص عرض معروض کرے چنانچہ جعفر بن ابی طالب کو لوگوں نے آگے پیش کیا نجاشی نے پہلی بات جو پوچھی وہ یہ تھی کہ حزب اللہ کینتنا ذکی پکار کر کہنے والا تم میں کون تھا جعفر نے کہا میں - پھر نجاشی نے پوچھا دابِ شاہی کے مطابق تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا جیسا کہ ہمارے دربار کا دستور ہے اور کوئی بھی ہو اسی قاعدے سے ہم کو سلام کرتا ہے - جعفر نے کہا کہ ہم تو صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہ بنایا اور بے شک ہمارے یہاں بھی بادشاہوں کو سجدہ کرنے کا دستور تھا مگر ہم بت پرست تھے اور اب ہم میں خدا نے ایک سچا پیغمبر بھیجا ہے اور انھوں نے ہم کو یہی سلام تعلیم کیا ہے اور جنت میں بھی سلام کے یہی الفاظ ہوں گے - اس کے بعد نجاشی نے جعفر کو بولنے بات کرنے کی اجازت دی تو جعفر نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں اور آپ کے سامنے بہت بات کرنی خلافِ ادب ہے - میں چاہتا ہوں کہ قریش کے یہ دو سفیر جو حاضر ہیں ان میں سے ایک گفتگو کرے اور دوسرا خاموش رہے اور آپ ہماری باہمی گفتگو کو استماع فرمائیں - نجاشی نے اس کو پسند کیا تو جعفر نے کہا آپ ان سے دریافت کیجیے کہ آیا ہم کسی کے غلام ہیں اور آپ کے ہاں بھاگ کر آئے ہیں عمر بن عاص سفیر قریش بولا کہ نہیں یہ لوگ کسی کے غلام نہیں بلکہ شریف آبرودار لوگ ہیں پھر جعفر نے کہا کہ اب آپ ان سے پوچھیے کہ کیا ہم نے کوئی ناحق خون کیا ہے جس کے قصاص کا ہم سے مطالبہ ہے عمرو بولا کہ خون کیسا ان کے ہاتھ سے کسی کو خراش تک بھی نہیں پہنچی - پھر جعفر نے کہا کہ ان سے دریافت کیجیے کہ کیا ہم کسی کا قرضہ لے کر بھاگے ہیں اور اس کے ادا کے لیے ہم کو گرفتار کرایا جاتا ہے عمرو نے کہا کہ نہیں ان لوگوں کو کسی کی کوڑی دینی نہیں اس پر نجاشی نے سفیران قریش سے پوچھا کہ پھر تم ان لوگوں سے کیا چاہتے ہو - عمرو نے کہا کہ ہم اور یہ لوگ ایک دین کے پیرو تھے جو ہمارے بڑوں سے متوارث چلا آیا ہے یہ لوگ اس دین سے برگشتہ ہو گئے تو ہماری قوم نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ اُن کو ہمارے حوالے کر دیجیے - نجاشی نے

جعفر سے پوچھا کہ تمہارا پہلا کیا دین تھا اور اب تمہارا کیا دین ہے۔ جعفر نے کہا کہ ہم پتھر پوجتے تھے اور
خدا کو نہیں مانتے تھے اب ہمارا دین خدائی دین اسلام ہے جو خدا کی طرف سے ہم کو بھیجا گیا اور رسول
خدا اس کو لے کر آئے اور جیسی کتاب عیسیٰؑ ابن مریم پر نازل ہوئی تھی ویسی ہی ہمارے رسول پر
نازل ہوئی ہے اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے اس کے بعد نجاشی کے ایما سے ناقوس بجایا گیا
جس کی آواز سنتے ہی قسیس اور راہب جمع ہو گئے اور نجاشی نے ان سے پوچھا کہ حضرت مسیحؑ کے بعد
قیامت سے پہلے کسی نبی کی خبر ہے۔ سب نے کہا ایک نبی کی پیشین گوئی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود
ہے اور جناب مسیحؑ اُن کی بشارت دے گئے ہیں اور فرما گئے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ اُس
پر ایمان لائے گا اور جو اُن کے ساتھ کفر کرے گا وہ میرے ساتھ کفر کرے گا پھر نجاشی نے جعفر
سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ تمہارے پیغمبر کیا تعلیم کرتے ہیں جعفر نے کہا یَقْرَأُ عَلَيْنَا[۵۱] كِتَابَ اللّٰهِ وَيَأْمُرُ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَأْمُرُنَا بِحُسْنِ الْجِوَارِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَبِرِّ الْيَتِيْمِ وَيَأْمُرُنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
پھر نجاشی نے فرمایش کی تو جعفر نے سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم قرآن سے پڑھ کر سنائی تو نجاشی اور
سب درباری زار زار رو دیئے اور مکرر جعفر سے فرمایش کی کہ اپنے قرآن سے کچھ اور پڑھ کر سناؤ
جعفر نے سورۂ کہف سنائی اتنے میں عمرو نے نجاشی کے برہم کرنے کے لئے کہا کہ یہ لوگ حضرت
عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کو نام دھرتے ہیں تو نجاشی نے جعفر سے پوچھا اس پر جعفر نے سورۂ مریم
پڑھ کر سنائی۔ نجاشی نے اپنی مسواک کا ایک تنکا توڑ کر درباریوں کو دکھایا اور جعفر سے کہا وَاللّٰهِ[۵۲]
مَا زَادَ الْمَسِيْحُ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ مِثْلَ هٰذَا اس کے بعد دربار برخاست ہوا اور سفیران قریش
ناکام و نامراد اُن کے تحائف سمیت واپس کر دیئے گئے۔ ان باتوں کو صاحب معالم التنزیل
نے آیہ۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ الی آخرہ کے تحت میں بڑی ہی مؤثر اور دلچسپ عبارت

[۵۱] ہم کو اللہ کی کتاب سناتے اور نیک کام کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیک
سلوک کرنے اور کنبے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور یتیموں پر شفقت کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم خدائے
وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں ۱۲ [۵۲] قسم خدا کی مسیحؑ نے اِس تنکے کے برابر بھی تمہارے کہنے سے زیادہ نہیں کہا ۱۲

میں لکھا ہوا اور بے اختیار میرا دل چاہتا تھا کہ میں وہی عبارت بجنسہٖ پڑھ کر سناؤں مگر سناؤں تو پھر ترجمہ بھی کروں اتنا وقت کس گھر سے لاؤں۔ مجکو ممبرانِ انجمن سے ہمیشہ یہی شکایت رہی ہے اور اب بھی ہے کہ مجکو کافی وقت نہیں دیتے اور میں جی کھول کر لکچر نہیں دے سکتا یہ بیان جو میں نے اس ہجرت حبشہ کا کیا اس میں مجکو چند باتیں کہنی ہیں اور وہ جملۂ معترضہ کے طور پر ہیں ایک یہ کہ جب جناب رسولِ خدا نے اول بار مسلمانوں کو حبشے چلے جانے کی اجازت دی تو آپ نے یہ لفظ فرمائے تھے۔ ان بہا ملکا لا یظلم عندہ احد فاخرجوا الیہ حتی یجعل اللہ للمسلمین فرجا[1] یعنی نجاشی کو جو عیسائی تھا جناب رسولِ خدا نے ملک صالح فرمایا ہے۔ اب اس زمانے میں کوئی مولوی ہے جو ایمپرس وکٹوریہ کو ملکہ صالحہ کہنے کی اجازت دے حالاں کہ نجاشی کے مقابلہ میں وکٹوریہ اس سے بہت زیادہ مدح کی مستحق ہیں غضب ہے ظلم ہے ستم ہے بے انصافی ہے ناشکری ہے کفرانِ نعمت الٰہی ہے کہ بیاسی صرف اسی اور دو مسلمانوں کے امن دینے کے صلے میں نجاشی ملک صالح کے خطاب کا مستحق ہوا اور خطاب بھی مولویوں کا دیا ہوا نہیں جیسے یہ بحر العلوم وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ بلکہ جناب رسالت مآب کا دیا ہوا۔ اور وکٹوریہ چھ کروڑ مسلمانانِ ہند کو دوسری عملداریوں سے بحث نہیں نہ صرف پناہ دینے سے بلکہ اُن کے لیے تمام دنیاوی آسائشیں اور آرام اور عافیتیں اور سہولتیں مہیا کرنے پر بھی اُس کو ملکہ صالحہ کہنے سے دریغ اور مضایقہ کیا جائے۔

دوسری بات ایک حکایت ہے جو اس وقت مجکو یاد آگئی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح کفارِ قریش نے نجاشی کو بھڑکانے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے لگا دیا تھا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کو نام دہرتے ہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ہماری دلّی میں وہابیوں اور بدعتیوں یعنی غیر مقلدوں اور مقلدوں میں بھی ہوا تھا۔ کہ کسی مقلد حاکم میں نے غیر مقلدوں کی نسبت کہہ دیا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ

[1] بے شک وہاں ایک نیک بادشاہ ہے جو نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اُس کے ہاں کوئی اور ظلم کرتا ہے۔ تو وہاں چلے جاؤ تا کہ اللہ مسلمانوں کے لیے کوئی فراخی کی صورت نکالے ۱۲

تک کے نام کی فاتحہ کو منع کرتے ہیں لیکن مصرع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است ؎
وہابی نے کیا جواب دیا ہے کہ حضور فاتحہ مردے کی ہوتی ہے اور ہم تو حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے ہیں۔ یہ
جواب اُس وقت تو کام دے گیا تھا اب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اتباع کے آگے اس کا
چلنا مشکل ہے۔ اب چلو سلسلہ سخن کو پھر جوڑ لیں کہ جب مسلمان مرد و زن اتنے ہو گئے کہ پیغمبر صاحب
ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے ناچار آپ نے ان کو جبش چلے جانے کی اجازت دی اسی کو
ہجرت اولیٰ کہتے ہیں لیکن آں حضرت مکے میں باوجود خطر تشریف رکھتے رہے کہ ان کو خدمت
رسالت بجالانی تھی اور اس کے لیے قیام مکہ ضرور تھا کیونکہ وہ مرجع خلائق تھا اور اسلام کی عام منادی
کے لیے اُس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی نہ صرف خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے بلکہ خرید و فروخت
کے لیے تمام جزیرۂ عرب کے لوگ مکے میں جمع ہوتے تھے اور مکہ بڑے میلے کی جگہ تھی۔ بہر کیف
مسلمانوں کے جبش گئے پیچھے بھی پیغمبر صاحب کچھ دنوں مکے میں رہے۔ یہاں تک کہ دشمنوں
نے یہ مشورہ کیا کہ آؤ بہت سے قبیلے مل کر اس شخص کا کام تمام کریں۔ اور اس کے عزیز و اقارب
قصاص کے دعویٰ دار ہوں تو دیت بھر دیں۔ ناچار تیرہ برس۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ
چھ۔ سات۔ گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ برس۔ طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرنے کے بعد آپ رات کو
چپکے سے نکل مدینہ تشریف لے گئے۔ اہل مکہ نے گرفتار کرنے کے لیے چاروں طرف آدمی دوڑائے
مگر خدا کو تو پورا اسلام سے شرک اور بت پرستی کی ظلمت کو دنیا سے دور کرنا تھا۔ پاس کے پاس
تین دن غار ثور میں چھپے رہے اور کسی کو سوجھ نہ پڑا۔ جب جستجو کی شورش کم ہوئی تو آپ غار سے
نکل اجنبی راہ سے ہوتے ہوئے مدینے جا پہنچے جہاں کے چند آدمی مکے میں آپ کے مواعظ
سن کر پہلے سے ایمان لا چکے تھے۔ بس یہ ابتدائی روداد ہے جس پر ہم کو فیصلہ کرنا ہے کہ مسلمانوں نے صبر
اور درگزر اور مدارا کو کہاں تک نباہا وہاں تک نباہا کہ نہ تو کسی نے نباہا ہو گا اور نہ کوئی نباہ
سکے گا۔ تاکہ کوئی آدمی اس روداد پر منصفانہ فیصلہ صادر کر سکے اُس کو چاہیے کہ اہل عرب کی اُس وقت
کے اہل عرب کی تاریخ پڑھے اور معلوم کرے کہ کشت و خون ان لوگوں کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔

وَاَحْيَانًا عَلٰى بَكْرٍ اَخِيْنَا	اِذَا مَا لَمْ نَجِدْ اِلَّا اَخَانَا

شاعر کہتا ہو کہ ہم ہمیشہ پاس پڑوس کی قوموں کو لوٹتے مارتے رہتے ہیں اور جب ہم کو لوٹنے مارنے کے لیئے اور کوئی نہیں ملتا تو بنی بکر اپنے بھائیوں ہی کو لوٹنے مارنے لگتے ہیں کیوں کہ خالی تو ہم سے بیٹھا جاتا نہیں ؎

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں	کبھی جاناں کے دامن کو کبھی میرے گریباں کو

ان میں کبھی لڑائی چھڑ گئی ہو تو سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک جاری رہی ہو۔ غرض اسلام کو ایک پودہ فرض کرو تو جس دن سے اس نے سر باہر نکالا اسی دن سے دشمنوں کا تبر ستم اس پر پہنچنے لگا۔ اب کوئی بردبار سے بردبار اور حلیم سے حلیم آدمی ہم کو بتائے کہ ایسے زغنے میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ وہ کیا کر سکتے تھے اور انھوں نے کیا کیا۔ انھوں نے کیا جو ان کو کرنا چاہیئے تھا اور جو وہ کر سکتے تھے۔ شاید بہت کم مذہب اس نقص سے خالی ہوں گے کہ انسان کے لیئے تقدس کا ایک خیالی اور فرضی اسٹینڈرڈ (معیار) مان کر حکم دیا جاتا ہو کہ اس پالے کو چھوؤ۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک چیز کا اندازہ ہو جس کو فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہو اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ[۵۱] مثلاً پانی ہو کہ اس کا ایک اندازہ ہو کہ وہ نشیب کی طرف کو بہے اور ایک خاص بلندی سے زیادہ اونچا نہ ہو اسی طرح انسان کی بھی ایک فطرت ہو کہ اس کے ساتھ خواہشیں ہیں ضرورتیں ہیں اور ان خواہشوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کا اس کو موقع دیا گیا ہو۔ قُلْ مَنْ[۵۲] حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ اب انسان سے یہ کہنا کہ ان خواہشوں سے محترز رہے گویا پانی کو کہنا ہو کہ نشیب کی طرف کو نہ بہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ	باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۵۱ ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہو ۱۲ ۵۲ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ اللہ نے جو زینت (کے سازوسامان) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہو ۱۲

اور یہ نہ کبھی ہوا ہی اور نہ ہو سکتا ہی۔ سنو جی! مذہب کی صداقت کی ایک یہ بھی بڑی شناخت ہی کہ وہ طلبِ محال نہ کرے اور اسی سے شارعِ اسلام نے پکار کر کہہ دیا۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ جو مذہب طلبِ محال کرتا ہی وہ صرف کتاب میں لکھ لینے کے لیے ہی نہ عمل کرنے کے لیے اور ایسا مذہب خالقِ عالم کو لغو اور لاطائل ٹھہراتا ہی رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[۱۵] مذہب چاہیئے کہ ہماری خواہشوں کو اعتدال کے درجے پر رکھے اور اُن میں افراط و تفریط نہ ہونے دے نہ یہ کہ اُن کو مسلوب اور معدوم کر دے۔ آنکھیں ہوں اور آثارِ قدرتِ الٰہی دیکھیں اور اُس کی شان اور عظمت کو سمجھیں یہ بہتر یا یہ کہ آنکھوں کو پھوڑ کر اندھے بن جائیں۔ وعظ و نصیحت کی باتیں سنیں اور اُن پر عمل کریں یہ بہتر یا یہ کہ کانوں میں سیسہ پلا دیں یا روئی ٹھونس لیں۔ اچھا تو انسان کی فطرت میں ایک خاص غصہ بھی ہی جو دشمنوں کے دفع کرنے کے لیئے ہمارا ہتیار ہی جیسے مثلاً بیل کے سینگ شیر کا پنجہ گزندہ جانور کے دانت۔ بھڑ۔ بچھو وغیرہ کا ڈنک۔ یہ قوت افراط کی صورت میں دوسروں کے لیئے خطرناک ہی اور تفریط کی صورت میں ہمارے لیئے۔ لیکن اگر اعتدال کے ساتھ اس قوت سے کام لیا جائے تو وہ ہمارے حق میں مفید ہی اور دوسروں کے حق میں بھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ قوتِ دفعِ مخالف کل مخلوقاتِ عالم کو دی گئی ہی۔ اور اس میں نظامِ عالم کا بقا مضمر ہی جاندار وں کی قوتِ دفع تو سب کو معلوم ہی کہ ایک مورِ ضعیف پر اگر ہاتھی بھی پاؤں رکھ دے تو وہ بھی چھٹکی لیئے بدون نہیں رہے گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمادات بھی اس بارے میں جاندار کا حکم رکھتے ہیں ایک دیوار پر گیند کھینچ مارو تو جس زور سے مارو گے اُتنے ہی زور سے دیوار اُس کو اچھالے گی بھی۔ اگرچہ یہ قوت تمام عالم میں جاری اور ساری ہی اور جہاں کا ذرہ ذرہ اس قوت کا کام میں لا رہا ہی مگر مسلمان۔ بدنصیب مسلمان۔ بدقسمت مسلمان۔ بدبخت مسلمان۔ اسی قوت کے کام میں لانے کی وجہ سے شوخ ہیں۔ شریر ہیں۔ ظالم ہیں۔ سفاک ہیں۔ اکھل کھرے ہیں۔ جلے تن ہیں کسی کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر واقعاتِ تاریخی کو پڑھنا نہیں چاہتے۔ سُننا نہیں چاہتے۔ یقین کرنا نہیں

---

[۱۵] اے ہمارے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا ۱۲

چاہتے۔ تو وہی بات ہوئی گویا "ڈاگ بِٹ ہِم اینڈ دِن کِک ہِم آوٹ۔ (کتے پر ناحق کا الزام دہرو اور پھر لات مار کر باہر کرو۔) میں اسلام کی مذہبِ اسلام کی حمایت کرتا ہوں اور شروع سے آج تک کے ہر زمانے کے ہر ملک کے مسلمانوں کا میں نے ٹھیکہ نہیں لیا بے شک بہتیرے مسلمان بادشاہ دو "بدنام کنندۂ نیکو نامے چند" ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے جہاد کا نام کر کے ملک گیریاں کی ہیں خون ریزیاں کی ہیں مگر اسلام ان کے فعل کا کیوں ذمہ دار ہونے لگا۔ کوئی مذہب اپنے پیرؤوں کے افعال کا ذمہ دار ہو کہ اسلام مسلمانوں کی ذمہ داری کرے۔ دوسرے مذہب والوں نے کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کرتے مگر کسی مذہب سے بازپرس نہیں سب مونچھوں پر تاؤ دے دے کر سرخرو بنتے ہیں تو اسلام نے ایسا کون سا قصور کیا ہو کہ ؎

ہر بلائے کز آسماں آید	گرچہ بر دیگراں قضا باشد
بر زمیں نا رسیدہ می گوید	خانۂ انوری کجا باشد

اگرچہ اسلام کی اس ناحق کی بدنامی میں زیادہ قصور دوسرے مذہب والوں کا ہو مگر "دو تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا" کہیں نہ کہیں تو اسلام میں ضرور پانی مرتا ہوگا کہ لوگوں کو بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے کا موقع ملا اسلام میں اگر پانی مرتا ہو تو بس اسی جگہ کہ اس کے جو دانت کھانے کے ہیں وہی دکھانے کے یعنی اسلام اپنے پیرؤوں سے وہی کہتا ہو جو دنیا میں ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہونا ممکن ہے (ایک) دوسرے شروع کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے جو مجبوریاں پیش آئیں اُن کا حال مختصر سُن ہی چکے ہو۔ تیسرے سلطنت کی بنیاد تو پیغمبر صاحب ہی کے زمانے میں پڑ چکی تھی مگر ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ[۱] ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ کے قاعدے سے جوں جوں لوگوں کو زمانِ نبوت سے دوری ہوتی گئی سلطنت کے معاملات میں مذہبی رنگ ہلکا ہوتا گیا اور جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن سلطنتوں کو

[۱] پھر ان کے بعد والے اور پھر اُن کے بعد والے ۱۲

ملک مخصوص فرمایا ہی کرتے تھے نہ وہ ابتدا کے سے زہد رہے نہ للہیت رہی بلکہ رفتہ رفتہ دنیاوی سلطنت کی برائیاں اسلامی سلطنت میں بھی داخل ہو گئیں اور ان سلطنتوں کا زوال اس کی دلیل ہو کہ وہ اسلامی اصول پر مبنی نہ تھیں اور اسلامی اصول پر مبنی ہوتیں تو یقیناً ناممکن الزوال تھیں یہ سلطنتیں مسلمانی سلطنتیں تو تھیں مگر اسلامی سلطنتیں نہ تھیں اسلامی سلطنت کا فنڈامنٹل پرنسپل یعنی اصل الاصول الیکشن یعنی شوریٰ تھا نہ غصب اور نہ وراثت پس جب فنڈامنٹل پرنسپل پر عمل نہیں تو اسلامی سلطنت کا کیوں نام بدنام کیا جائے۔ لیکن خود مسلمان اسلامی سلطنت اور مسلمانی سلطنت میں فرق نہیں کرتے کبھی سلاطین روم کو خلیفۃ المسلمین بناتے اور کبھی امیر کابل کو امیر المومنین قرار دیتے تو غیر قوموں کو اسلامی سلطنت اور مسلمانی سلطنت میں فرق کرنے کی کیا ضرورت ہو۔ مسلمان بادشاہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہیں تو ان مسلمانوں کے لیئے اور صرف انھیں مسلمانوں کے لیئے جو ان کی رعایا ہیں اور ان کے ملک میں بستے ہیں نہ ہم مسلمانان ہند کے لیئے کہ نہ ہم ان کی رعایا ہیں اور نہ ان کے ملک میں بستے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے پاس قرآن اور حدیث اور فقہ ملا کر ایک ایسا جامع قانون موجود تھا اور ہو کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو وہ بڑی سے بڑی سلطنت نہایت عمدگی کے ساتھ سے چل سکتے ہیں اور صدہا برس اسی قانون پر عمل کر کے ملکوں کے انتظام کیے ہیں اور انتظام بھی کیئے ہیں تو بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ مگر شخصی سلطنتوں کے بادشاہ ہمیشہ قانون پر حاکم رہے ہیں ایسی سلطنتوں میں قانون کچھ ذاتی قوت نہیں رکھتا۔ بلکہ اصلی قوت بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہو وہ چاہے قانون کے حوالے کرے یا اپنے ہاتھ میں رہنے دے لیکن مسلمانوں کی کوئی سی بات بھی لو یہاں تک کہ مذہب بھی سب میں ناواقفیت کا رنگ جھلکتا ہو۔ مذہبی تقاضا نہ سہی قومی ہی تقاضا سہی ایسا کون گیا گذرا مسلمان ہوگا جو مسلمانوں کی سلطنت سن کر خوش نہ ہوتا ہوگا۔ سلطان روم گو بادشاہ ہیں مگر ہمارے دینی بھائی ہیں اور گو دور ہیں مگر ہیں تو ہماری اسی زمین کے ایک حصہ کے بادشاہ ہم تو ان کے بھی خیرخواہ اور دعاگو ہیں لیکن مسلمان ہونے کے علاوہ ہم میں ایک حیثیت اور بھی ہو کہ ہم انگریزوں

کے مستامن ہیں اور اُن کی عملداری میں ہم کو ہر طرح کا امن ہے ہر طرح کی آسایش ہے اور جہاں تک رعایا کو آزادی ہو سکتی ہے آزادی بھی ہے اور مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ[سلہ] کی رو سے ان کی خیر مناتے رہنا بھی ہمارا فرض اسلامی ہے۔ پس ہند کے مسلمانوں کا تو یہ کام ہے کہ جیسے سرکار کے سایہ عاطفت میں آرام سے بیٹھا ہے پہلے صمیم قلب سے اُس کا بھلا چاہے کہ ہماری اپنی بھلائی ان کی بھلائی سے وابستہ ہے اور پھر نہ صرف سلطان روم کا بلکہ اُن کے ساتھ شاہ فارس کا امیر کابل کا امیر بخارا کا سلطان زنجبار کا اور کل مسلمان بادشاہوں کا بلکہ اگر چاند بھی ہماری ہی زمین کی طرح آباد ہو اور وہاں بھی کوئی مسلمان بادشاہ ہو اُس کا بھی۔ یہ ایک اوپن سیکرٹ یعنی طشت از بام افتادہ بات ہے۔ سوختم سوختم این راز نهفتن تا کی۔ کہ برٹش گورنمنٹ پہلے بھی ہم مسلمانوں کی طرف سے پوری پوری مطمئن نہ تھی اور اب نہ یہ کہ مطمئن نہیں بلکہ کسی قدر بدگمان ہے۔ اجنبیت جو حاکم و محکوم میں ہے ایک ظاہر بات ہے نہ دونوں کا مذہب ایک نہ وطن ایک نہ زبان ایک نہ رسم و رواج ایک اور نہ دونوں میں اختلاط کہ اختلاط ہو تو ایک دوسرے کو جاننے پہچانے۔ اختلاط سے معرفت اور معرفت سے محبت پیدا ہو اگرچہ یہ اجنبیت بدون اس کے دور نہیں ہو سکتی کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف تھوڑا تھوڑا جھکیں ۔

واں وہ غرور عزّ و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع		راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائیں کیوں

اور اگر گورنمنٹ کو رعایا کی کچھ پروا ہو اور ہے اور بہت ہے تو ویسے ہی گورنمنٹ کے پاس ذرائع الٰہی بہت سے ہیں ۔

	چو کارے بے فضول من برآید		مرا در وے سخن گفتن نشاید	

میں تو مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی حالت پر نظر کر کے ان کو زیادہ جھکنا چاہیئے۔ کہ پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے نہ اُلٹا کنواں پیاسے کے پاس آتا ہے۔ یہ محکوم و محتاج ہیں اور حاکم اور محتاج الیہ اب رہی یہ بات کہ جھکیں کیسے۔ تو جھکنے کے یہ معنی ہیں کہ اسباب مغائرت اُٹھا دیں مغائرت کا وطن کا اُٹھا دینا تو اختیار سے خارج ہے گو کہ انگریزی ہندوستان کو اپنا وطن بنالیں اپنا بناسکیں

سلہ جو بندے کا شکر ادا نہیں کرتا وہ گویا خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ۱۲

نہیں اور بہ فرضِ محال بنائیں گے تو یاد رہے کہ ہندوستان میں رہ پڑنے سے جو ہم مسلمانوں کا حال ہوا وہی دو چار نسلوں میں ان کا بھی ہوگا ؎

آگ سے تھے ابتدائے عشق میں ہم ۔۔۔ ہو گئے خاک انتہا ہے یہ

دوسری مغائرت مغائرتِ لسانی ہے سو مسلمان پہلے تو انگریزی کے نام سے بدکتے تھے اور اب تو خدا کے فضل سے ان میں بی اے اور ایم۔ اے اور بارسٹر اور کیا اور کیا سب ہی کچھ ہوتے جاتے ہیں۔ اب ایک سنگِ سخت مذہب کا ہے۔ سو لعنت ہے اُس مسلمان پر لَعْنَةُ اللّٰهِ[51] وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ جو اپنے تئیں مسلمان کہے اور دوسرے مسلمانوں کو عیسائی ہو جانے کی ترغیب دے یا مذہبی امور میں خلافِ شرع ایک سائنس برابر دبنے کی صلاح دے۔ اَيَاْمُرُكُمْ[52] بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ لیکن ہاں مذہبی مخالفت میں جو افراطِ ناجائز پیدا ہو گئی ہے اُس کے دور کرنے کو تو میں تم سب سے ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں اور کہتا بھی ہوں تو قرآن اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں جس پر ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ موٹی موٹی باتیں سنو کہ نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں۔ سب ایک زبان سے بولو کہ ہیں۔ اچھا اہلِ کتاب ہیں تو ان میں اور مشرکوں میں کیا فرق ہے یعنی مذہب کی رو سے ان کو ہم سے زیادہ دوری ہے یا مشرکوں کو۔ ذرا بھی تم ہچکچائے اور میں نے قرآن کی آیتوں کی بوچھاڑ برسائی۔ مشرک اور مسلمان سے تو التیام ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے ایک جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا[53] الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کیوں فرمایا ہے یا نہیں۔ ہم اہل السنت والجماعت تو مشرک کو نجس فی العقیدہ کہتے ہیں اور شیعی مسلمان تو مشرک کو ایسا گندہ ناپاک سمجھتے ہیں کہ ان کی چھوئی چیز ہی نہیں کھاتے جیسے یہ مسلمان کا چھوا نہیں کھاتے جواب ترکی بترکی۔ مگر ہندوستان میں اتنا پرہیز ہو مشکل تو شیعی بھی جو زیادہ محتاط ہیں وہ یا تو مشرک کے ہاتھ کی کوئی چیز کھاتے ہی نہیں اور ضرورت مجبور کرتی ہے تو مسلمان کے ہاتھ سے منگوائی اور حیلہ کیا کہ ہم نے تو مسلمان سے لی ہے

[51] ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور (دنیا جہان کے) لوگوں کی سب کی پھٹکار ہے ۱۲ [52] بھلا (کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ) تم تو اسلام لا چکے ہو اور وہ اس کے بعد تمہیں کفر کرنے کو کہے ۱۲ [53] مشرک تو نرے گندے ہیں ۱۲

ہم کو زیادہ تفتیش کرنے کی کیا ضرورت - بندے کے ایک دوست تھے شیعی المذہب اور امارت کے ساتھ مذہب کے پابند کہ متمول اور مذہب ذرا کم جمع ہوتا ہے وہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں چاندی کی رکھتے تھے - جیسے خاصدان حقہ اور اس کے لوازم اور قلمدان وغیرہ - ایک مرتبہ کیا اتفاق ہوا کہ میں اُن سے ملنے گیا اُنہوں نے خاصدان میں سے پان نکال کر پہلے تکیے پر رکھا اور پھر ایک مجکو دیا اور ایک آپ کھایا - تکیے کے غلاف پر رکھتے چونے کا دھبہ لگ گیا تو میں نے کہا کہ تکیے پر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اُنہوں نے فرمایا کہ چاندی کا استعمال ممنوع ہے - سو اہل سنت نے جو تاویل کی اور اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ کو نجس فی العقیدہ مانا یہ بھی ایک حیلہ ہی ہے مگر مبنی ہے ایک مصلحت عام پر اور حیلہ بھی اُن وقتوں کا بنایا ہوا ہے جب اسلام کا غلبہ تھا اسی ایک مثال سے ظاہر ہے کہ ہم مسلمان ہندوؤں سے پرہیز رکھنا نہیں چاہتے ہ

خاک ہوئے پامال ہوئے برباد ہوئے سب محو ہوئے		اور شدائد عشق کی راہ کے کون کہ ہم ہموار کریں

اسی بات کو تو میں ہر سال تمہارے یہاں آکر رو تا ہوں کہ اب اس زمانے کے مسلمان اگلے مسلمانوں کی طرح کے مسلمان کیوں نہیں بنتے کہ مصلحتِ وقت کو بھی پیش نظر رکھیں جس کے اسلام کی مغلوبیت کے زمانے میں پیش نظر رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور اگلے مسلمانوں کی طرح کے مسلمان کیوں نہیں بنتے کہ با دشمناں مدارا بھی رکھیں اور مسلمان بھی رہیں - خیر تو لاؤ اس بات کو تمام کریں کہ مشرکوں اور اہل کتاب کو ہم مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے سو مشرکوں کے بارے میں ایک حکم تو وہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ہے اور دوسرا [۵۱] وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ اِلٰی آخرہٖ غرض ہم میں اور مشرکوں میں اس قسم کی جدائی ہے جو دو عملداریوں کی رعایا میں ہوا کرتی ہے کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ اور سروکار نہیں - اب رہے اہل کتاب ان کے ساتھ مذہبی جدائی سے تو انکار ہو نہیں سکتا مگر ہاں وہ جدائی اس درجے کی نہیں کہ ارتباط اور اختلاط کی مانع ہو - دنیا میں اختلاط کے دو ہی بڑے ذریعے ہیں کھان پان اور شادی بیاہ سو

[۵۱] اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں اُن سے نکاح نہ کرو ۱۲

کھان پان کے بارے میں فرمایا ہے طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ [۵۱] اور شادی کی نسبت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ [۵۲] اب مجکو پوچھنا یہ ہے کہ جو نسبت مشرکوں میں اور اہل کتاب میں خدا نے قرار دی تھی ہم مسلمانوں نے برتاؤ میں اُس نسبت کو باقی رکھا یا نہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ باقی رکھنا کیسا نسبت کو بالکل اُلٹ دیا اور اُلٹا دینے میں اہل کتاب کی حق تلفی کی کہ جس درجے میں اہل کتاب کو شارع اسلام نے رکھا تھا مسلمانوں نے اُن کو اُس درجے سے گرا دیا۔ گرایا تو اُن کو اور گر گئے آپ۔ اہل کتاب ہونے کے علاوہ نصاریٰ کا ہم مسلمانوں پر ایک حق اور بھی ہے کہ یہ ہمارے حاکم ہیں اور ان کی اطاعت ہم مسلمانوں کا فرض مذہبی۔ دلی کے بازاروں میں لڑکے گاتے پھرتے ہیں۔ "خدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے"، مَیں اس خیال کا پیرایہ بدل کر کہتا ہوں کہ "دولت ندہد خدا کسے را گزاف" کیا خدا کسی کو مطیع کرنے کا سلیقہ دے گا تو اُس کو اپنی اطاعت کرانے کا سلیقہ نہ دے گا وہ جو کتے ہیں زبردست کا ٹھینگا سر پر اطاعت تو ہم کو چار و ناچار کرنی ہے مگر ایک اطاعت طوعی ہوتی ہے اور ایک اطاعت کرہی۔ ایک اطاعت تو بے دل نوکر کرتا ہے کہ بڑبڑاتا جاتا ہے اور مونہ ہی مونہ میں بُرا کہتا جاتا ہے اور کام تو اُس کو کرنا ہی پڑتا ہے اور ایک اطاعت یہ ہوتی ہے کہ نوکر کو چلتی سی آواز دی اور اُس نے کہا حاضر اور پھر آقا نے اپنا حکم تمام نہیں کیا کہ اُس نے اُس کی تعمیل کا اہتمام شروع کر دیا اور گھنٹہ بھر کا کام پاؤ گھنٹے میں کر دیا۔ اطاعتِ طوعی اور کرہی کا فرق قرآن سے ظاہر ہے جہاں فرماتے ہیں۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ [۵۳] الی آخرہ پس میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ کی سی اطاعت ہمارا فرض مذہبی ہے۔ ورنہ جبری اور کرہی اطاعت تو ایک امر اضطراری ہے اُس کی نسبت اس کے حکم دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ نہیں معلوم قلت نظر کی وجہ سے ہر

---

۵۱ اور اہل کتاب کا کھانا (بشرطیکہ تمھارے ہاں بھی روا ہو) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے۔ ۱۲ ۵۲ اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے اُن میں کی (بھی) بیاہتا بیبیاں (تمہارے لیے حلال ہیں) ۱۲ ۵۳ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ (اُس وقت تک) دھوئیں کی طرح کا تھا۔ ۱۲

یاد لوگوں کو گئی نہیں اس سبب سے ہے کہ اس اطاعت کی سند پوچھو تو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ[۵۱]
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کو لے دوڑتے ہیں حالاں کہ نصاریٰ کی اطاعت اس آیت کا محل ہو نہیں
سکتی وہ آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہے یعنی مخاطب ہیں مسلمان تو ضمیر مِنْكُمْ کا
مرجع بھی مسلمان ہی ہو سکتے ہیں ورنہ لازم آئے انتشار ضمائر۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ
خدا مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم مسلمانوں
میں صاحب حکومت ہوں اُن کی اطاعت کرو۔ صاحب بخاری نے ایک واقعہ اس آیت
کا شانِ نزول ٹھہرایا ہے کہ ایک صحابی تھے عبد اللہ بن خذافہ اُن کو جناب رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک دستہ فوج کا سردار لشکر بنا کر کہیں کو بھیجا عبد اللہ بن خذافہ کے مزاج میں چہل
بہت تھی۔ اُنہوں نے سپاہیوں کے ساتھ ہنسی کرنی چاہی کہ سپاہی آگ جلا کر بیٹھے تاپ
رہے تھے انہوں نے سپاہیوں سے کہا کہ میں تمہارا افسر ہوں اور جو حکم میں تم کو دوں تم کو اُس کی
بجا آوری ضرور ہے تو میں سب سے کہتا ہوں کہ تم سب اس آگ میں کود پڑو۔ یہ سنکر سپاہیوں
میں ہوا اختلاف۔ بعض آگ میں کود پڑنے پر آمادہ ہوئے اور بعض ٹھٹھکے۔ مدینے لوٹ کر آئے تو
یہ ماجرا جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا اُس پر یہ حکم نازل ہوا۔
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ اِلٰی اٰخِرِہٖ[۵۲] وہ جو کہتے ہیں کہ نادان کی دوستی زیاں کا موجب
ہوتی ہے جو لوگ اطاعتِ حکام کے لئے اس آیت سے استشہاد کرتے ہیں۔ اس بودی دلیل
سے لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اطاعت نصاریٰ کا کوئی حکم ہی نہیں۔ حالاں کہ
یہ خیال محض غلط ہے۔ اطاعتِ نصاریٰ کے لئے استدلال کرنا چاہیے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[۵۳]
اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ[۵۴] اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

---

[۵۱] اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں اُن کا بھی ۱۲ [۵۲] مسلمانو! اللہ کا حکم مانو الخ
[۵۳] مسلمانو! (اپنے) قراروں کو پورا کرو ۱۲ [۵۴] عہد کو پورا کرو (کیوں کہ) قیامت میں عہد
کی بازپرس ہوگی ۱۲

سے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ[۵۱] سے میں آج اس مسئلے کو خوب شرح و بسط کے ساتھ صاف کرنا چاہتا ہوں
تاکہ کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے اور اپنے پرائے سب سمجھ لیں کہ حکام وقت کی اطاعت مسلمانوں
کا فرض مذہبی ہے اور اس بارے میں بہت سی نصوص نازل ہیں۔ ہم اس اطاعت کو مبنی کرتے ہیں
صرف اس بات پر کہ ہم مسلمان ہیں اور نصاریٰ حکام وقت ہیں امن کا عہد ہے یعنی جب انگریزوں
نے یہ ملک لیا وہوکا دے کر لیا تو خوشامد سے لیا تو رشوت دے کر لیا تو جیسا کہ بعض متعصبوں اور
جاہلوں کا خیال ہے اور بزور شمشیر لیا تو غرض لیا۔ تو ہم نے گو زبان سے نہ بھی کہا اور کوئی دستاویز
لکھ کر نہ بھی دی تاہم ان کے ملک میں ان کی رعایا بن کر رہنا قبول کیا تو یہ شرعاً عہد ہوگیا اور ایفائے
عہد کے بارے میں جیسی کچھ تاکید قرآن میں ہے سب کو معلوم ہے۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ
ہم مسلمانوں کا انگریزوں کی عملداری میں ان کی رعایا بن کر رہنا کیوں کر عہد سمجھا گیا اور وہ عہد تو سنئے سنا گیا
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ اِلٰی آخِرِہٖ[۵۲] اس عہد الست سے تو کسی کو انکار نہیں تو وہاں کوئی
زبانی قرار تھا یا کوئی دستاویز لکھی گئی تھی۔ یا لوگوں کے جان و مال جو محفوظ ہیں تو چوروں سے
ڈاکوؤں سے خونریزوں سے لیئے جاتے ہیں۔ یا دستاویزیں لکھائی جاتی ہیں۔ غرض قول کا زبانی
یا تحریری ہونا کچھ ضرور نہیں مجرد حالت سے بھی عہد مستنبط ہوتا ہے۔ میں تو سبے قرآن اور سبے حدیث

[۵۱] اور جب (کسی بات کا) اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے ۱۲ [۵۲] پوری آیت یہ ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْٓا
اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت بھی یاد
دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلے میں خود انہیں
کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (اور یہ
اس غرض سے کیا ہے کہ ایسا نہ ہو) کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا ہی
نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم انہیں کی اولاد تھے (کہ) ان کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو
دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے) تو (اے خدا) کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کیئے دیتا ہے جنہوں نے (پہلے) غلطی کی ۱۲

تم سے کوئی بات کرنی چپا ہتا نہیں ایک حدیث کا مطلب تم سے بیان کرتا ہوں اس کا ایک بڑا حصہ غیر متعلق معلوم ہوگا مگر میں اُس پر بعض ضروری باتیں متفرع کرونگا وہ حدیث سفر حدیبیہ کے متعلق ہو کہ ہجرت کے چھٹے برس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے لیے مکّے جانا چاہا قریب پونہچے تو ملے بدیل بن ورقا خزاعی اور بنی خزاعہ پیغمبر صاحب کے بڑے دلی دوست تھے۔ بدیل نے کہا کہ آپ مکے جاتے تو ہیں مگر قریش آپ کو نہیں آنے دیں گے اور لڑائی ہو پڑے گی۔ اُن کی طرف سے خالد بن ولید کچھ آدمی لے کر آپ کی ٹوہ میں نکلے بھی ہیں پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ ہم کو تو کسی سے لڑنا بھڑنا منظور نہیں صرف زیارت کعبہ کا ارادہ ہو۔ تم قریش کو جا کر سمجھاؤ کہ اُن کو بھی آے دن کی خانہ جنگیوں نے توڑ دیا ہو اور ہم بھی دوسرے قبائل کے ساتھ صلح و جنگ رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم میں اور اہل قریش میں چندے جنگ ملتوی رہے کہ ہم دونوں فریق نبٹ نمٹ لیں پھر دیکھی جائے گی۔ چنانچہ بدیل گئے اور اُنھوں نے قریش کو اطلاع دی۔ بعض سنتے کے ساتھ بگڑ بیٹھے مگر بدیل نے سمجھایا کہ محمد کچھ بے جا بات نہیں کہتے اس میں اُن کا تمہارا دونوں کا فائدہ ہو۔ بمشکل بدیل نے عروہ بن مسعود کو اپنا ہم خیال کیا۔ عروہ کے کہنے سے قریش میں جو صاحب الرائے تھے نرم پڑے اور عروہ کو سفیر بنا کے بھیجا۔ عروہ نے پیغمبر صاحب کو سمجھایا کہ تم کو اپنی قوم سے لڑنا مناسب نہیں اور یہ ٹکڑ گدے جو تمہارے ساتھ ہو لیے ہیں ان کا اعتبار نہ کرنا وقت پڑے گا تو یہ لوگ دم دبا کر بھاگیں گے۔ جس وقت عروہ نے یہ بات کہی حضرت ابو بکر رض کو موجود تھے بہت برا لگا اور اُنھوں نے عروہ کو موٹی سی گالی دی مگر عروہ پر ابو بکر رض کا ایک احسان بھی تھا۔ عروہ پی گیا۔ اور جس وقت عروہ پیغمبر صاحب سے باتیں کرتا تھا تو بار بار پیغمبر صاحب کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا جاتا تھا مغیرہ بن شعبہ جو پیغمبر صاحب کے پس پشت کھڑے تھے جب جب عروہ پیغمبر صاحب کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا مغیرہ تلوار سے اُس کے ہاتھ کو جھٹک دیتے۔ اور ایک واقعہ ان مغیرہ کو پیش آیا تھا کہ یہ کچھ لوگوں کے ساتھ کہیں سفر میں نکلے تھے مغیرہ نے رستے میں ساتھیوں کو مار ڈالا اور اُن کا مال و متاع چھین لیا اور مسلمانوں میں آملے۔ یہ واقعہ عروہ کو معلوم تھا تو جب مغیرہ نے کئی بار ہاتھ اُس کا جھٹکا تو عروہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہو اور جب معلوم ہوا کہ مغیرہ ہو تو اُس نے کہا کہ

اسی غدار میں تیری بھلائی میں کوشش کر رہا ہوں اور تو مجکو جھڑکتا ہی عروہ نے مغیرہ کو غدار کہا تھا اور وہ بھی مبالغے کا ایک وزن ہی اسی لیے میں نے غدار کہا اس خاص بات کی نسبت فرمایا اَمَّا الْاِسْلَامُ فَاَقْبَلُ وَاَمَّا الْمَالُ فَلَسْتُ مِنْهُ فِیْ شَیْءٍ ابھی حدیث باقی ہی اور میں اُس کو آگے چل کر تمام کرونگا یہاں مجکو اتنا ہی کہنا مقصود ہی کہ مغیرہ نے جو اپنے رفیقان سفر کو دغا سے مار ڈالا عروہ نے اُس کو غدار کہا اور پیغمبر صاحب نے بھی اُس مال کو جو مغیرہ نے غدر سے چھینا تھا رد کر دیا اس سے ثابت ہوا کہ مطلق سفر کی رفاقت بھی ایک عہد ہی چنانچہ صاحب قسطلانی - اَمَّا الْمَالُ فَلَسْتُ مِنْهُ فِیْ شَیْءٍ پر لکھتے ہیں - اَیْ لَا اَتَعَرَّضُ لَهٗ لِکَوْنِهٖ اَخَذَهٗ غَدْرًا لِاَنَّ اَمْوَالَ الْمُشْرِکِیْنَ وَاِنْ کَانَتْ مَغْنُوْمَةً عِنْدَ الْقَهْرِ فَلَا یَحِلُّ اَخْذُهَا عِنْدَ الْاَمْنِ فَاِذَا کَانَ الْاِنْسَانُ مُصَاحِبًا لَهُمْ فَقَدْ اَمِنَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَسَفْکُ الدِّمَاءِ وَاَخْذُ الْاَمْوَالِ عِنْدَ ذٰلِکَ غَدْرٌ وَالْغَدْرُ بِالْکُفَّارِ وَغَیْرِهِمْ مَحْظُوْرٌ پس رفاقت سفر سے عہد لازم آیا تو کیا اتنی لمبی رفاقت سے کہ پشتیں انگریزوں کی عملداری میں گزر گئیں اور کتنی ہی پشتیں گزر گئیں اُن سے وہ چند صد چند نسلیں گزرنے والی ہیں کیا اتنی لمبی رفاقت سے بھی مسلمانوں میں اور انگریزوں میں عہد امن نہیں مانا جاوے گا - بہرکیف میں سمجھتا ہوں کہ عہد امن کا ہم مسلمانوں اور انگریزوں میں ہونا از روے اسلام ثابت ہی جس سے اپنے پراے کسی کو بھی انکار ہو نہیں سکتا - اب رہا ایفاے عہد اُس کی تاکید قرآن میں جابجا پائی جاتی ہی ایفاے عہد کے بارے میں سب سے زیادہ صاف حکم جو ہی اور جو ہماری رو داد سے زیادہ تعلق رکھتا ہی سورۂ انفال کا آخری رکوع ہی جو ہمارے تعلقات کو اُن مسلمانوں کے ساتھ جو دوسری عملداری میں ہیں صاف طور پر ظاہر کرتا ہی مسلمانوں نے جب اپنی سلطنت مدینے میں قائم کی تو اُن کی قرابتیں قبائل

---

۵۱ اسلام تو مقبول ہی رہا مال اُس میں سے کچھ نہیں ملے گا ۱۲ - ۵۲ یعنی مال سے متعرض نہوا اس لیے کہ اس کو فریب سے لیا ہی - اس واسطے کہ مشرکوں کا مال امن کے وقت میں اگر انسان اُن کا مصاحب ہو حلال نہیں - اگر زبردستی چھینا گیا ہو کیوں کہ ایسی حالت میں ہر ایک اپنے ساتھی سے امن میں ہی - پس اس وقت خونریزی کرنی اور مال چھینا بے وفائی ہی اور بے وفائی کفار سے بھی منع ہی ۱۲

عرب کے ساتھ مشترک تھیں اور اُن میں سے بعض کے ساتھ صلح تھی اور بعض کے ساتھ لڑائی اور ایسی مثالیں کثرت سے تھیں کہ مسلمان کافروں کی عملداری میں تھے اور وہاں سے نکل نہیں سکتے تھے اور وہ اُمید رکھتے تھے کہ مدینے کے مسلمانوں کی مدد کو کھڑے ہوں گے تو خدا نے اس کا فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کو اپنے مسلمان بھائیوں کی جو کافروں کی عملداری میں گھرے ہوئے ہیں کہاں تک مدد کرنی چاہیئے تو اس صورت کے لیئے فرماتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا اِلٰی آخِرِہٖ[۱] تو صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک جگہ مسلمانوں کی سلطنت ہو اور چند مسلمان ہیں جو کافروں میں گھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے جن کی سلطنت ہے مدد کے خواستگار ہیں تو ان سلطنت والے مسلمانوں کو کہاں تک اُن کی مدد کرنی چاہیئے فرمایا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اس میں دو باتوں پر غور کرنا چاہیئے ایک یہ کہ امور دین میں مدد مانگیں دنیاوی امور میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ مدد دی جائے مگر اُن لوگوں کے مقابلے میں نہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح ہے۔ ذرا اصل مطلب سے اور قریب آؤ تو صورت مسئلہ یہ ہو گی کہ فرض کرو سلطان روم یا امیر کابل ہم مسلمانان ہند سے خواستگار مدد ہوں تو ہم مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیئے قرآن بتاتا ہے کہ اگر امور دین میں مدد مانگیں تو ہم پر مدد کا دینا لازم ہے مگر انگریزوں کے مقابلے میں نہیں کیوں کہ ہم سے ان سے عہد امن ہے اور یہ مسئلہ مبنی ہے اس پر کہ ہم مدد دینے کے قابل ہوں بھی سو فوجی مدد تو ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں مالی مدد ہم لوگ کر سکتے ہیں تو اُس کی بھی

---

[۱] پوری آیت یہ ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ ترجمہ جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں (نہ آ) ملیں ہاں اگر دین (کے بارے) میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اُس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں (صلح کا) عہد (و پیمان) ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے ۱۲

ممانعت قرآن سے نکلتی ہو۔ الغرض انگریزوں کے ہم مسلمانانِ ہندپر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں اور ہم اُن کے ساتھ عہدِامن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ ہو کہ اُن کی حکومت حکومتِ صالحہ ہو افسوس یہ ہو کہ انسان کی طبیعت ہی کچھ احسان ناشناس واقع ہوئی ہو۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ[۱] اور دوسری جگہ فرمایا ہو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ[۲] جو نعمتیں ہم مسلمانوں کو اس عملداری میں حاصل ہیں حق قدر ہا ہم اُس کا قدر نہیں کرتے۔ کچھ شک نہیں کہ جتنا فائدہ ہم اس عملداری میں حاصل کر سکتے ہیں ہم اس کے بڑے حصّے سے محروم ہیں اور محروم ہیں تو اپنی کوتاہی سے اپنی غفلت سے اپنی غلط فہمی سے ؎

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اگرچہ ہند کی آب وہوا بھی کاہلی پیدا کرتی ہو۔ مگر سوچا جائے تو کاہلی کو "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" مذہبی غلط فہمیوں نے بھی دوڑتوں کو چلتا ہوا۔ چلتے ہوؤں کو کھڑا ہوا اور کھڑے ہوؤں کو بیٹھا ہوا اور بیٹھے ہوؤں کو لیٹا ہوا بنا دیا ہو۔ آج میرا اصل مقصد یہی ہو کہ ہمارے اور انگریزوں کے تعلقات میں جو مذہبی غلط فہمیاں ہیں اُن کو دور کروں۔ تو لاؤ اُس ایفائے عہد کی بات کو پورا کریں اور وہ پوری ہوگی حدیبیہ کی حدیث کے پورے ہونے سے۔ مَیں نے اُس کو چھوڑا اُس جگہ جب کہ وہ عروہ بن مسعود اہل مکہ کی طرف سے آئے پھر تو وہ کچھ کہہ سُن کر کے واپس گئے اور صلح کرانے والوں کا قاعدہ ہوتا ہو کہ فریقین کو دباتا ہو۔ عروہ نے ادہر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پس وپیش سوجھایا کہ تم کو اپنی قوم سے لڑنا مناسب نہیں اور تم اُن کی مقاومت نہیں کر سکوگے اور ادہر اہل مکہ کو جا کر سمجھایا کہ مَیں نے قیصر اور کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں مگر محمدؐ کے اصحاب جس قدر اُس کا ادب کرتے اور اُن سے محبت رکھتے ہیں نے کسی بادشاہ کی فوج میں یہ بات نہیں دیکھی اُن کے ادب کا تو یہ حال ہو کہ محمدؐ کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتے۔ جب محمدؐ کچھ کہتے ہوتے ہیں تو یہ خاموش بیٹھے سنتے ہیں اور محبت کا یہ رنگ ہو کہ محمدؐ کے وضو کے پانی کو تبرکاً مونہوں پر ملتے ہیں اور اُس کے پینے کے لیے

[۱] اور ہمارے بندوں میں (بہت ہی) تھوڑے بندے شکر گزار ہوتے ہیں ۱۲ [۲] کچھ شک و شبہ نہیں کہ انسان بڑا ناشکرا ہو ۱۲

اُن کی آپس میں چھین جھپٹ ہوتی ہے تو اہل مکہ ایسے شخص کے مقابلے میں کب ٹھہر سکو گے عروہ کے او پنچ پنچ دکھانے سے قریش بھی کچھ ڈھیلے ہوئے اور پہلے مکرز کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ اس شخص کے نام سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشارم کیا وہ بھی اپنی سی کہہ سن کر چلتا بنا اُس کے بعد آئے سہل بن عمرو اور آپ نے ان کا نام سنتے ہی فرمایا کہ اب انشاء اللہ آسانی سے صلح ہو جائے گی۔ صلح میں جو جھگڑے پیش آئے اُن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ زبانی بات چیت ہو کر صلح نامہ لکھے جانے کو تھا کہ خود سہل کا بیٹا ابوجندل زنجیروں میں جکڑا ہوا فریاد کرتا ہوا آ پونہچا۔ ابوجندل اسلام لاچکا تھا اور اُس کے باپ سہل نے اُس کو قید کر رکھا تھا اور مسلمانوں کی طرف نہیں آنے دیتے تھے۔ ابوجندل کو آتا دیکھ سہل نے کہا۔ هٰذَا یَا مُحَمَّدُ اَوَّلُ مَا اُقَاضِیکَ عَلَیْهِ یعنی بات تو یہ ٹھہری تھی کہ دوران صلح میں اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان مسلمانوں کی طرف جانا چاہے تو اُس کو واپس کر دیا جائے اُس زبانی ٹھہراؤ کی بنیاد پر سہل نے کہا کہ پہلی صورت تو یہی پیش آئی ہے کہ ابوجندل تم میں بھاگ کر آیا ہے اس کو واپس دو جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّا لَمْ نَقْضِ الْکِتَابَ بَعْدُ یعنی ابھی صلح نامہ لکھا نہیں گیا تو شرائط صلح نامہ کی تعمیل پر ہم کو کیوں مجبور کیا جاتا ہے سہل بولا۔ اِذًا وَاللّٰهِ لَا اُصَالِحُکَ عَلٰی شَیْءٍ اَبَدًا اس بات پر جناب رسالت مآب نے ابوجندل کو حوالے کر دیا اور اُس کو سمجھایا کہ بھائی صبر کر خدا تجھ کو اس کا اجر دے گا اور تیری نجات کا کوئی سامان بھی مہیا کرے گا۔ دیکھا ایفائے عہد ایک مسلمان کو زنجیروں میں جکڑا ہوا روتا پیٹتا چلاتا کافروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ صرف اتنی بات پر کہ مونہ سے کہہ چکے تھے۔ ہمارا برتاؤ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر صاحب کو مسلمانوں کا ہماری برابر بھی درد نہ تھا۔ وَهٰذَا کُفْرٌ عَظِیْمٌ دوسری بات اسی صلح کے متعلق یہ ہے کہ صلح کے منعقد ہوئے پیچھے قریش میں کا ایک شخص ابوبصیر مسلمانوں میں آملا شرائط صلح کے مطابق قریش نے دو آدمی اس کے لینے کو بھیجے پیغمبر صاحب نے بے عذر ابوبصیر کا ہاتھ پکڑا دیا ابوبصیر بہتیرا گڑگڑاتا رہا مگر ایک نہ سنی۔ دیکھا ایفائے عہد۔ اب پیغمبر صاحب کے ایفائے عہد کو اپنے ایفائے عہد کے ساتھ ملا کر دیکھو کہ کیا وہ کرتے تھے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو خود اپنے دین کی

خبر نہیں اور جہالت ہے کہ ان کی دین و دنیا دونوں کو تباہ کیے چلی جا رہی ہے - دینی جہالت کو دیکھا
کہ اپنے پیغمبر کے افعال و اقوال کی خبر نہیں دنیا کی جہالت کا یہ حال ہے کہ نہ جغرافیہ جانتے ہیں نہ تاریخ
کی خبر ہے نہ انگریزوں کی اصلی قوت کا علم ہے - میں کسی قدر تجارت سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور اُس
تجارت میں ایک مشین بھی ہے جس کے دیکھنے کا اکثر مجھکو اتفاق ہوتا رہتا ہے - جب جب میں اُس
مشین کو دیکھتا ہوں پہلا خیال جو آتا ہے یہ ہوتا ہے کہ نہ ہمارے سو نہ ہزار اور نہ انگریزوں کا ایک - یہ
ہندی لوگ گاؤ زوری اور بھیڑ بھڑکے کی بڑی قوت سمجھتے ہیں اور اب اصلی قوت علم کی ہے - اور یہ
علم سے بے نصیب - انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ بھی ہوتی تاہم مستامن ہونے کی
حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا نہ کہ جبکہ امن و آسایش
اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے - ہم اپنی عملداری میں بھی ایسے فارغ البال
نہیں رہے جیسے اب ہیں - پنجاب میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں جو پچھلی عملداری کی بدنظمیوں
کا علم ذاتی رکھتے ہیں - سکھا شاہی حکومت کی کیا خصوصیت ہے سارے ہندوستان میں بدانتظامی
کی آگ لگی ہوئی تھی اور اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے آپس میں کٹ مرے ہوتے - لنڈن ٹائمز
میں ایک مضمون نظر سے گزرا تھا وہ مختصر طور پر ہندوستان کی حالت سابقہ کا مقابلہ کرتا ہے
اور انگریزوں کی طرف سے ناقل ہے -

"جس وقت ہم نے ہندوستان کو اپنے قبضہ میں لیا تو اس کو تمام مشرقی بدتمیزیوں کا انبار پایا
بیرونی حملوں سے غیر محفوظ اور متواتر اندرونی خانہ جنگیوں کی بلاؤں میں مبتلا - کمزور سلطنتوں کی
طوائف الملوکی میں منقسم جن کی حدود ہمیشہ جگہ سے سرکی رہتی تھیں اور حکمران خاندان ہمیشہ ظاہر
غائب ہوتے رہتے تھے - ایک مذہب دوسرے مذہب سے لڑتا تھا اور ایک قوم دوسری قوم
سے - رشوت ستانی اور ظلم و بیداد تمام اطراف میں شائع تھا اور اُس کے برے نتائج ہر جگہ ہویدا - وبا
اور قحط تھوڑے عرصہ میں ملک کو اس طرح برباد کر دیتے تھے کہ اس زمانے میں اُس کا تصور بھی ممکن
نہیں - جان و مال کسی جگہ محفوظ نہ تھے اگرچہ بدنظمی جملہ اصناف مردم پر شاق گزرتی تھی مگر خصوصاً

غریب اور جاہل آدمی جیسا کہ ہمیشہ کا دستور ہی اس کے بوجھ میں کچلے جاتے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہی کہ ہم نے اس کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے محفوظ کیا اور نیز یہ پہلا واقعہ ہی کہ ہم نے ہندوستان کی حدود کے اندر امن و انتظام قائم کیا۔ ایک با اقتدار رئیس سے لے کر ایک ادنیٰ درجے کے دیہاتی اور کمین تک ایک منصفانہ اور مستحکم اور دانشمندانہ قانون کی رو سے بالمساوات قابض ہیں۔ متناقض اور متضاد مذاہب کی باہمی نفرت اور عناد کو حکومت کے مضبوط اور منصفانہ ہاتھ نے یہ زور زیر کر رکھا ہو۔ بجائے اس کے کہ ہندوستانی خود مختار رئیس اپنے اختیارات کو مطلق العنانی سے عمل میں لاتے تھے ایسا ملک داری کا ایک طریقہ ہو جو بے انصافی سے بالکل پاک ہی۔ اور عاقلانہ اصول پر قائم کیا گیا ہی۔ جو لوگ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اگر اپنی قوت اور تن درستی بلکہ بعض اوقات اپنی جان بھی باشندگان ہند کی بہبود اور فلاح کے لیے صرف کر دیتے ہیں تو کم سے کم اُن کے واسطے وجہ تسلی بھی ہی کہ اپنی جانفشانی کے نتائج ان کو اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔"

جس نے ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہو وہ اور جس نے اگلی حکومت دیکھی ہو وہ اس کے ایک حرف سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہ عام حالات ہیں اور اگر ریل اور تار اور نہر اور شفا خانے اور مدرسے اور ڈاک انتظام کی مجموعی حالات پر نظر کی جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بہتر اور کیا انتظام ہو سکتا ہی وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [لە] پھر ایک حدیث ہو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی خدا کی سی عادتیں اختیار کرو سو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اس کی طرح کی صفتیں ہم پہونچائیں۔ وہ جیسا اپنی ذات سے وحدہٗ لاشریک لہٗ ہو ویسا ہی وہ اپنی صفات سے بھی پس تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے صرف یہ معنی ہیں کہ ابنائے جنس کے ساتھ ہم ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا خدا کرتا ہی اس کو سعدی علیہ الرحمۃ نے عمدہ طور پر بیان کیا ہی ؎

اگر بابدر جنگ جوید کسے — پدر بیگماں خشم گیرد بسے

[لە] اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن نہ سکو ۱۲

وگر خویش راضی نباشد ز خویش	چو بیگانگانش براند ز پیش
وگر ترکِ خدمت کند لشکری	شود شاہِ گردن کش از وی بری
ولیکن خداوندِ بالا و پست	بعصیاں درِ رزق بر کس نہ بست

کل مذاہب حقانیت کے مدعی ہیں اور بے شک کوڑیوں اور سینکڑوں مذہبوں میں جو ہست و نیست کا اختلاف رکھتے ہیں ایک ہی برسرحق ہو سکتا ہے لیکن دنیاوی انتظام کے اعتبار سے کوئی سا مذہب بھی ہو خدا کے ساتھ اپنی خصوصیت نہیں دکھا سکتا۔ بس یہی قاعدہ ہم کو دنیا میں اختیار کرنا چاہیے۔ ہم دردی کے بھی مدارج ہیں وہ شروع ہوتی ہے نزدیکی قرابت داروں سے۔ پھر ہمسایوں میں پھر ہم وطنوں میں ترقی کرتے کرتے وہ تمام بنی نوع پر احاطہ کر لیتی ہے اور سے

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگراں بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

اب ہم کو چاہیے کہ اپنی حالت کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ کے اعتبار سے ہم کس درجے میں ہیں۔ یہی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ کا قاعدہ جیسا شخصی برتاؤ میں چلنا چاہیے یہی سلطنت کے حسنِ انتظام کا بھی مقتضی علیہ ہے اور یہ ہے تیوٹریلٹی جس کا رنگ انگریزی حکومت کی بات بات میں جھلکتا ہے۔ الغرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے تو انگریزوں کی اطاعت اور خیر خواہی ہمارا فرض مذہبی ہے اور مذہب سے قطع نظر بھی کرو تو خذ العافیۃ من اَنتَ رَفِی کَہٗ فِیْہِ مِنَ الْیَمَنِ بِمَا اَعْمَرَ لَا یُقْلَا سلا پہلا اسلام جو مجموعہ مکارمِ اخلاق ہے۔ نفاق اور دغا بازی سکھا سکتا ہے جو رذیل ترین اخلاق ہے انگریزوں کے بعد ہمارا معاملہ ہندؤں کے ساتھ ہے کہ ہم اس ملک میں سالہائے دراز سے ان میں ایسے ملے جلے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔ اور افسوس ہے کہ اب ان کا اور ہمارا اجتماع سوڈا اور ایسڈ کا اجتماع ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے اور اصل سبب اگر تلاش کیا جائے تو وہی اختلافِ مذہب۔ تو اب ہمارا حال یہ ہے کہ نہ تو

سلہ اس شخص کو دھوکا دینا جس کے امن میں ہو تو یہ بے وفائی ہے اور شریفوں کا یہ کام نہیں ۱۲۰

ہماری ہندوؤں سے بنتی ہی اور نہ عیسائیوں سے حالاں کہ ہندو ہمارے پشتہا پشت کے ہمسایے ہیں ایک جگہ رہنا ایک جگہ مرنا - نہ ہندوؤں کی بے ہمارے گزر سکتی ہی اور نہ ہماری بے ہندوؤں کے اور عیسائی تو ظاہر ہی کہ مگر بچھیں ہیں اور تم ہم جھینگے ؎

اتنی بھی بد دماغی ہر مخلص میر صاحب	پرخاش ہو زمیں سے جھگڑا ہو آسماں سے

میں خوب جانتا ہوں کہ مسلمان بھائی دل میں نراماں رہے ہوں گے کہ ہم ہی کو ملامت کیے چلا جارہا ہی اور اس کے نزدیک ہم ہی قصوروار ہیں - سو بھائیو قصور بے قصور کی بحث نہیں - میں لوگوں کو مسلمانوں سے کشیدہ دیکھتا ہوں اور اس کشیدگی کو مسلمانوں کے حق میں سخت مضر پاتا ہوں اور میں بھی مسلمانوں میں کا ایک ہوں اب مسلمانوں کی خیر خواہی کے مارے سمجھو تو اور دوسری قوموں کے ڈر کے مارے سمجھو تو میں تو ایک آن اس کشیدگی کا روادار نہیں - پھر اب تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں ہندوؤں کے سر ہوں وہ میری سنیں گے - عیسائیوں سے عرض کروں وہ میری بات مانیں گے - پس برا مانو یا بھلا مانو میں کہوں گا اور تم ہی سے کہوں گا ؎

ہم با تو ستیزم ار ستیزم	خصم ور تو گریزم ار گریزم

اچھی طرح سمجھے رہنا کہ آپس کی پھوٹ عیسائی مسلمان ہندو سب ہی کے حق میں بری ہی عیسائیوں کو خدا نے حکومت دی ہی اور جو چیزیں سلطنت کے حق میں مضر ہیں وہ اُن کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں - خدا نے اُن کو ملک گیری کا سلیقہ دیا ہی تو ملک داری کا بدرجہ اولی - غرض یہ کسی کے سمجھانے کے محتاج نہیں - ہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی کشمکش دونوں کے حق میں بہت ہی بری فال ہی یہ جس قدر ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اسی قدر گورنمنٹ کی نظر سے گرتے جاتے ہیں - اذا لکان رضاننا فقطا - ایک پادری صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ اسلام کے آدھے عیب مجکو سنیوں نے بتائے اور باقی شیعوں نے یہی حال ہندو مسلمانوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا کر لیا کہ گورنمنٹ کو کسی پر پورا بھروسا نہیں - لوگ مذہب کے اختلافات پر بڑا ہی تعجب ظاہر کیا کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ

اس میں تعجب ہی کی کیا بات ہی۔ اصل میں انسانی طبیعتیں مختلف واقع ہوئی ہیں اور نہ صرف دو آدمی آپس میں اختلاف کرتے ہیں بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت کچھ سوچتا ہی اور دوسرے وقت کچھ۔ تعجب کی بات اگر ہی تو یہ ہی کہ لوگ اختلافِ مذہب کو مذہب کی حد میں محدود نہیں رکھتے لوگوں میں اگر مذہب ایک وجہ اختلاف ہی تو انسانیت ہم وطنی۔ ہمسائگی۔ لین دین وغیرہ بہت سی وجوہِ اتحاد والتیام بھی ہیں۔ تعجب ہی کہ لوگ کیوں مذہب کی ایک وجہ اختلاف کو اتنی قوت دیتے ہیں کہ وہ تمام وجوہِ اتحاد پر غالب آجاتی ہی۔ مذہب ایک اور صورت سے بھی نزاع و مخاصمت کی طرف منجر ہوتا ہی کہ جو مذہب عام ہیں اور اُن کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا ہی جو چاہے داخل ہو جیسے اسلام یا عیسائیت ایسے مذہب کے لوگ ہمیشہ اپنے گروہ کی تکثیر کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسلمان چاہتے ہیں کہ سب کو مسلمان بنالیں اور عیسائی چاہتے ہیں کہ سب کو عیسائی کریں اور دوسرے مذہب والے اس کو ایک طرح کی مداخلتِ بیجا سمجھ کر مقابلہ پیش آتے ہیں۔ اسلام کی حالت اس وقت اس قدر ضعیف ہو رہی ہی کہ جو لوگ پشتینی مسلمان ہیں انھیں کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہی ہم ہی کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا ہم نئے مہمان بُلا کر کیا تو آپ کھائیں گے اور کیا اُن کو کھلائیں گے۔ ممکن ہی کہ ایک شخص کو سچائی نے تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا ہو۔ لیکن جتنے لوگ میں نے تبدیلِ مذہب کرتے دیکھے اور اُن کا شمار اتنا زیادہ ہی کہ اس سے ایک عام نتیجہ قابلِ اطمینان نکالا جا سکتا ہی تو میں نے ہمیشہ تبدیلِ مذہب کا محرک بودا اور بے وقعت اور اکثر صورتوں میں قابلِ اعتراض پایا۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک ہندو اسلام لاتا ہی تو یا تو خانہ داری کے تعلقات نے اُس کو بیدل کر دیا ہی اور وہ تبدیلِ مذہب کو ان بکھیڑوں سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ گردانتا ہی یا تبدیلِ مذہب جوش غضب ہی یا کسی طرح کی طمع۔ وہ جس مذہب سے نکلتا یا جس مذہب میں آتا ہی دونوں سے بے خبر ہی۔ وہ اپنی عمر کے کسی وقت میں بھی مذہبی آدمی نہیں رہا اُس کو مذہبوں میں محاکمہ کرنے کی لیاقت نہیں وہ شاید کم ذات کا آدمی ہی اور ہندوؤں میں اُس کی وہ وقعت نہیں کی جاتی جس کا وہ آرزومند ہی اور اُس نے کسی سے "کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوۃٌ" سُن

۵لہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ۱۲

پایا ہو یا اُس نے مسلمانوں کو کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ کا آپس میں برتاؤ کرتے دیکھا ہو تو جس کا یہ حال ہو کیوں کر باور کیا جا سکتا ہے کہ اُس کو سچائی نے تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا ہو بلکہ وہ اُس ادنیٰ درجے کی ہندنی کی طرح جو خصم سے لڑ کر کنوئیں میں کود پڑتی ہو مسجد میں آکر اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان ہوتا ہوں آن کی آن میں یہ خبر تمام نمازیوں میں مشہور ہوتی ہے اور سب کے سب اظہارِ مسرت کرتے ہیں خاص کر امامِ مسجد کہ یہ کارِ نمایاں اُن کے نام سے اسلامی اخباروں اور رسالوں میں مشتہر ہوگا امیدوار کو غسل دیا جاتا ہے اور جب تک غسل کرے کوئی دوپٹہ دیتا ہے کوئی کرتہ کوئی تہمد ادھر وہ نہا دھو چکا اور ادھر خلعتِ اسلامی اُس کو پہنایا گیا امام صاحب نے کلمے کے الفاظ اُس کو تلقین فرمائے جیسے طوطے کو پڑھایا جاتا ہے حق اللہ پاک ذاتِ اللہ صحیح تو خدا اور خدا کا رسول غافل نہ ہو خدا کو نہ بھول شیخ عبداللہ نام رکھا گیا اور لوگ ہیں کہ کوئی مصافحہ کرتا ہے اور کوئی معانقہ اور ہر طرف سے مبارکبادیں دی جا رہی ہیں اب دعوتوں کی بھرمار شروع ہوئی اور بہت سے بہت ایک ہفتہ نو مسلم صاحب کا بڑی آؤ بھگت میں گزرا اور پھر کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو۔ پاؤ ہو یا ڈیڑھ ہو یا پون ہو۔ اب نو مسلم صاحب کا ہاتھ ہے اور خان نجم الدین کا دامن۔ خان صاحب ہیں کہ اُس کو ساتھ لیئے در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں میں کیا کروں تبدیلِ مذہب کا مضمون میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ مذہب کو بھی ایک طرح کی جائداد سمجھو جو بڑوں سے چھوٹوں کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہے۔ قسم کھانے کی بات ہے کہ ہندو کا بیٹا بڑا ہو کر ہندو ہوگا مسلمان کا مسلمان۔ عیسائی کا عیسائی۔ لڑکے بڑے ہو کر اکثر تو دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اُن کو مذہب کی طرف متوجہ ہونے کی نہ فرصت ہوتی ہے اور نہ شوق۔ قدرِ قلیل جو مذہب کی پروا کرتے ہیں وہ اکثر تو رسم و عادات کے طور پر مذہب کو نباہتے رہتے ہیں یہ بات اُن کے خیال ہی میں نہیں آتی کہ مذہب بھی محتاجِ تحقیق ہے۔ ہزاروں میں شاید ایک آدھ آدمی ایسا بھی ہوتا ہو جو مختلف مذہبوں میں ایک رائے پیدا کرنی چاہتا ہو مگر ایسے سو آدمیوں میں آخر کار ننانوے کا رجحان اُسی مذہب کی طرف کو ہوگا جس میں پیدا ہوئے تھے اگر اُن کو شبہات عارض بھی ہوں گے تو وہ اُن کی من سمجھوتی تاویل کر لیں گے مگر رہیں گے اُسی آبائی مذہب میں۔ انسان کا دل ہی کچھ اس

طرح کا بنایا گیا ہی خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[۵۱] کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا نقش جو فی اوائل العمر دل میں بیٹھ جاتا ہی پھر کچھ بھی کرو نہیں مٹتا نہیں مٹتا۔ پس سچائی کے ساتھ تبدیل مذہب ایک واقعۂ نادر الوقوع ہی۔ وَالنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ[۵۲] میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اسلام جس میں تعمیم ہی اور جس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے داخل نہ ہو۔ مسلمان اس کی اشاعت بند کریں۔ اشاعت کا تو میں بڑے زور سے طرفدار ہوں مگر ہاں میں اسی کو اشاعت کا مناسب پیرایہ سمجھتا ہوں کہ ہم مسلمان سچے اسلام کی کیفیت سے متکیف ہو کر لوگوں کو اپنا نمونہ دکھائیں۔ لوگ اگر ہم میں اچھائی دیکھیں گے تو آج ہی نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں خود بخود ہمارا کلمہ بھرنے لگیں گے مگر جیسے ہم اب ہیں یہ لچھن تو لوگوں کو بھڑکانے کے ہیں نہ پرچانے کے۔ دھکے دینے کے ہیں نہ بلانے کے۔ اسلام کو ہونا چاہیے آسان اور وہ ہو رہا ہی مشکل۔ اس کو ہونا چاہیے امن اور سازگاری اور صلح کاری اور سکون اور عافیت اور وہ ہو رہا ہی غل غپاڑہ اور شور و شغب اور جھگڑا اور کشمکش۔ غرض اسلام کو ہونا چاہیے کچھ اور وہ ہو رہا ہی کچھ میں تو اس کا سبب یہی سمجھا ہوں کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہی نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کا قصد کرتے ہیں۔ میں تو بے سمجھے لفظوں کے پڑھ لینے کو سمجھنا سمجھتا نہیں۔ [۵۳] لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّا اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ اگرچہ مسلمان کو قرآن کے بدون نہ جینا درست اور نہ مرنا روا اور مسلمان کھانے میں پینے میں۔ اٹھنے میں۔ بیٹھنے میں۔ سونے میں۔ جاگنے میں۔ چلنے میں۔ پھرنے میں لینے میں دینے میں ہمہ وقت قرآن کی ہدایت کا محتاج ہی مگر فہم قرآن پر زور دینے سے اس وقت میرا مطلب صرف اسی قدر ہی کہ مسلمانوں میں اور حکام وقت میں اور مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ رفع ہوں ایمان کی بات تو یہ ہی کہ انگریزوں کی عملداری میں ہم کو کسی طرح کی تکلیف تو ہی نہیں بلکہ پچھلی عملداریوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اور دوسری ہمعصر عملداریوں سے ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ آسایش اور یہ آزادی نہ کسی کو پہلے نصیب ہوئی اور نہ کسی کو اب نصیب ہی

---

[۵۱] انسان خلقۃً کم زور پیدا کیا گیا ہی ۱۲ [۵۲] اور شاذ و نادر کی گنتی نہیں ہوا نہ ہوا برابر ۱۲ [۵۳] جو لوگ (مونہہ سے لفظوں کے) پڑھ لینے کے سوا کتاب (الٰہی کے مطالب) کو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے وہ فقط خیالی تکے چلایا کرتے ہیں اور بس ۱۲

بہرکیف ایمان کی بات تو یہ ہو کہ انگریزوں کی عملداری میں ہم کو کسی طرح کی تکلیف تو ہی نہیں۔ اور کچھ تکلیفیں ہیں بھی تو اکثر ناحق ادعائی "ہر وہم آزردگی غیر سبب را چہ علاج" اور جو واقعی ہیں تو اُن کی بلا خود ہماری لائی ہوئی ہو۔ ؎

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازِ بے اندامِ ماست	ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور سرے سے عملداری ہی ناگوار ہو اور ان موؤں کے نام ہی بُرے معلوم ہوتے ہیں تو اس کا علاج ہو اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ[1] اور جب نہ زمین میں سرنگ لگا سکتے اور نہ آسمان میں سیڑھی یعنی انگریزوں کا بال بھی تو بینکا نہیں کر سکتے تو بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہو کہ دریا میں رہو اور مگر مچھ سے بَیر۔ تم ان سے نامطمئن یہ تم سے بدگمان۔ مانا کہ اس انقباض کی حالت میں انگریز تم کو ایذا نہ دیں جیسا کہ نہیں دیتے اور میں ذمہ دار ہوں کہ نہیں دیں گے تاہم فرشتے تو نہیں ہیں ہیں تو آدمی تو انقباض کی حالت میں ایذا نہ بھی دیں تاہم فائدے کے پونچانے میں تو ضرور بخل اور مضایقہ کرنے لگیں گے بلکہ کھلایا پلایا اُگلوالیں تو عجب نہیں اور ہم تو اتنے ہی میں مرے جیسے ۱۸۵۷ء میں ایک مرتبہ نادانی کی اُس کا ایسا خمیازہ بھگتا کہ کوئی ہم دلّی والوں کے دل سے پوچھے جو لوگ حاکموں کے مزاج شناس تھے بہتیرا سمجھایا کئے کہ حاکموں کے مزاج کا ٹھکانا نہیں ہوتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ "گاہے بسلامے برنجند وگاہے بدشنامے خلعت بخشند" ان کے لطف و عنایت پر نہ جانا اور اپنی حد سے پاؤں باہر نہ رکھنا مگر نا عاقبت اندیش لوگ کب سُنتے تھے سنہ ستّاون میں ہتیار رکھا لیے گئے سنہ ستّانوے میں حکم ہوا قلم شکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش۔ انگریزوں میں جو لوگ فیاض دل سیر چشم عالی حوصلہ ہیں چاہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو وہی حقوق دیئے جائیں جو اہلِ یورپ کو حاصل ہیں ویسی ہی آزادی ہو اُسی طرح کی مطلق العنانی ہو مگر آزادی اور مطلق العنانی کا کیا مذکور ہے یہاں تو تحصیل بھی سازگار نہیں "دو پدر را شہد بسیار ست مگر بسیر گرمی دارست" پورا بچاسہ بھی نہیں گزرنے پاتا کہ بیٹھے بٹھائے خدا جانے کسی فقیر کی بددعا ہو یا کوئی نظرِ بد لگا دیتا ہو

[1] اور تم سے ہو سکے کہ زمین کے اندر (اندر کوئی) سرنگ تلاش کر دیا آسمان میں کوئی سیڑھی (لگی ہوئی ہم پونچا دو) ۱۲

کہ سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا ہے۔ ۵

تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد		تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

ہتھیار چھینے گئے یا بولنے بات کرنے کو ایک حد تک روک دیا گیا میں تو اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا۔ مجکو جس سے زیادہ اندیشہ ہوا وہ یہ تھا کہ میں نے کسی انگریزی اخبار میں پڑھا کہ ہندوستانیوں کو زیادہ تعلیم دینا استحکام سلطنت اور حسن انتظام کے حق میں نامفید ثابت ہوا ہے اور تعلیم کو محدود کرنا مناسب ہے یہ کسی کی شخصی رائے ہے اور محض غلط ہے اور میں اس کا سخت مخالف ہوں اور قطع نظر اس کے کہ اس رائے پر عمل کرنا ملک کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوگا خود گورنمنٹ کے حق میں اس کا نتیجہ نہایت زبوں نکلے گا۔ ہمارے اس ملک میں علم عبارت رہا ہے۔ لفاظی اور تیرہ و تنگ ذہنی خیالات سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ سولزیشن کے اعتبار سے نہایت ادنے کی پست حالت میں ہیں۔ علم کے دائرے کو وسیع کیا اور علم کو واقعات اور مشاہدات پر مبنی کر کے اس کو کیا آدمی بنایا اہل یورپ نے دنیا میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے ایک ایک ذرہ ایک ایک واقعہ ایک ایک کیفیت علم جداگانہ کا موضوع لے ہے۔ نئے نئے موضوع لئے بنتے اور نئے نئے علوم ایجاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جب سے انگریزوں نے اس ملک کو لیا ہے علم پر بڑا زور دے رہے ہیں مگر علم سرسوں نہیں ہے کہ لی ہتیلی پر جمالی۔ علم کے درخت کو جڑ پکڑتے پھولتے پھلتے صدہا برس چاہئیں۔ ابھی تک انگریزوں نے جو کچھ ہم کو سکھایا اور جو کچھ ہم نے انگریزوں سے سیکھا وہ علم نہیں ہے بلکہ علم کی صرف تمہید ہے علم کے اعتبار سے ہماری حالت نیم ملا خطرہ ایمان اور نیم حکیم خطرہ جان کی سی ہے ہم سے جو یہ غلطیاں ہو ہو جاتی ہیں اس کا اصلی سبب جہالت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ علم بجائے خود ایک بڑی زبردست طاقت ہے اور وہ طاقت تمام و کمال انگریزوں کے ہاتھ میں ہے یہ علم اور مخالفت کا خیال دونوں ایک سر میں جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ میرے اس کلام کے دو محل ہیں ایک یہ کہ علم ہوگا تو ہم انگریزوں کی طاقت کا ٹھیک اندازہ کر سکیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم ان کی مقاومت کی تاب نہیں لا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو تو ہنر سیکھنا ہے اور ہنر مانگا جاتا ہے چھینا نہیں جاتا۔

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کی دو متناقض حالتیں جو پیغمبر صاحب پر گزریں ہیں جانتا ہوں کہ اس میں یہی حالت مضمر ہو گی کہ ہم مسلمانوں کو حاکمی و محکومی دونوں حالتوں کا انگیز کرنا سکھا دیا جائے مگر ہم ہیں کہ جاہل اور متعصب ہجرت کے بعد کی زندگی کو تو یاد رکھتے ہیں اور پہلے کی زندگی بھلائے بیٹھے ہیں۔ لوگو! اہل یورپ کی سی ترقی کرنا بڑا دیر طلب کام ہے۔ اور دیر طلب ہونے کے علاوہ امن و اطمینان بھی چاہتا ہے۔ سو خدا کے فضل سے انگریزوں کے طفیل میں امن و اطمینان تو ہم کو پورا پورا حاصل ہے۔ اخباروں میں نہ دیکھتے تو ہم کو خبر بھی نہ ہوتی کہ سرحد پر ایک معرکۂ عظیم ہو رہا ہے اس سے بڑھ کر امن و اطمینان اور کیا ہو گا تو ایسے امن و اطمینان کو بس غنیمت سمجھو اور اپنی تمام ہمت اپنی حالت کی اصلاح اور ملک کی ترقی کی تدابیر اور تعلیم اور تعلم میں صرف کرو۔ کیا بیٹھے بیٹھے واہی تباہی پریشان خواب دیکھا کرتے ہو۔

بتیسواں لکچر

جو نویں جلسہ مدرسۂ طبیہ دہلی منعقدہ ۸۔ اپریل ۱۸۹۸ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچرار ہوئے۔ پبلک سپیکر ہوئے۔ مرثیہ خواں ہوئے۔ قوال ہوئے۔ گویئے ہوئے۔ کہ ہیں یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہے کہ لکچر۔ یا سپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے او بدا کر عذر کر لیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلہ کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہے۔ یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی۔ دیر تک جاگنا پڑا بدخوابی کے سبب درد سر ہے یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا سپیچ کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا۔ ابھی چند روز کا مذکور ہے کہ سر جارج وہیٹ کمانڈر انچیف کی بی بی لیڈی وہیٹ کو ٹیسٹیمونیل دینے کے لیے کلکتہ میں ایک میٹنگ (مجلس) ہوئی تھی سرپیٹرک پلیفیر نے ایڈریس پڑھا۔ سر جارج وہیٹ نے جواب کے شروع میں فرمایا کہ میں جانتا ہوں

کہ آپ صاحب مجھ سے بہت زیادہ گفتگو کی امید نہیں رکھیں گے ہرچند آئرش مین کی طرح میں یہ عذر تو پیش نہیں کر سکتا کہ میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ اس لیئے میری زبان نہیں چلتی۔ کسی آئرش مین یعنی آئرلینڈ کے رہنے والے کی ٹانگ میں چوٹ آ گئی ہو گی اُس کو کہیں کچھ کہنا پڑا ہو گا اُس نے چوٹ کا عذر لنگ پیش کیا ہو گا تو سر جارج نے آئرش مین پر تعریض کی۔ بھلا کوئی اُس آئرش مین سے پوچھے کہ بھلے مانس زبان کے چلنے میں ٹانگ کو کیا دخل ہے۔ زبان رگوں اور پٹھوں سے چلتی ہے یا ٹانگوں سے۔ میری عادت اس طرح کے عذرات کرنے کی نہیں ہے اس لیئے کہ میں کچھ تو دیتا ہوں مگر اس کو اپنا پیشہ نہیں بنایا اور پیشہ بناؤں تو گھر بھی نہ بیٹھنے پاؤں۔ لوگوں نے تاروں میں زادِ راہ بھیجے اور میں نے واپس کر کر دیئے۔ نہ اس لیئے کہ میں خطابت کو حقیر سمجھتا ہوں اور حقارت کی وجہ سے اپنا پیشہ بنانا نہیں چاہتا۔ نہیں نہیں۔ میں خطابت کو ایسا ہی معزز سمجھتا ہوں جیسا طبابت کو خطابت اور طبابت دونوں ہم وزن ہیں۔ اور نہ صرف مصدر بلکہ مشتقات بھی جیسے طبیب اور خطیب اور جیسے ہم وزن ہیں ہم عزت بھی ہیں طبیب مطب کی بارات کا دولہا ہے تو خطیب آڈینس کا بشرطیکہ طبیب حاذق ہو جیسے ہمارے حکیم **عبد المجید خاں** صاحب اور خطیب لائق جیسے ہر پھر کر وہی **عبد المجید خاں** صاحب کا نام لینا پڑا۔ آپ صاحبوں نے حکیم صاحب کو سالانہ رپورٹ پڑھتے سنا ہے اسی کا نام خطابت ہے انھیں کا کام تھا ایسی رپورٹ لکھنا اور انہیں کا کام تھا ایسی عمدگی سے پڑھنا۔ خطابت اور طبابت دونوں توام کے بچے ہیں طبابت کی مشکلات کو تو **عبد المجید خاں** سے پوچھنا چاہیئے۔ ہاں خطابت کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لیئے دل اور زبان دو چیزوں کی ضرورت ہے اور آدمی میں یہی دو عضو رئیس ہیں ۱؎

لِسَانُ الْفَتٰى نِصْفٌ وَنِصْفٌ فُؤَادُهٗ	فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا صُوْرَةُ اللَّحْمِ وَالدَّمِ

ایک مثل مشہور ہے کُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ برتن خالی ہو تو اُس میں سے رِستے کیا خاک ای

۱؎ انسان کے دو ٹکڑے ہیں آدھا زبان اور آدھا دل باقی جو ہے سو نرا گوشت کا لوتھڑا اور خون ہی خون ہے ۱۲

طرح دل میں خیالات ہی نہ ہوں تو آدمی بیان کیا کرے۔ خیالات ہیں اور گویائی نہیں تو وہ حوض ہے جس کا مخرج نہیں ؎

رو کا تو خوب نہیں طبع کی روانی ہے یاں	کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

کسی انگریز کو سنا ہے کہ اُس کو پبلک میں بولنے (اسپیچ دینے) کی عادت نہ تھی ایک محل پر اُس کو اسپیچ دینی پڑی اور آئی کنسیو (میں خیال کرتا ہوں۔ میں خیال کرتا ہوں) کہہ کر چپ کر گیا تو آڈینس (حاضرین) میں سے کسی نے کہا یو کنسیو، سو رل ٹائمز اینڈ بر ینگ فورتھ نتھنگ (خیال ہی خیال کیئے جاؤ گے یا کچھ کہو گے بھی) اسلام سے پہلے اہل عرب کے عقائد فاسدہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا[۵۱] اس عقیدے پر قرآن میں کئی جگہ لتاڑ ہے۔ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ[۵۲] وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ أَيُمْسِكُهُ عَلٰى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ[۵۳] أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ[۵۴]۔ یعنی کیا تم فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو اول تو خدا کے اولاد سُبْحَانَهٗ أَنْ يَكُونَ لَهٗ وَلَدٌ[۵۵] اور پھر اولاد میں سے بھی گئی گزری بیٹی جس کا کام ہے بناؤ سنگار اور زیب و زینت اور جو خلقتًا ایسی ضعیف العقل ہے کہ کسی مجمع میں گفتگو کا موقع آ پڑے تو اُس کے مونہ سے بات نہ نکلے اور اُس سے بولا تک نہ جائے۔

ہم اپنے اس زمانے میں بھی دیکھتے ہیں کہ یورپ میں عورتوں کو بڑی آزادی حاصل ہے پردے کا

[۵۱] اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اور مخلوقات کی طرح خدائے رحمٰن کے بندے ہیں عورت ذات قرار دے رکھا ہے ۱۲ [۵۲] کیا خدا کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ۱۲ [۵۳] اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری دی جائے تو (مارے رنج کے) اُس کا مونہ کالا پڑ جائے اور زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی عار کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُس کو خبر دی گئی ہے چھپا چھپا پھرے (اور دل میں منصوبے سوچے کہ) آیا (اس ذلت پر بیٹی کو لیے رہے یا اُس کو مٹی میں گاڑ دے ۱۲ [۵۴] کیا بیٹی ذات) جو زیوروں میں نشوونما پائے اور (کوئی جھگڑا آ پڑے تو) جھگڑتے وقت (اچھی طرح اپنا مطلب) ذکر نہ کر سکے اور وہ خدا کی شان کے زیبا ہے ۱۲ [۵۵] وہ بڑی پاک ذات ہے اور اس سے منزہ ہے کہ اُس کے بیٹا ہو ۱۲

رواج نہیں اور اُن کو ہر طرح کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور وہ مردوں کی مساوات کا دعویٰ رکھتی ہیں اور اس میں تو ذرا سا بھی شک نہیں کہ یورپ کی اکثر عورتیں ہمارے یہاں کے اکثر مردوں سے زیادہ لایق ہوتی ہیں مگر خلقی ضعفِ قلب کی وجہ سے بہت ہی کم لیڈیوں کو سپیچ دیتے سنا ہے۔ وائسرائے لفٹنٹ گورنر چیف کمشنر وغیرہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایڈریس دیئے جاتے ہیں اور اُن میں اکثر اُن کی بیبیوں کے تذکرے ہوتے ہیں مگر اُن کی طرف سے اُن کے شوہر ہی اظہارِ مسرت اور ادائے شکر کیا کرتے ہیں میم صاحب کو اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ خود کھڑے ہو کر ایک دو جملے کہہ دیا کریں اب وہی سر جارج وہیٹ کا معاملہ ہے کہ لوگ لیڈی وہیٹ کو ٹسٹیمونیل دینے گئے۔ بے شک سر جارج وہیٹ اور لیڈی وہیٹ دونوں ایڈریس کے مخاطب تھے اور چند روز پہلے سر جارج کے چوٹ آ گئی تھی اور وہ اس مجمع میں انولیڈ کوچ (بیماروں کی کوچ) پر لیٹے ہوئے تھے۔ آخر سر جارج ہی کو ایڈریس کے جواب کی تکلیف کرنی پڑی۔ تو جناب خطابت ایسی مشکل چیز ہے اور جیسی مشکل ہے ویسی ہی معزز بھی ہے کیونکہ اشکال ہی دنیا میں وقعت کا معیار ہے ؎

هر غلک از بیضه برون آید و روزی طلبد	آدمی زاده ندارد خبر و عقل و تمیز
آں بنا گاه کسی گشت و بچیزے نرسید	دین تمکین و فضیلت بگذشت از همه چیز

طبابت اور خطابت دونوں گو میرے نزدیک معزز ہیں مگر میں دونوں میں سے کسی کو بھی اپنا پیشہ بنانا نہیں چاہتا۔ طبابت کو تو اس لیے کہ ہمارے یہاں تین طرح سے آدمی طبیب بنتا ہے۔ ایک یہ کہ اس فن کو سبقاً سبقاً پڑھے سیکھے تجربہ حاصل کرے جیسے خود **عبد المجید خاں** اور ان کے خاندان کے لوگ ہیں اور جیسے عبد المجید خان کو اس مدرسے میں تیار کرنے منظور ہیں۔ دوسرے نہ پڑھے نہ سیکھے نہ تجربہ حاصل کرے کُبِّرَ فِی مَوْتُ الْکُبَرَاءِ[۵] طبیبوں کے خاندان سے ہو۔ تیسرے نہ خود طبیب ہو نہ طبیبوں کے خاندان سے ہو تو کم سے کم عطاری کی دکان کرتا ہو۔ غرض طبابت کی جتنی شقیں ہیں سب میرے اختیار سے خارج ہیں۔ اس فن کے پڑھنے سیکھنے تجربہ حاصل

۵ بڑوں کی موت سے ہی چھوٹے بڑا بنا دیا یعنی جب بڑے بڑے مر گئے تو میرا شمار بھی بڑوں میں ہونے لگا ۱۲

کرنے کی عمر نہیں نہ میں طبیبوں کے خاندان سے ہوں ۔ عطاری کی دکان لے کر بیٹھنا ظاہرا آسان نسخہ معلوم ہوتا ہی ۔ مگر نہیں طبیب سے لگے بندے عطار رکھتے ہیں اور وہی اُن کے شربت فریاد رس اور معجون خطا بخش و بس کو سمجھتے ہیں ۔ نئے آدمی کو گھسنے نہیں دیتے ۔ پھر سائنسی علم دریا ۔ پانی سے عرق ۔ گڑ کے شیرے کے شربت اور کھانڈ کے خمیرے بھی بنانا کچی کیمیا ہی ہم جیسے اجنبی کو کون بتائے دیتا ہی ۔ عطاری کا ایک گر جو کبھی کا کان میں پڑا ہی وہ ایک پہیلی ہی آج حکیم **عبد المجید خاں** صاحب بتا دیں تو بڑی عنایت کریں ؎

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال ۔۔۔ پھر دوا جتنی ہی کل بھینس کے انڈے سے نکال

چھے کو سنا تھا کہ وہ ہلدی کی ایک گرہ پا کر پنساری بن بیٹھا تھا مگر یہ بھینس کا انڈا کیا چیز ہی ؟ یہ ہاتھ آجائے تو عطار بننا کچھ بھی مشکل نہیں اور آدمی عطار بنا تو پھر ہلدی چاہیئے نہ پھٹکری طبیب بنا بنایا ہی ہاں ایک مشکل پھر بھی باقی رہے گی کہ حکیم **عبد المجید خاں** ایسے ہی طبیبوں کے پیچھے پڑے ہیں اور یہ اُن مدعیانِ طبابت نیم حکیم خطرۂ جان کو معدوم کر کے رہیں گے ۔ ریڈر میں ایک حکایت لکھی ہوئی ہی کہ ایک لومڑی تاکستان میں ہو کر گزری دیکھا کہ انگور خوب پکے ہیں دیکھ کر رال ٹپک پڑی بہتیرا اُچھلی کودی مگر ٹٹیاں تھیں اونچی نہ پہنچ سکی تو یہ کہہ کر چلتی ہوئی کہ انگور کھٹے ہیں ۔ بعینہٖ یہی میرا حال ہی طبابت کے ساتھ کہ طبیبوں کی مرجعیت ان کے ناز نخرے ان کے نکتوڑے ان کا استغنا اور اس پر ان کا تمول دیکھ کر بہتیرا ہی دل للچاتا ہی مگر کچھ بن نہیں پڑتا ؎

بوسہ اُس بُت کا لے کے مونہ موڑا ۔۔۔ بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

اب رہی خطابت کرنے پر آؤں تو کر بھی لوں مگر تصنیف و تالیف کو جس میں میں مشغول رہتا ہوں لوگوں کے لیے زیادہ مفید پاتا ہوں ۔ اس لیے خطابت کو پیشہ نہیں بناتا اور نہ پیشہ ور خطیبوں کی طرح لکچر سے پہلے عذر کرتا ہوں کہ میری آواز بیٹھی ہوئی ہی میرا سر دکھتا ہی ۔ مگر ہاں خلافِ عادت ایک عذر تو آج میں بھی کرتا ہوں کہ علیٰ رغمِ انف الاطبّاء و طلبۃ المدرسۃ الطبیۃ و اساتذتہم و معلمیہم باشارۃ الله سبحانہ کتا ہوں گو خوش دلی نہیں اور نہ صرف میرا کیا خوش دل نہیں ڈینس خوش دل نہیں اہلِ شہر خوش دل نہیں پنجاب پراونس (صوبہ) خوش دل نہیں ۔

برٹش انڈیا خوش دل نہیں ۵۰

در عالم بے وفا کسے خرم نیست	شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آں کس کہ دریں زمانہ او را غم نیست	یا آدم نیست یا دریں عالم نیست

دو برس سے ملک پر ایسی سختیاں گزر رہی ہیں کہ ایسی حالت میں خوش دلی باقی رہ نہیں سکتی ہزارہا بندگانِ خدا طاعون سے مر گئے اور مر رہے ہیں اور جو اس وقت تک محفوظ ہیں اور خدا ان کو محفوظ ہی رکھے ڈر رہے ہیں قحط نے زمینداروں کو ایسا کھو کھلا کر دیا ہے کہ برسوں کے متواتر سمے ہوں تو ان کا گڑھا بھرے۔ تجارت متنزل ہو رہی ہے دیوالوں کی خبریں سُن سُن کر دل وہلا چلا جاتا ہے کاموں کا مندا ہے۔ طوفانِ نوح کی کیفیت قرآن مجید میں ایک جگہ ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے فَفَتَحْنَا[۵۱] اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان سے برسایا موسلا دھار پانی اور زمین سے اُبلے چشمے اور دونوں پانی مل کر ایک ہو گئے۔ یہی کیفیت ان دنوں آفاتِ ارضی و سماوی کی ہمارے ساتھ ہو رہی ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ بھی آفتیں ہیں سب ایک دم سے نکل پڑی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر شخص کی زندگی کے لیے سانسوں کا شمار مقرر ہوتا ہے کہ جب آدمی وہ شمار پورا کر لیتا ہے مر جاتا ہے۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم

ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ	دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

اور اسی خیال پر یہ بات بھی متفرع ہے کہ فقیر لوگ حبسِ دم سے اپنی زندگی بڑھا لیتے ہیں میں کہتا ہوں اسی طرح خوشی کی بھی فی علم اللہ ایک مقدار مقرر ہوگی۔ ہم لوگوں نے ملکہ کی جوبلی میں افراط کے ساتھ خوشی کر لی کہیں اسی کی کسر نہ نکل رہی ہو کہ بہت کھا لینے کے بعد فاقہ کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے زیادہ ہنسنے سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اَلضِّحْكُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ[۵۲] یہ قومی اور مذہبی اور ملکی تفرقے تو ہم لوگوں نے لگا رکھے ہیں۔ خدا کا برتاؤ تو دنیا میں لوگوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا دکھائی

[۵۱] تو ہم نے موسلا دھار پانی سے آسمان کے پٹ کھول دیئے اور زمین کی سوتیں بہا دیں تو اندازۂ مقرر پر زمین اور آسمان کا پانی مل کر ایک ہو گیا ۱۲ [۵۲] ہنسی ٹھٹے سے دل مردہ ہو جاتا ہے ۱۲

دیتا ہے۔ قحط تھا تو ہندو مسلمان یہودی عیسائی سب ہی کے لیے تھا۔ طاعون ہے تو سب ہی پر ہے۔ زلزلے آئے تو سب ہی پر آئے مگر میں ایک تازہ مصیبت کی باسی خبر دیتا ہوں جو خاص مسلمانوں کے حصے کی ہے اور وہ کیا ہے ڈاکٹر **سر سید احمد خاں** صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ال ال ڈی کا انتقال پر ملال۔ سماعت کے اعتبار سے تو یہ خبر بعض کے لیے شاید باسی بھی ہو مگر احساس کے اعتبار سے تو تمام محمڈن کمیونٹی کے لیے برسوں تازہ رہے گی۔ **سید احمد خاں** کی زندگی میں ہم اُن کی بعض باتوں کو اچھا نہیں بھی سمجھتے تھے ؎

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ مَاسَاءَ قَطّٗ[۵۱] ؏		وَمَنۡ لَّہٗ الۡحُسۡنٰی فَقَطّٗ ؏	

سچ کہا ہے کہ "ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود" مگر جب سے وہ مرے ہیں اُذۡکُرُوۡا مَوۡتَاکُمۡ بِالۡخَیۡرِ[۵۲] ان کی ساری ادائیں اچھی ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کہنے کو **سید احمد خاں** ایک شخص تھے مگر چندیں صفات کے اعتبار سے وہ چندیں اشخاص کے مجموعہ تھے۔ مسلمانوں کے لیڈر، ریفارمر، پولیٹکل اڈوائزر، ریئنسیر، دل و شہر، بڑی نام و نمود کے محمڈن اورنیٹل کالج کے فونڈر۔ علم و مسئلۂ زمانے کے رمز شناس ؎

لَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ بِمُسۡتَنۡکَرٍ[۵۳] ؏		اَنۡ یَّجۡمَعَ الۡعَالَمَ فِیۡ وَاحِدٍ	

مصراع "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" وہ انقباض خاطر جس کا میں نے عذر کیا اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب **سید احمد خاں** کی وفات بھی ہے کہ اُن کو میں نے اپنے ان ہاتھوں سے مٹی دی ہے۔ وہ مٹی تو میں نے اسی وقت دے ڈالی تھی مگر ان کے غم و الم کا دل سے دُھلنا مشکل ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ تو آج میں لکچر کے عوض انقباض خاطر کا عذر پیش کرنے آیا ہوں۔ ؏ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ اور لکچر دینے کا اگر میں ارادہ کرتا بھی تو مجھ سے نہ دیا جاتا۔

۵۱ ایسا کون بشر ہے جس کے سوائے نیکی کے کبھی بُرائی نہ ہوئی ہو ۵۲ مرے ہوؤں کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کیا کرو ۱۲

۵۳ اللہ سے یہ کچھ دور نہیں کہ بہت ساری خوبیاں ایک ہی شخص میں جمع کر دے ۱۲

نظم

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

کسی شان میں گرچہ قاصر نہیں
مگر یاں طبیعت ہی حاضر نہیں

سفر دور را اور لوگ ہارے ہوئے
کہیں خشک سالی کے مارے ہوئے

پہنچنے نہیں پائے تھے کال سے
کہ طاعون آ دھمکی پاتال سے

ہزاروں کے گھر کر دیئے بے چراغ
نہیں اب دلِ زار میں جلے داغ

اب آگے تحمل کا یارا نہیں
کہ دل ہی تو ہے سنگِ خارا نہیں

جو طاعون سے قحط سے تھے معاف
وہاں زلزلوں نے کیا ہاتھ صاف

غرض موت کا گرم بازار ہے
زمیں پر مگر آدمی بار ہے

پھر آخر کو سرحد کی جنگ و جدال
ایک آندھی چلی کر گئی پائمال

بہ افراط ملکی خزانوں کا خرچ
اور اس پر گراں قدر جانوں کا خرچ

گورمنٹ کا گر نہ ہوتا کرم
قیامت کے سامان تھے سب بہم

ہمارا انہیں ہر گھڑی دھیان تھا
کیا جس کے کرنے کا امکان تھا

بچایا جلایا بنایا ہمیں
رکھا ان کی رعایا خدایا ہمیں

الٰہی یہ شاہِ رعیت نواز
کہ عمرش باقبال و دولت دراز

خلائق پہ دائم رہے مہرباں
بہ دل سے آمیں کہو یک زباں

ہو توفیق خیر اُس کے حکام کو
کہ آرام دیں خاص کو عام کو

اور اک یہ کہ مَیں خود بھی جیتا رہوں
کہ ہر سال یاں آکے لکچر کہوں

علالت رہے مجھ سے کوسوں پرے
کہ اس طرح کا زندہ دل کیوں مرے

مَیں لکچر دیتا بھی تو وہی طبِ یونانی اور طبِ انگریزی میں معمولی محاکمہ کرتا۔ لیکن کچھ خبر بھی ہے کہ آج کل طبِ انگریزی کیسے زوروں پر ہے۔ زیادہ تفصیل تو کیا عرض کروں مختصر یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی گورمنٹ

ہو اُن لوگوں نے سارے ملک کی ناکہ بندی کر رکھی ہو۔ یہ بھی حکیم عبدالمجید خاں ہی کی ہمت ہو کہ حریف فتح نمایاں پا چکا ہو اور یہ مقابلے میں ڈٹے ہیں ؎

ہاں ملتیھن نکل گیا ورنہ غیر	اپنی ٹٹّی جما ہے جاتا ہو

ادھر ڈاکٹری کے دم خم اور اُدھر ایک سڈیشن[1] لا جاری ہوا ہو۔ وہ جاری تو ہوا ہو اُونٹوں کے لیئے مگر لومڑیاں آپ کو چھپی چھپی پھرتی ہیں کہ کوئی ان کو "ایں ہم بچۂ شتر است" کہہ کر نہ پکڑوا دے تو سب سے بہتر صلاح جو لومڑی کو دی جا سکتی ہو یہ ہو کہ مصرع

"قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش"

تینتیسواں لکچر

۲۷ اپریل ۱۸۹۸ء کو دلی والوں نے سیّد احمد خاں کی وفات پر رنج و الم کے ظاہر کرنے کے لیئے ٹوٹن ہال میں جلسہ کیا صاحب کمشنر جلسے کے پریزیڈنٹ تھے اُس موقع پر یہ لکچر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا کہیں مشغلۂ لکچر کا جی چھوٹ گیا	ہم سے ایک یار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا
صبر رخصت ہوا سنتے ہی تیرا عزم سفر	تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا
نہ ہی پڑ ۔ تجھے دکھلاؤں گا اپنی پروانہ	گر قفس سے تیرے صیاد کبھی چھوٹ گیا

ابھی چند روز ہوئے میں نے مدرسۂ طبیہ کے سالانہ جلسے میں لکچر دیتے وقت عذر کیا تھا کہ سید احمد خاں کے مرنے کی وجہ سے میری طبیعت حاضر نہیں اور جیسے لکچر کی توقع مجھ سے لوگ رکھتے ہیں ویسے نہیں سکتا۔ میں کیا کروں میرا حال یہ ہو گیا ہو کہ جب کبھی لکچر یا پبلک اسپیچ کا

[1] قانون بغاوت ۱۲

خیال کرتا ہوں سید احمد خاں کی صورت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اُن کا تصور بندھا اور طبیعت بے قابو ہوئی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لکچر اور پبلک اسپیچ وغیرہ کی گدگدی ہم لوگوں میں اُسی مرحوم نے پیدا کی تھی۔ پس خود لکچر دینے کھڑا ہوتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی کو لکچر دیتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کوئی مسلمان انگریزی داں انگریزی خواں نظر پڑ جاتا ہے تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی مسلمان کو کرسیِ حکومت پر اجلاس کرتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی مسلمان کو کسی انگریز کی کوٹھی پر جاتے اُس سے ملتے باتیں کرتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ ٹرکش فز سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کوٹ پتلون سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں میز کرسی چھُری کانٹے سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ غرض ہر انگریزی وضع انگریزی ادا سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں کیوں کہ وہ یہی چاہتے تھے کہ مسلمان انگریزی پڑھیں۔ گورنمنٹ کی معزز خدمتوں پر منصوب ہوں۔ انگریزوں سے ملیں جلیں۔ انگریزوں کی سی وضع اختیار کریں۔ آخر اس میٹنگ کی روداد اخباروں میں چھپے گی تو لوگ سید احمد خاں کے ماتم کے لحاظ سے ہم دلی والوں کو نزدیکان بے بصر کافر نعمت۔ ناشکرے۔ ناسپاس۔ حق ناشناس۔ اور کیا کیا کہیں گے۔ اس لیے کہ ہم سید احمد خاں کے ہم وطن ہیں اور دلی کے سارے فخر مٹ مٹا کر یہی ایک فخر باقی رہ گیا تھا کہ سید احمد خاں اسی اُجڑے دیار میں پیدا ہوئے تھے۔ میں نے دلی کو اُجڑا دیار کہا اس لیے کہ میر تقی نے اپنے زمانے میں اس کو اُجڑا دیار کہا تھا۔ میر تقی لکھنؤ گئے تو جس دن پہنچے اتفاق سے اُسی دن مشاعرہ تھا یہ بے بلائے شریک محفل ہوئے اور فی الوقت اپنی غزل سنائی لوگوں کو ان کے کلام کی پاکیزگی دیکھ کر حیرت ہوئی اور لگے پوچھنے کہ آپ کون صاحب ہیں کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میر صاحب نے ارتجالاً یہ قطعہ پڑھا۔ قطعہ

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو	ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب	جہاں منتخب ہی رہتے تھے سب روزگار کے

اُس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا	ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

خیر تو دلّی کے سارے فخر مٹ مٹا کر یہی ایک فخر باقی رہ گیا تھا کہ **سید احمد خاں** اسی اُجڑے دیار میں پیدا ہوئے تھے تو چاہیئے تھا کہ ہم اُن کی وفات پر غم والم کے ظاہر کرنے میں بھی سب سے پیش پیش ہوتے اور یوں تو علی گڑھ اور دلّی میں چنداں فصل بھی نہیں لیکن ہم ایسے وقت سید احمد خاں کی وفات پر اظہارِ غم والم کے لئے جمع ہوئے ہیں جب کہ ہندوستان کا کونا کونا شہر شہر قصبہ قصبہ شور ماتم سے گونج رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی نامور لوگوں کو مرتے دیکھا مگر **سید احمد خاں** کا سا عالم گیر ماتم تو نہ کسی کا دیکھا نہ سنا۔ لوگوں کا یہ خیال کہ سید احمد خاں کی وفات پر ہم کو اظہار غم والم میں جلدی کرنی چاہیئے تھی متفرع ہے اس بات پر کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے صدمے کا احساس کم ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگوں کا قیاس قیاس مع الفارق ہے جس طرح سید احمد خاں بے مثل و بے مانند تھے اُن کا غم بھی بے مثل و بے مانند ہے اور دوسرے غموں کی طرح وقت کا گزرنا اُس کو فرسودہ اور مضمحل نہیں کر سکتا جس قدر رنج والم **سید احمد خاں** کے مرنے کے دن تھا اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ آج ہے۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ کل ہوگا۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ پرسوں۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ اترسوں وَ هَلُمَّ جَرًّا اِلَى الشُّهُوْرِ وَالسِّنِيْنَ۔ پانچ چھ برس ہوئے جب دلّی میں ایجوکیشنل کانفرنس ہوا تو میں نے ایک نظم میں سید احمد خاں کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

سب تجھے روئے گی سر پر ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت	اور اس کو دیکھے گا جو کوئی جیتا رہا باقی

یہ وہی پیشین گوئی ہے جس کو پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں اور اس کو پورا ہونا ہی تھا۔ **سید احمد خاں** نے جس جس پیرایہ سے قومی خدمتیں کیں اور جیسے جیسے فائدے اُن کی ذاتِ بابرکات سے قوم کو اور ملک کو اور گورنمنٹ کو پہنچے اُن کا بالتفصیل ایک میٹنگ (مجلس) میں بیان کرنا اور میٹنگ بھی وہ جو کہ شام کے چھ بجے شروع ہوئی خَطّیُ اللِّسان کی کرامت کے بدون محالات سے ہے۔ اُن کی خدمات اتنی وافر اور متنوع ہیں کہ ان سے بجائے خود سید احمد خاں کی ایک مبسوط تاریخ

تاریخ مرتب ہوگی۔ مگر میں مختصراً اتنا ہی کہتا ہوں کہ **سید احمد خاں** پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے مسلمانوں کے تنزل کی حالت کو سمجھا پھر اُس کے سبب کی تفتیش کی پھر ازالۂ سبب کی تدبیر سوچی اور آخرکار سمجھانے سے خود اپنا نمونہ دکھانے سے مسلمانوں کو تدبیر کے رستے پر لا ڈالا۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے انگریزوں کی دنیاوی ترقی کا گُر معلوم کیا کہ یہ بچھڑے سائنس کے کھونٹے کے بل کود رہے ہیں اور اُس نے مسلمانوں کو اُسی کھونٹے سے لا باندھا کہ جتنا چاہیں اچھلیں کودیں۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا۔ جو برٹش گورنمنٹ کی فیاضی نیک نیتی خیرخواہی خلائق اور انصاف پر ایمان لایا اور اُس نے اپنے ہم وطنوں کو انگریزوں کی طرف سے اطمینان دلایا۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے سمجھا کہ خدا نے خزائن الارض کی کنجیاں باستحقاق انگریزوں کے حوالے کردیں اور ہم اُن سے مانگ کر لے سکتے ہیں نہ چُرا کر نہ چھین کر۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے معلوم کیا کہ ہندوستان دریا ہے۔ ہم جھینگے اور انگریز مگرمچھ اور اُس نے جھینگوں کو مگرمچھ کے ساتھ دریا میں رہنا سکھایا۔ ریل دیکھی ہے اُس میں ایک انجن ہوتا ہے اور اُس کے پیچھے ایک بڑی لمبی ٹرین۔ انگریز انجن کی جگہ ہیں اور ہم رعایا ٹرین کی۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جو انجن اور ٹرین میں لنک یعنی آنکڑے کا کام دیتا تھا جس کے ذریعے سے ٹرین کو انجن میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ ہم مسلمانوں میں اور انگریزوں میں وجوہ مغائرت بکثرت ہیں کہ ہم دونوں فریقوں کا نہ مذہب ایک نہ زبان ایک نہ وطن ایک نہ رسم و رواج ایک نہ طرزِ تمدن ایک۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے درمیان سے پردۂ مغائرت اٹھا دینے کی کوشش کی اور اگر وہ پردہ سدِ سکندر تھا تو اُس کی کوشش سے دیوار آہنی ہوا پھر ریختے کی دیوار پھر کچی پھر

روئی کا پردہ اور اب تو ایک چلمن کی آڑ رہ گئی ہے اور اگر وہ زندہ رہتا تو اس کو بھی اُٹھا دیتا اور ہم کو انگریزوں سے گھلنے کا موقع ملتا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

غرض یہ تھا اور ایسا تھا وہ شخص جس کی وفات پر اظہارِ حسرت و افسوس کے لیے ہم لوگ اس وقت جمع ہوئے ہیں مگر نزار رانڈوں کی طرح کا آنسو بہانا تو ایک فعلِ عبث ہے۔

کیا فائدہ کہ تذکرۂ ماضی کریں — کیوں یادِ رفتگاں میں ماتم بپا کریں
بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں — اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں
فرہاد وار در صددِ جوئے شیر کیا — اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

مسلمانو! اگر تم واقع میں سر سید کو ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا میں نے اپنی طرف سے اصالتاً اور تمہاری طرف سے نیابتاً بیان کیا اور اگر واقع میں تم سر سید کی قومی اور ملکی خدمات کی قدر کرتے ہو اور تم کو اُن کے دنیا سے اُٹھ جانے کا قلق ہے تو جو فائدے وہ مردِ بزرگ تم کو پہنچا گیا ہے اُن کا احراز کرو وہ کارِ دنیا کسے تمام نکرد" کالج کیا عمارت کی حیثیت سے اور کیا فنڈز کے اعتبار سے ادھورا پڑا ہے اُس کی تکمیل کرو مگر اس کی تکمیل یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ سے نہیں ہوتی بلکہ ہوتی ہے ابیض منقوش سے۔ آپ لوگ حیران ہوں گے کہ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کا کیا مضمون ہے تو بات یہ ہے کہ میں ایک شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھا اور اتفاق سے شہر کی فوجداری کا چارج بھی میرے پاس تھا اتنے میں آیا محرم اور وہاں سُنّی اور شیعہ دونوں فریق آپس میں بڑی کشمکش رکھتے تھے۔ میرے دوستوں میں ایک صاحب شیعہ تھے اور وہ بڑی دھوم سے عزاداری کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھکو مدعو کیا سُنّی اور حاکم شہر ہونے کی حیثیت سے طبیعت نے مضائقہ تو کیا مگر میں نے یہ خیال کیا کہ ہر چند مجالس عزا میں ضعیف روایتیں بلکہ اکثر غلط بیان کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو رقت ہو مگر پھر بھی آخر ایک مذہبی رنگ ہے اور میری شرکت سے مجلس میں کسی کو فساد کرنے کی جرأت بھی نہ ہو گی۔ اس خیال سے میں شریکِ مجلس ہوا۔ ایک ذاکر صاحب نے بیان کرنا شروع کیا۔ آدمی تھے خوش بیان خوش آواز سننے کو جی چاہتا تھا مگر

میرے پہلو میں ایک شیعہ صاحب بیٹھے تھے اور وہ بار بار محل بے محل پکار پکار کر یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کہتے جاتے تھے اور بیان ذاکر سننے نہیں دیتے تھے یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کے معنی یہ کہ ای کاش میں بھی امام حسینؑ کے لشکر میں ہوتا۔ خیر میں بادلِ ناخواستہ کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا۔ میرا آنا تھا کہ مجلس میں فساد ہوا۔ پولیس نے گیر و دار کی۔ بہت سے شیعہ سنی پکڑ آئے۔ اُن میں وہ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ بھی تھے اور اُنہوں نے حلفاً شرکت مجلس سے انکار کیا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ مسلمان سرسیّد کے مرنے پر ایسا گریہ و زاری نہ کریں کہ رونے دھونے میں تو یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ اور دینے کا وقت آئے تو شرکت سے انکار۔ میں سرسیّد کو تقریباً پینتالیس برس سے جانتا ہوں اور وہ مجھ پر ایک خاص طرح کی عنایت فرماتے تھے۔ میں اُن کے کالج کا ٹرسٹی تھا۔ میں اُن کے کالج کا لکچرار اور دنیاوی تدابیر میں جو وہ مسلمانوں کی بہبودی کے لیے کیا کرتے تھے اُن کا ہم خیال ہیں سرسیّد کے ذاتی حالات سے بڑی آگہی رکھتا ہوں خدمات غدر کے جلدو میں اُن کو ایک باغی مسلمان کا علاقہ ملتا تھا اُنہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کیا کہ میں ایک مسلمان بھائی کے خون سے اپنی پیاس نہیں بجھانی چاہتا۔ غدر کے فرو ہوتے ہی پیچھے سرسیّد نے بڑی جرأت سے گورمنٹ کے انتظام پر نکتہ چینی کی۔ ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب لکھ ماری کہ کوئی مسلمان اسلامی حیثیت سے برٹش گورمنٹ کا خیر خواہ ہو نہیں سکتا۔ سرسیّد نے سینہ سپر ہو کر اُس کا دنداں شکن جواب دیا اور وہ ہر ایک وقت اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ ہندو اُن کی طرف سے کسی قدر بدگمان تھے اس لیے کہ سرسیّد کانگریس کے سخت مخالف تھے لیکن اب ہم ہندوؤں کو بھی ماتم کرتے دیکھتے ہیں۔ جب کانگریس والوں نے ناٹو برادرز اور تلک کو قید کرا لیا دامودر کو پھانسی دلوا چکے سڈیشن لا جاری کرا دیا تو اب سمجھے کہ ہاں وہ مسلمان بڈھا ٹھیک کہتا تھا۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید		کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

چونتیسواں لکچر

جو حکیم عبد المجید خاں صاحب کو عطائے خطاب "حاذق الملک" کی تقریب پر جلسہ تہنیت ٹون ہال دہلی میں ۱۸۹۸ء کو پڑھا گیا

ہوتی ہی یوں تو اوروں کو عزت خطاب سے
لیکن ہوئی خطاب کی عزت جناب سے

تم نے ہی اس کو پھر سے جما یا وگرنہ لوگ
خارج ہی کر چکے تھے طبابت حساب سے

ایک تہلکہ ہو ملک میں طاعون کے خوف سے
ڈرنا ہی سب کو چاہیے اُس کے عذاب سے

حاذق ہیں آپ فرض حذاقت نہ ہو قضا
خالی نہیں رہی کوئی طاعت ثواب سے

آنے نہ پائے شہر میں طاعونِ نابکار
ایسا نکالیے کوئی نسخہ کتاب سے

یعنی بیاضِ خاص جو پہونچی ہو آپ کو
محمود خان صاحبِ غفراں مآب سے

اور آبھی جائے خیر تو کوئی نہ ہو ہلاک
طفلِ رضیع و مرد و زن و شیخ و شاب سے

طاعونیوں کو زحمتِ نقلِ مکاں نہ ہو
عورات گھر میں بیٹھی رہیں احتجاب سے

اور یہ نہیں تو موہم سو ادب نہ ہو
واقف نہیں طبیب حقیقت کے باب سے

خدا کے فضل سے یوں تو شہر میں اور بھی صاحبِ خطاب ہیں میں اپنا مذکور نہیں کرتا کہ اوروں کو جو خطاب ملے ہیں بہ استحقاق ملے ہیں اور میں تو بلا استحقاق بخت و اتفاق سے گھر بیٹھے شمس العلماء بن گیا نہ خطاب سے پہلے اپنے تئیں اس کا اہل سمجھا اور نہ حصولِ خطاب کے بعد۔ یہاں تک کہ سر ولیم میکور تھ ینگ کو جو میں نے شکریہ کی نظم لکھ کر دی تو اُس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

مجکو ملا خطاب تو ہو مجکو اس سے فخر
گو ہو خطاب کو مری نسبت سے عار و ننگ

بہر کیف مجکو چھوڑ کر شہر میں اور بھی صاحبِ خطاب ہیں۔ خطاب پانے والے کو تو خطاب کی خوشی ہوا ہی کرتی ہو اور ہونی بھی چاہیے۔ مگر دیکھنا یہ ہو کہ دوسرے لوگ کہاں تک اس خطاب سے

خوش ہوئے ہیں۔ تو میرے نزدیک غالباً یہ پہلا موقع ہی کہ اہلِ شہر حکیم عبد المجید خاں کے مخاطب ہونے کا شکریہ گورنمنٹ کو بھیجنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور اب گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے عبد المجید خاں کو خطاب دے کر نہ صرف عبد المجید خاں کو بلکہ تمام اہلِ شہر کو چہ ہندو و چہ مسلمان چہ عیسائی اپنا ممنونِ احسان بنا لیا ہی۔

مَیں عبد المجید خاں کو دوست رکھتا ہوں اور ہمارے اتنے بڑے شہر میں کون ہی جو عبد المجید خاں کو دوست نہیں رکھتا مگر دوستی کے علاوہ مجکو ایک خاص طور کی خوشی ہی کہ میں عبد المجید خان کے مدرسۂ طبیہ کا لکچرار ہوں اور نا آزمودہ طبِ یونانی کا طرف دار۔ میرے نزدیک گورنمنٹ نے عبد المجید خاں کو خطاب دے کر پبلک پر یہ بات ظاہر کر دی کہ گورنمنٹ مدرسۂ طبیہ اور طبِ یونانی دونوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہی۔ عبد المجید خاں کو خطاب تو اب ملا ہی مگر میں تو اسی دن سے جب عبد المجید خاں نے مدرسۂ طبیہ کی بنیاد ڈالی اس انجام کو سمجھ چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ مدرسۂ طبیہ ضرور حکام کو بلا کر رہے گا۔ چنانچہ بلایا اور وہ آئے اور ممکن نہ تھا کہ حکام کو پبلک کے فائدہ کا ایک انسٹیٹیوشن دکھایا جائے اور وہ اُس کی قدر نہ کریں۔ عبد المجید خاں کا خطاب اسی قدر دانی کا ضروری نتیجہ ہی بلکہ میں کہتا ہوں کہ اسی قدر دانی کی تمہید ہی ؎

	کارِ کلی ہنوز در فتد راست		ایں کہ دیدی مراتبِ جزوی ست

پس میں ممبرانِ کمیٹی سے بڑے ابرام کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ اہلِ خطاب ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ دہلی کا باشندہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مدرسۂ طبیہ کا لکچرار اور طبِ یونانی کا نا آزمودہ طرف دار ہونے کی حیثیت سے شکریئے کے ووٹ میں سب سے پہلے میرا نام لکھیں

پینتیسواں لکچر

جو

انجمن حمایت اسلام لاہور کے چودہویں سالانہ جلسے میں اسلامیہ کالج پر جون ۱۸۹۸ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کفر کافر را و دیں دیندار را	ذرۂ دردے دل عطار را

یہ حضرت شیخ **فرید الدین** عطار قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ایک شعر ہے جو کبار مشائخ رضوان اللہ علیہم میں سے ہو گزرے ہیں۔ اور شعر کہہ کر بھی اس کی تقریب کیوں کروں بلکہ مجکو یوں کہنا چاہیئے کہ یہ اُن کی دعا ہے اور دعا بھی مخ الادعیہ و دعاؤں کی جان۔ ہم لوگ جو دعا کیا کرتے ہیں اور کون ہے جو دعا نہیں کرتا یعنی کون ہے جس کو کسی طرح کی حاجت نہیں اور وہ اُس کو خدا سے نہیں مانگتا وَاللّٰہُ[۱] الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ تو ہم لوگ جو دعا کیا کرتے ہیں تو ہماری دعا اکثر مال اور اولاد اور تن درستی وغیرہ دنیا کے چند روزہ اور عارضی فائدوں کے لیے ہوا کرتی ہے۔ زُیِّنَ[۲] لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ بات یہ ہے کہ انسان کے پیدا کرنے میں خدا نے عجیب طرح سے جمع بین الاضداد

---

[۱] اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اُسی کے محتاج ہو [۲] لوگوں (کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اُن) کو (دنیا کی) مرغوب چیزوں یعنی (مثلاً) بیبیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھی معلوم ہوتی ہے (حالانکہ) یہ (تو) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اُسی (اللہ) کے ہاں ہے (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ (اگر چاہو تو) میں تم کو ان (دنیاوی چند روزہ فائدوں)

کیا ہو۔ انسان کا کالبد عناصر مختلف الطبائع سے مرکب ہو سو ہو جن میں جزوِ غالب مٹی ہو مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ[۵۱] وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اس ترکیب کے علاوہ انسان میں ایک ترکیب روح وجَسَد کی اور ہر جسم انسان میں مثلاً آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دکھایا ہو تو روح وجَسَد کے مجموعے میں نُور و ظلمت کو لطیف و کثیف کو باقی اور فانی کو۔ یوں تو پانی آگ بجھا دیتا ہو مگر دیگچی میں ڈال کر جوش دو تو آگ کی خاصیت یعنی حرارت پانی میں آجاتی ہو۔ آگ اور پانی کا جمع ہونا تو کسی قدر سمجھ میں آ بھی ہو مگر روح وجَسَد کے جمع ہونے کا معمّا نہ آج تک حل ہوا نہ ہو اس واسطے کہ روح کی حقیقت معلوم نہیں تو روح وجَسَد کے تعلق کی کیفیت کیا معلوم ہو۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[۵۲] غرض ہم اپنی حد سے قدم کیوں باہر رکھیں اتنا جانتے ہیں اور اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ انسان میں جَسَد اور روح دو چیزیں ہیں۔ جَسَد مادّی ہو کثیف اور اُس میں اجزائے ارضی غالب اور روح کوئی چیز ہو غیر مادی لطیف اور انسان کی طبیعت میں دونوں قسم کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است	از ملائک سرشتہ وز حیوان
گر کند میل ایں شود کم ازیں	ور رود سوی آں شود بہ ازاں

جن کی طبیعت میں جسمانیت غالب ہو وہ مٹی سے بنے ہیں اور مٹی کا خاصہ ہو پستی ؎

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۷ سے بہت بہتر چیز بتاؤں (وہ یہ کہ) جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں (بہشت کے) باغ ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہیں (اور وہ) اُن میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور (باغوں کے علاوہ اُن کے لیے) پاک صاف بیبیاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) خدا کی خوشنودی (رہی) اور اللہ بندوں (کے نیک و بد) کو دیکھ رہا ہو ۱۲ [۵۱] (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اُسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اُسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے [۵۲] (اے پیغمبر لوگ) تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو (ان سے) کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا ایک حکم ہو اور (تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہو ۱۲

زخاک آفریدت خداوند پاک — پس ای بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہاں سوز و سرکش مباش — زخاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتش ہولناک — بہ بیچارگی تن بینداخت خاک
چو آں سرفرازی نمود ایں کمی — ازاں دیو کردند ازیں آدمی

[۱] تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یہ جسمانیت ہی تو ہے جو ہمارے خیالات کو بلند نہیں ہونے دیتی اور ہم دعا بھی کرتے ہیں تو مال اور اولاد اور تن درستی وغیرہ دنیا کی چند روزہ اور عارضی اور فانی یعنی ادنیٰ درجے کی چیزوں کی لیکن سب کا یہ حال نہیں لَيْسُوْا سَوَاۗءً ان سے اونچی پرواز اُن کی ہے جو [۲] بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کو پیش نظر رکھ کر آخرت کی خیر منایا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم دنیا کے طلبگاروں سے تو یقیناً اعلیٰ اور افضل اور اشرف ہیں مگر گردان کبوتر کی طرح یہ بھی دانے کے لالچ سے چھتری ہی کے گرد منڈلا رہے ہیں ؎

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے — حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

غرض دنیا کے طالب ہوں یا آخرت کے ہیں دونوں خود غرض۔ ہم تو اُن کی ہمت اور سیر چشمی کے قائل ہیں جو نہ دنیا چاہتے ہیں اور نہ عقبیٰ۔ اور چاہتے ہیں تو کیا چاہتے ہیں درد ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را — ذرۂ دردے دل عطار را

مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس درد کے لیے حضرت شیخ فریدالدین عطار جیسا برگزیدۂ خدا دعا کرتا تھا وہ کیا درد تھا وہ درد تھا درد قوم۔ اور ہمارے ملک اور ہمارے زمانے اور ہماری قوم میں اس نکتے کو پہنچا تھا وہ مرنے والا سید احمد جس کا ماتم لوگ مہینوں سے کر رہے ہیں اور برسوں

[۱] (دنیا کی نعمتیں تو ہر کس و ناکس کو مل جاتی ہیں مگر) یہ آخرت کا گھر ہے جس (کی نعمتوں) کو ہم نے ان لوگوں کے لیے (خاص) کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی کرنی نہیں چاہتے اور نہ فساد (کے خواہاں ہیں) اور انجام (بخیر تو) پرہیزگاروں (ہی) کا ہے ۱۲

[۲] مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) کہیں بہتر اور زیادہ پائدار ہے ۱۲

کیا کریں گے اور میں نے تو دہلی کے کانفرنس میں پیشین گوئی کی تھی اور سید احمد کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

تجھے روئے گی سر پہ ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت	اور اس کو دیکھ لے گا جو کوئی جیتا رہا باقی

اس مرض نے اُسے اتنے دنوں زندہ رکھا اور آخر کو اسی درد نے اُس کو مارا بھی اور اُمید ہے کہ دردمندوں کے ساتھ اُس کا حشر بھی ہوگا اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ ؎

درد ہو جان کے عوض ہر رگ و پے میں اپنے	چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

میں حیدرآباد میں تھا اور یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر نظام گورنمنٹ کے چیف سکرٹری تھے اور آنریبل سید محمود بھی نظام سروس میں داخل ہونے کے لیے حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے سید احمد خاں سخت بیمار پڑے محمود نے ڈاکٹر کو جو سید احمد خاں کا معالج تھا لکھا کہ اگر سید احمد خاں کی حالت خطرناک ہو تو مجھے اطلاع دو۔ ڈاکٹر نے محمود کو اطمینان دلایا کہ تمہارے باپ کی جان علی گڑھ کالج میں لگی ہوئی ہے کالج کے پورے ہونے تک تو وہ مرتے نہیں۔ اور واقع میں ظاہری تن و توش کے اعتبار سے وہ ابھی نہ مرتا اُس کو قبل از وقت مارا کالج کے نقصان نے۔ اُس نے کالج کے نقصان کی تلافی کے لیئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ قوم نے اُس کی فریاد نہ سُنی وہ اُس کے صدمے کا متحمل نہ ہو سکا اور یا یوں سا نہ اپنی جان پر کھیل گیا۔ اب قوم اُس کے لیئے بیٹھ کے بھاتی ہے اور قوم سے اُس کا خون بہا لینا ہے۔ دس لاکھ روپیہ اگر قوم نے دینا ادا کر دیا تو خیر ورنہ قوم پر سرسید کے خون کا دعویٰ کرنا پڑے گا۔ دس لاکھ روپیہ جو ہم لوگوں نے سید کا خون بہا قرار دیا ہے یہ اُسی مرنے والے کی خاطر سے ہے کہ وہ چہرہ قسمت قوم پر اپنی جان فدا کر کے گویا تھا ورنہ اُس کی جان گرامی کا تو کچھ معاوضہ ہو ہی نہیں سکتا ؎

ہر چہ در عالم قیمت خود گفتہ	نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

۱؎ الٰہی خاکساری ہی کی حالت میں مجھکو زندہ رکھ اور مسکینی ہی کی حالت میں مجھکو مار اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر

آ، درد کے متعلق جس کے لیے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور جس درد میں سید احمد خاں نے جان دی دو چار باتیں اور سنو تاکہ اس درد کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ خدا کی طرف سے یہ درد رحمت کے پیرائے میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ [۵۱] اور رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ [۵۲] اور کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ [۵۳] اور بندوں کی طرف سے باہمی الفت محبت شفقت ہمدردی خیرخواہی کی صورت میں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ [۵۴] فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ [۵۵] ایک مسئلہ کلیہ ہے اور اسی کی بنا پر اکثر خیال آیا کرتا ہے کہ خدا نے یہ دنیا کا جنجال کیوں بنا کھڑا کیا ہوگا اور قرآن میں بھی رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا [۵۶] اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ [۵۷] اور اسی طرح کی دوسری آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے تو انسان جہاں اور باتوں کی لم کے دریافت کرنے کے پیچھے پڑا رہتا ہے چاہتا ہے کہ مصلحت خلق عالم کو بھی دریافت کرے۔ مفسرین نے بہت سی باتیں تجویز کی ہیں از آں جملہ جو بات سب سے زیادہ دل کو لگتی ہوئی ہے یہ ہے کہ دنیا اظہار درد کے لیے بنائی گئی ہے۔ یعنی یوں تو خدا کی ذات تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے مگر اس کی غالب صفت رحمت ہے۔ اور اسی رحمت کا نمودار کرنا منظور تھا کہ اس نے

[۵۱] خدا تو لوگوں پر بڑی ہی شفقت رکھنے والا مہربان ہے ۱۲ [۵۲] اور میری جو رحمت ہے وہ سب چیزوں کو شامل ہے ۱۲ [۵۳] اس نے (از خود لوگوں پر) مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ۱۲ [۵۴] اور ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے (پیدا) کر دیتے جو زمین میں تمہاری جگہ آباد ہوتے ۱۲ [۵۵] حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۱۲ [۵۶] اے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا ۱۲

[۵۷] (لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بے کار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف لوٹ کر آنا نہیں ۱۲

یہ عالم بنایا جس کے ذرہ ذرہ سے اس کی شان رحیمی ظاہر ہوا شد الظہور ہو۔ اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

قریب قریب اسی کا ترجمہ ہے

قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ سے خالق اور مخلوق کا علاقہ قولی و دلی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا گھر ہے خدا رب البیت اور مخلوقات اس کے بال بچے۔ رب البیت ہونے کی حیثیت سے خدا کا کام ہے اپنے بال بچوں کا پالنا۔ اور وہ پال رہا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور عیال ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے اس کا حکم ماننا اس کی مرضی پر کاربند ہونا جس کا دوسرا نام ہے دین۔ بے شک دین ایک علم مبسوط ہو گیا ہے اور اگر ہم دین کے صرف خلاصے لکھنے چاہیں جیسے آج کل کے طالب علم مثلاً تاریخ کے سوالات بنا لیا کرتے ہیں تاہم عبادات۔ معاملات۔ اوامر و نواہی کی لمبی فہرستیں بنانی پڑیں گی۔ مگر ان سب کا لب لباب آخر کو جا کر ٹھہیرے گا وہی درد جس کی نسبت میں نے بھی کہا تھا کہ خدا کی طرف سے رحمت کے پیرائے میں ظاہر ہوتا ہے اور ہم بندوں کی طرف سے باہمی الفت محبت

۵۱ اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعہ سے (درختوں کے) پھل نکالے وہ تمہاری روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں بڑے چکر لگا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدر مناسب تم کو دیا اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو پورا پورا گن نہ سکو کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا ہی بے انصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا ہے ۱۲

۵۲ اور جتنے جاندار روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں ان (سب) کی روزی اللہ ہی کے ذمہ ہے ۱۲

شفقت ہمدردی خیرخواہی کی صورت میں۔ دنیا میں کسی مذہب کو بھی درد کی رعایت سے خالی نہ پاؤگے اس لئے کہ مذہب کی بنیاد ہی درد پر رکھی گئی ہو بلکہ بعض نے تو درد کے بارے میں اتنا مبالغہ کیا ہو کہ جس طرح بہت شیرینی گلو سوز ہو جاتی ہو اُسی طرح اُنھوں نے درد پر اتنا زور دیا کہ حد امکان سے باہر ہو گیا اور اگر اُس پر عمل کیا جائے تو بجائے اس کے کہ امن و عافیت کو ترقی دے اُس میں خلل انداز ہو ؎

	لطفِ حق با تو مواسا ہا کند		چوں کہ از حد بگذرد رسوا کند

عیسائیوں کے یہ احکام کہ اگر کوئی تیرے داہنے گلّے پر طمانچہ مارے تو تو بایاں بھی اُس کے آگے کر دے یا یہ کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی طرح جانی دشمن کے حق میں صدق دل سے دعا کر اسی قبیل سے ہیں ہندوؤں میں بھی دیا کی بڑی تاکید ہو یہاں تک کہ ان کے ہاں جان کے مارنے سے بڑھ کر کوئی ہتیا نہیں ؎

	میازار مورے کہ دانہ کش است		کہ جاں دارد و جانِ شیریں خوش ست

ان میں کا ایک گروہ رات کو گھر میں چراغ نہیں جلاتا۔ مُنہ پر کپڑا لٹکائے رہتے ہیں۔ گئو کی رکھشا کرتے جانوروں کے پانی پینے کے لئے بازاروں میں پیاؤ بٹھائے رکھتے چیونٹیوں کے بلوں میں کھانڈ ڈالتے پھرتے۔ افسوس کہ ان رحم دل لوگوں میں اب ایک گروہ ایسا نکل پڑا ہے جو اپنے جیسے آدمیوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ ”بدنام کنندہ نکونامے چند“ لوگ غور نہیں کرتے۔ غور کریں تو جانیں کہ درد ہی اصل دین ہو۔ درد ہی وہ ستون ہو جس پر زمین و آسمان کھڑے ہیں درد ہی دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ درد ہی دین داری اور خدا پرستی کی معیار ہو مصرع

”آں را کہ عقل بیش غم روزگار بیش“

لوگ تو اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جس میں عقل بہت ہوتی ہو وہ سب سے زیادہ دنیا کے بکھیڑوں میں مبتلا رہتا ہو اور میں یہ معنی کرتا ہوں اور یہی ہیں آدمی اور یہی ہونے چاہئیں کہ جس میں عقل بہت

ہوتی ہے اُس کو اپنا سے روزگار کا درد بہت زیادہ ہوتا ہے یعنی درد قومی عقل کی کمی بیشی کی شناخت کی کسوٹی ہے۔ بزرگانِ دین کے حالات پر نظر کروگے تو پاؤگے کہ یہی درد ان کے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کرتے ہیں کہ ان کو جس قدر امت کا درد تھا ہم اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وہ ہر وقت ایک ایک مسلمان کے لیے جان تک دینے کو موجود تھے۔ وہ مسلمانوں کو ننگا بھوکا نہ دیکھ سکتے اور آپ فقر و فاقے سے بسر کرتے۔ اس سے بڑھ کر فقر و فاقہ اور کیا ہوگا کہ ساری عمر جَو کی روٹی پیٹ بھر نہ کھائی۔ پیٹ پر پتھر باندھے کہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو۔ اکثر ایسا ہوا کہ بیتِ نبوی میں چراغ نہیں جلا۔ صحابہ کسی ضرورت سے حاضرِ خدمت ہوئے آپ لیٹے تھے اُٹھ بیٹھے تو پہلوؤں میں کھجور کے بوریئے کی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں یہ دیکھ کر صحابہ کا دل بھر آیا۔ اور بہ فرقِ مراتب قریب قریب یہی حال اہل بیت اور صحابہ کا تھا رضوان اللہ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔ ان لوگوں نے اسلام کی کھیتی کو خون اور پسینے سے سینچا تب کہیں جا کر وہ پھلی پھولی اور اس میں عزت اور دولت اور سلطنت اور تہذیب اور شائستگی کے پھل لگے ؎

تو کہ بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی		بجز دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی	

اور یہ واقعات تاریخی اور نفس الامری ہیں۔ کہیں ایسا نہ سمجھ لینا کہ بزرگانِ دین میں سے جو لوگ فقیر منش تارک الدنیا ہو گزرے ہیں امت کے درد سے فارغ تھے۔ نہیں نہیں۔ ان کے پاس بھی درد کی کمی نہ تھی۔ مگر کسی کا درد ملک گیری اور ملک داری کی شکل میں ظاہر ہوا کسی کا وعظ و پند کی کسی کا اصلاح النفوس کی کسی کا تعلیم و تلقین کی کسی کا درس و تدریس کی کسی کا تصنیف و تالیف کی۔ اب میں دکھاتا ہوں کہ سید احمد خاں کا درد دل کن کن شکلوں میں ظاہر ہوا۔ وہ پاک دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اور چوں کہ پاک اصل کی فرع تھے اور اُن کا خاندان مذہبی خاندان تھا اوائل عمر سے اُن کی توجہ مذہب کی طرف مصروف ہوئی وہ ایک مدت تک فقیروں کی طرف مائل رہے۔ پھر اُن کو حدیث کا شوق ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ کتب حدیث کے مطالعہ نے اسلام کی

له (لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے (اور) وہ ان کو تمہاری بہبود کا ہر دم خیال رہتا ہے۔ مومنوں (پر) نہایت شفیق (اور) مہربان ہیں ۱۲

سادگی اور آزادی کا نقش فی الحجر اُن کے ذہن میں بٹھائی۔ آثار الصنادید اُن کی ابتدائی تصنیف ہے
جس سے اُن کی طبیعت کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ اُن کی عمر کے لوگ ایشیائی مشغلوں سے جی
بہلاتے تھے یہ پُرانی دلی کے کھنڈرات کی تحقیقات میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ گزشتگان
کی یادگاریں زیارتِ قبور کا حکم رکھتی ہیں جس کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا اَلْيَنُ لِلْقُلُوْبِ [۱] میں سمجھتا ہوں آثار الصنادید
کی تصنیف سے **سید احمد خاں** کا طبعی دردِ دل ڈیولپ ہونا شروع ہوا پہلے فقہ پھر حدیث
پھر آثار الصنادید کی تصنیف سے مزاج کی افتاد تو معلوم ہوئی مگر ابھی تک سید احمد خاں نے اپنا کوئی
خاص مسلک قرار نہیں دیا تھا مسلک کی تعیین میں بہت دنوں تک اُن کی حالت اُن کے جدِ امجد ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام
کی سی رہی [۲] وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا
جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ
الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۔ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ
فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۔ حیرت اور تردد کا جو کچھ اور جیسا کچھ پردہ دل کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس کو

۱ہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا اب میں اجازت دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے
کہ قبروں کی زیارت دل کو خوب نرم کر دیتی ہے۔ ۱۲ ۲ہ (اور جس طرح ابراہیم کے دل میں ہم نے یہ خیال پیدا کیا) اسی
طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ تو جب
اُن پر رات چھا گئی اُن کو ایک ستارہ (نظر آیا) اور اس کو دیکھ کر لگے کہنے کہ یہی میرا پروردگار ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا
تو بولے کہ غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں رکھتا (کہ خدا مان لوں) پھر جب چاند کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے
تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے ۱۲ پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہِ راست نہیں دکھائے
گا تو بے شک میں (بھی) گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے کہ یہی میرا

(سورۂ انعام رکوع ۹ پ ۷)

ہٹاکر چودہ طبق روشن کر دیئے۔ یہ غدر مسلمانوں کے حق میں ایک طرح کی قیامت تھی تو جس طرح حقیقی قیامت میں ساری حقیقت کھل پڑے گی غدر کی نقلی قیامت میں سید احمد خاں نے بچشم سر دیکھا کہ مسلمان پس گئے مٹ گئے۔ تباہ و برباد ہوگئے ہمیشہ کے لیے حکام وقت کی نظر میں بے اعتماد ٹھہر چکے اِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ اب سید احمد خاں کی حبِّ قومی نے اس زور سے خروج کیا جیسے کوہ آتش فشاں سے پگھلا ہوا مادہ نکلا کرتا ہے۔ انھوں نے جان و مال اور آبرو کی مطلق پروا نہ کر کے عین شورش کے زمانے میں گورنمنٹ کے انتظام پر نکتہ چینی کی۔ جو شخص غدر کے حالات سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ سید احمد خاں کا یہ فعل کسی طرح جہادِ اکبر سے کم نہ تھا۔ سید احمد خاں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ گورنمنٹ کے اصول کو سمجھا اور تمام حالات پر نظر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ برٹش گورنمنٹ سے بہتر کوئی گورنمنٹ ہو نہیں سکتی اور ملک کی فلاح اور بہبود اسی کے ثبات اور قیام اور اطمینان کے ساتھ وابستہ ہے پس یہ گر تھا جو سید احمد خاں نے پکڑ پایا اور پھر اس جزو ضعیف نے کوشش شروع کی کہ گورنمنٹ اور رعایا میں جو اجنبیت ہے اس کو کسی ڈھب سے دور کر دوں اس کے بعد سے اس نے جو کچھ کیا اور بہت کچھ کیا اور جو کچھ کہا اور بہت کچھ کہا اور جو کچھ لکھا اور بہت کچھ لکھا سب کا ترجیع بند گورنمنٹ اور رعایا کا اتحاد اور التیام ہے۔ وہ بے شک مسلمان تھا اور سچا مسلمان تھا اور وہ اول خویش بعدہٗ درویش کے پیچرل رول کے مطابق اس کی کوشش مسلمانوں کے گروہ میں محدود تھی مگر اس کے اصول عام تھے اور ہندو مسلمان یکساں طور پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۵ ہے پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم شریک (خدا) مانتے ہو میں تو ان سے بے تعلق محض ہوں۔ میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رخ اسی ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ ۱۲ سلا بادشاہ جب کسی شہر کو بزور فتح کر کے اس میں داخل ہوا کرتے ہیں تو ان کا دستور ہے کہ اس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور (واقع میں) ایسا ہی کیا کرتے ہیں ۱۲

اُس کی نصیحتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ اُس نے ایسے بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا تھا جو حقیقت میں رفارمر کا نہیں بلکہ پیغمبر مؤید من اللہ کے کرنے کا تھا اور صدیوں میں کرنے کا تھا اور ضرور تھا کہ قدم قدم پر اُس کو ناکامی پیش آئے اور آتی ہی تھی۔ میں اپنی جگہ **سیّد احمد** کی نسبت کہا کرتا تھا **مصرع**

چہ ہاست در سر ایں قطرۂ محال اندیش

متصل اور متواتر ناکامیوں سے اُن کا غصہ بڑھ گیا تھا وہ جلی کر اپنوں کو بھی سخت بات کہہ بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے خیال میں محو ٹہل رہے تھے میں جا نکلا تو بار بار اُن کے منہ سے نکلا پاجی! پاجی!! میں نے کہا کیا مجکو ارشاد ہوتا ہے۔ ایک بار لال پیلی آنکھیں نکال کر کہا ہاں تم کو۔ لوگ اس بھید سے تو واقف نہ تھے مگر بگڑ بیٹھتے تھے۔ اُنہوں نے کانگریس کو ملک اور گورنمنٹ دونو کے حق میں مضر سمجھ کر سختی کے ساتھ مقابلہ کیا ؎

درپا بخیال خویش موئے دارد | خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست

ہندو بھائی خفا ہو گئے مگر اب کہ دامودر کو پھانسی دلوایا۔ تلک کو قید کرایا۔ نا تو برادر کو جلاوطن اور سڈیشن لا (قانون بغاوت) جاری کرادیا۔ اب سمجھے کہ ہاں وہ بڈھا مسلمان ٹھیک کہتا تھا ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ | ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مگر ہندؤں میں بھی جو رمز شناس تھے وہ شروع سے **سیّد احمد** کے حق میں گمانِ نیک رکھتے تھے اور اس کی تمام باتوں کو پسند کرتے تھے۔ **علی گڑھ کالج** کے چندہ دینے والوں کی فہرست میں ہم مہاراجہ پٹیالہ۔ مہاراجہ وزیانگرم۔ مہاراجہ بنارس جیسے روشن ضمیر غیر متعصب سرداروں کے نام دیکھتے ہیں اور اب بھی تمہارے اسی شہر کے پنڈت جناردہن نے میموریل فنڈ میں ایک ہزار روپیہ چندہ دیا ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ابھی بہت سے ہندو چندہ دے کر انصاف اور بے تعصبی اور انسانی ہمدردی کا پورا ثبوت دیں گے۔ افسوس تو اُن مسلمانوں پر ہے جو **سیّد احمد** کی نسبت مذہبی اشتباہات کی وجہ سے سیّد احمد کے جیتے جی اُس کے ساتھ مخالفت کرتے رہے

اور ہر ایک پر سو ورتے۔ علی گڑھ کالج کی بیخ کنی کے پیچھے پڑے ہیں اُذکُرُوا مَوتَاکُم بِالخَیرِ کسی کو سید احمد کے حق میں کوئی بری بات کہنی زیبا نہیں۔ سید احمد سے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کمی اور کوتاہی ہوتی ہوگی اور کس سے نہیں ہوتی ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

لیکن دین کی خدمت چند در چند طرح کی ہے۔ سید احمد خاں نے جب جب موقع پایا سربکف ہو کر اسلام کی حمایت کی۔ غدر کا حال تو سن ہی چکے ہو۔ ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب میں لکھ مارا کہ مسلمان اسلام کی حیثیت سے برٹش گورنمنٹ کا خیر خواہ ہو نہیں سکتا۔ تمام مسلمان مونہ میں گھنگنیاں بھر کر خاموش بیٹھے رہے کہ گویا کسی کے مونہ میں زبان نہیں۔ سر سید نے اس زور سے ڈاکٹر ہنٹر کی تردید کی کہ یاد ہی تو کرتے ہوں گے۔ ڈاکٹر ہنٹر تو اپنے زعم میں گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بدظن کر ہی چکے تھے اور انھوں نے نیک نیتی سے ایسا ہی سمجھا تھا مگر سید احمد خاں نے ڈاکٹر ہنٹر کی تردید کی اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بدگمان نہ ہونے دیا۔ سر ولیم میور سید احمد خاں کے بڑے دوست تھے انھوں نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں اسلام پر بڑے سخت حملے کیے تھے۔ سید احمد خاں نے دندان شکن جواب دیئے۔ اب حال میں ایک عیسائی صاحب نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاشی اور شہوت پرستی کا بیہودہ اور دل آزار الزام لگایا۔ سید احمد نے مرتے مرتے اس کا جواب لکھا اور وہ جواب کالج میگزین اور شاید چودہویں صدی میں شائع ہوا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس سے بڑھ کر اسلام کی خیر خواہی اسلام کی حمایت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں کچھ جھگڑا ہو گیا کچھ یوں ہی سی تکرار ہو پڑی ہر ایک اپنی دینی خدمات فخر کے طور پر بیان کرتا تھا۔ اور معلوم ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارِ عاطفت

[illegible]

میں پرورش پائی اور سنِ طفولیت سے اسلام لائے اور حضرت عباس تو کہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں خیر تو ان چچا بھتیجوں کی تکرار کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی [۵۱] اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ہم میں سے کوئی کسی کا محتسب نہیں اور ہو بھی تو محتسب را درونِ خانہ چہ کار'' اور دوسرے احتساب کرے بھی تو شرطِ احتساب بجا لائے یعنی انصاف اور میں سمجھتا ہوں کہ سید احمد کی سیئات اور حسنات کا جبر و کسر ہو کر اُس کی حسنات کا پلّہ جھکتا رہے گا [۵۲] فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ایک معتبر حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایسی کھلبلی مچے گی [۵۳] اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ کہ انبیا علیہم السلام بھی نفسی نفسی کہتے اُٹھیں گے مگر ہمارے پیغمبر صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت بھی اُمتی اُمتی کہتے ہوں گے۔ اُمت کا اتنا درد رکھتے تھے تب تو وہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کا درجہ پایا [۵۴] اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ

---

۵۱ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور (ادب والی) حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے آباد رکھنے کو اُس شخص (کی خدمتوں) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے رستے میں جہاد کرتا ہے اللہ کے نزدیک تو یہ (لوگ ایک دوسرے کے) برابر نہیں ۱۲

۵۲ تو جن کے اعمال (نیک) تول میں زیادہ ٹھہریں گے تو وہ خاطر خواہ عیش میں ہوں گا ۱۲

۵۳ (کیوں کہ) قیامت کا زلزلہ ایک بڑی (سخت) مصیبت ہوگی جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی ہر دودھ پلانے والی (مارے ڈر کے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور جتنی حمل والیاں ہیں سب کے حمل گر پڑیں گے اور (مارے بدحواسی کے) لوگ متوالے دکھائی دیں گے۔ حالاں کہ وہ متوالے نہیں بلکہ خدا کا عذاب بڑا سخت ہے ۱۲

۵۴ (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہارا حوصلہ فراخ نہیں کیا (یعنی کیا) اور (اس کے علاوہ) بوجھ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی تم پر سے اُتار دیا۔ اور تمہارے ذکر (خیر) کا آوازہ بلند کیا ۱۲

خاتم ہے لک ورفعنالک ذکرک اور خاتم المرسلین کہلائے۔ [۵۱] مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [۵۲] عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں تمام مفسروں نے بالاجماع لکھا ہے اور اُن کا اجماع مبنی ہے حدیث صحیح پر کہ مقام محمود سے مراد ہے مقام شفاعت۔ طبیعت ہی درد آشنا واقع ہوئی تھی کہ وہاں بھی درد کا دامن نہ چھوڑا [۵۳] اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اچھا تو یہی درد تھا جو سید احمد خاں نے اپنے نانا سے میراث میں پایا تھا اور یہی درد تھا جس کے لیے ہم چند آدمی اُس کے گرد تھے میں اسی درد کی وجہ سے **سید احمد خاں** کے سید مستند ہونے پر اُن کی زندگی میں حلف کرنے کو موجود تھا اور اب بھی موجود ہوں میراث پدر خواہی علم پدر آموز " میں نے غالباً علی گڑھ کی تعلیمی کانفرنس میں سید احمد خاں کی سیادت کی نسبت ان الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا [۵]

سیادت کا دعویٰ اور اُمت کا دشمن
نہیں تو نہ آیا نہ آئے گا باور
اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اُجاڑے
کہ جو باغ ہو اُس کی میراث مادر

دنیا کے لوگوں کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ حق کا مقابلہ کرتے آئے ہیں دوست کو دشمن خیر خواہ کو بدخواہ سمجھا کئے ہیں [۵۴] اَلنَّاسُ اَعْدَاءُ مَا جَهِلُوْا مگر آخر کار حق غلبہ پاتا رہا ہے **سید احمد خاں** الوکھے رفارمر نہ تھے اُن کو بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ ایک روح تھی جو ایک وقت مقرر کے لیے دنیا میں آئی اور مصرع

ہر کرا پنج روز نوبت اوست

۵۱ (لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے کیوں ہوں) وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (خطوں کی مہر کی طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں ہیں ۱۲ ۵۲ عجب نہیں کہ (اس کی برکت سے) تمہارا پروردگار (قیامت کے دن) تم کو مقام محمود میں پہونچائے ۱۲ ۵۳ اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے (رہتے) ہیں (تو) مسلمانو (تم بھی) پیغمبر پر درود اور سلام بھیجتے رہو ۱۲

۵۴ لوگ جس بات کو نہیں سمجھتے اُس کی مخالفت کیا ہی کرتے ہیں۔ ۱۲

جیسا کچھ اُس کی تقدیر میں تھا بھگت کر جھیل کر چلتی ہوئی۔ ۵

دورانِ بقا چو بادِ صحرا بگزشت پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد	تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگزشت برگردنِ او بماند و برما بگزشت

اُس کی طرف سے تو رفت و گزشت ہوا مگر خدا ابھی رفت و گزشت ہونے دے۔ وہ فرماتا ہے
ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ[۵۱] ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس بات کے جاننے کا
نہیں کہ سید احمد خاں پر وہاں کیسی بنی مَنْ[۵۲] مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ ۵

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزری ہے رفتگاں پہ کیا	کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بڑی بھلی

مگر ہاں اس سے کہ وہ دل درد مند رکھتا تھا اور اس سے کہ گھر گھر اُس کا ماتم ہوا اور دوست دشمن اپنے بیگانے اُس کا ذکر خیر کرنے میں اُمید کی جاتی ہے کہ خدا نے اُس کو اپنے نیک بندوں میں سے جا داخل کیا ہوگا۔ وَذٰلِکَ[۵۳] ھُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ اے اہلِ پنجاب تم سید احمد خاں کے دوران باخبر نزدیک ہیں ستے اور اُس مرحوم کو بھی تم سے ایک خاص اُنس تھا۔ وہ سارے ہندوستان میں تم ہی کو زندہ دل کہا کرتا تھا تم نے جیتے مرتے اُس کی قدر اوروں سے زیادہ اور بہت زیادہ کی اور میں اس کو تمہارے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں اور اے اہلِ پنجاب تم اُس ناشاد و نامراد مرنے والے کی تمنا سے بھی خوب واقف ہو اور اگر اُس کی دوستی کا دم بھرتے ہو تو اُس کی روح کو نہ ڈہاؤ نہ ترساؤ اور یاس و حرمان کے عذاب سے نہ ستاؤ وہ تم سے نہیں چاہتا کہ تم اُس کی قبر پر عالیشان گنبد بناؤ اُس کا سالانہ عرس کرو یا اُس کے پس ماندوں کی معاش کا بندوبست۔ وہ اگر کسی معاوضے کا خواہاں تھا تو اُسی معاوضے کا کہ تم دنیا میں خوش حالی اور عزت اور آبرو کے ساتھ رہو۔ وہ اپنی ذات سے عزت کے معراج الکمال پر پہنچ گیا تھا۔ وہ ذات کا سید تھا وہ سر تھا وہ ڈاکٹر تھا وہ آنریبل تھا۔ وہ فونڈر آف کالج تھا وہ

۵۱ پھر قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے روبرو (اپنے اپنے جھگڑے پیش) کرو گے
۵۲ جو مرا اُس کے حصے کی قیامت آچکی ۱۲ ۵۳ اور یہ صریح کامیابی ہے ۱۲

رفارمر تھا وہ مسلمانوں کا تسلیم کیا ہوا لیڈر تھا - کیوں تھا یا نہیں - وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر اور ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کے امیر اور وزیر اُس کے مہمان ہوتے تھے - کیوں ہوتے تھے یا نہیں ؟ وہ وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر کی کونسل کا ممبر رہا تھا - کیوں رہا تھا یا نہیں ؟ ہاں ہاں تھا اور تھا اور رہا تھا رہا تھا وکفٰی بہ فخراً [۵۱] مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں ؎

راست می گویم و یزداں نہ پسندد جز راست ۔۔۔ حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

ازبس کہ وہ بدنام کنندۂ نیکو نامے چند - میں کا تھا اور باوجود اس کے اُس کو ناز تھا کہ وہ ہم میں کا ہے اور یہ بڑی مضبوط دلیل اُس کی قومی ہمدردی کی تھی وہ اپنی عزت سے جھینپتا تھا ؎

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق ۔۔۔ تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

وہ جوں جوں اونچا ہوتا گیا قوم کے لیے اور قوم کے آگے جھکتا اور خم ہوتا چلا گیا ؎

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا ۔۔۔ آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

غرض وہ جوں جوں اونچا ہوتا گیا قوم کے لیے اور قوم کے آگے جھکتا اور خم ہوتا چلا گیا - اس لیے کہ اُس کے نانا کو خدا نے حکم دیا تھا وَاخْفِضْ [۵۲] جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ نانا اسی کی وصیت کر مرے تھے اور وہ اسی وصیت پر کاربند تھا - اُس کی ہیبت اُس کا زلزلہ اُس کا رعب و داب جو اُس کا لازمۂ ذاتی و منصبی تھا اُس سے پرے ہی پرے رہتا تھا " جو بانگ دہل ہو علم اندو دروہ " اُس کے پاس جاؤ تو اُس کو اخلاق کا ایسا منتر یاد تھا کہ اُس کے ساتھ مصافحہ کرنا نہیں نہیں شیک ہینڈ ہیبت کا حکم رکھتا تھا - بس تو خوب دل کھول کے سید احمد خاں کے محامد بیان کرتا اور بیان کرتا تو وہ حکایت واقعی ہوتے اس لیے کہ فی الواقع اُس شخص میں محامد بہت تھے اور بیان کرتا تو شاید اُس کا کچھ حق بھی ادا ہوتا - مگر مسلمانوں میں یہ ایک نیا روگ پیدا ہو گیا ہے کہ بزرگوں کے کارنامے سن کر شیخی میں آجاتے ہیں - وہ کارنامے بیان تو اس لیے کیے جاتے

---

[۵۱] اور فخر کے اعتبار سے یہ بات بس کرتی ہے ۱۲ [۵۲] اور مسلمانوں سے کہو کیسے ہی غریب ہوں ہمیشہ جھک کر ملنا ۱۲

ہیں کہ ان کی غیرت اور حمیت کو تازیانہ ہوا اور ترقی کے میدان میں آگے بڑھیں مگر ان کا حال
یہ ہو کہ تازیانہ کھا کر الف ہو جاتے یا اُلٹے ایڑ کرنے لگتے ہیں۔ بزرگوں کے کارنامے سننا اور
ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا بزرگوں کو خفیف کرنا ہو۔ اگلے بزرگوں کے
ساتھ تو جو کچھ کیا سو کیا **سید احمد خاں** کا تو ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ ازبرائے خدا اُس
کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو اور اُس کی وصیت کو پورا کر دکھاؤ۔ یونیورسٹی جو بنانی منظور ہو اس
میں شک نہیں کہ بڑی لمبی چھلانگ اور بڑی اونچی اُچاٹ ہو اور مسلمانوں کی حالت پر نظر کرتے
شیخ چلّی کا منصوبہ معلوم ہوتی ہو۔ لیکن ہم کو ہاتھیوں کے ساتھ گنّے کھانے پڑے ہیں یعنی
کامپیٹیشن کا زمانہ ہو۔ کھانے میں پہننے میں آرام و آسایش کے سامانوں میں زندگی کی کل ضرورتوں
میں۔ اور کامپیٹیشن بھی روم و فارس کے ساتھ نہیں یورپ کے ساتھ جو زندگی کی کتاب کو فرفر
پڑھے چلے جا رہے ہیں اور ہم الف خالی بے کے نیچے ایک نقطہ میں پڑے ہیں یہ بات تو خدا
کے ہاں سے فیصل ہو چکی ہو کہ ہم اہل یورپ کے ساتھ ہیں اس کے تو زمین پر رہ نہیں سکتے
کہ انہیں کی طرح سائنس کو اوڑھنا بچھونا بنا لیں اور اوڑھنا بچھونا بنانے کی اگر مشین ہو تو یونیورسٹی
ہو پس زمین پر رہنا ہو تو آج کے آج اور کل کے کل یونیورسٹی تو بنانی پڑے گی۔ اسی طرح شروع
شروع میں **علی گڑھ کالج** بھی شیخ چلّی کا سا منصوبہ معلوم ہوتا تھا مگر ایک شخص نے اور وہ بھی
غیر معمولی شخص نہیں کہ کہیں کا راجہ یا نواب یا رئیس ہا ہو بلکہ سب جج کہ اب بھی کچھ نہ ہوں گے تو
ہندوستان میں اس جیسے سیکڑوں ہوں گے اور سب جج بھی پنشن خوار۔ اور اس پر مفلس اور بد
مفلس ہونے کے علاوہ قرض دار کہ جو کچھ اثاثہ تھا بیچ باچ کر بیٹوں کی تعلیم میں خرچ کر کے
پنشن کی گنی بوٹی نیچے شوربے پر گزران کرتا تھا۔ ایسے ایک شخص نے کمر ہمت چست باندھی
تو علی گڑھ کالج کو ۲۰ برس کے عرصے میں ایسا کر دیا کہ آج ہندوستان کا کوئی کالج عمارتوں میں
کالج اسٹاف کی اعلیٰ ترین لیاقت میں حسن انتظام میں اُس کو لگا نہیں کھاتا۔ سید احمد خاں
میں کوئی کرامت نہ تھی اور ہوتی کہاں سے وہ کرامت اور کرامت معجزے تک کا تو قائل نہ تھا ہی

نہیں اُس کی کرامت سمجھو خرقِ عادت سمجھو بس یہ تھی کہ قوم نے اُس کو دھکے دیئے بُرا کہا پر وہ بھی ایسا پلٹنے والا تھا کہ قوم ہی کا دامن نہ چھوڑا - تو اے قوم تیرا دامن پکڑنے والا یہ تجھ کر دکھائے تو اگر خود آمادہ ہو مگر دل سے تو یونیورسٹی کا کھڑا کر دینا کون سی بڑی بات ہے - اب وہ مزاحمتیں بھی باقی نہیں جو سید احمد خاں کو جھیلنی پڑی تھیں اُس کے ابتدائی زمانہ میں تو مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ انگریزی کا نام لیا اور کافر ہوا - یا اب یہ رنگ ہے کہ لڑکے کو بولنا بات کرنا آیا اور کان پکڑ کر مشن سکول پہنچایا - یونیورسٹی کے رستے میں بڑا سنگِ سخت مسلمانوں کی بے مقدرتی کا ہے مگر ہم تو اس کے قائل نہیں مقدور ایک امر اضافی ہے اس میں شک نہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمان بے دولت ہیں مگر پھر بھی کھاتے ہیں پیتے ہیں شادی بیاہ تیر تہوار سیر تماشے میلے ٹھیلے کیا نہیں کرتے ان فضولیات سے ہاتھ روکیں آپس کی مَن و تو چھوڑ دیں - تعلیم کو شرطِ زندگی اور مصرفِ خیر سمجھیں اور روپیہ سے لے کر کروڑوں تک جو جس سے بن پڑے جی کڑا کر کے دے نکلیں تو سنہ ۱۹۰۰ء تو نہیں انگریزی اُنیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یونیورسٹی کا قائم کر دینا میرا تو کیا اعتبار کرو گے نواب محسن الملک کے ذمے خان بہادر برکت علی خاں کے ذمے سردار محمد حیات خاں کے ذمے - صاحبو! حامی بھر لو کہ گانٹھیں کھل چلیں - میں نے یونیورسٹی کے رستے میں مسلمانوں کی بے مقدرتی کو سنگِ سخت کہا - اس سنگِ سخت کے علاوہ کچھ روڑے بھی ہیں ازاں جملہ ایک روڑا سید احمد خاں کے متعلق کا ہے اُن کو تو یہ خوشی کہاں نصیب تھی کہ وہ مسلمانوں کی یونیورسٹی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے لیکن اگر یونیورسٹی اُن کے جیتے جی بن بھی گئی ہوتی تو وہ مرحوم کیا یونیورسٹی کو لے کر جاتے مگر اُن کا بھی قصور ہے کہ بیٹھے بٹھائے سب سے پہلے کیوں اُن کو یونیورسٹی کا خبط اُچھلا - ہم مسلمانوں میں ہم بدبخت بدقسمت بدنصیب مسلمانوں میں ابھی تک ایسے بھی ہیں اور افسوس ہے کہ بکثرت ہیں جو شاید سمجھانے سے یونیورسٹی کی ضرورت کو تسلیم بھی کریں مگر سید احمد کے نام سے ضرور بدکیں گے - [illegible] فمات من [illegible]

[illegible]

اس میں شک نہیں کہ سید احمد خاں کے بعض معتقدات مذہبی جمہور مسلمین کے معتقدات سے متغایر بلکہ مخالف تھے مگر میں نہیں سمجھتا کہ اختلاف عقائد کو علی گڑھ کالج یا یونیورسٹی میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔ نہ صرف میں بلکہ سید احمد خاں کے اور بہت دوست بلکہ اُن کے بعض حواری بھی اُن کے بعض معتقدات کو نہیں مانتے تھے اور میں ہمیشہ مجامع عام میں اپنی طرف سے اس کا اعلان کرتا رہا ہوں اور میری تحریریں اور میرے لکچر اس کے گواہ ہیں مگر ہم میں سے کسی نے ایک لمحہ کے لیے بھی سید احمد خاں کے اسلام میں شبہ نہیں کیا اور جو شخص فقہ اور تفسیر سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ایسے اختلافات شروع سے ہوتے چلے آئے ہیں بجائے اس کے کہ اختلاف کو برا سمجھیں ہم تو اس کو مسلمانوں کے حق میں رحمت سمجھتے ہیں اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَۃٌ اختلاف کا ضروری نتیجہ ہے وسعت اور آسانی۔ اختلاف ہی سے تو حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔ مالکیوں کے چار گروہ پیدا ہوئے اور چاروں بالاجماع مسلمان ہیں کوئی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہہ سکتا سیداحمد خاں نے ایسا کیا کسی کا باپ مارا ہے کہ وہ کافر اُس کا علی گڑھ کالج کافر۔ اُس کا تہذیب الاخلاق کافر۔ اُس کا کانفرنس کافر۔ اُسکے ملاقاتی کافر۔ اُس کی مجوزہ یونیورسٹی موجود ہونے سے پہلے کافر۔ ایک اور بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر ایک مسلمان جو نماز پڑھتا ہے درود کے وہ فضائل کو جانے دو نماز میں تو درود ضرور پڑھتا ہوگا۔ یوں تو درود سینکڑوں ہیں مگر درود کا جزو اعظم ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ آل محمد سے مراد ہے پیغمبر صاحب کی نسل یعنی سادات و منھم سید احمد تو جو لوگ سید احمد کو برا جانتے اور برا کہتے ہیں چاہیئے کہ درود میں سے سید احمد کو مستثنیٰ کر دیا کریں اور بجائے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اِلَّا سَیِّدَ اَحْمَدَ پڑھا کریں یا سید احمد کو برا نہ کہیں۔ اُسی زبان سے درود بھیجنا اور اُسی زبان سے لعنت کرنا۔ کچھ بھی ہو یونیورسٹی کی طرف سے ہماری چھاتی ٹھکی ہوئی ہے دو سبب سے۔ ایک تو اہل پنجاب کی زندہ دلی اور دوسرے یہ کہ یونیورسٹی کا بیڑا نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خان بہادر نے اُٹھایا ہے۔ وہ سماں میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ عرب کا ایک شاعر

اپنی قوم کی مدح میں کہہ رہا ہے ف

اِذَا مَاتَ مِنَّا سَیِّدٌ قَامَ سَیِّدٌ	قَؤُولٌ لِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلُ

ایک مسئلہ اور بھی صراحت طلب ہے کہ پنجاب میں ایک تعلیمی انسٹیٹیوشن انجمن حمایتِ اسلام بھی ہے جس نے بڑی نمایاں ترقی کی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔ بعض کوتاہ اندیشوں نے انجمن کو علی گڑھ کالج کا مدِمقابل قرار دے کر چاہا کہ دونوں کو لڑا ماریں اور رو بیل جھینکے کو نگل لے مگر سرسید جو قومی تعلیم کے دل دادہ تھے اور بے تخصیصِ مقام سب کے خیر خواہ و نفع رسانی کے لیے دہر دوڑے اگرچہ انجمن کی بدنصیبی سے سرسید زحمتِ سفر کے متحمل نہ ہو کر بنفسِ نفیس انجمن کے جلسۂ سالانہ میں شریک نہ ہو سکے جس غرض سے وہ تشریف لائے تھے مگر نواب محسن الملک بہادر نے اپنی اور نیز اُن کی طرف سے انجمن کی محنت کی داد دی اور ممبرانِ انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اب موقع پر کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میموریل فنڈ اور یونیورسٹی کے نام سے انجمن کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں۔ میموریل فنڈ اور یونیورسٹی علیگڑھ کالج کے فروع ہیں اور میں ایک بار علی رؤس الاشہاد کہہ چکا ہوں کہ علی گڑھ کالج میری داہنی آنکھ ہے تو اسلامیہ کالج میری بائیں۔ میرے دونوں ملتجے۔ اب بھی میں اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں دونوں کو سسٹر انسٹیٹیوشنز سمجھتا اور دونوں کو آباد چاہتا ہوں منزلِ مقصود ایک ہے اور علی گڑھ کالج اور اسلامیہ کالج اُس تک پہنچنے کے دو رستے۔ اسلامیہ کالج اپنے رستے کا پہلا پڑاؤ ہے اور علی گڑھ کالج اپنے رستے کا شاید اخیر پڑاؤ۔ ہم کو دونوں رستوں کی خبر رکھنی ہے۔ اور دونوں کے مسافروں کو منزلِ مقصود پر پہنچانا ہے۔

ف ہم وطنوں میں جب کوئی سردار مرجاتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا سردار کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ سرداروں ہی کی سی باتیں اور اُنھیں کے سے کام کرنے لگتا ہے ۱۲ ف دونوں کالج انہیں نے ہیں ۱۲

چھتیسواں لکچر

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں سالانہ جلسے میں بمقام لاہور ۱۸۹۸ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُذْکُرُوْا مَوْتٰکُمْ بِالْخَیْرِ [۵۱]

کانفرنس۔ بدبخت۔ بدنصیب بدقسمت کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس ہے جس میں اس کا بانی اس کا موجد۔ اس کی جان اس کی روح و رواں۔ سرسید شریک نہیں۔ ہم تو اس مرحوم کے شریک نہ ہونے کا افسوس کرتے ہیں مگر اس کو تعلیم کے کاموں کے ساتھ ایسا شغف اور مسلمانوں کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ اس کی روح بشرطیکہ روح کو جسد سے مفارقت کئے پیچھے دنیا سے کسی طرح کا تعلق باقی رہتا اور اس کو دنیا کے واقعات سے آگہی ہوتی ہو اور اپنا تو معتقد یہی ہے کہ دنیا سے بھی تعلق باقی رہتا اور واقعات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ بہرکیف اس کی روح کانفرنس کے اجتماع اور اس کی یاد سے کچھ نہ کچھ تو خوش ضرور ہوگی۔ کچھ نہ کچھ میں نے اس لیے کہا کہ اس کی پوری خوشی تو تب ہو کہ کانفرنس یونیورسٹی بنا کر اُٹھے جس کا اس کو ساری عمر ارمان رہا۔ میں کبھی خیال کرتا ہوں کہ اسلامی عقائد کے مطابق قبر میں رکھنے کے ساتھ منکر نکیر اور سید احمد خاں میں ضرور سوال و جواب ہوئے ہوں گے۔ نکیرین نے مَنْ رَّبُّکَ وَمَا دِیْنُکَ [۵۲] پوچھا ہوگا سوال تو معلوم ہیں۔ رہے جواب سو مَنْ رَّبُّکَ ایسا سوال ہے کہ مسلمان کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور پہلی آواز جو اس کو سنائی جاتی ہے اللہ اکبر کی آواز ہے۔ پھر وہ ساری عمر اس کو رٹتا رہتا ہے اور مَنْ رَّبُّکَ کا جواب ایسا اس کے ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ کوئی اس سے سوتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھے تو وہ بے تکان رَبِّیَ اللّٰہُ [۵۳] بول اُٹھے گا۔ یہ تو

---

[۵۱] اپنے مردوں کو نیکی سے یاد کرو ۱۲ [۵۲] تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ ۱۲ [۵۳] میرا پروردگار اللہ ہے ۱۲

عام مسلمانوں کا حال ہی جن کا ایمان علی الاکثر تقلیدی ہوتا ہی اور اُن کو تقلید سے چارہ نہیں اور سرسید تو مجتہد مسلمان تھے اور اُن کا ایمان استدلالی ایمان تھا تو نکیرین کو انھوں نے بڑے وثوق کے ساتھ جواب دیا ہوگا اور جواب بھی دیا ہوگا تو بالصواب وہی جو یعقوب کو اُن کے بیٹوں نے دیا تھا اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ[51] دوسرا سوال مَا دِيْنُكَ ہرچند پہلے سوال پر متفرع اور ایک اعتبار سے اُس کا لازمی نتیجہ ہی اور جو پہلے سوال مَنْ رَّبُّكَ کا جواب صحیح دے۔ اس دوسرے سوال کے جواب میں غلطی کر نہیں سکتا مگر پھر بھی اس کے الفاظ دوسرے ہیں اور اس سے مراد ہی عَلٰی اَيِّ شَرِيْعَةٍ اَنْتَ[52] يَا مَا طَرِيْقُ عَمَلِكَ[53] اگرچہ معلوم نہیں کہ سرسید نے اس کا کیا جواب دیا ہوگا ؎

حال عدم نہ کچھ کھلا گزری ہو رفتگاں پہ کیا		کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بری بھلی

لیکن موت بھی ایک طرح کی نیند ہی اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ[54] اور نیند کا حال یہ ہی کہ آدمی جو کچھ بیداری میں دیکھتا ہی وہی واقعات اُس کو بعینہا تو نہیں مگر کچھ رد و بدل ہو کر خواب میں بھی دکھائی دیا کرتے ہیں۔ پس اگر موت کو نیند پر قیاس کریں تو جیسے خیالات کسی کے زندگی میں رہتے ہوں گے قبر میں نکیرین کو جواب دیتے وقت وہی خیالات اُس کے سامنے آموجود ہوں گے اور اُن ہی خیالات کے مطابق وہ نکیرین کو جواب دے گا۔ ایک بار صحابہ رضوان اللہ علیہم نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ جناب جب دوزخی اور جنتی ہونا پہلے سے

[51] (اے یہود) بھلا کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سامنے موت آکھڑی ہوئی (اور) اُس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے (مرے) پیچھے کس کی عبادت کروگے انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے معبود اور ابراہیم اور اسمٰعیل اسحٰق آپ کے باپ دادوں کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں ۱۲

[52] تو کس شریعت پر ہی ۱۲ [53] تیرا طریق عمل کیا ہی ۱۲ [54] نیند موت کا بھائی ہی ۱۲

تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو عمل سے کیا مفاد۔ فرمایا نہیں عمل کیے جاؤ۔ کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ [۵۱] یعنی
دوزخ اور جنت جس کے لیے جو پیدا کیا گیا ہے اُسی کی اُس کو توفیق دی جاتی ہے یعنی اچھے بُرے عملوں سے ہی عاقبت پہچانی جاتی ہے اور اَلدُّنْیَا
مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ [۵۲] کا بھی یہی مطلب ہے اگرچہ یہ خیالات نیچری ہیں اور ضرور سمجھتے ہیں تو سید احمد خاں نے مادی دنیا کے
جواب میں ضرور دینی حُبُّ الْقَوْمِ بِتَغْلِبَۃِ الْقَوْمِ کہا ہوگا۔ قوم اور قومی محبت اور قومی ہمدردی
اور قومی خیرخواہی اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ کچھ شک نہیں کہ ہماری زبان کے الفاظ ہیں
اور ان الفاظ کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان کا مصداق بھی ہمارے ہاں تھا ورنہ یہ الفاظ کیوں وضع
کیے جاتے ایک۔ دوسرے ہم مسلمانوں میں قومی محبت اور قومی ہمدردی اور قومی خیرخواہی نہ
ہوتی تو ہمارا جدید گروہ کیسے کھڑا ہو گیا یادش بخیر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ایسی عجلت کے ساتھ
کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی اسلامی زبردست سلطنت کیسے قائم کی اور صدہا
برس تک اُسے شان و شوکت کے ساتھ کیسے چلایا سچ پوچھو تو اسلامی عمارت کی بنیاد قومی
محبت پر ہے یہ عقلی تُکّے نہیں ہیں واقعات نفس الامری ہیں اور قرآن سے ان کی تصدیق ہوتی
ہے۔ فرمایا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا [۵۳] بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ط اور وَاَطِیْعُوا [۵۴] اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ اور ھُوَ [۵۵] الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ

---

[۵۱] جو شخص جس انجام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُسی کی اُس کو توفیق دی جاتی ہے ۱۲ [۵۲] دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۱۲

[۵۳] اور سب مل کر خوب مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے ۱۲ [۵۴] اور اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (آپس میں جھگڑا کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۱۲ [۵۵] (اے پیغمبر) وہی ذات پاک ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی تھا جس) نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی ۱۲

بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[۵۱] ایک قومی محبت تو وہ تھی کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سینکڑوں برس سے قلبی عداوت چلی آتی تھی اور فریقین میں سے ہزاروں کا خون ہو چکا تھا۔ اسلامی اخوت نے ایک دم سے سب کو گویا گزرا ہوا کر دیا اور ایک قومی محبت اب رہ گئی کہ خانگی خرخشوں کے علاوہ خود اسلام تفرقہ اندازی کر رہا ہو تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُھُمْ شَتّٰی[۵۲] غرض قومی محبت قومی ہمدردی۔ قومی خیرخواہی مسلمانوں میں تھی ضرور تھی اور اعلیٰ درجے کی تھی مگر شروع کے مسلمانوں میں۔ پھر اس میں یومًا فیومًا کمی ہوتی گئی اور اسی نسبت سے دنیا و دین دونوں تباہ اور برباد ہوتے گئے میری تو اتنی عمر ہوئے آئی طفلی کیا جوانی میں بھی الفاظ قوم اور قومی محبت وغیرہ تحریر و تقریر میں نہ دیکھے نہ سنے یہ الفاظ ہمارے یہاں بالکل مہجور و متروک ہو چلے تھے۔ پہلا شخص جس نے ان الفاظ کو زندہ کیا۔ اور ان الفاظ کو کیا زندہ کیا اسلام کی شرط ضروری کو زندہ کیا سید احمد خاں تھا اور زندہ بھی کیا تو ایسا کہ اب ہم سب کے تکیۂ کلام ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے تو تکیہ کلام ہیں اور سید احمد خاں کا تو دین و ایمان اور نماز اور روزہ اور وظیفہ سب یہی الفاظ تھے تو سید احمد خاں نے مَا دِیْنُکَ کے جواب میں ضرور دِیْنِیْ حُبُّ الْقَوْمِ یا تَعْلِیْمُ الْقَوْمِ کہا ہوگا۔ عام مسلمان جو اکثر لکیر کے فقیر ہوتے ہیں سید احمد خاں کے جواب دِیْنِیْ حُبُّ الْقَوْمِ یا تَعْلِیْمُ الْقَوْمِ کو ہرگز جواب باصواب نہیں مانیں گے مگر جن کو دین کی سمجھ دی گئی ہو وہ سمجھیں گے کہ سید احمد خاں کا یہ جواب ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ سے ملتا ہوا ہے کہ قیامت میں کل آدمی یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام نَفْسِیْ نَفْسِیْ کہتے ہوں گے اور ہمارے پیغمبر صاحب سید احمد خاں کے حبیب اَلْکِبِیْ اُمَّتِیْ مصرع

---

[۵۱] مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں ۱۲ [۵۲] تو ان کا ظاہر حال دیکھے تو ان کو سمجھے کہ سب ایک ہیں حالانکہ ان کے دل (الگ) دو ... بٹے ہوئے ہیں ۱۲

ایں خانہ تمام آفتاب است

قومی محبت کے بہت سے پیرائے ہیں لیکن جو پیرائے ہم مسلمانوں میں مروّج ہیں اول تو ہیں اُن کو سرے سے قومی محبت ہی نہیں سمجھتا وہ سب شخصی محبتیں ہیں لیکن اگر ان کو قومی محبت ہی سمجھا جائے تو بھی از قبیل علاج مرض ہیں اور تعلیم القوم سدِّ مرض۔ اور وہ انگریزی مثل تو آپ صاحبوں نے سُنی ہی ہوگی پریونشن از بیٹر دین کیور[۵۱]۔ فرداً فرداً لوگوں کی حاجتوں اور ضرورتوں پر نظر کی جائے تو خاص کر مسلمان طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہیں تا بحدے کہ ان کی ایذاؤں کے اقسام کا ضبط کرنا دشوار ہے لیکن ہم ان جزئیات سے ایک مفہوم کلّی پیدا کرنا چاہیں تو آخر کو یہ بات جا کر ٹھہرتی ہے کہ ساری خرابیاں ایک تعلیم کے نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہیں۔ مگر کون سی تعلیم۔ نہ وہ تعلیم جو انگریزی عملداری سے پہلے ہم لوگوں میں مروّج تھی۔ وہ تعلیم اگر کسی کام کی ہوتی تو ہم اس روزِ بد ہی کو کیوں پہنچتے۔ اور نہ یہ تعلیم جو اب گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو رہی ہے۔ اس تعلیم کا مبلغ العلم تو یہیں تک ہے کہ برسوں رٹ کر امتحان پاس کیے۔ ہزار میں سے دو چار وہ بھی شاید بی۔ اے ایم۔ اے۔ ہوئے۔ کوئی تو امتحانوں کی چھنتری میں نکلتے نکلتے چیں بول گئے۔ کوئی گراں جاں ہوا اور اس کا دل و دماغ ان زحمتوں پر صحیح رہا تو وہ نوکری کی جستجو میں دربدر مارا مارا پھرنے لگا۔ بجنت (بالاتفاق) سے کلارک شپ مل گئی اب بیٹھے (نوکر رُدہندے) جو ڈرز ہیں۔ یا فائل (مثل) میں کاغذ شامل کر رہے ہیں جب تک دو چار شیٹ (تختے) کا غذ کا مفت دل بے رحم ضائع نہ کر لیں معمولی ڈاکٹ (مراسلے) کا جواب نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر اس تعلیم کی بدولت کوئی اکّا دکّا اچھی خدمت پر بھی پہنچ گیا تو اس کو قومی فلاح قومی بہبود اور قومی ترقی نہیں کہہ سکتے۔ ہم تو ایسی تعلیموں کے قائل ہیں نہیں۔ ہم تعلیم یافتہ اور مفلس؟ ہم تعلیم یافتہ اور مبتذل نوکریوں کے طلبگار؟ ہم تعلیم یافتہ اور سوئی بیچیں اور

---

[۵۱] مرض کا روک دینا اُس کے علاج سے بہتر ہے۔ ۱۲

دیا سلائی اور چھری اور چاقو یعنی کل ضروریاتِ زندگی کے لیئے یورپ کے دستِ نگر؟ ہم تعلیم یافتہ اور کم ہمت۔ گھر گھستے۔ کاہل ڈرپوک؟ ہم تعلیم یافتہ اور زمین و آسمان کے اگلے پچھلے واقعات اور حالات سے بے خبر اور کسی سے کسی بات میں ہیٹے؟ ہم تعلیم یافتہ اور آفاتِ ارضی و سماوی طاعون اور قحط اور زلازل کے ہدف؟ ہم تعلیم یافتہ اور بودے۔ کمزور ناتواں؟ ہم تعلیم یافتہ اور ہمارا اوسط عمر گھٹتا ہوا؟ ہم تعلیم یافتہ اور آپس کے جھگڑے ہم تعلیم یافتہ اور مذہب میں تشکی اور مقلد؟ ہم تعلیم یافتہ اور برٹش گورمنٹ کی برکات کے قدر ناشناس؟ کچھ معلوم ہو کہ انسان کس سبب پیدا کیا گیا ہو۔ اس لیئے پیدا کیا گیا ہو کہ روے زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہوکر رہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً[55] یا بعبارتِ دیگر خدا نہیں تو خدا کے سے اختیارات عمل میں لائے۔ اور واقع میں انسان کو عقل کا ایسا وزیر با تدبیر دیا گیا ہو کہ اُس سے مدد لے اور اُس سے صلاح لے تو وہ اپنے اختیارات کامل طور پر نافذ کر سکتا ہو۔ اور جو کچھ بھی آدمی نے دنیا میں کیا ہو اور کر رہا ہو اور کرے گا اسی وزیر کی مدد اور صلاح سے کیا ہو اور کر رہا ہو اور کرے گا۔ اب ہم خدا اور اُس کی خلافت یا نیابت اور اُس کی قدرت کو اپنے حال سے منطبق کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ہم بڑے نالائق خلیفہ اور نائب ہیں۔ کودن۔ جاہل۔ ہم کو بنایا خلیفہ اور ہم ہو گئے خفیفہ۔ اِس لیئے کہ ہم کو عقل یعنی تعلیم نہیں۔ اور جن کو ہو جیسے فی زماننا ہذا اہلِ یورپ وہ ایک طرح کی خدائی یعنی حکمرانی کر رہے ہیں نہ صرف اپنے ابنائے جنس پر بلکہ آب و خاک باد و آتش عناصر پر۔ سٹیم پر۔ برق وغیرہ تمام قوتوں پر یعنی نیچر پر۔ اچھا تو وہ تعلیم۔ وہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم جو ہم کو خلافتِ الٰہی کے شایاں بنائے ہم کو حاصل ہو تو کیونکر ہو۔ وہ حاصل ہوا ہی یونیورسٹی سے جس کی فکر میں سر سید احمد خاں تھے ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست" بہت

[55] اور (اے پیغمبر!) لوگوں سے اُس وقت کا تذکرہ کر جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا (ایک) نائب بنانے والا ہوں ۱۲

لوگ ایسا سمجھا کیے اور غالباً اب بھی سمجھتے ہوں گے کہ سید احمد خاں کا مقصود اصلی علی گڑھ کالج کا بنانا تھا۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں اُنھوں نے حقیقت میں سید احمد خاں کو نہیں سمجھا۔ جو لوگ کما حقہٗ سید احمد خاں کو سمجھتے تھے وہ یہ بھی خوب سمجھتے تھے کہ سید احمد خاں اس تعلیم کو جو انگریزی کالجوں اور اسکولوں میں ہو رہی ہے مسلمانوں کی اصلاحِ حالت کے لیے ہرگز کافی نہیں سمجھتے لیکن مشکل یہ آ کر پڑی تھی کہ جیسی اعلیٰ درجے کی تعلیم سید احمد خاں مسلمانوں کو دلانی چاہتے تھے حالاتِ موجودہ پر نظر کرتے ہوئے اُس کے سامان کا مہیا کرنا کچھ آسان نہ تھا اور کاش اتنا ہی ہوتا کہ آسان نہ تھا ؎

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے	دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

سامان باتوں سے مہیا نہیں ہوتا اس کو چاہیے[۵۱] مشوفٌ معلّمٌ ابیضِ صبّاح بلکہ صَفرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِيْنَ غرض ہر پھر کر بات آ کر ٹھہری روپیے پر کہ روپیہ کہاں سے آئے ۔ آئے مسلمانوں سے جن کو یونیورسٹی کی ضرورت ہے ؎

نخارد کسے جز سرِ انگشتِ من	بوقتِ فرو ماندگی پشتِ من

سو ہم مسلمان تقدیر پر شاکر توکل پر قانع سیلف ہیلپ[۵۲] کیا جانیں۔ یہ نہیں کہ ہم تنگ دل ہیں اور روپیہ کو عزیز رکھتے ہیں بلکہ مال و دولت کے تعلق سے ہم مسلمان اُلٹے اسراف و تبذیر میں بدنام ہیں اور اسی اسراف و تبذیر کے تو آپ خمیازے ہم کو بھگتنے پڑے ہیں۔ اگر اپنی سلطنت کے زمانے میں ہم نے دولت جمع کر رکھی ہوتی تو دس لاکھ روپے کے لیے کیوں ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلاتے پڑے پھرتے۔ سر سید میموریل فنڈ میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے بھی مدد کی ہے اور ہم اُن کے ممنونِ احسان ہیں مگر اپنی جگہ خوش نہیں۔ ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است	رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

اسی خیال کو ایک ریختہ گو نے بھی لیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے ؎

۵۱ زرد اور اُس کا رنگ خوب گہرا ہو کہ دیکھنے والوں کو بھلی لگے ۱۲ ۵۲ اپنی مدد آپ کرنا ۱۲

نہ پکڑیں دامن الیاس گردابِ بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کے مرنے سے ہو جینا سہارے کا

اب میموریل فنڈ کمیٹی ضرورت اور غیرت کی کشمکش میں پڑی ہو نہ رد کرتے بن پڑتا ہو اور نہ رکھتے بن پڑتا ہو[۱]

قَوْمِیْ ھُمْ قَتَلُوْا اُمَیْمَ اَخِیْ
فَاِذَا رَمَیْتُ یُصِیْبُنِیْ سَھْمِیْ
فَلَئِنْ عَفَوْتُ لَاَعْفُوَنْ جَلَلاً
وَلَئِنْ سَطَوْتُ لَاُوْھِنَنْ عَظْمِیْ

اگرچہ بھیک کمیٹی مانگتی ہو مگر از بسکہ قوم کے لیے مانگتی ہو حقیقت میں مسلمان مانگتے ہیں مگر کمیٹی کی آڑ میں۔ سو خیر الحمد للہ خدا نے ابھی تک تو اتنا پردہ ڈھکا رکھا ہو۔ ہم کو تو وہ دن دکھائی دے رہا ہو کہ خدا نخواستہ یونیورسٹی کھڑی نہ ہوئی تو مسلمانوں کی نسلیں مونہ پھوڑ کر بھیک مانگتی پھریں گی۔ غرض مسلمانوں نے کمائی کے دنوں میں تو روپیہ رکھ نہ جانا اور روپیہ کی ضرورت آ کر پڑی تو کما نہ جانا۔ جب اسراف کسی شخص یا کسی قوم کے خصائل میں ہوتا ہو تو اُس کا رنگ جا او ربے جا سبھی طرح کے خرچوں میں جھلکتا ہوتا ہو چنانچہ مصارفِ خیر میں بھی مسلمانوں کی فیاضی کی یادگاریں۔ ان کی مسجدیں۔ ان کے مقبرے ان کے گنبد۔ ان کے مدرسے۔ ان کی خانقاہیں۔ ان کی سرائیں۔ ان کے پل۔ ان کی نہریں۔ ابھی تک جگہ جگہ موجود ہیں تعلیمی چندوں میں جو ان کی طرف سے بخل اور مضایقہ ہوتا ہو تو اُس کے چند در چند سبب ہیں۔ لوگوں سے پوچھو تو وہ سب سے پہلے بے مقدرتی کا عذر پیش کریں گے۔ مگر میں نے کبھی اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا اور نہ اب تسلیم کرتا ہوں۔ بے شک بِالْاِضَافَۃِ اِلٰی اَقْوَامٍ آخر مسلمان مِنْ حَیْثُ اِنَّھُمْ قَوْمٌ کم بلکہ بہت کم مقدرت رکھتے ہیں لیکن بے مقدرتی کا اثر آخر میں مجموعے پر ظاہر ہونا چاہیے یعنی جس سے جتنا ہو سکے دے اور پھر بھی رقم مجموع بقدرِ کافی جمع نہ ہو تو معلوم ہو کہ قومی بے مقدرتی کا روڑا گاڑی کو نہیں چلنے دیتا

[۱] اے۔ امیمہ میرے بھائی کو میری ہی قوم نے قتل کیا ہو تو اب اگر میں اُن پر تیر چلاتا ہوں تو اُلٹا مجھ ہی پر آتا ہو۔ پس اگر میں معاف کروں تو بڑے بھاری قصور کو معاف کروں گا اور اگر حملہ کروں تو اپنی ہڈیوں کو بودا کر لوں گا۔[۱۲]

۱۱ وَاِذْ لَبِسْ فَلَبِسْ ۔ اچھا قومی بے مقدری تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کا سبب نہیں تو پھر کیا سبب ہے؟ ہاں تو ایک سبب نہیں کئی سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم کو مجتمع ہو کر کسی کام کے کرنے کی عادت نہیں۔ کسی کے دل میں کسی کام کے کرنے کا تقاضا پیدا بھی ہوا تو اگر اس سے اکیلے کرتے بن پڑا کر گزرا اور نہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہا مثلاً کسی نے کسی مولوی صاحب کے وعظ میں سن پایا کہ مسجد کا بنانا بڑے ثواب کا کام ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ کہ جو کوئی خدا کی عبادت کے لیے مسجد بنائے گا خدا اس کے لیے جنت میں گھر بنوا رکھے گا۔ اب اس کو مسجد کے بنانے کا خیال آیا مگر فرض کرو کہ اس غریب کو صرف ڈیڑھ اینٹ کا مقدور ہے تو وہ یا تو کسی ڈھب سے جو اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا عجب نہیں رڑکی کالج کے سٹوڈنٹ (طلبا) اس کو سمجھتے ہوں بہرکیف وہ یا تو کسی ڈھب سے اسی ڈیڑھ اینٹ میں مسجد کو پورا کرے گا۔ چنانچہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں مسلمانوں میں کثرت سے موجود ہیں۔ اور اگر اس کو ڈیڑھ اینٹ میں مسجد کے پورا کرنے کا ڈھب نہیں آتا ہوگا جیسا کہ مجھ کو نہیں آتا تو وہ کہیں بھی قبلے کی طرف کو منہ کر کے نماز کی نیت باندھ لے گا اور سمجھے گا کہ پیغمبر صاحب نے جہاں مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ فرمایا ہے وہاں جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا ۱۲ بھی فرمایا ہے۔ ڈیڑھ اینٹ بھی کیوں خرچ کروں گھر میں پڑی ہے تو آخر کچھ کام ہی آجائے گی۔ مگر یہ نہیں کرے گا کہ ڈیڑھ اپنی سے اور ڈیڑھ دوسروں سے لے کر تین پوری کر لے ایک رکھے قبلے کی طرف اور دو کھڑی کرے اس کے پہلو میں کہ چھوٹے سے سکیل پر گھر کی شکل تو نمودار ہو جائے۔ یہ نفسی نفسی ہی تو ہے کہ ہم میں تجارت کی کمپنیاں نہیں اور نہ ہم کسی بڑے کام پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ دنیا میں کون سا مرض ہے جس کی دوا نہیں۔ کون سا زہر ہے جس کا تریاق نہیں۔ محتاجی اور افلاس اور بے قدری کے دور کرنے کی بھی بہت سی تدبیریں ہیں۔ لیکن ایک سہل سا الٹا تو مجتمع ہو کر کام کرنے کی

۱۱ اور نہیں تو پھر نہیں ۔ ۱۲ ہمارے واسطے تمام روئے زمین مسجد قرار دی گئی ہے ۱۲

عادت کا ڈالنا ہو کہ اس کو نہ جلدی درکار ہو اور نہ جھٹکری اور یہ ایسا درخت ہو کہ اُدھر لگاؤ اور اُدھر پھل کھانے شروع کردو۔ جب کبھی کسی قوم نے ترقی کی اسی طریق سے کی ہو۔ قومی اتفاق ہو۔ قومی اتحاد ہو۔ ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو۔ ایک دوسرے کا شریک درد ہو۔ یہ بجائے خود بڑی دولت ہو۔ شارع اسلام نے تو مسلمانوں میں اجتماعی قوت پیدا کرنے کی بہت سی تدبیریں کیں لَا تَفَرَّقُوا[1] اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[2] اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[3] اور شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ[4] اس طرح کے تاکیدی احکام کثرت سے قرآن میں موجود ہیں اور میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ دین کا لب لباب یہی ہو کہ لوگ سازگاری اور صلح کاری سے زندگی بسر کریں یہاں تک تو ہو کہ عام اُمت اگر ایک امام کو تسلیم کرے اور دوسرا اُس پر خروج کرے تو حکم ہو کہ اُس کی گردن مار دو۔ عنداللہ اجتماع کی پسندیدگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازِ جماعت نمازِ منفرد پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہو اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نمازِ جماعت میں شریک نہ ہو میرا جی چاہتا ہو کہ اُس کا گھر پھونک دوں۔ حج کے لیے جو دنوں کی تخصیص ہو اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ[5] اس میں بھی یہی اجتماعی مصلحت مضمر ہو۔ مگر مسلمان اجتماع کی مصلحتوں کو نہ سمجھیں اور خدا و رسول کی صلاح پر عمل نہ کریں تو اپنا سر کھائیں اور کھا ہی رہے ہیں۔ الغرض تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہو کہ ہم مسلمانوں کو مجتمع ہو کر کسی کام کے کرنے کی عادت نہیں۔ دوسرا سبب [illegible] اور [illegible] ہو کہ بعض لوگ یا تھوڑا ہی دے سکتے ہیں یا تھوڑا ہی دینا چاہتے ہیں مگر اس خیال سے کہ کوئی ان کو بخیل یا بے قدر نہ سمجھے مطلقاً دینے سے کنارہ کش رہتے ہیں اُنھوں نے فِيْ ذٰكِرِهِمْ بَيْنَ النَّاسِ اپنی قدر کا اور اُسی کی مناسبت سے چندے کا ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہو اور کم دینے کو

[1] آپس میں پھوٹ نہ ڈالو [2] سچے مسلمان وہ ہیں جو اپنے کام آپس کی صلاح سے کرتے ہیں [3] اور مسلمان (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں [4] (اے پیغمبر) دنیا کے معاملات میں (حسب دستور سابق) ان کو شریک مشورہ کرلیا کرو [5] مسلمان تو بس (آپس میں) بھائی بھائی ہیں

[5] [illegible]

اپنی توہین کا موجب سمجھتے ہیں اور آپ اپنی توہین کرنی نہیں چاہتے اور کوئی بھی نہیں چاہتا تو یہ لوگ حکمت کیا کرتے ہیں کہ سرے سے شریک چندہ ہی نہیں ہوتے کہ وے کیوں لوگوں کو گفت و شنید کا موقع دیا جائے۔ یہ لوگ اپنا اور کل قوم کا نقصان کرتے ہیں لَیَحْمِلُنَّ[۵۱] اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ اپنا تو اس لیے کہ ثواب سے محروم رہتے۔ خدا واسطے کا دینا ٹھہرا تو اپنے نام و نمود اور لوگوں کی گفت و شنود سے کیا بحث باقی رہی اور قوم کا نقصان تو ظاہر ہے کہ ان کے نہ دینے سے اور لوگ بھی پیچھے ہٹ رہتے۔ وہ تو یہی سمجھیں گے کہ جس کام کے لیے چندہ مانگا جاتا ہے اُسی میں کچھ فتور ہے ایسے ہی لوگوں کے حق میں خدا فرماتا ہے اِنَّ[۵۲] اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر بات کا یہ خطرناک پہلو نہوتا تو سیدھی سی تدبیر تھی کہ ایسے لوگ اخفار نام کے ساتھ چندہ دیں کہ ان کی شیخی بھی کرکری نہ ہو اور قومی کام بھی بند نہ رہے۔ خدا کے نام دینا تو ہر طرح اچھا ہے اِنْ[۵۳] تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ جتا جتا کر دو تو اُس میں یہ فضیلت ہے کہ دوسروں کو دیکھکر ترغیب ہوتی ہے اَلدَّالُّ[۵۴] عَلَى الْخَیْرِ كَفَاعِلِهٖ کی رو سے اضعافاً مضاعفۃً ثواب ملتا ہے۔ لکا چھپا کر دینے میں یہ خوبی ہے کہ منّ و اذیٰ کا دخل نہیں پاتا جو محبط صدقہ ہے جیسا کہ فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا[۵۵] الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

---

[۵۱] لوگ اپنے (قیامت کے دن) اپنے (گناہوں کے) بوجھ (بھی) اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی (یعنی اُن لوگوں کے بھی جن کو انہوں نے بہکایا اکسایا) [۵۲] اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں (اور) بڑائی مارتے پھریں یا آپ بخل کریں (سو کریں) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کی صلاح دیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُن کو دے رکھا ہے اُس کو چھپائیں ۱۲ [۵۳] اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُس کو چھپا دو اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ایسا دینا تمہارے گناہ کا کفارہ ہوگا ۱۲ [۵۴] جو شخص نیک کام کرنے کی صلاح دے اُس کو وہی ثواب ملے گا جو اُس نیک کام کے کرنے والے کو ملنے والا ہے ۱۲ [۵۵] مسلمانو اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل) کو ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو

صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا
يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○
اللہ میاں نے من و اذی کی وجہ سے صدقے کے ضائع ہونے کی دو مثالیں دیں ایک تو
یہی کمثل صفوان الخ اس کے بعد مثال اُس صدقے کی ہے جو خالصًا لوجہ اللہ دیا جاتا ہے
وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞ پھر اُسے من و اذی کے صدقے کے دوسری مثال بیان فرمائی أَيَوَدُّ
أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ
الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۷ جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہو اور اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا
تو اُس کی خیرات کی مثال چٹان کی سی ہو کہ اُس پر (کچھ تھوڑی سی) مٹی پڑی ہو پھر اُس پر بارش زور کا اور اُس کو سپاٹ کر کے
بہ گیا) گیا (اسی طرح قیامت میں) ریاکاروں کو اُس (خیرات) میں سے جو اُنھوں نے کی تھی کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا
اور اللہ اُن لوگوں کو جو نعمت کی ناشکری کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا ۱۲ ۵ ؎ اور جو لوگ خدا کی رضا جوئی
کے لیے اور اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہو جو اُونچے پر واقع
ہو اُس پر بڑا زور کا مینہ تو دو چند پھل لایا اور اگر اُس پر زور کا مینہ نہ (بھی) پڑا تو (اُس کو) ہلکی پھوار (بھی بس کرتی ہے)
اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ (اُس کو) دیکھ رہا ہو ۱۲
۵ ؎ بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ کھجوروں اور انگوروں کا اُس کا ایک باغ ہو اور اُس کے تلے
نہریں پڑی بہ رہی ہوں ہر طرح کے میوے اُس کو وہاں میسر اور بڑھاپے نے اُس کو آ لیا اور اُس کے (چھوٹے چھوٹے)
ناتواں بچے ہیں اب اُس (باغ) پر چلا ایک بگولا جس میں (دہک رہی) تھی آگ تو باغ جل بھن کر رہ گیا۔ اسی طرح اللہ
اپنے احکام کھول کھول کر تم لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو ۱۲

لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ میں اوپر تلے جھڑا جھڑ قرآن کی آیتیں تو پڑھتا چلا جا رہا ہوں مگر ڈرتا بھی ہوں کہ کہیں حاضرین پر گراں نہ گزرے کہ اب کی بار تو اس نے کانفرنس کو وعظ کی مجلس بنا دیا۔ لیکن دینے کی باتیں گراں گزرتی ہیں تو اس سے زیادہ گراں گزرے گا تب۔ ایسا ہی گراں گزرتا ہے تو کانفرنس کو بلایا ہی کیوں۔ جانتے تو تھے کہ **علی گڑھ کالج** ہوا۔ **سر سید میموریل فنڈ** ہوا۔ **کانفرنس** ہوا سب مانگنے ہی والے ہیں۔ شکر کرو کہ تم کو دیا ہے تو تم سے مانگا بھی جاتا ہے۔ اور مانگا بھی جاتا ہے تو اپنے لیے نہیں۔ تمھاری ہی نسلوں کے لیے۔ تمھارے ہی بھائی بندوں کے لیے بلکہ تمھارے ہی لیے اور ڈرو اس دن سے کہ دینے کا نام آئے اور کسی کا ذہن تمھاری طرف منتقل نہ ہو وَاَنْفِقُوْا[۱] مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ میں نے جو صدقات کے بارے میں لمبی تقریر کی اور ابھی اور بھی کروں گا تو اس لیے کہ میں صدقات کو بڑا مہتم بالشان سمجھتا ہوں جہاں تک میں اپنا خیال دوڑاتا ہوں صدقات ہی تھے جن کی بدولت اسلام کھڑا ہوا۔ جن کی بدولت اسلام چلا جن کی بدولت اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات بابرکات سے تو یہ حال تھا کہ محض بے سروسامان آدمی تھے۔ پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باپ کے انتقال کے پیچھے دادا متکفل ہوئے انھوں نے بھی انتقال کیا تو چچا

[۱] ہم نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (راہ خدا میں بھی کچھ) خرچ کرتے رہا کرو (مگر) اس سے پہلے (ہی پہلے خرچ کر لو اور اس کی نوبت نہ آنے دو کہ) تم میں سے کسی کو موت آ موجود ہو اور وہ (اس وقت) لگے کہنے کہ اے میرے پروردگار کاش تو مجھ کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دیتا۔ تو میں خیرات دیتا۔ اور دوسرے نیک بندوں میں (ایک نیک بندہ میں بھی) ہوتا۔ اور جب کسی کی موت آ موجود ہوتی ہے تو خدا کبھی اس کو مہلت نہیں دیا کرتا اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی (سب) خبر ہے ۱۲

ادا اور چچا نے شفقت اور پرداخت میں تو کمی نہیں کی مگر وہ خود اپنی اپنی جگہ کثیر العیال تھے۔
ں پر مذہب کا اختلاف۔ معتقدات کا تباین۔ دادا اور چچا سے بس اتنی ہی مدد ملی کہ انھوں
نے بھوکا ننگا نہیں پھرنے دیا۔ باوجودیکہ سارا مکہ بلکہ سارا جزیرہ عرب جانی دشمن تھا کسی کو
ن پر دست درازی نہ کرنے دی مگر آخر عسرت اور تنگ دستی تو تھی ہی جس نے آپ کو
خدیجۃ الکبریٰ کی نوکری کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف کے ایک مقام پر جہاں خدائے
عالی پیغمبر صاحب پر اپنے احسان جتاتا ہے فرماتا ہے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًّا
فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى پھر وہ جو کہتے ہیں مفلسی میں آٹا گیلا جو لوگ شروع شروع
میں صرف اسلام کی حقانیت کی وجہ سے ایمان لائے وہ بھی اکثر مفلس اور تہی دست تھے
دنیاوی جاہ و حشمت اُن کو قبول حق سے مانع نہ تھا اور اُن کی طبیعتیں اسلام کے اختیار کرنے
کے لیے آمادہ تھیں۔ یا تھے خوش حال مگر اسلام کی وجہ سے مفلس و تہی دست ہو گئے تھے۔
مخالفوں کے ظلموں کی تاب نہ لا کر گھر بار مال و متاع سب کچھ چھوڑ چھاڑ بہ یک بینی و دو گوش
دین کی حمایت کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ معدودے چند ایسے بھی تھے جو مخالفوں کے نرغے سے
ل بھاگے تھے اور مقدور بھی رکھتے تھے تو اُن کو مفلس مسلمانوں نے نوچ کھایا تھا۔ اُس وقت
کے مسلمانوں میں ہماری طرح کی آپا دھاپی تو تھی نہیں کہ ایک کو آئے دن تخمہ ہوتا رہتا ہے اور اجنبی
کون کہے اُس کے پڑوسی بلکہ رشتہ دار بھوکوں مر رہے ہیں یا یہ جاڑے کا موسم ہے ایک
کے یہاں انگیٹھیاں سلگ رہی ہیں شال دوشالے الوان و جتے پچوّر رضائیاں دولائیاں لحاف

---

۵ کیا تم کو اُس نے یتیم نہیں پایا (یعنی پایا) پھر جگہ دی اور تم کو دیکھا کہ (راہِ حق کی تلاش میں بھٹکے
بھٹکے (پھر رہے) ہو تو (تم کو دینِ اسلام کا) سیدھا رستہ دکھایا اور تم کو مفلس پایا تو اُس نے غنی کر دیا
۵ (جو بیچارے) صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق (ناروا) اپنے گھروں سے
ل دیئے گئے۔ ۱۲

تو شک بچھونے کا اتنا سامان ہو کہ اکثر استعمال میں نہیں آتا پڑے پڑے کیڑے کھاتے ہیں اور اجنبی کی کون کہے اُسی کے پڑوسی بلکہ رشتہ دار مارے سردی کے مضطر رہتے ہیں جاڑے کی لمبی لمبی راتوں میں مطلق آنکھ نہیں جھپکتی ؎

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے	جاڑا جو آیا رات کو سنسناہٹ سے مضطر رہے

میں نے ایک امیر کا حال سُنا ہے کہ وہ سعادت کی جگہ لکھنؤ کی فردیں لے کر اُنہوں نے دس دس پندرہ پندرہ رضائیاں بنوا رکھتے تھے جتنی رضائیوں کی ضرورت معلوم ہوئی اوپر تلے اوڑھ لیں باقی پائینتی تہ کی ہوئی رکھی ہیں۔ ان کو نیند تو اطمینان کے ساتھ آتی ہی نہ تھی اور دن رات سوتا ہی سوتا ہو تو اطمینان کے ساتھ نیند کیا خاک آئے۔ رات بھر لوگ ان کا دھرنا کیے بیٹھے رہتے ارے فلانے نے تین ڈالا۔ پھر تھوڑی دیر بعد چلاتے ایک نکال۔ اب ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے نفس کا احتساب کرے اور سوچے کہ اس کی نفس پروری اور تن آسانی کس درجے کی ہے ہم میں سے کون ہے جو اپنے تئیں جنت کا مستحق نہیں سمجھتا۔ کون ہے جو اپنی نجات کی طرف سے مطمئن نہیں۔ کون ہے کہ اتنی عمر میں اُس کے چند گھنٹے خطرِ عاقبت کی وجہ سے بے چینی میں گزرے ہوں اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ[۵۱] ہے کہ جس کو یقین کہتے ہیں عاقبت کا ویسا یقین نہیں اِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ[۵۲] یقین ہو تو مسلمان بھائیوں کی حاجتوں اور اُن کی ضرورتوں کی طرف سے اتنی بے پروائی نہ ہو کہ مسلمان ایک یونیورسٹی کو ترسیں اور ایک یونیورسٹی کے نہ ہونے سے چھ کروڑ مسلمان آخر کو تباہ اور برباد ہو جائیں۔ بھائی مسلمان کا لفظ ہمارے محاورے میں داخل ہو گیا ہے اور بھائی کا لفظ بھی لغو کی طرح مہمل و بے معنی ہے۔ ورنہ اگر اخوت اور بھائی بندی یہی ہے جو ہم آپس میں برت رہے ہیں

[۵۱] کیا ہم نے تم کو اتنی عمر بھی نہیں دی تھی کہ جس کو سوچنا (منظور) ہوتا وہ اتنی عمر میں (اچھی خاصی طرح) سوچ سمجھ لیتا اور (اس کے علاوہ) تمہارے پاس (تمہاری نافرمانی سے) ڈرانے والا (رسول بھی) پہنچا ۱۲

[۵۲] ہاں کچھ یوں ہی سا واہمہ تو ہم کو بھی گزرتا ہے مگر (جس کو یقین کہتے ہیں وہ تو) ہم کو ہوتا نہیں ۱۲

تو میں نہیں جانتا کہ مغائرت اور اجنبیت کیا چیز ہے۔ غیر ایک اسلامی اخوت تو یہ ہے جو ہم میں ہے کہ مسلمان تباہ و برباد ذلیل و خوار ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ہم میں اکثر کو تو اس کا علم ہی نہیں اور جن کو ہے وہ کچھ پروا نہیں کرتے مگر معدودے چند وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ سو وہی مثل ہے کہ اکیلا سو رہا چنا بھاڑ کو تو نہیں پھوڑ سکتا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی کام جس سے فلاح قومی کا اطمینان ہو اس سرے سے اُس سرے تک کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ترقی کی سڑک کھلی پڑی ہے کہ اندھا بھی لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جائے۔ مگر ہم رخ ہی نہیں کرتے نمونے موجود ہیں مگر ہم آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے فَاِنَّهَا[۵] لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ یہ بھی خدا اس نیچری کی گور کو ٹھنڈا رکھے کہ ایک تذکرہ چھیڑ تو گیا کہ ہم برسویں دن مل بیٹھ کر قوم کے حال پر دو آنسو بہا لیتے ہیں وہی جیسا میر انیس نے غم حسین رضی اللہ عنہ میں تباکی کرنے والوں کے حق میں کہا ہے؎

داغ غم شہ سینہ میں گل بوٹے ہیں	کیا کیا گہر بیش بہا لوٹے ہیں
مجلس میں جو ریا سے روتے ہیں انیس	اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

ہم کو بھی سلف ہلپ یعنی آپ اپنی مدد کرنے کا سبق دیا گیا۔ سبق تو بڑے کام کا تھا مگر عقل اوندھی ہو تو بات ہو سیدھی اور سمجھ میں آئے الٹی۔ ہم نے سلف ہلپ پر عمل کیا کہ اپنی ہی ہنڈیا کی خیر مناتے رہے اور نہ سمجھے کہ مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا بھی اپنی ہی مدد کرنا ہے جو شخص معزز قوم کا ممبر نہیں وہ اپنی ذات سے کتنا ہی کیوں نہ بڑھ چڑھ جائے لوگوں کی نظروں میں معزز ہو نہیں سکتا۔ اس کو اپنے ہی لوگوں میں کیوں نہیں دیکھ لیتے کہ جو قوم کسی مبتذل پیشے کی وجہ سے حقیر سمجھی جاتی ہے اگرچہ پیشے اور پیشہ ور کو حقیر سمجھنا شرعاً عقلاً کسی طرح بھی روا نہیں بلکہ مسلمانوں کی بے دولتی کے جہاں اور سبب ہیں ان میں بڑا مؤثر سبب یہ بھی ہے کہ انھوں نے معاش کے بہت ذرائع کو از خود اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ ایک چیز سے نفرت کرنا اس کو نظر حقارت سے دیکھنا حرام کرنا نہیں تو کیا ہے۔ نذروں اور جانوروں کے حلال و حرام پر [illegible]

[۵] بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں ۱۲

کے ہٹانے سرکا نے پر اور اسی طرح کی اَور باتوں پر قرآن میں بڑی لتاڑ ہی۔ میں نہیں سمجھتا کہ بے حکم شارع کسی پیشے کا مکروہ جاننا اُس سے محترز رہنا کیوں اس لتاڑ میں داخل نہ ہو۔ بہر کیف جو قوم کسی پیشے کی وجہ سے مبتذل سمجھی جاتی ہو ان میں کا کوئی کا فرد کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو جائے لوگ اُس کی ویسی عزت نہیں کرتے ہیں کا وہ دولت کی وجہ سے مستحق ہی۔ اس قاعدے کی رو سے جو حقیقت میں نیچرل رُول (فطرتی قاعدہ) ہی جب تک مسلمانوں کی قوم بین الاقوام وقعت و عزت نہیں پیدا کرلی اُن میں کا کوئی سر ہوا تو کیا اور آنریبل ہوا تو کیا صاحب اسلامی وخطاب ہوا تو کیا۔ گندے تالاب کے رہو بھی جھینگوں کے مول بکا کرتے ہیں۔ بات پریشان ہو گئی اور مطلب کا سلسلہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ اگر کو میری تقریر کی آمد نہ سمجھنا مسلمان اپنے پیٹ بھر کر بگڑے ہیں کہ ان کی صورت دیکھے سے مضمون سوجھتے ہیں اور بات میں سے بات نکلی چلی آتی ہی۔ اصل میں تو میں تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کے اسباب بیان کر رہا تھا۔ تعلیمی چندوں کا مذکور ہو تو صدقات کا نام آیا ہی چاہیے کیوں کہ تعلیمی چندہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہی بلکہ افضل الصدقات اور اس کو میں ثابت کرکے اپنی جگہ سے ٹلوں گا۔

صدقات کا بیان ذرا طول پکڑ گیا تو میں نے عذر کیا کہ میں نے صدقات کے بارے میں لمبی تقریر کی اور ابھی اَور بھی کروں گا اس لیے کہ میں صدقات کو بڑا مہتم بالشان سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک ان ہی صدقات نے اسلام کو کھڑا کیا۔ انھیں صدقات نے اسلام کو جاپا۔ پس شروع شروع کے مسلمانوں کے افلاس اور ان کی باہمی معاونت کا ذکر آگیا تو شروع شروع کے مسلمان کچھ پہلے سے غریب لوگ تھے اور بعض اسلام کی وجہ سے مفلس ہو گئے تھے۔ اسلام کی وجہ سے مفلس ہو جانے کی دو صورتیں تھیں یا تو مخالفوں نے مذہبی عداوت کی وجہ سے اُن کو جایداد اور مال و متاع سے زبردستی بے دخل کر دیا تھا۔ یا غریب مسلمان بھائیوں کی پرداخت اور پرورش میں دولت خرچ کرکے آپ بھی مفلس ہو گئے تھے اب میں چند لوگوں کا حال بیان کروں تو تم کو میرے کہے کی تصدیق ہو۔ مثلاً ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک

مشرک کے حبشی غلام تھے اور خدا نے اُن کی تقدیر میں مسلمانوں کا سرتاج اور سردار بننا لکھا تھا
اس غلامی کی حالت میں ایمان لائے اُس مشرک کو خبر ہوئی تو اُس نے اُن کو طرح طرح کے عذاب
دینے شروع کیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نہ دیکھا گیا آخر اُس مشرک کو منہ
مانگے دام دے کر اُن کو مول لیا اور آزاد کر دیا۔ بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے والد کو معلوم ہوا تو انھوں
نے بیٹے سے کہا بھی کہ کیا از کار رفتہ غلام خریدا کرتے ہو مگر اُن کو تو خدمت لینی منظور نہ تھی بلکہ
اُلٹی ایک مصیبت زدہ بھائی کی خدمت کرنی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے
یا یوں کہو کہ بزاز تھے۔ اس وقت آڈینس (حاضرین) میں بھی کتنے مسلمان ہوں گے جو
بزازی کو کسرِ شان کا موجب سمجھیں گے مگر وہ رسول اللہ کے اول خلیفہ امیر المومنین جزیرۂ
عرب کے بادشاہ اتنی فضیلتوں پر واقعی بزاز اور اپنے پیشے کی وجہ سے بڑے مال دار تھے
مگر شروع سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور مسلمانوں کی پرداخت کو
فرضِ اسلامی سمجھ کر اپنے اوپر لازم کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا اور ہونا بھی تھا کہ آخر آخر میں اس قدر
بے مقدور ہو گئے تھے کہ گھنڈیوں اور تکموں کی جگہ ببول کے کانٹے کھونسے رہتے تھے ہم
میں کوئی ایسا ہی جس نے قوم کے لیے چاندی سونے یا قیمتی پتھروں کی جگہ ہڈی یا چینی کے
بٹن لگائے ہوں یا اب اتنی شرم دلانے پر لگا کر دکھلائے ان بزرگوں نے خدا اُن پر اپنی رحمت
کاملہ نازل کرے دو دفعہ قوم کے لیے ایسی ایسی نفس کشیاں کی ہیں تب کہیں جا کر اُن
مدارج پر پہنچے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے سارے مزے ہم آپ اڑائیں قوم کا نام
نہ لیں۔ ۱ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا قوم کشتی کے پاس ہو کر نہ پھٹکیں ۲ فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ
أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور

۱ تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے (حصے کے) مزے اڑا چکے اور اُن سے خاطر خواہ فائدہ (بھی) اٹھا چکے ہو ۱۲

۲ پھر (بھی) وہ ان نعمتوں کے شکر میں گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (کا رستہ) ہمارا کیا

کستاں کشاں دنیا سے بلائے جاتے ہیں "طفل یکتب بستی رو و و نے برندش"، تو وہاں مقرب فرشتے ہمارے استقبال کو جنت پر موجود ہوں "و ایں خیال ست و محال ست و جنون"۔

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر میں ایک خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے ساتھ کچھ بھی احسان کیا تھا ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا مگر ابوبکر، خدا ان کے احسانات کا بدلہ دے۔ میں نے مثال کے طور پر حضرت ابوبکر کی دو باتیں بیان کیں انہیں میں کے تفاوت سے اس وقت کے کل مسلمانوں کا قریب قریب یہی حال تھا سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ پھر جیسے ان کے ہمارے خیالات مختلف ہیں۔ ویسے ہی قوم کی اسلام کی حالتیں مختلف ہیں۔ انہوں نے اتفاق اور اتحاد اور ہمدردی اور اخوت کا سچا برتاؤ کر کے قومی جتھا بنایا۔ ہم نے نفاق اور پھوٹ اور خود غرضی اور نفس پروری اختیار کر کے اس کو تتر بتر اور منتشر کر دیا۔ انہوں نے بڑی زبردست سلطنت قائم کی۔ ہم اس کو کھو بیٹھے۔ ان وقتوں کی اسلامی اخوت اسلامی ہمدردی کے متعلق چند باتیں اور سنو شاید کسی کو تنبیہ ہو مگر خود کہنے والے کو تنبیہ نہیں تو سننے والے کو کیا خاک ہو لیکن مصرع

"من نکردم شما حذر بکنید"

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکے کے رہنے والے تھے مکے ہی میں پیدا ہوئے تھے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۴ - (مراد) ہو (گھاٹی سے مراد ہو کسی کی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو (خاص کر جبکہ وہ اپنا) رشتہ دار بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا کھلانا) تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہو چاہئے تھا کہ اس گھاٹی میں ہو کر گزرتا) اس کے علاوہ (ان لوگوں) کے زمرے میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہتے اور نیز ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ۱۲۰ سلف (مسلمانو ان لوگوں سے کہو کہ ہم تو) اللہ کے رنگ میں رنگے گئے اور اللہ کے رنگ سے (اور کسی کا رنگ) بہتر ہو گا ؟

ہی میں بڑے ہوئے۔ اُن کے تمام تعلقات مکّہ ہی میں تھے۔ وطن سبھی کو عزیز ہوتا ہی اُن کو بھی تھا۔ اور سب سے زیادہ تھا اس لئے کہ اُن دنوں تمام جزیرۂ عرب میں مکّہ اور طائف دو ہی بڑے شہر تھے مکّہ تو معبد اہلِ عرب ہونے کی وجہ سے مرجع عام تھا اور طائف میں سال کے سال بڑا میلہ لگتا تھا اور کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے تو پیغمبر صاحب کو ان ہی دو مقاموں میں اسلام کی منادی کرنے کا اچھا موقع ملتا تھا۔ مگر مخالفت کی اس قدر شورش تھی کہ رہنا دشوار ہو گیا تھا اس پر بھی پیغمبر صاحب نے مکّہ نہ چھوڑا اور جبر و استقلال کے ساتھ خدمتِ رسالت بجالاتے رہے جس کے لیے وہ خدا کی طرف سے مامور ہوئے تھے یہاں تک کہ جب مخالفوں نے دیکھا کہ یہ شخص مزاحمتوں کی مطلق پروا نہیں کرتا اور اپنا کام کیے چلا جاتا ہے اور چپکے چپکے اس کے اتباع بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں تو انھوں نے ان کے مار ڈالنے کی ٹھہرائی پیغمبر صاحب کو آگہی ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے رات کے وقت گھر سے نکل ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تین دن رات وہیں چھپے رہے۔ پھر اجنبی رستے سے ہوتے ہوئے مدینے جا پہونچے جہاں کے چند آدمی مکّے اور طائف میں ان کے مواعظِ حسن کر ان کے معتقد ہو گئے تھے۔ مسلمان جہاں جہاں کفار کے نرغے میں تھے پیغمبر صاحب کا جانا سن کر مدینے میں سمٹنے شروع ہوئے۔ جس کو اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی کے معنے سمجھنے ہوں اُس کو چاہیئے کہ اُس امداد اور مدارات پر نظر کرے جو ایسے نازک وقت میں مدینے کے مسلمانوں نے اپنے پردیسی بھائیوں کی کی۔ پیغمبر صاحب نے ان بے کس مسلمانوں کو دو دو چار چار کر کے مدینے والوں کے ذمے کر دیا تھا تو جو جس کا مہمان تھا۔ مہمان اور صاحبِ خانہ میں کسی طرح کا امتیاز نہ تھا مثالیں تو بہت سی ہیں مگر میں تمثیل کے طور پر صرف ایک ہی مثال بیان کرتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر سعد بن الربیع کے حصے میں آئے تھے سعد نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم بی بی کے نہ ہونے سے مشتاقی ہوتے ہو گے اور میرے نکاح میں کئی عورتیں ہیں۔ میں ایک کو تمہارے لیے طلاق

دسے دیتا ہوں دیکھی اسلامی اخوت دیکھی قومی ہمدردی۔ انصار نے یہاں تک تو کیا تھا کہ مہاجرین کو اپنی جائدادوں میں برابر کا شریک کرنا چاہا مگر وہ تو پیغمبر صاحب نے مدینے کے کسی مسلمان پر بوجھ ڈالنا پسند نہیں کیا اور بات چلنے نہ پائی ورنہ انصار تو اپنی طرف سے دے ہی چکے تھے جن کے مریدوں میں جن کے شاگردوں میں اس درجے کی سیر چشمی اس درجے کی فیاضی اس درجے کی ہمدردی ہو اُن کا اپنا کیا پوچھنا ہے۔ آدمی کی ضرورتوں میں دو چیزیں سب پر مقدم ہیں کھانا اور کپڑا۔ سو کھانے کا یہ حال تھا کہ ایک وقت اصحاب پر بہت سخت گزر رہا تھا اور عرب کے لوگ بڑے زور کی بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے کہ انتڑیوں کے دبے رہنے سے بھوک کی ایذا کم محسوس ہوا کرتی ہے چنانچہ چند صحابی اسی حال سے فقر و فاقہ کی شکایت کے لیے پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبر صاحب نے اُن کی تسکین کے لیے اپنے تئیں دکھایا کہ دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ خیبر یہ خیبر نہیں جو کابل کے رستے میں پڑتا ہے بلکہ مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک گانو تھا جہاں یہودی بستے تھے اُن میں سے کچھ زمین پیغمبر صاحب کے ہاتھ آ گئی تھی اور وہ پیغمبر صاحب کی ذاتی جائداد تھی اُس سے جو اناج آتا پیغمبر صاحب ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو اُن کے خرچ کی قدر سال بھر کا غلہ دے دیا کرتے تھے۔ باقی مسلمانوں پر خرچ ہوتا تھا۔ مگر وہ سالانہ اس قدر رکھ تھا کہ اس میں فراغت کے ساتھ کسی کا بھی گزر نہیں ہوتا تھا آخر ایک دن سب نے مل کر تقاضا کیا یہاں تک کہ پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر توسیع نفقہ نہیں کرنی تھی نہیں کی اور وہ غلہ کیسی کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں میں چھلنی کا رواج نہ تھا آٹا پیسا بھوسی پھونک مار کر اڑا دی کتنی راتیں گزر جاتی تھیں کہ بیت نبوی میں تیل کے نہ ہونے کی وجہ سے چراغ نہیں جلتا تھا۔ پیغمبر صاحب کے حالات کہاں تک سنو گے جوں جوں سنتے جاتے ہو حجت الٰہی پوری ہوتی جاتی ہے مگر خیر ایک بات اور بھی سہی

ایک بار حضرت عمرؓ حاضر خدمت ہوئے پیغمبر صاحب لیٹے تھے اٹھ بیٹھے تو پسلیوں میں کھجور کے پٹھوں کی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں حضرت عمرؓ کو نہایت ترس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ سے دعا فرمائیے کہ اس امت پر بھی وسعت کرے۔ اور یہ تمام عسرت نہ بخل کی وجہ سے تھی اور نہ بے مقدوری کی وجہ سے بلکہ ایثار کی وجہ سے یعنی پہلے اوروں پیچھے آپ لیکن اوراتنے بچتے کہ اپنی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ یہ تو اگلے مسلمانوں کا حال تھا جو صرف بذل اور انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق میں نے بیان کیا۔ اور اب ذرا مجھ سے آنکھیں ملا کر کہو کہ ہم میں سے کسی پر ان کی چھینٹ بھی پڑی ہے؟

تو کہ بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی	جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

اور اب تو دو رکعت بھی نہیں ایسی باتوں کے کرنے سے میری اور سننے سے تمہاری طبیعت رنجیدہ ہوتی ہے آؤ اپنے ڈھب کی باتیں کریں کہ آخر باتوں ہی کے لیے ہم تم سب جمع ہوئے ہیں۔ ہاں تو تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم کو مجتمع ہو کر کسی کام کے کرنے کی عادت بھی نہیں۔ اور ایک سبب اور ہے اور وہ شاید سب سے زیادہ قوی ہے کہ جس تعلیم کے لیے چندہ مانگا جاتا ہے یعنی انگریزی طور کی تعلیم اکثر لوگ اس کو کار خیر ہی نہیں سمجھتے اور اسی کاش اتنا ہی ہو کہ کار خیر نہ سمجھیں۔ نہیں۔ اس تعلیم کو تو اتنا برا سمجھ رکھا ہے کہ پڑھنا تو پڑھنا اس کا نام لینے سے بھی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ الٰہی کیا حشر ہونا ہے ہم لوگوں کا جو اس تعلیم کے رواج دینے کے پیچھے پڑے ہیں اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں۔ بے شک جو لوگ مذہبًا اس تعلیم کو برا سمجھیں ان سے کوئی شکایت نہیں بلکہ ان کا اس تعلیم سے دست کش رہنا ہماری تحسین کا مستحق ہے کہ جیسا ان کا عقیدہ ہے ویسا ان کا عمل ہے۔ مگر بحث تو یوں آ کر پڑتی ہے کہ وہ بھی مسلمان ہم بھی مسلمان وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس تعلیم کو برا سمجھیں اور ہم مسلمان ہونے کی وجہ سے اس تعلیم کو اس درجے اچھا سمجھیں کہ اس کو مصارف صدقات میں سب پر ترجیح دیں۔ تو ہم مسلمان دو فریق ہو گئے مخالف یکدگر جس کی

ہم کو سخت ممانعت ہو رہی ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [۹۱] میں اس وقت اپنی جگہ پر اسی لیے کھڑا ہوا ہوں کہ ہو سکے تو دونوں فریقوں میں التیام کرادوں اور اَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ [۹۲] پر عامل ہونے کا ثواب حاصل کروں۔ وہ جو ایک مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی بالکل سچی بات ہے۔ جب کسی معاملے میں یا کسی بات میں دو گروہ یا دو شخص اختلاف کریں تو مجرد اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کچھ نہ کچھ افراط یا تفریط دونوں طرف سے ہے۔ یہی حال تعلیم کے بارے میں لوگوں کا ہے کہ غلو کے الزام سے کوئی فریق بھی بری نہیں۔ صلح کرانے والے کا یہ حق ہے کہ مخاصمین کو اُن کی غلطیوں پر متنبہ کرے اور مخاصمین کا یہ فرض ہے کہ ٹھنڈے دل سے اُس کی بات سنیں اور بُرا نہ مانیں میں جو فریقین کی غلطیوں کا موازنہ کرتا ہوں تو گو انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ بھی بعض باتوں میں بر سر غلط ہے مگر فریقِ مقابل کی غلطیوں کا پلّہ مجھ کو بہت جھکا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے میں انگریزی تعلیم کے مخالفوں سے چند سوالات کرنے چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ انگریزی عملداری کی وجہ سے ہندوستان کی حالت میں کچھ تغیر واقع ہوا ہے یا نہیں۔ ان کو فوراً تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہوا ہے اور اتنا ہوا ہے کہ ہندوستان وہ ہندوستان تو رہا نہیں جو انگریزوں کی عملداری سے پہلے تھا۔ اگر بالفرض اس کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی ہچر مچر کریں تو میں ریلوں اور تار برقیوں اور سڑک اور نہروں اور پارکوں اور پلوں اور مدرسوں اور شفا خانوں اور پوسٹ کارڈوں اور منی آرڈروں اور ویلیو پے ایبلوں اور مشینوں اور مالِ تجارت کی آمد و شد کی لسٹوں (فہرستوں) اور قانون اور بندوبست کی مثلوں اور چپے چپے زمین کے نقشوں اور کیا اور کیا کی ایک بڑی بھاری فہرست دھڑام سے اسی منبر پر دے ماروں کہ منکرِ بداہت چونک کر کرسی پر سے گر پڑے اور چلّا اُٹھے کہ میں نے مانا وہی جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے کوہِ طور کو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں کے سروں پر لٹکایا تھا

---

[۹۱] اور سب مل کر خوب مضبوطی سے اللہ کی رسی پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا ۱۲

[۹۲] اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو ۱۲

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ پھر میں تعلیم کے مخالفوں سے دوسرا سوال یہ کروں کہ یہ تغیرات ہمارے اختیار سے ہوئے ہیں یا اضطراری تھے اور ہونے ہی تھے میں ان سے وقوع تغیرات تو ہوا ہی چکا تھا۔ ان کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ تغیرات اضطراری تھے اور ہمارے اختیار سے نہیں ہوئے۔ ذرا دیکھتے جاؤ میں کس طرح پر ان کو گھیر کر اصل مطلب کی طرف لاتا ہوں۔ پھر میں ان سے پوچھوں کہ ان تغیرات کے ساتھ ساتھ یا ان تغیرات کی وجہ سے ہماری حالت میں بھی کچھ تغیر ہوا یا نہیں اور ہونا ضرور تھا یا نہیں۔ ناگزیر ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس طرح ہندوستان ہندوستان نہیں رہا ہم بھی وہ ہم نہیں رہے ہماری عادات بدلیں طور و طریق بدلے۔ ساز و سامان بدلے۔ اوضاع بدلے۔ مذاق بدلے۔ تعلقات بدلے۔ معاملات بدلے۔ علوم بدلے اب میرا ان سے آخری کہنا یہ ہے کہ اگر یہ سب چیزیں شرط اسلام ہیں تو بھائیو اسلام کی فاتحہ پڑھو۔ نہ صرف وہ مسلمان نہیں جن کو تم مسلمان نہیں سمجھتے۔ بلکہ مجھ کو تو تمھارے مسلمان ہونے میں بھی کلام ہے "مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب" مجھکو تو ایک متنفس بھی نہیں دکھائی دیتا جو انگریزی کپڑا نہ پہنتا ہو۔ انگریزی قینچی سے نہ قطع کراتا ہو انگریزی سوت سے نہ سلواتا ہو۔ انگریزی دیا سلائی۔ انگریزی چاقو۔ انگریزی کاغذ کام میں نہ لاتا ہو۔ انگریزی سکہ یا پرانا پیسہ یا کوڑی جس کی تصویر ہوا زار بند میں اور پتلے گرہیں لگا کر عین نماز میں لئے نہ رہتا ہو۔ کیا دوسروں کے اسلام کے پیچھے پڑے ہو پہلے آپ تو مسلمان بن لو۔۔۔ ۵

رہنا خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو		تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو	

[۱] (اے پیغمبر اپنے وقت کے یہود کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب ہم نے بنی اسرائیل (کے بڑوں) پر پہاڑ کو اس طرح پر لٹکایا کہ گویا وہ سائبان تھا اور سمجھے کہ یہ (پہاڑ) ان پر آ گرا (گرا) اور حکم دیا کہ یہ کتاب (جو ہم نے تم کو دی ہے اس کو خوب) مضبوطی کے ساتھ لئے رہنا اور جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس کو یاد رکھنا (کہ ایسا کرنے سے) عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بنو۔ ۱۲

آدھا تیتر آدھا بٹیر گڑ کھاوے گلگلوں سے پرہیز ہم تو ایسے اسلام کے قائل نہیں اور ملکوں کی خبر
نہیں مگر ایسا اسلام نہ تو ہندوستان میں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ مگر ہاں وہ اسلام جس کے ہم معتقد
ہیں اور جو خدا اور رسول نے تعلیم کیا ہے وہ تو ایک جبل راسخ کی طرح مستحکم و استوار ہے دنیاوی
تغیرات کی آندھیاں پڑی چلا کریں اُس کو خبر بھی تو نہیں ہوتی یہ وہ اسلام ہے کہ جیسا ہجرت
سے پہلے مکّے کے مسلمانوں کا تھا جب کہ وہ خانہ کعبہ میں نہ نماز پڑھ سکتے تھے اور نہ اذان دے
سکتے تھے ویسا ہی ہجرت کے بعد تھا جب کہ دنیا میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
کی آواز بڑی گونج رہی تھی۔ یہ وہ اسلام ہے کہ اضطرار تو اضطرار اختیار سے بھی چھوڑنا چاہو
تو نہیں چھوٹتا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا کہ مَنْ[۵۱] قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ اس پر ابوذر بولے وَاِنْ
زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ آپ نے فرمایا وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ پھر ابوذرؓ نے وہی اعتراض دہرایا
اور وہی جواب پایا تیسری بار ابوذرؓ نے کہا تو فرمایا وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ
عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ ناخوشی کا کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں کہ اس میں ابوذرؓ کی ناک خاک
آلود یعنی ابوذرؓ کی ہیٹی ہو تو بلا سے اور اُس کو بُرا لگے تو بلا سے۔ جو اسلام ایسا سریش ہو کہ چپکے کر
وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ پر بھی آدمی کو جنت میں لے جا داخل کرے بھلا وہ کوٹ پتلون چھری
کانٹے کے ہٹائے کیا ٹل سکتا ہے اگرچہ کوٹ پتلون چھری کانٹا یا کوئی اور حرکت تشبہ بالنصاریٰ
ہی کے ارادے سے کیوں نہ ہو آخر تشبہ بالنصاریٰ زنا اور سرقے سے تو گیا گزرا نہیں۔
حدیث جس سے میں نے استشہاد کیا مشکوۃ شریف میں بروایت صحیحین موجود ہے جو چاہے دیکھ
لے اور خود نہ دیکھ سکے تو جس پر اُس کا عقیدہ ہو اُس سے پڑھوا کر سن لے مجھ کو یہ بات
کہنے کی تو نہیں تھی کہ پہلے سے لوگ شریعت کا بہتیرا کچھ استخفاف کر رہے ہیں یہ سن کر تو
سنے اور بھی خلیع[۵۲] العذار ہو جائیں گے مگر یہ اس کا جواب ترکی بہ ترکی ہے کہ بات تو ان لوگوں کو

---

۵۱ جو اس کا معتقد ہو کہ خدا کے سوا کوئی [illegible] کار بہشت میں جائے گا ۱۲ ۵۲ مطلق العنان ۱۲

اسلام سے خارج کیا جاتا اور کافر اور مرتد بنایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ اسلام تو ایک اعتبار سے انسانیت کا مرادف ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ[۱] اس آیت کے لفظ لفظ میں غور کرو فِطْرَتَ اللّٰهِ کو دیکھو پھر لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کو۔ پھر ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ کو پھر وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ کو غور کرو گے تو اسلام کا مرادف انسانیت ہونا بھی تسلیم کرو گے اور اس سے بھی تم کو تسکین ہو جائے گی کہ کیوں بعض مسلمان تم کو مسلمان نہیں سمجھتے نہیں سمجھتے اس لیے کہ وہ خود نہیں سمجھتے اور وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ کے احاطے میں ہیں۔ مذہبی بات ہے اور اسی لیے مہتم بالشان بھی ہے اور اسلام کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ بھی ہوتا چلا جا رہا ہے میں اس مسئلے کو اچھی طرح صاف کرنا چاہتا ہوں۔ اسلام کے مرادف انسانیت ہونے پر ایک صریح اعتراض تو یہ وارد ہوتا ہے کہ پھر سب آدمی کیوں مسلمان نہیں۔ ہاں تو سب آدمی اس لیے مسلمان نہیں کہ سب آدمی آدمی بھی نہیں ہیں

نیست جز انساں دریں عالم کہ بسیار ست و نیست		انچہ ہر جستیم و کم دیدیم و بسیار ست و نیست
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا		بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

جو لوگ آدمی ہیں اور مسلمان نہیں دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو عقل رکھتے اور عقل سے کام لیتے اور چاہے دانا چار خدا کو مانتے ہیں جس کا دوسرا نام [illegible] فطرۃ اللہ ہے ایسے لوگ مسلمان ہیں بھی اور نہیں بھی۔ ہیں تو اس لیے کہ ان کا عقیدہ عین اسلامی عقیدہ ہے اور نہیں اس لیے کہ ادھر ان کو خود اسلامی عقیدے سے نہیں بلکہ لفظ اسلام یعنی الف۔ سین۔ لام الف۔ میم سے انکار ہے اور ادھر مسلمان ان کو اپنے میں نہیں لینا چاہتے۔ الٰہی کیا ساری دنیا نے متوالی کودوں کھالی ہے۔ متوالی کودوں بھی سمجھے کہ ہے کیا چیز۔ کودوں ایک بہت کم قیمت غلے کا نام ہے برسات میں

(۱) یہ خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہو سکتا یہی دین (کا) سیدھا (راستہ) ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے ۱۲

زمین پر چھڑک دینے سے بے زحمت جسم کھڑا ہوتا اور جلدی سے تیار ہو جاتا ہو ایک وقت خاص میں اگر پانی کھا جاتا ہو تو اُس میں ایک طرح کی ہیئت آجاتی ہو کہ جو جانور اُس کو کھا لیتا ہو باولا ہو جاتا ہو۔ اب نامسلموں اور مسلموں دونوں کی ہٹ کو تو دیکھو۔ وہ جو اسلامی عقیدے سے نہیں بلکہ لفظ اسلام یعنی الف۔ سین۔ لام الف۔ میم سے انکار رکھتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس مادرزاد اندھے کی سی ہو جس کو کسی نے کھیر کھلانی چاہی اُس نے اتفاق سے کھیر کا نام نہیں سنا تھا پوچھا کھیر کیا؟ جواب ملا کہ سفید سفید ہوتی ہو۔ سفید کیا؟ تو کھیر کی دعوت کرنے والے نے کہا جیسے بگلا۔ بگلا کیسا ہوتا ہو؟ تو اُس شخص نے پونہچا اُٹھا کر اور انگلیوں کو چونچ کی طرح باہر کو نکال کر کہا ایسا۔ اندھے نے ٹٹولا تو کہا کہ یہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہو مجھ سے نہیں کھائی جائے گی۔ تب سے ٹیڑھی کھیر کی مثل چل پڑی۔ تو جو لوگ اسلامی عقیدے کو مانتے اور لفظ اسلام سے بدکتے ہیں اُن کے حق میں اسلام اس معنی کر ٹیڑھی کھیر ہو۔ رہے مسلمان جو خدا کے ماننے والوں کو بھی اپنے میں نہیں لینا چاہتے ان کی کچھ نہ پوچھو خدا نے مزاج ہی ایسے اکھل کھرے بنائے ہیں کہ اپنے ہی کو اپنے پاس نہیں رہنے دیتے یہ دوسروں کو کیا خاک آنے دیں گے ان کے مزاجوں میں سازگاری ہوتی تو ساری دنیا کو کبھی کے مسلمان کر چکے ہوتے۔ ہم عیسائیوں کو دیکھتے ہیں کہ مذہب کا لُبِ لباب کفّارہ اور تثلیث اور دونوں ناقابل تسلیم۔

	مذہب ان کا سیر کے قابل		مذہب ذوبیرے کے قابل	

زور نہیں۔ ظلم نہیں۔ زبردستی نہیں۔ صرف سازگاری اور حسن تدبیر سے کیسے اپنے مذہب کو پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔ تو ساری دنیا کے مسلمان نہ ہونے سے اسلام اور انسانیت کے مرادف یکدگر ہونے میں کسی طرح بھی خلل نہیں آتا۔ ساری دنیا مسلمان نہیں اس لیے کہ لوگوں کو سچے دل سے مذہب کی جستجو نہیں اور اس لیے کہ جن کا کام لوگوں کو اسلام کا سمجھانا ہو یعنی خود مسلمان وہ بے چارے آپ اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں اور سمجھانے کی طرح نہ

سمجھانا جانتے ہیں اور نہ سمجھاتے ہیں۔ یہ تو اُن کا جواب ہوا جو بات بات میں مسلمانوں کو اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ اب رہے ان کے بمقابل وہ لوگ جو شرع کی مطلق پروا نہیں کرتے تو وہ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ والی حدیث کو جو میں نے نقل کی قید مذہب سے آزاد ہونے کا لیسنس نہ قرار دیں جہاں وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ہو زنا کی حد سنگسار کرنا اور سرقے کی قطع ید بھی ہے اور عذابِ آخرت کی وعید اس کے علاوہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والا یعنی خدا کا ماننے والا بے حساب جنت میں جا داخل ہوگا۔ بلکہ دَخَلَ الْجَنَّةَ کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنی بدکرداری کی سزا پاکے اور مصیبتیں جھیلنے کے بعد آخر کار جنت میں پہنچ رہے گا۔ جب ایک ہی معاملے کے متعلق بہت سی باتیں کہی جائیں تو سب کو جمع کر کے استنباط مطلب کیا جاتا ہے نہ یہ کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے استشہاد کرو اور وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی کی نوبت نہ آنے دو یا بلاغت ربودمیں سے بلا کو الگ کرلو اور غت ربود کو لغت میں دیکھو۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ سے خدا کی وفورِ شفقت اور عمومِ رحمت کا اظہار مقصود ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ[۵۱] ابطالِ شریعت كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ؎

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم	بمانند کرّوبیاں صم و بکم
وگر در دہد یک صلائے کرم	عزازیل گوید نصیبے برم

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ[۵۲] مجھکو تو اس بات پر تعجب آتا ہے کہ ایسا کون بندہ بشر ہے جو گنہگار نہیں ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

[۵۱] اور ہماری رحمت تمام چیزوں کو شامل ہے ۱۲ [۵۲] (اے پیغمبر) ہمارے بندوں کو آگاہ کر دو کہ (ایک طرف) ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور (دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا) موذی عذاب ہے ۱۲

دنیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب کے لوگ ہر قسم کے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں، قیدیں بھگتتے ہیں، جرمانے دیتے ہیں، بے دین کہلاتے ہیں مگر کوئی مذہبی گروہ اُن کو اپنے مذہب سے نہیں نکالتا اور خود مسلمانوں کا بھی یہی تعامل ہے لیکن عندالجہلاء متعصب مسلمانوں کو اپنے انگریزی خواں بھائیوں کے ساتھ کس غضب کی عداوت ہے کہ مسلمان مجموعۂ تعزیرات ہند کی کل دفعات کا مجرم قرار پائے اور پھر کورا مسلمان کیوم ولدتہ امہ [51] مگر انگریزی کو چھوا اور کافر ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی باتیں جو داخلِ اسلام نہیں ہیں یا ہیں تو از قبیل مستحبات ہیں ہندوستان کے مسلمانوں نے اُن کو شرطِ اسلام ٹھہرا لیا ہے تو تم ان کو ترک کر کے یا ان میں مداہنت کر کے کیوں لوگوں کو وحشت دلاؤ آخر تو تم کو ان ہی مسلمانوں میں رہنا اور ان ہی سے اپنا کام نکالنا ہے

"چہ تواں کرد مردماں اینند"

رفارمر رفارمر جس کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیے جاتے ہیں اتنا تو مانتے ہو کہ پیغمبر صاحب سے بڑھ کر تم رفارمر نہیں ہو۔ اچھا تو اُن کا طریقِ عمل کیا تھا۔ اُن کا طریقِ عمل تو اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [52] تھا۔ حطیم تو سُنا ہوگا اور نہ سنا ہو تو میں بتاؤں کہ خانۂ کعبہ کے پہلو میں تھوڑی سی جگہ احاطہ کی ہوئی ہے اُس کو "حطیم" کہتے ہیں۔ یہ جگہ اصل میں خانۂ کعبہ ہی میں تھی جب قبیلۂ قریش کے لوگوں نے خانۂ کعبہ کی تجدید کی تو رقم نے وفا نہ کی اتنی جگہ چھوڑ دی گئی مگر طواف میں اُس کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے اس لیے کہ واقع میں جزوِ خانۂ کعبہ ہے۔ تو پیغمبر صاحب کو یہ ادھورا خانۂ کعبہ جیسا کہ اب ہے ناپسند سا تھا اور آپ کا جی چاہتا تھا کہ اُس کو پورا کر دیں مگر چونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اور خیال ہوتا تھا کہ خانۂ کعبہ میں تصرف کرنے سے وحشت کریں گے آپ نے خانۂ کعبہ کو اُسی کے حال پر رہنے دیا

51۔ جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہو۔ 52۔ (اے پیغمبر لوگوں کو) عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ اور اُن کے ساتھ بحث (بھی کرو تو) ایسے طور پر کہ وہ (لوگوں کے نزدیک) بہت ہی پسندیدہ ہو۔ ۱۲

اور تذکرہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا - یَا عَائِشَۃُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَکِ حَدِیْثُ
عَھْدٍ ھِمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَیْرِ بِکُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْکَعْبَۃَ فَجَعَلْتُ لَھَا بَابَیْنِ بَابٌ یَدْخُلُ النَّاسُ
مِنْهُ وَبَابًا یَخْرُجُوْنَ مِنْهُ ایک رفارمر وہ تھے کہ یہاں تک اُن کو لوگوں کی دلجوئی کا
خیال تھا اور ایک رفارمر تم ہو کہ بے فائدہ لا حاصل محض اپنا ظاہر حال بدل کر اپنے تئیں انگشت نما
اور انگریزی تعلیم کو بدنام کر رکھا ہے - اب آج میں نے ہر ایک فریق کو اُسکی جگہ سمجھا دیا ہے - اس
وقت کے بعد سے یہ تمہاری آپس کی نوک جھونک موقوف یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا
مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ
الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ کون کمبخت برٹش تعلیم کو نہیں اچھا ہے
اچھا سمجھتا ہے دیندار تو دیندار ہم دنیادار بھی اس سے راضی نہیں - سید احمد خاں بھی جو اس
کے محرک اول تھے زندگی بھر یہی پکارا کیئے وہ ہم سے زیادہ اس کو بے وقعتی کی نگاہ سے
دیکھتے تھے وہ ہم سب سے زیادہ سمجھتے تھے کہ دینی اور دنیاوی فائدے جو تعلیم سے ہونے
چاہئیں اس تعلیم سے ہم مسلمانوں کو نہیں ہوتے - وہ برٹش گورنمنٹ کے تو اس درجہ خیر خواہ
تھے کہ دوسرا ہونا مشکل ہے - اُن کی خیر خواہی نہ ڈر سے تھی نہ طمع سے - ڈر اور طمع مفہوم دو ہیں
مگر ہیں ایک - دوسرے کو لازم و ملزوم - ابھی ۱۸۵۷ء کا غدر اچھی طرح فرو نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے

---

[51] اے عائشہ اگر تیری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کعبہ کو گرا کر از سر نو تعمیر کرتا اور اُس میں دو دروازے
رکھتا کہ لوگ ایک دروازے سے اُس میں داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے ۱۲

[52] مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (خدا کے نزدیک) اُن سے بہتر ہوں اور
نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ جن پر ہنستی ہیں وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو
طعنے دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو - ایمان لائے پیچھے بد تہذیبی کا نام ہی برا ہے اور جو ان حرکات سے
باز نہ آئیں گے تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں ۱۲

گورنمنٹ کی کارروائی پر نکتہ چینی کی اور بہت سی باتوں میں گورنمنٹ کو الزام دیا اور اُس نکتہ چینی کو چھپوا کر مشتہر کیا اور اُس کا انگریزی ترجمہ حکام کے پاس بھیجا اُس وقت معلوم ہوتا تھا کہ صبح و شام سید احمد خاں کو پھانسی ہوتی ہے مگر گورنمنٹ کوئی ایشیائی گورنمنٹ تو نہ تھی اُس نے سمجھا کہ یہ نکتہ چینی بھی بے لوث خیر خواہی سے پیدا ہوئی ہے اُس نے ٹھنڈے دل سے اُسکو پڑھا اور اُس پر عمل کیا۔ اور یہ سید احمد خاں کی اسی قسم کی بہت سی باتوں میں سے ایک بات تھی جو میں نے بیان کی۔ غرض سید احمد خاں برٹش گورنمنٹ کے اس درجے کے خیر خواہ تھے کہ دوسرا ہونا مشکل ہے اور اُن کی خیر خواہی نہ ڈر سے تھی اور نہ طمع سے بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں کے حق میں خدا کی رحمت سمجھتے تھے او حقیقت میں رحمت ہے بھی۔ با ایں ہمہ سید احمد خاں کو ایک منٹ کے لیے بھی جائز نہیں رکھتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم گورنمنٹ کے اختیار میں رہے۔ وہ کہتے تھے کہ اپنی دینی و دنیاوی ضرورتوں کو ہم مسلمان ہی خوب سمجھتے ہیں اور وہی تعلیم ہماری ساری ضرورتوں کو پورا کرسکے گی جو ہم آپ کریں اور اپنی تجویز سے کریں۔ رہی گورنمنٹ وہ مختلف العقائد قوموں پر حکمرانی کر رہی ہے اور اُس کو مساوات کے ساتھ سبھی کا پاس کرنا ہے سبھی کی پرداخت کرنی ہے اور نری تعلیم ہی تو نہیں یک سر و ہزار سودا گورنمنٹ تعلیم پر اتنا خرچ کرتی ہے تو یہ بھی اُس کی مہربانی اور اُسی کا حوصلہ ہے۔ بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہندوستان کی رعایا تو ہاتھ ہلانا جانتی ہی نہیں۔ یہاں تو گورنمنٹ ہی لا و دے لا و دے لا و دے والا ساتھ ہے پس گورنمنٹ سے یہ توقع رکھنی کہ وہ ہم مسلمانوں کے لیے ایسی تعلیم کا سامان بہم پہنچائے جو ہماری طرف سے دنیاوی تمام ضرورتوں کو پورا کرے توقع فضول اور طلب محال ہے۔ غرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل ہو چکی تھی کہ یا مسلمان آپ اپنی تعلیم کا بندوبست کریں یا مفلس اور ذلیل و خوار ہوتے ہوتے جیسے کہ ہو گئے اور ہوتے چلے جارہے ہیں ایک دن ایسے مٹیں کہ ان کا کوئی نام لیوا پانی دیوا نہ رہے کَأَنْ لَمْ یَغْنَوْا فِیْهَا[۱]

[۱] ایسے مٹے کہ گویا اُن بستیوں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ ۱۲

جو کام گورنمنٹ کے بس کا نہ تھا **سید احمد خاں** نے صرف پاک دل اور پکے ارادے کے بھروسے پر اُس کا بیڑا اُٹھایا ؎

وہ ہم ہیں اُٹھالائے بارِ امانت　　　یہ زہرہ نہیں ہی کسی بوالہوس کا

مگر کیسا ہی پاک دل اور پکا ارادہ کیوں نہ ہو روپئے کا کام تو روپئے ہی سے چلتا ہی **سید احمد خاں** کا اپنا یہ حال ؎

چاہیئے زرانِ بتانِ سیم تن کے واسطے　　　ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

اِس شعر کے دوسرے مصرعے کا حرف حرف **سید احمد خاں** کے حق میں پورا ہوا ہی اور جن لوگوں نے ان کے جنازے کو کندھا دیا ہی وہ اس کے شاہد ہیں ذ اَنَا مِنْھُم[۵۱] جن دنوں سید احمد خاں علی گڑھ کالج کے قائم کرنے کی فکر میں تھے دو ایک دفعہ مجکو بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اُن کو اسی دُھن میں پایا مارے ادب کے مونھ سے تو نہیں نکال سکا مگر اُن کی صورت دیکھ کر **میر تقی** کا یہ شعر یاد آیا کرتا تھا ؎

یہ تو کہئیے میر جی صاحب کیا ہی اگر یہ سوانگ نہیں　　　گرمی بسنرہ رنگوں سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

اپنے تئیں مقدور نہیں گورمنٹ سے مانگ نہیں سکتے دین نہ دیں مسلمان جن کی خاطر یہ سارا دردِ سر مول لیا ہی وہ پنچھٹے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے پنچھٹے پر ہاتھ نہ رکھنے دینے کو بعض صاحب نہ سمجھے ہوں گے تو بات یہ ہی کہ ایک امیر نے دستر خوان کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور یہ اُن کی عادت تھی کہ وقت پر کوئی ملاقاتی بیٹھا ہوتا تو اُس کو زبردستی کھانے میں شریک کر لیا کرتے لوگوں کو ان کی یہ عادت معلوم ہوئی تو بعضے کھانے کا وقت تاک کر ملنے کو آتے ٹھیکہ دار کا اس میں تھا نقصان تو وہ کھانے کے وقت خود موجود رہتا اور طفیلیوں کے ساتھ بے رخی سے پیش آتا۔ اس پر بھی جو کس طرح سے تھے پلٹے رہے تو اُس ٹھیکہ دار نے دستر خوان کے خدمت گاروں سے کہہ رکھا تھا کہ ان مفت خوروں پر پانی کی بھر مار رکھو تاکہ کم کھائیں۔ ٹھیکہ دار کے ایما سے

[۵۱] اور میں بھی اُن میں کا ایک ہوں ۱۲

خدمت گار بھی لقمے گنتے رہتے اور ہر لقمہ کے ساتھ پانی کا تقاضا ہوتا۔ اور اُدھر ٹھیکہ دار الگ کھڑا ہوا اشارے کیا کرتا۔ ٹھیکہ دار اور خدمت گاروں نے آپس میں پانی پلانے کی اصطلاح ٹھہرا رکھی تھی نعل لگانا۔ ایک دن ٹھیکہ دار نے خدمت گاروں سے شکایت کی کہ یارو نعل نہیں لگتے۔ ایک خدمت گار نے جواب دیا کہ نعل کیا لگیں لوگ پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں دیتے تو جب **سید احمد خاں** نے خیال کیا کہ مسلمانوں کی خستہ حالی کا تعلیم کے سوا کوئی علاج نہیں اور اُس کو چاہیئے ابیضِ منقوش بلکہ اصفرِ صیلح اپنے میں مقدرت نہیں گورنمنٹ سے مانگ نہیں سکتے دیں نہ دیں مسلمان جن کے لیئے یہ سارا دردِ سر مول لیا ہو وہ پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔ کوئی اور سرہی کا ہوتا تو اس خیالِ محال کو سر میں آنے ہی نہ دیتا اور آیا بھی تھا تو اس کو سر سے نکال پھینکتا مگر سید احمد خاں تو اور ہی مٹی کے بنے ہوئے تھے اُن کو اگر خیال آجاتا کہ فرہاد کی طرح جوئے شیر لانے سے مسلمانوں کی حالت درست ہوتی ہو تو وہ ہرگز یہ نہ سوچتے کہ جوئے شیر کا لانا ممکن بھی ہو یا نہیں کُدال پھاوڑا لے کوہِ ہمالیہ کو کاٹنا شروع کر دیتے۔ مسلمانوں کی خستہ حالی تو ایک بدیہی بات ہو اس کو سوچنے سمجھنے کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی۔ سوچنا سمجھنا جو کچھ تھا اس کا تھا کہ یہ نحوست کیوں کر ٹلے اور جب اُن کی رائے قرار پاگئی کہ تعلیم ہی اس زہر کا تریاق ہو تو جھٹ سے اس کا بیڑا اُٹھا بیٹھے۔ خدا نے بھی یہ دنیا کا کھٹراگ کہیں چھ دن میں جا کر کھڑا کیا هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ[۵۱] حالاں کہ وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہو اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[۵۲] مگر چھ دن میں بنانے سے اُس کو تدریج کے قاعدے کا بتانا منظور تھا۔ سو سید احمد خاں اپنی جگہ بہتیرے ہی مستعجل تھے مگر لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[۵۳] وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا سے عاجز اور اسی لئے تو اُن کو نیچری بنایا تھا۔ بنائی تو اُن کو یونیورسٹی

---

[۵۱] اللہ وہ (قادرِ مطلق) ہو جس نے چھ دن میں آسمان و زمین پیدا کیا ۱۲ [۵۲] جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو بس ہمارا کہنا اُس کے بارے میں اتنا ہی ہوتا ہو کہ ہم اُس کو فرما دیتے ہیں کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہو ۱۲ [۵۳] اے پیغمبر خدا نے جو قاعدے باندھ دیئے ہیں تم ہرگز اُس میں کسی طرح کا رد و بدل ہوتا ہوا نہ پاؤ گے۔ ۱۲

تھی مگر جس طرح عمارت کے لیے پہلے بنیادیں بھری جاتی ہیں وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ[۵۹] مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ انھوں نے علی گڈھ کالج قائم کیا۔ اس وقت ایک بات ذہن میں آگئی ہے ہرچند وہ جملہ معترضہ ہے مگر شاید پھر ذہن سے اُتر جائے اسی وقت بیان کیے دیتا ہوں کہ اتفاق سے سید احمد خاں کی بعض باتیں بزرگانِ دین کی باتوں سے ایسی مل جاتی ہیں کہ جیسے اصل کی نقل اُدھر ابراہیم اور اسماعیل باپ بیٹوں نے بیت اللہ بنایا اِدھر سید احمد خاں اور سید محمود باپ بیٹوں نے بیت العلوم کی بنیاد ڈالی یعنی علی گڑھ کالج قائم کیا منصوبہ بھی ایسی عالی شان عمارت کا سوچا تھا کہ باوجودیکہ پیسہ پیسہ اور کوڑی کوڑی مانگ کر لاکھوں ہی جمع کیے مگر نہ رقم ہی نے وفا کی اور نہ انجینیر کی عمر ہی نے ساتھ دیا بنیادیں بتارہی ہیں کہ انجینیر کے ڈزائن (خاکے) کے مطابق یہ عمارت تکمیل کو پہنچے تو مسلمانوں کیلیے ایک دارالامان ہو۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ اس کو پورا کریں یا ادھورا پڑا رہنے دیں۔ ہم تو وفعتہً انجینیر کے مرنے سے یہ سمجھے کہ عمارت پر بجلی گری اور اُس نے عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی مگر شکر کی جگہ ہے کہ جو لوگ انجینیر کے ڈزائن کو سمجھتے اور نہ صرف سمجھتے بلکہ ڈزائن کے بنانے میں انجینیر کے صلاح کار اور شروع سے آخر تک اُس کے مددگار بلکہ بجائے خود انجنیری کرتے رہے اور محنت اور سرگرمی میں انجینیر کے برابر نہیں تو کم بھی نہیں خدا کے فضل سے چشم بد دور حی و قائم موجود ہیں اور خدا ان کو عمارت کی تکمیل تک اور تکمیل ہوئے پیچھے اُس کی مضبوطی کے لیے زندہ رکھے سمجھ تو گئے ہوگے کہ وہ کون بزرگ ہیں جتوانے کے لیے تو اُن کے نام لینے کی ضرورت نہیں مگر ایک تو مجھکو اُن کا نام لینے میں مزہ آتا ہے دوسرے سو تشنیعیں ایک طرف اور اُن کا نام مبارک ایک طرف وہ کون ہیں نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر یہ پہلے حیدرآباد کے محسن الملک تھے اور اب تمام ہندوستان بلکہ اسلامی دنیا کے محسن الملک ہیں حیدرآباد

---

[۵۹] اور (اے پیغمبر بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیم اور (اُن کے ساتھ) اسمٰعیل (دونوں) خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے ۱۲

تک اُلملکُ کا الف لام عہد کا تھا - اب استغراق کا ہو ان کو دیکھ کر انجینیر کا غم تو بہت کچھ غلط ہوتا ہو مگر مصرع

تغافل کی تری عادت جو پہلے تھی سو اب بھی ہو

مسلمانوں کی طرف سے جو خدشہ تھا اُس کو تو خدا ہی رفع کرے تو رفع ہو معاملے میں ایک عجیب منطقی دور کا پیچ آ کر پڑا ہو کہ تعلیم کے لیے چندہ مانگا جاتا ہو اور لوگ ہیں کہ تعلیم کی قدر نہیں کرتے

مصرع اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوا[1]

اورامی کاش یہی ہو کہ قدر نہیں کرتے نہیں - کہتے ہیں کہ ابھی پودا جمنے نہیں پایا کہ اُس کی بیخ کنی کے پیچھے پڑے ہیں - بھلا یہ بیل کیا منڈھے چڑھے - اور جو بیخ کنی کے پیچھے پڑے ہیں ان کے ہاتھوں میں مذہبی تبر ہو کہ ایک ہاتھ بھی ٹھکانے سے بیٹھ جائے تو تحت الثریٰ تک کی خبر لے جیسے بجلی گری سہ

ہمارے سینے میں وہ آہِ آتشیں ہر ذوق	کہ برق دیکھے تو فی النار و السقر ہو جائے

اب یہاں بڑے سے بڑے متشکک کو بھی تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہو کہ مسلمانوں کی خستہ حالی ایک امرِ مشاہد ہو اور اُن میں جو اہل الراے ہیں سوچ سمجھ کر اجماع کر چکے ہیں کہ تعلیم ہی ایک تدبیر ہو جو ان کی حالت کی اصلاح کر سکتی ہو تو سنے اور شاہد آنکھوں کے سامنے موجود ہیں باتیں جو سنائی سمجھائی جاتی ہیں بدیہی ہیں جیسے دو اور دو چار با ایں ہمہ ایک قرن تو تعلیم کی کوششوں کو ہو چکا ابھی تک تو یہ اونٹ کروٹ سے بیٹھا نہیں اور دیر زیادہ اور مقدرت کم ہوتی چلی جا رہی ہو آج جو کام مثلاً ایک روپیہ میں نکلتا ہو اسکے بس مقدور تو روپیے کی جگہ اٹھنی کا رہ جائے گا اور کام کے لیے ایک کی جگہ دو درکار ہوں گے - یہ خیالات کسی وقت ہجوم کرتے ہیں تو مطلعِ اُمید بالکل تیرہ و تار نظر آتا ہو اور تیرہ و تار بھی کیسا کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ[2]

[1] لوگ جس چیز کو نہیں جانتے خواہی نخواہی اُس کی دشمنی کیا کرتے ہیں ۱۲ [2] یا اُن کے اعمال کی مثال جیسے بڑے گہرے دریا کے اندر کی اندھیریاں کی سی ہو کہ دریا کو ایک لہر نے ڈھانک رکھا ہو اور لہر بھی ایک نہیں بلکہ

فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۝ لیکن جہاں ناامیدی ہو وہاں ایک وجہ تسلی بھی ہو کہ تعلیم کا کام ایسے ہاتھوں میں ہو جن کے ناخنوں کو خدا نے اس گروہ کے کھولنے کا خاص سلیقہ عنایت فرمایا ہو۔ سکیولر ایجوکیشن یعنی دنیاوی تعلیم تو کیا کوئی ان سے بہتر سمجھے گا۔ جو تجویز کریں آمنّا اور صدقنا کے سوائے ہم کوئی بات مونھ سے نکال ہی نہیں سکتے۔ ۵

بھی سجا وہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بےخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اب ہائے وہ صورت نہیں دکھائی دیتی جس کے لیے پیر مغاں کا خطاب موزوں اور موضوع تھا رہی ریلیجس ایجوکیشن یعنی مذہبی تعلیم۔ دوسرے مسلمانوں کی تو کہتا نہیں۔ میں اپنی ذات سے تو اس کے لیے بھی ان کی طرف سے مطمئن ہوں مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ قرآن کی اشاعت میں مسلمانوں کی طرف سے بہت ہی کمی اور کوتاہی ہوئی ہو اور ہو رہی ہو اور اس الزام سے کوئی اسلامی انسٹیٹیوشن بری نہیں اور از انجملہ علی گڑھ کالج بھی۔ جہاں تک مسلمانوں کے تنزل کے اسباب میں غور کیا جاتا ہو اسباب کا سلسلہ اسی پر منتہی ہوتا ہو کہ مسلمان ویسے مسلمان ہی نہیں رہے جیسے قرآن کی تعلیم کے ذریعے سے خدا کو بنانے منظور تھے۔ مسلمانوں کو عموماً اِلّا ماشاء اللہ خبر ہی نہیں کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہو اور قرآن کے ذریعے سے ہم کو کیا تعلیم فرماتا ہو مجھکو بتاؤ اور از برائے خدا بتاؤ کہ فی صدی کتنے مسلمان اچھی خاصی عمر طبعی کو پہنچ کر مرجاتے ہیں جنھوں نے ساری عمر میں صرف ایک بار بھی سارا قرآن نہیں سنا ہوتا۔ میں عمل کو نہیں پوچھتا کہ وہ دوسرے درجے میں ہو اور علم پر متفرع ہوتا ہو اور نہ عربی دانی کو پوچھتا ہوں کہ یہ بھی ہر ایک سے ہو نہیں سکتا میں تو صرف اتنی بات پوچھتا ہوں کہ کتنے مسلمان اچھی خاصی عمر طبعی کو پہنچ کر

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۱ - لہر کے اوپر لہر اس کے اوپر بادل (غرض) اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک کہ (دریا کی تہ میں کوئی آدمی) اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو اللہ ہی نور (یعنی ہدایت) نہ دے اس کو (کسی طرف سے بھی) نور (کا سہارا) نہیں ۱۲

مر جاتے ہیں جنھوں نے ساری عمر میں ایک بار بھی خود ترجمہ پڑھنے سے یا کسی دوسرے کے سنانے سمجھانے سے یہ بھی نہیں معلوم کیا کہ شروع سے آخر تک قرآن کا مطلب کیا ہے بے شک مسلمانوں میں یہ تو ایک بڑی تعریف کی بات ہے کہ قرآن کے لفظوں کی حفاظت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں برسوں کی محنت میں ہزاروں مسلمان قرآن حفظ کرتے اور زندگی بھر اُس کو دوہراتے رہتے ہیں اور ہمارے یہاں تعلیم کا سلسلہ ہی قرآن سے شروع ہوتا ہے مگر قرآن کی وہ چیز جو مسلمانوں کو مسلمان یعنی انسان کو انسان بناتی ہے اُس کے مطالب ہیں رہے الفاظ وہ خاص کر اُنھیں کے لیے مفید ہیں جو عربی زبان جانتے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سمجھتے ہیں کہ اُن سے اُن کا عقیدہ قرآن کی طرف سے خوب پکا استدلالی ہو جاتا ہے۔ پس اسلام کے اعتبار سے ہم لوگوں کی مثال اُس چوہے کی سی ہے جو ہلدی کی ایک گرہ پانے سے اپنے تئیں پنساری سمجھنے لگا تھا۔ ہمارے اسلام کی حقیقت ہی کیا ہے بس یہی نہ کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے مسلمانوں کو کچھ کرتے دیکھا ویسے اعمال فکر دیا کرنے لگے ع

"ہر انچہ آدم می کند بوزینہ ہم"

کسی کٹھ مُلّا سے آئیں بائیں شائیں کچھ سُن پایا اُس کا یقین کر لیا دین دار بن بیٹھے۔ فہم مطالب کے اعتبار سے مسلمانوں نے۔ اور مسلمانوں سے میری مراد اکثر مسلمان ہیں ہرگز قرآن کی حق قدر نہیں کی کہ اس کو بالاستیعاب سنتے سمجھتے اُس کے مطالب میں غور کرتے۔ اصل میں قرآن کے مطالب اور مضامین ہی تو تھے جن کی وجہ سے اُن وقتوں کے اکثر عرب اسلام کے گرویدہ ہوئے چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ[۱] اسی تقریب میں مجکو

[۱] اور (اے پیغمبر) مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو (اُس کو) پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سُن سمجھ لے پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ واپس پونہچا دو یہ (رعایت ان لوگوں کے حق میں) اس وجہ سے (کرنی ضرور) ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں ۱۲۰

حریث بن زید الخیل کے چند عربی شعر یاد آئے جو اُس نے اپنے چچا اوس بن خالد کے مرثیے میں لکھے ہیں۔ مجکو ان اشعار کا سُنانا تو مقصود نہیں بلکہ میرا مطلب اُس حکایت کا بیان کرنا ہی جو ان اشعار سے متعلق ہی۔ تو پہلے شعر پڑھ لوں تب حکایت بیان کروں۔ رہا شعروں کا مطلب وہ تو میں اُسی وقت بیان کروں گا جب خدا کرے گا کہ تم اسلامی یونیورسٹی بنا کھڑی کروگے۔ اسلامی یونیورسٹی بناؤ گے تو اُس میں عربی کا رواج ہوگا [illegible] تو قرآن کا مطلب سمجھوگے جیسا اُس کے سمجھنے کا حق ہی اور قرآن کا مطلب ہی نہ سمجھوگے تو سچے مسلمان کیسے ہوگے اور سچے مسلمان نہ ہوگے تو کیوں کر اپنی حالت درست کروگے اور اپنی حالت درست نہ کروگے تو قیامت میں رسولِ خدا کو کیا مُونہ دکھاؤگے وہ مسلمان کو ایک معزز قوم بنانے کے لیے بھیجے گئے اور مسلمانوں کی معزز قوم بنا کر جس خدا نے اُن کو بھیجا تھا اُس کے حضور میں واپس چلے گئے اور عرض کیا کہ تو نے مجکو توفیق دی اور میں اپنا کام کر آیا[۵۱] یَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ہم نے افسوس ہم نے اُس عزت کو خاک میں ملایا اور اپنے ساتھ اسلام کو بے عزت کیا۔

	کفر گیرد کاملے ملت شود		ہر چہ گیرد علتی علت شود	

خیر تو وہ حریث بن زید الخیل کے اشعار عربی یہ ہیں۔

	اَخِی الشَّتْوَةِ الْغَبْرَاءِ وَالزَّمَنِ الْمَحْلِ		اَلَا یَا لَهُ[۵۲] النَّاعِیْ بِاَوْسِ بْنِ خَالِدٍ	
	تَرَكْتُ اَبَا سُفْیَانَ مُلْتَزِمَ الرَّحْلِ		وَاِنْ یَقْتُلُوْا اَبَا الْغُلَامِ وَمَا فَاِنَّنِیْ	

[۵۱] (منافق) کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو جو عزت رکھتا ہو ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سچی حالانکہ (اصلی) عزت اللہ اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہی مگر منافق (اس بات سے) واقف نہیں۔ ۱۲

[۵۲] آگاہ رہو کہ اوس بن خالد کی خبر مرگ لوگوں کو علی الصباح پہنچا رہے۔ جو سردی کے موسم میں قحط سالی آتی تھی جب آندھی چلتی تھی اور سخت قحط سالی پڑتی تھی تو وہ لوگوں کی امداد کرتا تھا اور اگرچہ [illegible] کہ اس کو مار ڈالا تو میں نے ابو سفیان کو جو [illegible] کا قاتل تھا دبا کے رکھا ہے۔ ۱۲

لہ فَلَا تَجْزَعِیْ یَا اُمَّ اَوْسٍ فَاِنَّهٗ	تُصِیْبُ الْمَنَایَا کُلَّ حَافٍ وَذِیْ نَعْلِ
قَتَلْنَا بِقَتْلَانَا مِنَ الْقَوْمِ عُصْبَةً	کِرَامًا وَلَمْ نَاْکُلْ بِهِمْ حَشَفَ النَّخْلِ
وَلَوْلَا الْاَسٰی مَا عِشْتُ فِی النَّاسِ سَاعَةً	وَلٰکِنْ اِذَا مَا شِئْتُ جَاوَبَنِیْ مِثْلِیْ

اور ان کی حکایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو (ابوسفیان یزید کے دادا نہیں یہ اس نام کے دوسرے صحابی ہیں) غرض حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیہات میں بھیجا کہ لوگوں سے قرآن پڑھوا ؤ۔ یہ ابوسفیان کا بھیجا جانا اس طرح کا تھا جیسے ہمارے زمانے میں مدارس کے انسپکٹر گانو گانو لڑکوں کا امتحان لیتے پھرتے ہیں۔ ابوسفیان نے اوس بن خالد سے قرآن پڑھوانا چاہا تو اوس نے انکار کیا اس پر ابوسفیان نے تازیانہ دیا اس کو تازیانے مارے وہ اتفاق سے مرگیا۔ اُس کی ماں بیٹے کے ماتم میں لگی رو نے پیٹنے حریش نے مارے غصے کے از خود رفتہ ہوکر ابوسفیان کو مار ڈالا اور مرثیے کے طور پر یہ اشعار کہے۔ میری غرض یہ تھی کہ وہ قرون اولی کے لوگ جنہوں نے اسلام کو رواج دیا قرآن کے پھیلانے کا یہاں تک اہتمام کرتے تھے۔ اب اپنی کوشش کو ان کی کوششوں سے ملا کر دیکھو۔ غرض تو اُن کی ہماری ایک ہے کہ مسلمان دنیا میں قوم معزز ہو کر رہیں۔ اُن لوگوں نے اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے صرف ایک قرآن کا کورس (نصاب) رکھا تھا اور اُسی پر زور دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وحشی سولیزیشن کے پاینیر (رہنمائے تہذیب) ہوئے۔ اونٹوں کے چرانے والے بادشاہ اور بادشاہ بھی ایسے زبردست کہ یورپ کے سارے بادشاہ مل کر بھی تو اُن کی گرد کو نہیں پاتے اور بادشاہت ہی گھر میں آگئی تو دولت و عزت کا کیا مذکور ہے۔ دولت اُس کی لونڈی اور عزت اس کی سہیلی۔ جہاں سلطنت وہاں دولت

لہ پس اے اوس کی ماں جزع فزع مت کر کیونکہ موت کا چھار تو ننگے پاؤں والا ہو یا جوتی پہنے ہوئے سب ہی کے لیے ہے پس ہم نے بھی اپنے مقتولین کا بدلہ پورا لیا کہ ہم نے بھی اُن کے بڑے لوگوں کی ایک جماعت قتل کر دی اور ہم نے اُن کے بدلے میں کھجور کے چھلکے تک بھی نہ کھائے یعنی مطلقاً دیت قبول نہیں کی۔ اور اگر تسلی کا سہارا نہ ہوتا تو میں لوگوں میں دم بھر زندہ نہ رہ سکتا اور لیکن حال یہ ہے کہ جب چاہتا ہوں ادھر ادھر دیکھو تو میرے جیسے مصیبت زدہ بہت سے مل جاتے ہیں ۱۲

جہاں سلطنت وہاں عزت ہم اپنی کوششوں کے نتیجے پر نظر کرتے ہیں تو سلطنت اور عزت تو بجائے
خود دولت لونڈی تک بھی ہماری رسائی نہیں اور کورس یہی ہو تو ہوگی بھی نہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

ہم مسلمانوں کی حالت کی اصلاح تو جب ہوگی قرآن ہی سے ہوگی جو کچھ بھی تم ریفارمر لوگ چاہتے ہو مسلمان سب کچھ کریں گے مگر قرآن کے کرانے سے کریں گے نہ تمہارے کرانے سے اور نہ گورمنٹ کے کرانے سے۔ جابجا واعظ ہوں اور وہ عوام کو صرف قرآن کا ترجمہ سناتے پھریں۔ مکتبوں اور مدرسوں میں جب لڑکے عبارت کے پڑھنے پر قادر ہو جائیں عربی خوانوں کے لیے متن سے ورنہ ترجمے سے کورس بنائے اور ان کو پڑھائے جائیں جب قرآن لوگوں کے دلوں میں جگہ کرے گا تو ان کو آپ اپنی سوجھے گی۔ اس کے انتظار میں کہ امام غزالی اور مولوی شاہ ولی اللہ دوبارہ جنم لیں قرآن کی اشاعت میں غفلت کرنا خود تم ریفارمروں کے مقاصد میں خلل انداز ہو۔ میں تو کانفرنس میں کسی رائے کے پیش کرنے کے لیے شریک نہیں ہوا میرا مطلب تو کانفرنس کی تقریب سے سید احمد خاں کی وفات پر حسرت و افسوس کا ظاہر کرنا تھا اس کے ضمن میں کوئی بات خیال میں آگئی تو کہہ دی گئی وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ سید احمد خاں کے مرنے پر میں نے چند بند مرثیہ کے طور پر لکھے تھے اب میں ان پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ اول اور آخر دونوں کا جوڑ مل جائے ؎

ہر ایک جاندار کی بے شبہ یک دن جان جانی ہے　　خدا کی ذات واحد کے سوا ہر چیز فانی ہے
نہیں معلوم بعد از مرگ کیا کچھ پیش آنی ہے　　مگر مدح خلائق مغفرت کی اک نشانی ہے

مرے پر اپنے اور بیگانے سر سید کو روتے ہیں
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں

وہ اپنے وقت کا اک فرد کامل بلکہ اکمل تھا　　کہ ہم میں کا ہر اک اعلیٰ سے اعلیٰ اس سے اسفل تھا
[illegible] کی سلطنت میں [illegible] وہ اول تھا　　[illegible] اسلامیوں کی فوج کا لیڈر تھا جنرل تھا

اب اس کے بعد لشکر پہ گر افسر نہیں کوئی
بھٹکتا پھر رہا ہے قافلہ رہبر نہیں کوئی

ہمیں سر سید احمد سے بڑی بھاری شکایت ہے
رہے وہ ہو کے ہیں ہم کو آپ کے دم کی حکایت ہے
بیاں ہو کس زباں سے خوں چکاں اپنی حکایت ہے
نہ سوچے مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ بھی قرآں کی آیت ہے

یکایک ہو کے بے رخ چل دیئے ہم کو دغا دے کر
نہ چھینے دشمنوں سے بھی کوئی نعمت خدا دے کر

مسلمانوں کی حالت میں تو مدت سے تنزل تھا
مدارِ زیست تقدیرِ الٰہی تھی توکل تھا
کبھی کا مٹ چکا تھا خاک میں جو کچھ تجمل تھا
نہ خواہش تھی ترقی کی نہ حاکم سے توسل تھا

ہمارے سر پہ بجتے ڈھول تھے اور شور ہوتے تھے
مگر ہم ہیں کہ بسم اللہ کے گنبد میں سوتے تھے

نہ جانا ہم نے جا کر رات کب کا دن نکل آیا
بجا آیا باستحقاق آیا برمحل آیا
ہوئیں بدنظمیاں سب دور انگریزی عمل آیا
بساطِ کہنہ کا تقدیر سے نعم البدل آیا

پر از خود رفتگانِ خوابِ غفلت کو خبر کیا ہو
شبِ تاریک ہم سے تیرہ بختوں کی سحر کیا ہو

ہمیں احساس ہی باقی نہ تھا اپنی تباہی کا
گدائی میں بھی ہم سمجھے تھے نعرہ بادشاہی کا
نہ ہو زنگی کو جیسے علم اپنی روسیاہی کا
بنا دانستگی دعویٰ فضیلت دستگاہی کا

عروجِ اہلِ انگلستان کو ہم کیا سمجھتے تھے
خدا جانے کہ اپنے آپ کو ہم کیا سمجھتے تھے

زمانہ حسبِ عادت اپنی وہی چال چلتا تھا
مگر ہم کو کوئی اس کا اشارہ [illegible] سمجھاتا تھا
نہ تھمتا تھا نہ رکتا تھا نہ اپنا رخ بدلتا تھا
یہی دیکھا کہ آہستہ [illegible] ملتا تھا

زمانے سے لڑے مگر کسی میں ہے سنبھال اتنی
خدا سے بیر باندھے کس نے پائی ہے مجال اتنی

ہم اس پر بھی باطمینان بیٹھے تھے نہ تھا کھٹکا
یکایک زلزلے نے غدر کے ایک دم سے آ پٹکا
نہ پوچھے تھے جھکولے اور نہ کھایا تھا کبھی جھٹکا
نہ اُٹھے جس سے کلھیا اُس کے سر پر وہ ہو دیا مٹکا

مسلمانوں کے مٹ جانے میں ہرگز کچھ نہ تھا باقی
مگر وہ کیا مٹے رکھے جسے فضل خدا باقی

خدا نے سید احمد خاں کو دی توفیق غم خواری
اسی کی سخت حاجتمند تھی یہ قوم بیچاری
عطا کی عقل صائب جامع دنیا و دیں داری
علاج آسان ہے جب ہو گئی تشخیص بیماری

اسی نے سب سے پہلے عزت اور دولت کا گر سمجھا
خزف کو اس نے گردانا خزف اور دُر کو دُر سمجھا

اسی نے علم کو اس کی حقیقی شان میں دیکھا
جو برسوں میں نہ ہوتا ہوا ایک آن میں دیکھا
اور اس کی طاقت [illegible] اور قوت کو انگلستان میں دیکھا
محال و ممتنع [illegible] حیز امکان میں دیکھا

جنوں ہے خبط ہے تقدیر سے ناحق جھگڑتے ہیں
ہم آپ ہی اپنے ہی کرنے سے بنتے اور بگڑتے ہیں

حصول علم ہی انسان کو انساں بناتا ہے
یہی فرماں روا و حاکم دوراں بناتا ہے
یہی تو بادشاہ [illegible] اور سلطاں بناتا ہے
یہی مفلس کو دولت [illegible] با ساماں بناتا ہے

ہنر کو کہتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں کہ دولت ہے
کہ دولت بھی تو دنیا میں ہنر ہی کی بدولت ہے

کہاں ہندوستاں اور اس سے جا کر کہاں لندن
چلے اور اُس کے قابض ہو گئے سب ایک پر فوراً
بائیں [illegible] دریا سے برہم زن
بھلا کیا [illegible] ان کی شکستوں کی لاکے دشمن

ہماری قوتیں سب منحصر ہیں گاؤزوری میں
بھری ہو صنعت و ایجاد ان کی پور پور میں

رہے مصروف ہم تو سب کے سب باتیں بنانے میں
یہ ہم سے بھی گئے گزرے ہوئے تھے ایک زمانے میں
کہ یورپ وہمت آگو وا خدائی کارخانے میں
پر اب دُنیا کی دولت پھٹ پڑی ان کے خزانے میں

خدا ہی نے یہ کچھ ان کو راز دار اپنا بنایا ہو
کہ ان کی قوم نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہو

رہی ہم میں نہ باقی جب لیاقت مُلک داری کی
پس از اتمامِ حجت حق نے عادت اپنی جاری کی
فلک سے جا کے ٹکرائیں صدائیں آہ و زاری کی
کہ آخر ایک حد ہوتی ہو حلم و بردباری کی

دیا مُلک اُن کو جو اس نعمتِ عظمیٰ کے شایاں تھے
کہ ان سے رُشد کے آثار ظاہر تھے نمایاں تھے

زوالِ سلطنت تھا گو بظاہر مَوت سے بد تر
کہ ہم کو امن و آسایش ہو اپنے عہد سے بڑھ کر
ولیکن درحقیقت قہر میں بھی رحم تھا مضمر
ہوا ہو علم ارزاں جیسے بھٹّے مولی اور گاجر

یہ آزادی جو حاصل ہو کسی کو کب میسّر تھی
اگر سچ پوچھیے تو زندگی لوگوں پہ دوبھر تھی

بڑے نام انگریزوں کی گورنمنٹ ہیں
لیاقت دوست ہیں جوہر شناس قابلیت ہیں
کہ حاکم رحمدل منصف مزاج اور نیک نیت ہیں
اور اس پہ بھی نہ پنپے ہم تو پورے بے حمیت ہیں

نہیں اس عہد میں تخصیص قوم و مُلک و مذہب کی
اگر ہم اہل ہوں تو سلطنت بھی ہو ہمیں سب کی

مگر کیا ظلم ہو ہم بدگماں ہیں اس قدر ان سے
الٰہی کب وہ دن ہو گا کہ ہوں شیر و شکر ان سے
کہ ہر ایک بات میں رکھتے ہیں یہ پرہیز و حذر ان سے
تو پھر جی کھول کر حاصل کریں علم و ہنر ان سے

بطوع و خوشی دلی ایک ایک کی عادت کو سہہ جائے
یوں ہی کچھ تفرقہ مذہب کا رہ جائے تو رہ جائے

نہیں ممکن کہ دنیا میں رہو عزت سے بے اس کے
نہیں ممکن کہ ہوں ہاتھ آشنا دولت سے بے اس کے
نہیں ممکن کہ عظمت ہو کسی خدمت سے بے اس کے
نہیں ممکن کہ نکلو فقر کی ذلت سے بے اس کے

رہو گھل مل کے اور سید ہی طرح گر تم کو رہنا ہو
عزیزو تم سے آخر میں ہمیں اتنا ہی کہنا ہو

یہ باتیں ہیں جو ہم نے اخذ کیں مرحوم سید سے
وہ سمجھاتا رہا ہر ہر طرح پر ہر نہل سے جد سے
نہ سید بلکہ قومی رہنما و پیر و مرشد سے
و لیکن ہم رہے محروم اپنی غفلت اور ضد سے

وہ ہم پر جان و دیتا تھا اُسے دشنام ملتے تھے
یہ اپنی قوم سے اُس کے تئیں انعام ملتے تھے

مگر وہ درد مند قوم ایک کوہ تحمل تھا
مخالف پارٹی کا گو بہت سا شور تھا غل تھا
جو اس کے حق میں کانٹے تھے وہ اُن کے واسطے گل تھا
ولے اُس کے ارادے میں نہ کچھ مطلق تزلزل تھا

کسی مطلب پہ کوئی دل نہادہ ہو تو ایسا ہو
جو ہمت ہو تو ایسی ہو ارادہ ہو تو ایسا ہو

تعلق قوم سے اور قوم سے کچھ پڑے دشمن
شب تاریک بتلائیں اگر وہ دن سے روشن
اُسے سمجھا کیے دیں کا عدو ایمان کا رہزن
انہیں جھوٹا لگنے کی اور وہ مستعجل کہ ہو فوراً

کوئی اس کشمکش سے بہر میں کچھ کر کے دکھلائے
جیسے اس کی طرح اُس کا سامنا کر کے دکھلائے

علی گڑھ میں غرض اُس مرد نے کالج بنا چھوڑا
تعصب سنگ [illegible]
مسلمانوں کو انگریزوں سے بالآخر ملا چھوڑا
[illegible]

یہ کالج بام یونیورسٹی کی نہ وہاں ہوتا
تو اُس کا بھی دلِ مایوس کیسا شادماں ہوتا

مسلمانوں کا عاشق مر گیا اور ہم کو مرنا ہے
خدا کے آگے جا کر کیا کہیں کہہ کر مُکرنا ہے

ہمارا کام سچائی سے حق کا کہہ گزرنا ہے
پھر اب مانو نہ مانو اپنا کرنا اپنا بھرنا ہے

نہ مانوگے تو ساری عمر تقدیروں کو رووگے
بگڑ جاؤگے مٹ جاؤگے کچھ اپنا ہی کھوؤگے

الٰہی تو تو دانا ہے نہان و آشکارا ہے
نہ آمد ہے تجارت کی نہ خدمت کا سہارا ہے

نہیں پوشیدہ تجھ سے جس طرح اپنا گزارا ہے
نہ معتدبہ زمینداری میں کچھ حصہ ہمارا ہے

ہماری کاہلی ہر چند کچھ کرنے نہیں دیتی
یہ رزاقی ہے تیری جو ہمیں مرنے نہیں دیتی

تیری نعمت کی قدر اور اس کی خدمت جب نہ آئی
مگر اب حد سے افزوں ہو گئی ہے اپنی رسوائی

تو ہم نے سخت تر بعد الکوڈ کی واجب سزا پائی
لگے ایذائیں دینے اور ستانے ہم وطن بھائی

ہمارے ساختہ پرداختہ ہم کو بناتے ہیں
جو ہر دم منہ لگا کرتے تھے اب منہ چڑاتے ہیں

اگر بے حرمتی سے پیٹ پالا بھی تو کیا پالا
ہوئے بدنام اور پنچوں کے آگے منہ ہوا کالا

کسی ڈھب سے قضا کو ایک وقتِ خاص تک ٹالا
بزرگوں کی نمود اور آبرو کا خون کر ڈالا

گئی عزت تو ایسے کھانے اور پینے پہ لعنت ہے
اسی کا نام جینا ہے تو اس جینے پہ لعنت ہے

اگرچہ رزق کی جانب سے اطمینان رکھتے ہیں
مگر اک مفلسی کا درد بے درمان رکھتے ہیں

وَمَا مِن دَابَّةٍ پر بالوثوق ایمان رکھتے ہیں
کہ آخر ہم بھی تھوڑی یا بہت کچھ آن رکھتے ہیں

الٰہی گرچہ ہم نا اہل ہیں اور پست ہمت ہیں
مگر بندے ہیں تیرے تیرے پیغمبر کی اُمّت ہیں

الٰہی سیّدِ عالم شہِ لولاک کا صدقہ
پڑے ہوں جس جگہ اُن کے قدم اُس خاک کا صدقہ

اور اُن کی خلّت اور توحیدِ بے اشراک کا صدقہ
جہاں مدفون ہیں اُس سر زمینِ پاک کا صدقہ

کہ ہم سب دردِ اچرائے کا ئنبیک ہو جائیں
تکلّف برطرف سارے کے سارے ایک ہو جائیں

نہیں مطلب کہ ہم کو تخت ہو یا تاجِ شاہی ہو
نہیں حاجت کہ اپنا شہرہ از مہ تا بماہی ہو

نہیں خواہش کہ ہم کو سلطنت خواہی نخواہی ہو
فقط بس ایک یونیورسٹی کی سربراہی ہو

اگر یہ ہو تو ہم سے کُل مطالب اپنے بھر پائے
وگرنہ حکم دے ایک دم سے ساری قوم مر جائے

سینتیسواں لکچر

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے پندرھویں سالانہ جلسے میں بمقام کلکتہ ۱۸۹۹ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کوئی کیسا ہی بے دھڑک بولنے والا کیوں نہ ہو کلکتہ کے عام مجامع میں اور خاص کر ایسے باوقار تعلیمی مجمع میں جیسا کہ اس وقت میں اپنے گرداگرد دیکھتا ہوں گفتگو کرتے ہوئے تھوڑا بہت

ضروری ہچکچانے لگا۔ کلکتے کو خدا نے ایک خاص شرف دیا ہے کہ اس وقت مملکت ہند کا دارالسلطنت ہے۔ و کفی بہٖ فخراً[1] دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے کلکتے کی ہر ایک چیز کو عظمت لازم ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا مجرد نام ہر فرد بشر کے مرعوب کرنے کے لیے بس کرتا ہے۔ اللہ اللہ کبھی کبھی یہ عظمت یا اس کے مماثل ہماری دلی کو تھی۔ میری عمر کے اوائل میں اگرچہ وہ دلی کے انحطاط کا زمانہ تھا پھر بھی ہر فن کا فرد کامل دلی میں موجود تھا۔ لوگ نہ صرف دلی والوں کی زبان کا لوہا مانتے تھے بلکہ ان کی وضع کا۔ ان کی تہذیب کا۔ ان کی لیاقت کا۔ اِن کی ذہانت کا۔ اِن کے علم و ہنر کا۔ اِن کی حرفت و صنعت کا یعنی ہر چیز کا جو دلی کی ہو یا دلی کو چھو گئی ہو۔

اگرچہ خرد کیم نسبتیست بزرگ		ذرۂ آفتاب تابانیم	

یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ بجائے دارالسلطنت ہونے کے وہ ایک ضلع رہ گیا ہے من مضافات لاہور فاعتبروا یا اولی الابصار[2]۔ بس اسی نسبت سے دلی کے تمام محامد و فضائل مٹ گئے ہیں۔ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَھْلِھَا اَذِلَّةً وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ[3]۔

خاک ہو گئے پامال ہوئے برباد ہوئے سب محو ہوئے	
	اور شدائد عشق کی رہ کے کیوں کر ہم ہموار کریں

غرض جب میں نے خیال کیا کہ مجکو بھی کلکتے کی تعلیمی کانفرنس میں جانا پڑے گا وہ طفل بہ مکتب نیرود ولے برندش" اور جانے کے علاوہ کچھ کہنا بھی پڑے گا تو بات کہوں صاف میری بھی ہچکچایا تو تھا۔ اور اب معزز اور باوقار آڈینس کو دیکھ کر ثابت ہوا کہ میرا ہچکچانا بجا تھا۔ کلکتے کی عظمت کے علاوہ ایک بات ہر گز بھی میرے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ غدر سے...

[1] اور فخر کرنے کے لیے اتنی بات بس کرتی ہے ۱۲ [2] لوگو جن کے متوسط آنکھیں ہیں اس واقعے کو دیکھ کر عبرت پکڑو [3] بادشاہ جب کسی شہر کو بزور فتح کر کے اس میں داخل ہوا کرتے ہیں تو ان کا دستور ہے کہ اس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور واقع میں ایسا ہی کیا کرتے ہیں ۱۲۔

سب سے پہلے کا مذکور ہے ہماری دلّی کے اسد اللہ خاں غالب اپنی پنشن کا دکھڑا رونے کلکتے آئے۔ وہ بڑے نامی نامور شاعر تو تھے ہی کلکتے والوں کے ساتھ مشاعرے کے طور کی صحبتیں رہیں۔ شاعری جس سے زیادہ مؤثر کوئی عمل نہیں ایشیائی ملکوں میں مدتوں سے ایسی بری طرح سے اس کا استعمال کیا جا رہا ہے کہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں لٹریچر کی خرابی کو بھی ایشیائی قوموں کے تنزل میں بڑا دخل ہے۔ جھوٹ اور مبالغے اور بے اصل خیالی باتوں پر تو اس کی بنیاد ہے اور مضامین جن میں شعرا طبع آزمائی کرتے ہیں اکثر گندے تو ایسی شاعری قومی اخلاق کو بگاڑا ہی چاہے۔ عربی کی شاعری ان عیوب سے بہت کچھ پاک تھی۔ اور زمانہ جاہلیت کے اشعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور وہ بگڑی اختلاط عجم سے۔ مگر ہم شاعروں کی مذمت قرآن میں بھی پاتے ہیں وَالشُّعَرَاءُ[۵۱] يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ جس سے ثابت ہوا کہ نزول قرآن کے زمانے میں بھی شاعری شائبہ کذب سے خالی نہ تھی الا ماشاء اللہ۔ اور تاکہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری کی ہوا تک نہ لگنے پائی حضرت کی طبیعت خلقۃً ناموزوں واقع ہوئی تھی۔ بااین ہمہ مخالفوں کا ایک اعتراض کثیر الایراد یہ بھی تھا کہ یہ شخص شاعر ہے أَئِنَّا[۵۲] لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ۔

---

۵۱ اور جیسا کافر خیال کرتے ہیں پیغمبر شاعر بھی نہیں کیونکہ) شاعر (خود گم راہ ہوتے ہیں اور گمراہی کی تعلیم کرتے ہیں اور ان کی پیروی (بھی) گمراہ (ہی) کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیے اور (اپنے اشعار میں) کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور (کسی کی ہجو بھی کہی تو پہلے خود) ان پر ظلم ہو لیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے (واجبی) بدلہ لیا (تو ایسی شاعری کا مضائقہ نہیں) اور جنھوں نے (لوگوں پر) ظلم کیے ہیں (مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہے) ان کو (مرنے پر) عن قریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔۱۲

۵۲ کیا ایک باؤلے شاعر کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔۱۲

پیغمبر صاحب پر شاعری کی تہمت لگانے سے مخالفین کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح شاعر خودستا بر خود غلط اور ڈینگیے ہوتے اور آپ اپنے مونہہ میاں مٹھو بنا کرتے ہیں اسی طرح یہ شخص دعوی پیغمبری کرتا ہے۔ مومن نے کس مزے سے شاعروں کے عیب خودستائی کا اعتراف کیا ہے۔ قدسی کی وہ مشہور غزل تو غالباً گوش زد ہوئی ہوگی جس کا مطلع ہے ؎

مرحبا سیدِ مکّی مدنی العربی ۔۔۔ دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یہ غزل کچھ ایسی مقبول ہوئی اور وہ تھی بھی اسی قابل کہ اکثر فارسی گو اور ریختہ گو شاعروں نے اس کی تضمین کی ہے اور مدراس میں ایک اخبار ہے جریدۂ روزگار برسوں سے اسی غزل کی تضمین تبرکاً اس کے شروع میں درج ہوتی چلی آتی ہے۔ خیر تو اس غزل میں ایک شعر یہ بھی ہے ؎

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم ۔۔۔ زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

مومن نے نہایت عمدہ طور پر اس کی تضمین کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی طرح نہ وہم ۔۔۔ یہ نہ سمجھے کہ کیا جاتے ہو اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسم فصیحانِ عجم ۔۔۔ نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

تو پیغمبر صاحب پر شاعری کی تہمت لگانے سے مخالفوں کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح شاعر خودستا اور ڈینگیے ہوتے اور اپنے مونہہ میاں مٹھو بنا کرتے ہیں اسی طرح یہ شخص دعوی پیغمبری کرتا ہے۔ شاعر کہنے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ شخص شاعروں کی طرح چکنی چپڑی باتیں بنانے سے لوگوں کو پھسلاتا ہے مگر ہم نے اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا[1] کے قاعدے سے یہ محل اختیار کیا ہے کہ جس طرح شاعر ڈینگیے ہوتے اور اپنی طرف وہ کمالات منسوب کیا کرتے ہیں جو ان میں نہیں ہوتے اسی طرح یہ شخص دعوی پیغمبری کرتا ہے اس کی تائید ہم کو قوم ثمود اور صالح علیہ السلام کے حالات

[1] قرآن کے بعض مقامات دوسرے مقامات کا مطلب کھول دیتے ہیں ۱۲

سے ہوتی ہے کہ صالح کی امت کے لوگ ان کے حق میں کہتے تھے اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ أَؤُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ[1] یعنی یہ شخص ایسا شرنہیں ہے مگر ڈینگیا شیخی باز خودستا۔ یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ منکرین اکثر پیغمبروں پر ایک ہی طرح کے اعتراض کرتے آئے ہیں پیغمبر صاحب صلعم قرآن کی فصاحت و بلاغت پر تو بڑا زور دیتے تھے یہاں تک کہ اس کو دلائل نبوت میں سے ایک بڑی دلیل گردانتے تھے بایں ہمہ شاعری کو برا اور اپنے حق میں موجب کسر شان سمجھتے تھے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ[2] پیغمبر صاحب تو پیغمبر صاحب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

	اَلْكُنْتُ اَلْيَوْمَ اَشْعَرَ مِنْ لَبِيْدِ		وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِيْ[3]

حاصل کلام یہ کہ شاعری یعنی ایشیائی طور کی شاعری شرعاً مذموم ہے۔ اس سے قوم کے اخلاق پر بہت ہی برا اثر کیا ہے۔ اور جب شاعری ایسی بد بلا ہے کہ مستمع کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے تو خود شاعر جو مبداء ان تمام خیالات فاسدہ کا ہے اس کے اثر بد سے کب محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس محل پر شاعروں کے دوسرے عیوب کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاعری میں کم سے کم عُجب اور خود پسندی کا عیب تو ضرور ہی پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنے ہم پیشوں کا حسد کرنے لگتا ہے جس کو اُمُّ الرَّذَائِل کہنا چاہیے اور جس کی نسبت حدیث شریف میں ہے یَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ[4] اور اگر توقع کے قدر اس کو داد یا صلہ نہ ملے تو وہ ہجو سے لوگوں کی

[1] (کافروں نے کہا) کہ کیا ہم ایسے شخص کی پیروی کریں کہ وہ بھی ہم ہی میں کا ایک بشر ہے ایسا کریں تو ہم گمراہی میں پڑیں) اور جہنم میں (جائیں) کیا ہم میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے۔ ہو نہ ہو یہ (شخص) جھوٹا لپاٹیا اور ڈینگیا ہے۔ ۱۲ [2] ہم نے پیغمبر کو شعر گوئی تعلیم نہیں کی اور نہ شعر گوئی اس کی شان کے شایاں ہے۔ ۱۲ [3] اگر شعر گوئی علما کی کسر شان کی موجب نہ ہوتی تو میں آج کے دن لبید سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔ لبید عرب کا بڑا نامی شاعر ہوا ہے قصائد سبعہ معلقہ میں اس کا قصیدہ بھی ہے۔ ۱۲ [4] حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو ۱۲

دل آزاری کرتا ہو۔ مرزا اسد اللہ خان غالب جن پر یہ پہلی بات چلی (خدا اُن کی مغفرت کرے) بڑے خود پسند اور تنک مزاج شاعر تھے مگر مصرع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

جیسے وہ خود پسند اور تنک مزاج تھے ویسے ہی باکمال بھی تھے کہ اگر وہ پہلی سی صحبتیں رہتیں تب بھی زمانہ سینکڑوں برس میں ویسا باکمال شاعر پیدا نہ کر سکتا اور اب تو وثوق کے ساتھ پیشین گوئی کی جا سکتی ہو کہ غالب جیسا باکمال شاعر پیدا ہو ہی گا نہیں مصرع

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند

ایک مدت تک تو مرزا صاحب ریختہ گوئی کو ویسا ہی حقیر اور دون مرتبت سمجھتے رہے جیسا بلا تشبیہ پیغمبر صاحب اور امام شافعی مطلق شاعری کو مرزا صاحب ایک ریختہ گو شاعر کے حق میں تعریضاً فرماتے ہیں مصرع

آنچہ در گفتار فخر تست آن ننگ من ست

مرزا صاحب تو اس بات پر اڑے بیٹھے تھے کہ ریختہ کہیں ہی گے نہیں اور زمانہ عربی فارسی کی بساط تہ کر رہا تھا زمانے سے کسی کی ضد کیا چلے آخر وہی مرزا صاحب جو ریختہ گوئی کو عار سمجھتے تھے شاعری کی کون کہے معمولی خط و کتابت اردو میں کرنے لگے تھے۔ اور اُن کی اردوئے معلی اس کی گواہ ہو اور آخر میں تو مرزا صاحب کے ملفوظات میں فارسی کا ملح فی الطعام کے قدر رہ گئی تھی۔ سو مرزا صاحب نے اگرچہ روز بڑی بھلی طرح اپنی ضد کو نباہا بھی تو اپنے کمال کے برتے پر نباہا۔ مگر مسلمانو! تم بتاؤ کہ تم کس کمال کے کھونٹے پر کودتے ہو میں تمہاری حالت پر نظر کرتا ہوں تو تم کو مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ کا پورا مصداق پاتا ہوں ؎

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے	
	نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

پھر مرزا صاحب نے اپنی ضد کو نباہا تو اس کا خمیازہ بھی اُن کو بھگتنا پڑا کہ آخر آخر میں ان کو احتیاج کو

ترس ترس کر انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

کمال شاعری کے علاوہ مرزا صاحب کو اس کا بھی بڑا گھمنڈ تھا کہ وہ شاہانِ فارس کی نسل میں سے تھے اور یوں بھی اُن کا مزاج خود پسند واقع ہوا تھا۔ مگر میں تو یہی کہوں گا کہ وہ جو کہتے ہیں کریلا اور نیم چڑھا۔ اُن کو شاعری نے زیادہ چڑچڑا کر دیا تھا۔ مرزا صاحب تو مرزا صاحب ہم میر تقی کو دیکھتے ہیں کہ وہ مرزا صاحب سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ میر صاحب کی تنک مزاجی کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ وہ ایک بار بہت دنوں بعد شاہ عالم کے سلام کو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ شاہ عالم مرہٹوں کی قید میں تھے۔ شاہ عالم نے میر صاحب سے شکایت کی کہ میر صاحب بہت دنوں میں آپ کو دیکھا۔ انھوں نے مناسب وقت کچھ عذر کر دیا۔ پھر بادشاہ نے فرمایش کی کہ افکار تازہ سے محظوظ کیجیے۔ افکار تازہ سے بادشاہ کی مراد یہ تھی کہ میر صاحب اپنا تازہ کلام سنائیں۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ فکر شکم سے فراغ نہیں کہ فکر سخن کیا جائے۔ شاہ عالم خود بھی شاعر تھے اور ان کا یہ قطعہ مشہور ہے ؎

شب دل آرام سے گزرتی ہو	صبح اٹھ جام سے گزرتی ہو
عاقبت کی خبر خدا جانے	اب تو آرام سے گزرتی ہو

فکر شکم کا اظہار در پردہ سوال تھا سو بادشاہ اُس وقت تک خود دوسروں کے دست نگر تھے بات کو ٹال گئے اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ بھئی ہم تو صحت خانے میں جاتے ہیں تو اب بھی ایک غزل کہہ لیتے ہیں۔ اس پر میر صاحب سے نہ رہا گیا اور بولے کہ پھر ویسے ہی سڑے ہوئے اشعار بھی ہوتے ہیں۔ میر صاحب کے اس چٹکلے پر نظر کرتے ہوئے مرزا صاحب کی خود پسندی پر کچھ بھی تعجب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب جن دنوں کلکتہ تشریف لائے اُس وقت تک فارسی کا بازار ایسا مندا نہیں ہوا تھا جیسا اب ہے۔ مرزا صاحب محسود اقران تو تھے ہی اور محسود ہونا ہی اُن کی فضیلت کی دلیل ہے ؎

جو حسد کسی کو تجھ پہ ہو تو ہو یہ تیری خوبی | گر جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا

غرض مرزا صاحب محسود اقران تو تھے ہی کلکتے کے لوگوں نے جو مذاق شاعری رکھتے تھے مہمان پریشان روزگار کی یہ مدارات کی کہ مرزا صاحب کے کلام پر نکتہ چینیاں ہونے لگیں کہیں مرزا صاحب نے مثنوی میں فرضی قصہ باندھا تھا اور اس میں ایک شعر یہ آپڑا تھا ؎

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد | باسر و رو عربدہ آغاز کرد

اس شعر پہ اعتراض کیا گیا کہ خوک پنجہ ندارد۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض کچھ شاعری پر تو تھا نہیں غایت ما فی الباب اس سے اتنا ہی ظاہر ہوتا تھا کہ مرزا صاحب کو اس جانور کے حالات سے پوری آگہی نہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اس کا ویسا ہی جواب دیا جس کا وہ مستحق تھا۔ غرض بحث چھڑ گئی آخر کو مرزا صاحب نے معذرت کے طور پر مثنوی باد مخالف لکھی اور لوگوں کو جمع کر کے سنائی۔ اس پر بھی باد مخالف کا نام سن کر ایک صاحب بول اٹھے "دیگے را از بزرگان باد مخالف در شکم پیچید" اور اس پر ایک قہقہہ اڑا۔ تو یہ سارا قصہ میرا سنا ہوا تھا۔ اور میں کلکتے کی کانفرنس میں شریک ہوتے ہوئے ڈرتا تھا۔ ایک طرف نواب محسن الملک بہادر اصرار کرتے تھے نہ اس پر کہ میں کانفرنس میں شریک ہوں بلکہ اس پر بھی کہ کچھ کہوں اور جو کچھ کہوں اس میں نظم بھی ضرور ہو۔ دوسری طرف میں اپنی جگہ سوچتا تھا کہ وہ اسد اللہ خاں غالب کے وقت گئے گزرے ہوئے پھر خیال آتا تھا کہ اسد اللہ خاں غالب کے وقت گئے گزرے ہوئے تو ہندوستان کے لیے گئے گزرے ہوئے نہ کلکتے کے لیے کہ ٹیا برج کے اختلاط نے اگر اس رنگ کو گہرا نہ کیا ہوگا تو ہلکا بھی نہیں ہونے دیا ہوگا۔ کچھ یوں ہی حیص بیص میں آخر میں نے اس خیال سے کانفرنس میں آنے کی اور کہنے کی اور بادل ناخواستہ نظم کی بھی ٹھان لی کہ میرے مخاطب صرف اہل کلکتہ ہوں گے بلکہ کل مسلمانان بنگالہ اور میں کچھ کہوں گا بھی تو تعلیم پر اور تعلیم بھی جدید طور کی تعلیم جس کے لیے نہ صرف انگریزی عملداری بلکہ زمانے کی حالت متقاضی ہے علی گڑھ کانفرنس میں آنریبل سید محمود نے ہندسی دلائل سے یہ بات ثابت کر دکھائی تھی کہ انڈیا کے سارے مسلمان تعلیم کے اعتبار سے بڑی پست حالت میں ہیں خاص کر مسلمانان بنگالہ کہ گویا ان کے

کان ہی اس آواز سے آشنا نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جس وقت میں نے **سید محمود** کے مونہہ سے یہ بات سنی تو سخت تعجب ہوا کہ کلکتہ دارالحکومت اور بنگالہ صدر پریذیڈنسی اور یہاں تعلیم کی طرف سے اس قدر غفلت اور بے پروائی چراغ کے نیچے اندھیرا اور اندھیرا بھی ایک اندھیرا نہیں بلکہ [۵۱] کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُہَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىہَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ یہ ہی تمہید اس منظوم لکچر کی جس کے لیے میں **نواب محسن الملک بہادر** کی طرف سے مجبور کیا گیا ہوں۔ شاعری کی حیثیت سے اس نظم پر بہت سے اعتراض ہوں گے سو ہوں میں نہ شاعر ہوں اور نہ شاعری جتانے آیا ہوں۔ بلکہ میں ہند کے مسلمانوں کی طرف سے آپ صاحبوں کی خدمت میں فریاد لے کر آیا ہوں اور فریاد کی نسبت وہی اسد اللہ خان غالب فرما گئے ہیں ؎

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے		نالہ پابند نے نہیں ہے	

نفس مطلب اور شاعری کے اعتبار سے میں اپنے حق میں کہہ سکتا ہوں ؎

شعر می گویم بہ از آب حیات		من ندانم فاعلات فاعلات	

جو کچھ مجھکو عرض کرنا ہے میں نے اُس کو ایک بیان پر مبنی کیا ہے جس سے قرآن مجید کی سورہ بقرہ کا چوتھا رکوع شروع ہوتا ہے۔ نظم جو میں پڑھنے والا ہوں یا نظم نہ سہی فریاد جو میں کرنے والا ہوں اس میں اس بیان کا حوالہ ہوگا۔ اور وہ سبب ہے اس کے کہ پہلے میں قرآن کا وہ مقام پڑھ کر سنا دوں شاید کسی کی سمجھ میں نہ آئے اگرچہ میں نے اس کے کسی متداول کورس پر اپنے لکچر کو مبنی کرتا تو یہ

[۵۱] (کافروں کے اعمال کی مثال) بڑے گہرے دریا کے اندر (کی) اندھیروں کی سی (ہے) جس کو دریا کی لہر نے ڈھانک رکھا ہے اور (لہر بھی) ایک سا نہیں بلکہ لہر کے اوپر لہر اس کے اوپر بادل (غرض) اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک کہ (دریا کی تہ میں کوئی آدمی) اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو اللہ ہی نور (یعنی ہدایت) نہ دے تو اس کو (کسی طرف سے) بھی نور (کا سہارا) نہیں ۱۲

سمجھتا کہ ساری کتاب پر عبور نہ ہو گا تو ایسا بھی کیا ہو کہ شروع کے چند صفحے بھی نظر سے نہ گزرے ہوں۔ میں ایک دم سے اپنا لکچر شروع کر دیتا اور جس مضمون کا حوالہ تھا خود بخود مستمعین کا ذہن اُس کی طرف منتقل ہوتا جاتا مگر بد نصیبی سے میں نے مضمون بھی لیا تو قرآن کا جس کو اگر مسلمانوں کی مردم شماری پر حساب کیا جائے تو شاید دس ہزار میں ایک نے بھی نہ صرف یہ کہ سمجھ کر نہیں پڑھا بلکہ سمجھنے کا قصد ہی نہیں کیا۔ آج کہیں سے ایک پیسے کا کارڈ کسی اَن پڑھ آدمی کے پاس آتا ہو تو وہ اُس کو جگہ جگہ لیئے پھرتا ہو اور جب تک پڑھوا نہیں لیتا اُس کو چین نہیں آتا۔ قرآن فرمان الٰہی ہو اور چودہ سو برس سے بار بار یَا اَیُّهَا النَّاسُ۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کہہ کر خدا اپنے بندوں سے خطاب کر رہا ہو اور بندے ہیں کہ اُس کے بُلانے اور پکارنے کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ عمل تو خیر کریں گے یا نہیں کریں گے ذرا ایک بار سُن تو لیں کہ خدا کیا کہتا اور کیا چاہتا ہو۔ کیا لاکھوں کروروں مسلمان مر نہیں گئے اور مرتے نہیں چلے جا رہے جنھوں نے اچھی خاصی عمریں پائیں اور ساری عمر میں ایک بار صرف ایک بار بھی شروع سے آخر تک قرآن کے مطلب کو نہیں سمجھا تو ان سے قیامت میں پوچھا جائے گا۔ اور خدا کا حق ہو کہ ان سے پوچھے اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ[1]۔ نذیر سے مراد ہر وقت کا پیغمبر جو لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراتا ہو اور چونکہ میرا نام نذیر ہو آپ لوگوں نے مجھکو شریک کانفرنس کر کے دوہری ذمہ داری اپنے اوپر لی ہو اس کا خیال رکھنا۔ جو لوگ پڑھے لکھے نہیں عجب نہیں اپنے دل میں سمجھتے ہوں کہ ناخواندگی کا عذر کر کے چھوٹ جائیں گے۔ مگر ان کو چاہیئے کہ یہی عذر اپنے معاملات مقدمات میں حکام دنیا کے روبرو پیش کر کے دیکھیں کہ کہاں تک پذیرا ہوتا ہو۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ لاعلمی نہ دنیا میں مقبول ہو اور نہ عقبیٰ میں۔ اور جن لوگوں نے کسی طرح کی تعلیم پائی ہو اور پھر بھی قرآن کو نہیں سمجھا میں نہیں جانتا کہ وہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ بے شک قرآن عربی ہو اور عربی ہمارے لیئے

[1] کیا ہم نے تم کو اتنی عمریں نہیں دیں کہ جس کو سوچنا سمجھنا ہوتا اُن میں اچھی خاصی طرح سوچ سمجھ لیتا علاوہ بریں عذاب خدا سے ڈرانے والا بھی تمہارے پاس آیا۔ اور تم نے اُس کی کچھ پروا نہیں کی۔ ۱۲

اجنبی زبان ہو، اجنبی کے علاوہ متعسر الحصول بھی ہو۔ لیکن جب کہ ہم میں سے بہتیرے دنیا کے لالچ سے اور لالچ بھی مشتبہ بلکہ اکثر صورتوں میں موہوم غیر ملک کی زبان مثلاً انگریزی سیکھتے ہیں تو کیا کلام خدا کا ہم پر اتنا بھی حق نہیں کہ انگریزی کے لیے برسوں خرچ کریں تو عربی کے لیے اتنے ہی مہینے یا ہفتے۔ عربی مشکل ضرور ہو تو کیا حیات ابدی نا فانی ہی۔۔۔ کے گھر کا نوالہ ہے کہ مسلمانوں کا سا نام رکھا شکل و صورت میں کچھ یوں ہی سا فرق کر لیا اور بے حساب جنت میں جا داخل ہوئے۔ [۵۱] أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ۔ سچ کہا ہے "مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب"۔ اس زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کا کیا مذکور ہے۔ مسلمان پوچھتے ہو تو وہ تھے اور اسلام اُن کا تھا جنھوں نے اسلام کی خاطر گھر چھوڑے، اہل و عیال چھوڑے، مال و متاع چھوڑے، اسلام کی مدد کے لیے ہمہ وقت سر بکف رہے۔ اپنے اعمال کو ان بزرگوں کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھیں تو ہم کو اپنے تئیں مسلمان کہتے ہوئے بھی شرم کرنی چاہیے۔ میں اس بیان کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ خدا نے ہر ایک کے ساتھ نفس لوّامہ کا ایک محتسب لگا دیا ہے اور وہ اس کے حق میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ [۵۲] بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ۔ یعنی ہر شخص آپ اپنی ذمہ داری کا موازنہ کر سکتا ہے۔ مگر غفلت شعار آدمی اس خیال ہی کو ذہن میں نہیں آنے دیتا۔ اور یہ خیال اس کے ذہن میں آتا بھی ہے

۵۱ (مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مزے سے) بہشت میں جا داخل ہو گے اور ابھی تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ اُن کو سختیاں (بھی) اور تکلیفیں (بھی) پہنچیں اور جھڑجھڑائے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُن کے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ (آخر) خدا کی مدد کے آنے (کا کوئی وقت بھی ہے۔ تب ان کو بتایا گیا کہ) سن رکھو خدا کی مدد (وقت پر) قریب (آ لگی) ہے۔ ۱۲

۵۲ بلکہ (خود) انسان اپنے مقابلے میں حجت ہے گو وہ اپنے تئیں بے قصور ثابت کرنے کے لیے کتنے ہی بہانے پیش لایا کرے۔ ۱۲

تو کب اِذَا[۵۱] بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ پس ہر شخص کو جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چاہیے کہ وہ خود تجویز کرے کہ اُس کو قرآن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے تھا اور اُس نے کیا سلوک کیا۔ ممکن ہے کہ کسی کو عربی سیکھنے کا یا شاید مطلق پڑھنا لکھنا سیکھنے کا موقع نہ ہوا ہو اور وہ عند اللہ معذور قرار دیا جائے۔ لیکن کیا مرد۔ کیا عورت۔ کیا شہری۔ کیا دیہاتی۔ کیا مقیم۔ کیا مسافر۔ کیا امیر۔ کیا غریب۔ اتنے میں تو کوئی معذور نہیں ہو سکتا کہ اگر عربی میں پڑھ سکتا ہے تو عربی میں پڑھے نہیں تو دوسری زبان میں کیوں کہ قرآن کے ترجمے تو سب زبانوں میں موجود ہیں۔ غرض خود پڑھے اور خود نہیں پڑھ سکتا تو دوسروں سے پڑھوا کر سنے۔ چار دانگ عالم میں مسلمانوں کے تنزل حالت کا رونا رویا جاتا ہے اور آخر کو بات اسی پر جا کر منتہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو مذہب ہی نے بڑھایا چڑھایا اور مذہب ہی نے اُتار گرایا چنانچہ جو لوگ مسلمانوں کے لیڈر اور ریفارمر بنتے ہیں ابھی مذہب اسلام کے سنبھالنے کی بھی فکر میں کر رہے ہیں۔ ندوہ تو خیر مذہبی پہلو لیے ہوئے ہے ہی جو سیکولر انسٹیٹیوشنز ہیں وہ بھی مذہبی برانچ کھولنے کی تدابیر میں لگے ہیں۔ مگر مذہب کو تو لوگوں نے ہر کہ آمد بران مزید کر کے دریائے ناپیدا کنار بنا دیا ہے۔ ہماری حالت تو اس کی متقاضی ہے کہ قرآن صرف قرآن اپنی اصلی اور سادہ اور سلیس صورت میں داخل درس رہے اور پکا اور پورا اور باون تولے پاؤ رتی ٹکسالی مسلمان بننے کے لیے صرف قرآن کی تعلیم بس کرتی ہے اور آخر قرون اولیٰ کے مسلمان قرآن کے سوا اور جانتے ہی کیا تھے اور بعض نے اور میں تو کہتا ہوں اکثر نے پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا اور اس پر وہ ایسے مسلمان تھے کہ ان کی ایک چھینٹ بھی ہم پر پڑ جائے

---

[۵۱] سو جی جب (جان) بدن سے کھنچ کر گلے کی ہنسلی تک آ پہنچے گی اور (مرنے والے کے بیمار دار) چلا اٹھیں گے کہ (اسے) کوئی جھاڑنے والا ہے (تو اس کو آ کر جھاڑے) اور اس (بیمار) کو یقین ہو جائے گا کہ (اب) یہ (دنیا سے) مفارقت (کا وقت) ہے اور (جان کنی کی تکلیف سے ایک پاؤں کی) پنڈلی (دوسرے پاؤں کی) پنڈلی سے لپٹ (لپٹ) جائے گی اسے شخص جب یہ حالتیں پیش آئیں گی اس دن اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا ۱۲

تو دوجہان میں بیڑا پار ہو۔ میں اس کی سند میں ایک حدیث پڑھتا ہوں جس سے میرے کہے کی آپ کو تصدیق ہو گی۔

[۵۱] عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَتَی رَجُلٌ نِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلٰثًا مِنْ ذَوَاتِ الرّٰٓ فَقَالَ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَاشْتَدَّ قَلْبِیْ وَغَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلٰثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِہٖ قَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَقْرِئْنِیْ سُوْرَۃً جَامِعَۃً فَاَقْرَأَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰی فَرَغَ مِنْھَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَا اَزِیْدُ عَلَیْہِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَیْجِلُ مَرَّتَیْنِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ

مدتوں سے میری قطعی رائے ہو کہ مسلمانوں میں بلحاظ تقاضاے وقت ترقی کی گدگدی پیدا کرنے کا آسان ترین ذریعہ اور بہترین ذریعہ اور متیقن ترین ذریعہ ان کو قرآن کے مضامین سے آگاہ کرنا ہو جس طرح پر بھی ہو قرآن کی اصلی زبان میں ہو تو سبحان اللہ ورنہ ترجموں کے ذریعے سے۔ بے شک قرآن میں علوم الاولین والآخرین سب ہیں لَا رَطْبٍ [۵۲] وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

---

[۵۱] عبداللہ بن عمر سے روایت ہو کہ ایک شخص پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یارسول اللہ صلعم مجکو کچھ قرآن پڑھا دیجیے آپ نے فرمایا جو تین سورتیں الرا سے شروع ہوتی ہیں اُن کو پڑھ لو۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ میری عمر زیادہ ہو۔ اور میرے دل میں بات نہیں جمتی۔ اور میری زبان موٹی پڑ گئی ہو۔ آپ نے فرمایا جو سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں اُن میں سے تین سورتیں پڑھ لو اُس نے پھر ویسا ہی عذر کیا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجکو ایسی سورت سکھا دیجیے جو احکام دین کی جامع ہو چنانچہ پیغمبر صاحب نے اُس کو سورۂ اذا زلزلت تعلیم فرمائی۔ جب اُس نے وہ سورت یاد کر لی تو عرض کیا کہ اُس ذات پاک کی قسم ہو جس نے آپ کو دین برحق دے کر بھیجا ہو کہ میں اس پر کبھی ایک حرف زیادہ نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ آپ نے دوبار فرمایا یہ بھلا آدمی فلاح عاقبت کو پہنچ گیا۔ ۱۲ [۵۲] تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب واضح میں موجود ہو۔ ۱۲

اور اس کا سمجھنا جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے علوم لغت - اور صرف و نحو اور منطق اور مناظرہ اور معانی اور بلاغت اور ادب اور حدیث اور تاریخ کی چھتری میں سے نکلے بدون ہو نہیں سکتا مصرع

[۵۱] ھُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

مگر وہ کام ہے دیر طلب اور یہاں قوم کی حالت یہ ہے کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود - پس چار و ناچار تراجم پر ہم کو قناعت کرنی پڑے گی - پس اس وقت تو ہمتوں کو اسی میں مقصور رکھنا چاہیئے کہ قرآن کا نفس مطلب لوگوں کے کان میں ڈالا جائے اور اس کے لیئے تراجم کافی ہیں - اگر امام غزالی اور فخر الدین رازی جیسے مسلمان بنانے کا انتظار کرو گے تو بے شک مدتوں کی زحمت میں دس پانچ ایسے بھی پیدا ہو جائیں گے اور ہوئے ہیں [۵۲] نَحْنُ رِجَالٌ وَهُمْ رِجَالٌ مگر یہ تو کوہ کندن اور کاہ برآوردن ہوگا - دس پانچ مجتہد پیدا ہونے تک لاکھ دو لاکھ صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے اور شاید نہ بھی رہیں ؎

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟	زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا؟

الغرض ان باتوں پر خیال کرنے سے میں نے قرآن کا ایک مضمون لیا اور اسی پر اپنے لکچر کو مبنی کیا - [۵۳] وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ - وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ اب میں اس کا اردو ترجمہ

[۵۱] وہ مشک ہے جتنا اُس کو رگڑو اُس کی خوشبو پھوٹتی چلی جائے گی ۱۲ [۵۲] جیسے آدمی وہ ویسے آدمی ہم ۱۲

[۵۳] اور (اے پیغمبر لوگوں سے) اُس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں (تو فرشتے) بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص (کو نائب) بنانا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے اور (بنانا ہے تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (و ثنا) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں

پڑھے دیتا ہوں اس کو ذہن میں رکھیے گا تاکہ نظم میں جو میں پڑھنے والا ہوں اس کی کسی بات کی طرف اشارہ ہو تو مطلب کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ میرا روئے سخن اُن ہی مسلمانوں کی طرف ہی جو ارادت و عقیدہ کے ساتھ کلام الٰہی کو سُننا چاہیں کم سے کم اتنا تو ہو کہ مسلمان جب قرآن پڑھے یا سنے تو خدا کی شان اور عظمت کا تصور کرکے اور تصور بھی کانک تراہ کی طرح کا غرض مسلمان جب قرآن پڑھے یا سنے تو خدا کی شان اور عظمت کا تصور کرکے یوں سمجھے کہ خدا اُس سے اور وہ خدا سے ہم کلام ہی۔ ہم میں سے کوئی کسی حاکم دنیا کے پاس پونہچ پاتا ہی اور حاکم اُس کو کچھ حکم دیتا یا کچھ فرماتا ہو تو جس طرح یہ شخص اُس حاکم کے ساتھ پیش آتا بھلا کم سے کم قرآن پڑھتے یا سنتے وقت ہم کو خدا کے ساتھ اس طرح تو پیش آنا چاہیئے اب ہر شخص جس نے قرآن پڑھا یا سُنا ہو آپ اپنے دل میں انصاف کرلے کہ اُس نے خدا اور اُس کے کلام کا ایسا ادب ملحوظ رکھا ہی یا نہیں ادب تو ادب اب تو بات بات میں شبہات ہیں۔ شکوک ہیں۔ اعتراضات ہیں۔ اب یہی آیت جو میں نے پڑہی کتنے مسلمان ہیں کہ فرشتوں کی طرف سے شک و شبہات میں پڑے ہیں۔ اور جو فرشتوں کے وجود کے قائل نہ ہوں وہ مضمون آیت کو افسانہ بے اصل سمجھا ہی چاہیں۔ شکوک جو اس زمانے میں رائے کی بے محل آزادی اور انگریزی کی ادہوری تعلیم کی وجہ سے بکثرت زبان زد خاص و عام ہیں اِن میں سے اکثر پُرانے دقیانوسی ہیں جن کو لوگ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۵ - (خدا نے) فرمایا میں وہ (وہ مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے - اور آدم کو سب (چیزوں کے) نام بتا دیئے - پھر اُن چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کرکے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو ہم کو ان چیزوں کے نام بتاؤ - بولے تو پاک (ذات) ہی جو تو نے ہم کو بتا دیا ہی اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا (مصلحت کا) پہچاننے والا ہی - (تب خدا نے آدم کو) حکم دیا کہ اے آدم تم فرشتوں کو ان (چیزوں) کے نام بتا دو - جب آدم نے فرشتوں کو اُن چیزوں کے نام بتا دیئے تو (خدا نے فرشتوں کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے ہو (وہ) اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو (سب) معلوم ہی ۱۲ لہ گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے

کی معلومات کے سبب انگریزی کی طرف منسوب کر کے ناحق اُس کو متہم کرتے ہیں۔ اب یہی
فرشتوں کا قصہ ہو خود قرآن میں اس کی نسبت یہ آیت موجود ہو ۵۱ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا اور ساتھ ہی اُس کا جواب بھی ہو ۵۲ لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ
وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا۔ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا اب اعتراض
اور جواب کی تشریح کرنے لگوں تو مناظرہ چھڑ جائے میں نے اشارہ کر دیا ہو آپ اپنی جگہ جا کر
سوچ لینا یا دین کے کسی عالم سے پوچھ لینا مگر معلوم ہو کہ اس خدشے کا کھٹکنا اسی مجلس
کے ساتھ ختم بھی ہو۔ قرآن کی تلاوت یا اس کے سننے کے متعلق جو ضروری اور مختصر مشورہ دیا
جا سکتا ہو یہ ہو کہ قرآن سائنس کی تو کوئی کتاب ہی نہیں۔ اس کے نزول کی غرض و غایت صرف
یہ ہو کہ آدمی جیسا از روے فطرت اشرف المخلوقات ہو ویسا ہی دنیا میں اشرف المخلوقات ہو کر رہے
پس جب کسی کو قرآن کے پڑھنے یا سننے کا اتفاق ہو۔ اپنی بے حقیقتی اور خدا کی شان و عظمت
اور اُس کے جلال کے تصور کے ساتھ اس غرض و غایت کو ایسی طرح پیش نظر رکھے کہ اس میں
محو ہو جاوے۔ خود قرآن میں آداب تلاوت اور استماع قرآن بھی موجود ہیں فرماتے ہیں ۵۳ فَاِذَا
قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ یہ تو ادب تلاوت ہوا اب ادب استماع
۵۴ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ قرآن کو قرآن کی طرح پڑھو قرآن کی طرح سنو

۵۱ اور جو لوگ (عاقبت میں) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ (اس قسم کی باتیں بھی) کہا کرتے کہ ہم پر
فرشتے کیوں نہیں اُترے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں (تو یقین کریں)۔ ۵۲ اُن لوگوں نے اپنے دل میں
اپنی بڑی وقعت لگا رکھی ہو اور حد (انسانیت) سے بہت بڑھ گئے ہیں جس دن لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے
اُس دن گنہگاروں کو کوئی خوشی (نصیب) نہ ہوگی اور (فرشتوں کو دیکھ کر) کہیں گے کہ دُور دفان ۱۲۔
۵۳ اے پیغمبر جب تم قرآن پڑھنے لگا کرو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ۱۲ ۵۴ اور (لوگو) جب
قرآن پڑھا جایا کرے (یعنی پیغمبر تم کو سناتے ہوں) تو غل نہ مچاؤ بلکہ اُس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو عجب
نہیں (اس کی برکت سے) تم پر رحم کیا جائے ۱۲۔

سنو تو کیا معنے کہ دل گداز نہ ہو تم تو آدمی ہو اور تمہارے سینوں میں دل ہیں اور وہ نہیں ہیں مگر مضغۂ گوشت۔ قرآن تو ایسا موثر کلام ہو کہ پتھر کو موم کر دے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کلام کے موثر ہونے میں تو کچھ کلام نہیں مگر سننے والے کے دل میں متاثر ہونے کی صلاحیت درکار ہو ورنہ جہاں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ[۵۱] خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ہو وہاں يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا[۵۲] بھی ہو۔ اور وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ[۵۳] فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ بھی ہو۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست	در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

دل میں متاثر ہونے کی صلاحیت پیدا کرنے کی تدبیر ہی عجز و مسکنت ضراعت۔ استکانت۔ جب یہ صفتیں پیدا ہو گئیں تو دل میں شک و شبہہ اور خدشہ و اعتراض کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی چنانچہ مطمئن اور متشکی دو مختلف طرح کی طبیعتوں کے حق میں فرمایا ہو هُوَ الَّذِيْٓ[۵۴] اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

---

۵۱ اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا (اور آدمی کی طرح اُس کو شعور بھی ہوتا) تو تم اُس کو دیکھ لیتے کہ خدا کے ڈر کے مارے جھک گیا (ہوتا اور) پھٹ پڑا ہوتا۔ ۱۲ ۔ ۵۲ خدا بہتیروں کو قرآن کے ذریعے سے گمراہ کرتا ہو اور بہتیروں کو قرآن کے ذریعے سے راہِ راست دکھاتا ہو۔ ۱۲ ۵۳ اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہو تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس (سورت) نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا سو جو (پہلے سے) ایمان رکھتے ہیں اس (سورۃ) نے اُن کا تو ایمان بڑھایا اور وہ (اپنی جگہ) خوشیاں مناتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہو تو اس سورت نے اُن کی (پچھلی) خباثت پر ایک خباثت اور بڑھائی اور یہ لوگ کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ ۵۴ (اے پیغمبر) وہی (ذاتِ پاک) ہو جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری ۱۰ جس میں سے بعض آیتیں پکی (یعنی صاف و صریح ہیں) کہ وہی اصل کتاب ہیں اور (بعض) دوسری مبہم کہ اُن کے

قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ جو چیز قیاسی طور پر انسان کی سمجھ میں نہ آسکے وہ اُس کی نسبت سے متشابہات میں ہو ازاں جملہ فرشتوں کی حقیقت وامثالہا ۔ لیکن سمجھ میں نہ آنے سے کسی بات کی تکذیب کر بیٹھنا یہ تو وہی لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ہے ۔ کیا آدمی اور کیا آدمی کی معلومات وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

نہ ہر جا مرکب تواں تاختن	کہ جاہا سپر باید انداختن

اب میں ایک بار پھر وہ آیت پڑھتا ہوں جس پر میں نے اپنے لکچر منظوم کو مبنی کیا ہے میں کوشش کرونگا کہ جو آیتیں میں پڑھنی چاہتا ہوں ادب تلاوت کے ساتھ پڑھوں ۔ آپ بھی ادب استماع کے ساتھ سننے کا قصد کریں ۔ اگر واعظوں کی طرح اس آیت کے مالہا وما علیہا بیان کرنے پر آؤں تو شاید کئی دن گنوا دوں مگر آپ صاحبوں کی ملامت سے ڈرتا ہوں تاہم لکچر منظوم کے شروع کرنے سے پہلے جس میں آیت کے مضمون کا حوالہ ہوگا آیت کے نفس مطلب کی تشریح کرنی تو ضرور ہے دنیا کی باتوں پر منطبق کر کے دیکھیں تو مطلب بڑی آسانی سے سمجھ میں آتا ہے یوں سمجھو کہ جس طرح گورنمنٹ ہم کو پڑھا لکھا کر علی قدر لیاقت ملکی خدمات پر سرفراز فرماتی اور شریک حکومت کر لیتی ہے اسی طرح خدا نے پہلے خود آدمی کو تعلیم کیا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا تعلیم الاسماء کے یہ

نوٹ صفحہ ۳۲۸ ۔ معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں) تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کی اُن ہی مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ اُن کے اصل مطلب کی ٹوہ لگائیں حالانکہ اللہ کے سوا اُن کا اصلی مطلب کسی کو معلوم نہیں اور جو لوگ علم میں بڑی پایگاہ رکھتے ہیں وہ تو اتنا ہی کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے (یہ سب کچھ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے ۔ ۱۲ سورۂ بنی اسرائیل ۔ آدمیو تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ۔ ۱۲ ۱۵۲ ۔ اور اے پیغمبر تمہارے پروردگار کے لشکروں کو وہی خوب جانتا ہے ۔ ۱۲

معنی کہ آدمی کو عقل دی جس کے ذریعے سے وہ موجوداتِ عالم کے باہمی تعلقات کو جانے پہچانے اور ان میں ایک حد تک اپنے مفید مطلب تصرف کر سکے۔ آدمی کسی چیز کی حقیقت کو نہیں جانتا اور جو کچھ وہ جانتا ہے چیزوں کے خصائص اور اعراض ہیں جن کی وجہ سے چیزیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں۔ پس یہ خصائص و اعراض نام ہی کا کام دیتے ہیں اور اسی لیے عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ فرمایا ہے۔ پھر انسان کے تصرفات محدود ہیں وہ ایک ذرّے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ ہاں ایک حد تک مخلوقات میں تصرف کرتا یا تصرف نہیں کرتا تو اُن سے اپنا کام نکالتا ہے اور اسی سے وہ خلیفۃ اللہ کہلاتا ہے [ل] اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھَارَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ پھر یہ خلافت ایک عطائے ربّانی ہے جو تمام افرادِ بنی آدم کو بے کسی طرح کی تخصیص کے دی گئی ہے ؎

ادیمِ زمیں سفرۂ عامِ اوست
بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

عزیزو! سمجھتے ہو اسلام کیا ہے؟
وہ شئے جس کا اسلام ہے نام کیا ہے؟
جو اس رمزِ معنی کو سمجھیں وہ کم ہیں
ولیکن بحمد اللہ ایک اُن میں ہم ہیں

[ل] اللہ ہی (ایسا قادرِ مطلق) ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے درختوں کے) پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اُس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نہریں) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں بِلا ناغہ چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح) سے رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدرِ مناسب تم کو دیا اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا گن نہ سکو کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا ہی بے انصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا ہے ۱۲

غرض اس سے کچھ خود ستائی نہیں ہے
ادھر آؤ تم کو مسلماں بنائیں
یہ غایت ہے ایک شوکتِ حق و باطل
یہ غایت ہے پہچان خالی بھرے کی
خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا
اُسے ساری مخلوق پر برتری دی
قوی تر ہیں مخلوق کی کتنی قسمیں
بہ ظاہر یہ کم زور ہے ناتواں ہے
ازل میں جو علمی شرافت ملی ہے
طلب ہوا اور اُس پہ سے توفیق رہبر
آدمی ہیں جستجو اور طلب وے
ہزاروں برس عمرِ دنیا کی آئی
زمیں فی المثل اک خدا ساز گھر ہے
ضرورت کے کل ساز و ساماں ہیں اس میں
بجز اپنے کس کی شکایت کریں ہم
ہم اُس نے الوانِ نعمت کیے ہیں
اُدھر سے کلوا و اشربوا کی صلا ہے
کچھ اس طرح کے ہضم بگڑے ہوئے ہیں
خدا جو نقائص سے پاک اور بری ہے
وہ چیزیں ہمیں جن کی ہے سخت حاجت
ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی

مگر ضبط کی اب سمائی نہیں ہے
تمھیں دین و مذہب کی غایت بتائیں
میانِ صحیح و غلط حدِّ فاصل
یہ غایت کسوٹی ہے کھوٹے کھرے کی
اور آدم کو اس سرزمیں پر بسایا
اور افواجِ عالم کی کل افسری دی
مگر اس کی سی عقل و دانش ہے کس میں
وسیلے اس کا منقاد سارا جہاں ہے
اسی پر سے اس کو خلافت ملی ہے
تو ہر ایک خرابے میں ہیں گنج مضمر
خلافت کے جتنے لوازم ہیں سب شے
کسی نے نہ کچھ تھاہ قدرت کی پائی
مزین ہے آراستہ سربسر ہے
ہم آترے ہوئے مثلِ مہماں ہیں اس میں
خدا میزباں اور بھوکوں مریں ہم
یہاں بدنصیبی نے مونہہ سی دیے ہیں
مگر اپنی قسمت میں فاقہ لکھا ہے
کہ فاقے نہیں ہیں تو تخمے ہوئے ہیں
ہر ایک کام میں اُس کی دانش وری ہے
مہیا و موجود ہیں بے مشقت
مگر ہم نے کچھ قدر ان کی نہ جانی

تجمل تکلف کے اسباب سارے — کسی کو نہیں ملتے بے مونہ پیارے
ہر اک میز اقسام کھانے لگائے — اجازت ہوئی جس کو جو بھائے کھائے
اگر کوئی ہو واں وسیلے پہ قانع — وہ جانے نہیں میزباں اس کا مانع
مگر اس نے نعمت کو نعمت نہ جانا — نہ منت اٹھائی نہ احسان مانا
رہا مبتذل اور وقار اپنا کھویا — غرض اس نے نام خلافت ڈبویا
نہ کچھ انتہا پائی عقل رسا نے — خدا ہی خود اپنے خزانوں کو جانے
مگر آدمی ذات تعلیم پا کر — پہونچتا ہو ان تک سرنگیں لگا کر
تو وہ زندگی میں مزے کر رہا ہو — زمانے کو جو وہ کہے کر رہا ہو
سلیماں ہو اور ہوا اس کے بس میں — عناصر کے جنات اس کے قفس میں
وہ خاصیت عرض و جوہر سے واقف — ہو فی الجملہ اسرار ترکیب سے واقف
خلافت اسے وہ خلافت کو شایاں — قیافے سے آثار دولت نمایاں
جہاں میں نہیں ذرہ بیکار کوئی — غلط ہے گر کرے اس سے انکار کوئی
جسے جس غرض سے بنایا ہو اس نے — اسے اس کا رستہ دکھایا ہو اس نے
زمیں آسماں چاند سورج ستارے — کمربستہ مصروف خدمت ہیں سارے
ہر اک کا طریق اطاعت یہی ہو — نہیں بلکہ تسبیح و طاعت یہی ہو
ہمارے بنانے سے مقصود کیا تھا — وہ انکار شیطان مردود کیا تھا
ہماری خلافت کو اس نے نہ مانا — ہمیں اس حکومت کے قابل نہ جانا
یہ گستاخی اس کی خدا کو نہ بھائی — اکارت گئی اس کی ساری کمائی
خدا کے ارادے میں حارج ہوا وہ — گروہ ملائک سے خارج ہوا وہ
خدا کی مشیت کی تکمیل کرنا — اور اس میں جہاں تک ہو تعجیل کرنا
بہرحال بندوں کو شایاں یہی ہو — ہمارا تو بس دین و ایماں یہی ہو

جب اگلوں کا طرزِ عمل سیکھتے ہیں
عقائد میں اپنے خلل دیکھتے ہیں
بتاؤ تو کس کس سے بیٹھے رہے وہ
اگر پاؤں پھیلا کے لیٹے رہے وہ
مناتے اگر خیر ہنڈیا کی اپنی
نہ ہنڈیا ہی رہتی نہ ڈوئی نہ چینی
جدا گر ہر ایک اپنی مسجد بناتے
دوا کو مسلمان ڈھونڈے نہ پاتے
کیا جو کچھ اُس وقت کرنا تھا ممکن
مگر اب نہ راتیں رہیں وہ نہ وہ دن
رخِ خوب سے اپنے پردہ اُٹھایا
ہر اک چیز میں علم نے دخل پایا
قفس ہے تو ہو شکر ہے پر کھلے ہیں
ہُوا ایک ورنہ سو در کھلے ہیں
خلافت کا پوچھو تو اب کربلا ہے
بہت غوطے مارے ہیں تب دُر ملا ہے
مگر کہتے سنتے سکھانے سے کیا ہو
نہ جب تک کہ توفیقِ حق رہنما ہو
نمونے یہ افراط بیش نظر ہیں
مگر چوں کہ دل کور ہیں بے بصر ہیں
نہ جانیں حدیثیں اور نہ قرآں سمجھیں
ہوی النفس کو عین ایمان سمجھیں
شرابِ تعصب ملی ان کو سستی
بہت پی گئے لگ گئی فاقہ مستی
نکالا نیا دین دنیا کا دشمن
لڑیں دونوں جس طرح سوکن سے سوکن
اگر تم کو دنیا میں رہنا ہے یارو
تو اپنی جگہ دل میں سوچو بچارو
کہ تم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ہو
فلک پر سے تحت الثریٰ ہو گئے ہو
کوئی کب تلک یہ مصیبت سہے گا
مگر مچھ سے دریا میں لڑ کر رہے گا
بھلا یہ بھی جینے کی کوئی ادا ہے
کہ محتاج ہر کوئی کوئی گدا ہے
کسی کو ہے مقدور اگر شاذ و نادر
نہیں ضبط کرنے پہ خواہش کے قادر
وہ مصروف ہے عیش و تن پروری میں
پڑا چین کرتا ہے بارہ دری میں
اُسے قوم کے حال کی کیا خبر ہو
کہ دو دو بجے دن کے اُس کی سحر ہو
غرض اُس کو اسباب سارے مہیا ہیں
کہ خود اُس کے اپنے مصارف بہت ہیں

بلا سے گرانی ہو یا خشک سالی — کنھیا نے برسات خاصی منالی
ہر اک سمت اور جا بجا کھم گڑے ہیں — درختوں پہ ریشم کے جھولے پڑے ہیں
حسینوں کی چاروں طرف ٹولیاں ہیں — برابر کی عمریں ہیں ہمجولیاں ہیں
ہنسی ہے کہیں اور کہیں قہقہے ہیں — عنادل ہیں اور باغ میں چہچہے ہیں
ہے آہوئے رم خوردہ ہر رانڈ گویا — پہ چھوٹا ہوا اُن میں اک سانڈ گویا
جہاں دولت اس طرح کی بد بلا ہے — تو ہونے سے اسکا نہ ہونا بھلا ہے
وہ امت ہوں جس کے امیر اکثر ایسے — بھلا اُس کی روداد بہتر ہو کیسے
اگر بہتری ہو تو تعلیم سے ہو — سو تعلیم گنج زر و سیم سے ہو
مگر گنج آئے تو آئے کہاں سے — الٰہی برس جائے ہن آسماں سے
پر اس عرض کی استجابت نہیں ہے — کہ اللہ کی ایسی عادت نہیں ہے
مجھے اس جگہ اک مثل یاد آئی — کہ کانوں میں آواز فریاد آئی
مسافر کوئی اُترا مہماں سرا میں — بچھائی الگ چارپائی ہوا میں
نہ سونے دیا رات بھر کھٹملوں نے — رکھا مضطرب صبح تک کروٹوں نے
بہت دق ہوا اور دعا کی خدا سے — کسی طرح مجھکو بچا اس بلا سے
ولیکن تھے کھٹمل کئی دن کے بھوکے — ستانے سے اور کاٹنے سے نہ چوکے
مسافر سے جب بات کچھ بن نہ آئی — لگا کہنے بس دیکھی تیری خدائی
کوئی ہاتف غیب فرط غضب سے — مخاطب ہوا آ کے اُس بے ادب سے
کہ نا شکرے یہ تو کیا بک رہا ہے — عبث آسماں کی طرف تک رہا ہے
تجھے دفع موذی کی قدرت ہے حاصل — کر اپنی حفاظت نہ ہو اتنا کاہل
یہ دار العمل جائے حیرت نہیں ہے — مگر تجھکو کچھ شرم و غیرت نہیں ہے
یہ دستور از روز اول رہا ہے — یوں ہی کار و بار جہاں چل رہا ہے

نیایش سے ہوگا نہ پوزش سے ہوگا
تہیدستی اور مفلسی کے بہانے
کہیں سے تو کھاتے ہو پیتے ہو آخر
اگر ہاتھ اُٹھا کر ہمیں دو گے پیسا
جو کچھ ہم کو مِل جائے دستِ کرم سے
تو ہم تنفر تعصب کو چھوڑو
علی گڑھ کا مشہور و ممتاز کالج
بتائیں کہ کیوں کر تھا آغاز اُس کا
ہمیں تو بہت شرم آتی ہے کہتے
خدا جانے سچ مچ ہے یا زور ہے یہ
کہ چھ سو برس تک کئی خانداں کے
بزرگوں پہ ناز اں ہو کیا سب کے سب تم
گزرگاہِ دنیا تماشے کی جا ہے
نہیں مستمر کوئی حالت یہاں کی
اگر آج ہے اک جگہ بزمِ شادی
حکومت ملی سلطنت گھر میں آئی
نہ سوچے توسط کی حد سے گزر کر
تھی یورپ کو سر طالعِ رہنوی کی
سمندر کے اندر سے رستہ نکالا
گئی سلطنت چھن گئی کو توالی

جو کچھ ہوگا اپنی ہی کوشش سے ہوگا
جسے کچھ بھی ہو عقل ہرگز نہ مانے
بھلی یا بُری طرح جیتے ہو آخر
اُسے عار سمجھے کوئی ایسا بیٹا
نہیں بحث اپنے تئیں بیش و کم سے
یہ بت ہیں مسلماں ہو ان کو توڑو
وہ امراضِ قومی کا حکمی معالج
ہوا جمع سامان خدا ساز اُس کا
و لیکن نہیں بنتی خاموش رہتے
کتابوں میں البتہ مسطور ہے یہ
مسلمان حاکم تھے ہندوستاں کے
سُنا کیا نہ ہوگا لکُم مَا کَسَبْتُم[ا]
اگر ہست کو نیست کہیئے بجا ہے
ہے پا در ہوا کل عمارت جہاں کی
تو کل ہے وہیں ماتمِ نامرادی
نہ تھی ظرفِ عالی میں اتنی سمائی
بہت کھا گئے مر گئے پیٹ اپھر کر
لگائے تھے سب تاک حیدریوں کی
تو پھر ملک تھا جیسے مونہہ کا نوالا
وہی پھر سے گھر یا وہی پھر سے جالی

[ا] اپنی اپنی کمائی اپنے اپنے ساتھ ۔ ۱۲

حکومت کے جانے کا اک کو غم ہے
ہمیں مرنا اس حال میں کیا برا ہے
مثل ہے کہ کھوٹا ہو اپنا ہی پیسا
کچھ ایسے ردی تھے خیالات سب کے
نہ گنجائش دخل چون و چرا ہے
زوال حکومت بظاہر سزا تھی
ہمیں ناتواں اور ضعیف اس نے پایا
حکومت بھی اک طرح کا درد سر ہے
تم اس درد کو تاج وار دل سے پوچھو
حکومت تھی اک اور ہم کو تحوّل
حکومت ہے سچی حکومت قلم کی
خدائی خزانوں کی کنجی قلم ہے
قلم کا قلم رو قدامت سے جاری
اگر اس حکومت سے ہم کام لیتے
گئی سلطنت اس کے جانے کا غم کیا
مگر علم کی ہم نے وقعت نہ جانی
گو استاد نثر و منظوم ہیں ہم
سکھلا اہل یورپ یہ راز پہلے
غرض ملک میں آخر انگریز آئے
سمجھ آ گئے تو ہر طرح سے غیر تھے ہی
[illegible] تو وہ اک جگہ لا بسائے

لٹے رو دیں گے جب تک دم میں دم ہے
وہ لے ساتھ مرتے کے کوئی مرا ہے
تو غیروں پہ ناحق کا الزام کیسا
کہ ہم خود بخود مٹ گئے ہوتے کب کے
خدا کا ہمارا عجب ماجرا ہے
مگر اس کی رحمت کی یہ اک ادا تھی
سروں پر سے بار حکومت اٹھایا
بشر ملکیہ انجام کا دل میں ڈر ہے
محبت کو ہم دل فگاروں سے پوچھو
جسے ڈال رکھا تھا ہم نے معطل
نہ بندوق و سیف و سنان و علم کی
کہ جو حرف لکھتا ہے وہ اک رقم ہے
اسی کی حکومت کو ہے پائداری
تو شاہنشہی مفت بے دام لیتے
نہیں پاس کاغذ دوات اور قلم کیا؟
نہ جانی لیاقت لیاقت نہ جانی
وے علم نافع سے محروم ہیں ہم
بتا دیتے کس کے یہ انداز پہلے
بذریعہ لیاقت جلوہ ریز آئے
علاوہ بریں مذہبی غیر تھے ہی
مگر ایک سے ایک ملنے نہ پائے

اگر ان سے شیر و شکر ہو کے رہتے — تو کیوں آج کو یہ تکالیف سہتے
ہنر سیکھتے خوب دولت کماتے — مزے کرتے گھر بیٹھے بغلیں بجاتے
مسلمان اوہام میں مبتلا تھے — رہ و رسم دنیا سے نا آشنا تھے
تعصب کی گہری گھٹا چھا رہی تھی — تباہی پڑی سر پہ منڈلا رہی تھی
کہ دریائے رحمت کو پھر جوش آیا — ہمیں میں سے اک شخص کو ہوش آیا
تو دیکھا کہ بیٹا ہے یا کوئی باوا — ہے بگڑا ہوا سارا آوے کا آوا
نہ پہلے ہی ہشیار تھے اور نہ اب ہیں — شراب تغافل سے بدمست سب ہیں
جگر جل گیا دل میں اک درد اٹھا — کمر باندھ کر بادم سرد اٹھا
علی گڑھ میں آخر کو کالج بنایا — سماجت سے روٹھے ہوؤں کو منایا
بہت ڈوبتوں کو لگایا سہارا — بدیہہ آیا افسوس جلدی سدھارا
ہو سید پہ رحمت پہ رحمت خدا کی — کہ اسلام کی شرط خدمت ادا کی
بہت کچھ ہوا پر ضرورت سے کم ہے — اسی کا تو سید کے چیلوں کو غم ہے
ہے ہر ایک کے آگے دست گدائی — یہاں تک کہ نوبت تمہاری بھی آئی
اگر تم تک آ کر نہ ہو کام پورا — ہو دنیا میں اسلام بدنام پورا
یہ پودا ابھی اس کا نشو و نما ہے — اسے آبیاری کی حاجت سوا ہے

بس اب کہنے سننے کا قصہ چکاؤ
جو کچھ ہو سکے ہم کو دو اور دلاؤ

اڑتیسواں لکچر

الموسوم بہ

مسلمانوں کا نصابِ تعلیم انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرھویں سالانہ جلسے میں سنہ ۱۹۰۰ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں انجام کو ۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا اسلام کو
اپنے ہی ہاتھوں بگڑتے اور بنا کرتے ہیں لوگ ۔ کوس لے جو چاہے ناحق گردشِ ایام کو

یہ مطلب آیۂ شریفہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ سے لیا گیا ہے اور مدعا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جب کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو یہ اس کی عادت نہیں کہ دے کر چھین لیا کرے مگر ہاں سلبِ نعمت سے پہلے اس قوم میں نعمت کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور وہ قوم عذابِ زوالِ نعمت کی مستوجب ٹھیر جاتی ہے ۵

پھر بھی اس کے روبراہ ہونے کی کچھ امید ہے ۔ صبح کا بھولا ہوا گر لوٹ آئے شام کو
عمر گزری ہے مصیبت جھیلتے کیا جانیں ہم ۔ لذتِ عیش و فراغ و راحت و آرام کو
دور ہے اس سے وصولِ منزلِ مقصود جو ۔ آ رکھائے اور نہ سرکائے جگہ سے گام کو
دیکھتے ہیں اور ہونے سامنے موجود ہیں ۔ پر نہیں ہے گدگدی ان کے دلوں میں نام کو
دل نہیں پتھر ہیں یا پتھر سے بڑھ کر صعب و سخت ۔ جن کے ٹکڑے اڑ نہ جائیں دیکھ کر ایتام کو
عاجز و بیکس کر آنکھیں کھول کر دیکھا نہیں ۔ باپ کو دادا کو نانا ماموں اور اعمام کو
واہم ہیں واہمہ جن کا مثالی جمع و ہیچ ۔ چل سکے سمجھانا پڑے گا قادرِ علام کو
راہِ حق میں خرچ کرنے سے کیا جس نے دریغ ۔ اور پکایا جمع دولت کے خیالِ خام کو

آتشِ دوزخ میں زر کو گرم کرکے بالیقیں ｜ داغ دیں گے رو و پشت و پہلوے اجسام کو

یہ قطعہ گویا ترجمہ ہے وعید قرآنی کا جہاں فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (سورۃ التوبہ)

ہم مسلمانوں سے یورپ نے لیا تھا علم قرض ｜ کیوں نہیں لیتے ہو واپس ان سے اپنے دام کو
یہ بھی کوئی زندگی ہیں زندگی ہوتا بکو ｜ صبح کو مل بھی گیا گر کچھ تو فاقہ شام کو
ہوشیدیں عبارت سے کہیں چلتے ہیں نام ｜ جانتا ہے کوئی نام بانیٔ اہرام کو
ہو نہیں سکتا کہ دنیاوی ترقی ہو نصیب ｜ ہاں مگر دل سے مٹا دو مذہبی اوہام کو
دولت و حشمت ہے بام اور علم اس کی نردباں ｜ نردباں شرط ضروری ہے وصولِ بام کو
آپ اپنے دین کو کرتے ہیں رسوا اور ذلیل ｜ جو بجا لاتے نہیں خود شرع کے احکام کو
جب نہ سمجھیں قوم کے لکھے پڑھے باعقل و ہوش ｜ دیجئے الزام کیا جہالِ کالانعام کو
سلطنت سے روم کی کر کرکے اظہارِ خلوص ｜ بدگماں کرتے ہیں بے مطلب بِلِ حکام کو
سہل نسخہ ہے ہلا کر اک ٹکے بھر کی زباں ｜ گرم جولاں کرکے سرپٹا تو سنِ اقلام کو
الغرض باہیں خوشامد کی بنا کر جھوٹ موٹ ｜ معتقد کر لیجئے فی الجملہ خاص و عام کو
پر ٹکوں سے گر مدد کرنے کا وقت آئے تو پھر ｜ خوف سے دینے کے بھاگیں ٹوک دم آسام کو

م آدمی بے علم گویا صورت بے جان ہے تو کیا ہوا گر آنکھ سے تشبیہ دی بادام کو

اس موقع پر مولانا نے فرمایا کہ ہیں نے توان کو صرف آسام تک پہنچایا ہے جب کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ان کو آسام سے پرے چین لے گئے ہیں اور کہتے ہیں ؎

اگر گدا پیشرو لشکر اسلام بود ｜ کافر از بیم توقع برود تا در چین

سچ کہا ہے بد سے بدنام عند الاشتباہ ｜ بے کیے مجرم بنا دیتے ہیں سب بدنام کو
پھینک مت کنکر نہیں گر تجھ کو پتھر کی سہار ｜ سخت مت کہہ سن نہیں سکتا اگر دشنام کو

یہ وہی اخلاقی تعلیم ہے جو قرآن میں دی گئی ہے از انجملہ یہ کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے دوسرے معبودان باطل کو حاجت پڑے پر اپنی مدد کے لیئے بلایا کرتے ہیں اُن کو گالی نہ دو اُن کے ساتھ سخت کلامی سے پیش نہ آؤ کہ ایسا کروگے تو وہ لوگ بے سمجھے بوجھے خدا کو گالیاں دینے لگیں گے تو اگرچہ گالیاں خدا کو وہ نالایق دیں گے۔ مگر ان گالیوں کے باعث تم ہوگے کہ تم نے ان کے ساتھ سخت کلامی کی ابتدا کی اور اُنھوں نے انتقام کے لینے میں زیادتی کی۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کروگے) تو تم (دیکھ لوگے) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ (تمھارا) دل سوز دوست ہے۔ اور حسن مدارات (کی توفیق) اُن ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اُن ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔ (سورۂ حم السجدہ ۵) ۵

نامور رہتے ہیں دائم طعن مردم کے ہدف — کیوں لگا سکنے کوئی اچھا بُرا گمنام کو

کیا تعجب ہے گرابناے زباں بنوا چلیں — کوٹ پتلوں قطع کرکے جامۂ احرام کو

دین و دنیا انجمن نے جمع کر دکھلا دیئے — ہم نے اب سمجھا محل و موقع ادغام کو

انجمن نے ابتدا تو کی ہے کار نیک کی — ہمت اہل مرداں کہ پہنچے مدعا اتمام کو

اجر نقد وقت ہوجاسے نہ پاسے ہاتھ سے — ورنہ جس کا کام ہے کرتا رہے اپنے کام کو

تعلیم اور تعلیم سے میری مراد ہے نئی طرح کی تعلیم جو نہ صرف سرکاری کالجوں اور سکولوں میں مروج ہے بلکہ ان درس گاہوں میں بھی جن کی مشینیں سامنے بلب کی سٹیم سے چل رہی ہیں جیسے انجمن حمایت اسلام کا اسلامیہ کالج۔ غرض نئی طرح کی تعلیم اصل میں اس کی اشاعت اور ترویج کی ابتدا گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی ہے ۱۸۳۵ء یا ۱۸۳۳ء کا مذکور ہے اُن وقتوں میں لارڈ بنٹنگ گورنر جنرل تھے اُن کے عہد حکومت میں گورنر جنرل کی کونسل میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ گورنمنٹ کے ثبات اور استحکام اور ملک کے حسن انتظام کے لیئے ہندوستان

کو غفلت اور جہالت کی تاریکی میں رہنے دینا مناسب ہوگا یا علوم جدیدہ کے آفتاب کی شعاعوں سے اس کو منور کرنا۔ یہ اسی قسم کی بات ہے جیسے تمہارے یہاں لارڈ لارنس کے بت کی پٹڑی پر لکھا ہے کہ تم لوگوں پر بذریعہ قلم حکمرانی کی جاوے یا بزور شمشیر۔ کہنے کو تو ایک ذرا سی بات تھی کہ ہندوستانیوں کو علوم جدیدہ سکھائے جائیں یا نہ سکھائے جائیں مگر حقیقت میں وہ ایک ایسا اہم مسئلہ تھا جس کے ساتھ چھبیس کروڑ آدمیوں کی قسمت وابستہ تھی۔

لارڈ میکالے کا خدا بھلا کرے کہ اس دانش مند زیرک عاقبت بیں فیاض کریم النفس نیک دل سٹیٹسمین نے ہم کو جدید تعلیم کی ایسی نعمت عظمیٰ عنایت کی کہ سمجھنے والوں کے نزدیک جاگیر اور معافی اور بندوبست استمراری کی کون کہے سلطنت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے بشرطیکہ جدید تعلیم کا شوق اور اس سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ ہو۔ مگر نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم بدنصیب مسلمانوں میں تو بصرف اِلیٰ عَامِنَا هٰذَا یا اِلیٰ شَهْرِنَا هٰذَا یا اِلیٰ اُسْبُوعِنَا هٰذَا یا اِلیٰ یَوْمِنَا هٰذَا بَلْ اِلیٰ سَاعَتِنَا هٰذَا سرے سے تعلیم جدید کی قدر ہی نہیں۔ شوق ہو تو کہاں سے ہو اور اس سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ تو خیر ہنوز دلی دور است کا مصداق ہے اور ہوا ہی چاہے۔ تعلیم کے بارے میں ہماری قوم کی قوم شروع سے غلط خیال رکھتی آئی ہے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ابھی تک بھی اس غلطی کی اصلاح جیسی چاہیے نہیں ہوئی۔

ہمارے یہاں تعلیم کا دائرہ بہت ہی تنگ رہا ہے ابتدا سے لے کر فراغ تک درس کا ایک کورس ہے اس پر نظر ڈالو تو زبان اور مذہب دو ہی چیزیں مقصود تعلیم معلوم ہوتی ہیں اور باقی علوم ان ہی کے تابع یا خادم۔ علوم اور بھی ہیں مگر وہ یا تو عام نہیں جیسے مثلاً طب یا عام ہیں تو ایسے سرسری اور سرواروی طور پر پڑھے پڑھائے جاتے ہیں کہ اس کو پڑھنا پڑھانا نہیں بلکہ پالا چھونا کہنا چاہیے۔ اس کو پالا چھونا نہ کہیں تو کیا کہیں کہ مثلاً شرح جامی حاصل محصول کے بیان تک، مطول بحث کا اِنّ تقدمت تک پڑھی باقی چھوڑ دی اور پھر شرح جامی تو نحو کی اور مطول علم معانی کی ایک کتاب ہے مذہبی کتابیں تک اس کاٹ چھانٹ سے محفوظ نہیں رہیں۔ بیضاوی شریف پارہ سوا پارہ

پڑھا اور فرض کر لیا گیا ساری نظر سے گزر گئی۔

بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے علوم جیسے کچھ بھی ہیں زبان عربی میں مدوّن ہیں اور وہ کچھ تو اپنی ذات سے مشکل تھی اور رہا سہا اس کو مشکل بنا یا مولویوں کی موشگافیوں نے چاہیئے تھا کہ تعلیم کے اصل مقصد تحصیل علوم کو پیش نظر رکھ کر طالب علم کو مبادی پر سے بعجلت عبور کرا دیتے لیکن عبور کرا دینے کے عوض انھوں نے رستے میں ایسے روڑے اٹکائے کہ بیچارے طالب علم کو اتنے رستے کا طے کرنا دشوار بلکہ محال ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا اور ہونا ہی تھا کہ علوم متروک ہو گئے اور نہ زبان جس میں علوم مدوّن تھے وہی علوم کی قائم مقام بن بیٹھی اور کوڑھ میں کھاج یہ کہ قواعد کی پیچیدگیوں نے اصل زبان کی طرف بھی متوجہ ہونے کی فرصت نہ دی اب حال یہ ہے کہ جن لوگوں نے ساری ساری عمریں علوم عربیہ میں صرف کر دی ہیں اور ان میں سے ایک بدنصیب میں بھی ہوں نہ ارتجالاً عربی کے بولنے پر قادر ہیں اور نہ لکھنے پر۔ ہمارے سلسلہ درس میں دو ہی چیزیں مقصود بالذات تھیں زبان اور مذہب سو زبان کا حال تو سن چکے مذہب یعنی مذہبی علوم کی حالت زبان سے بھی بدتر ہے۔ اور بسکہ اصل مذہب ہے قرآن۔ تمام مذہبی علوم۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ فرائض۔ اسماء الرجال وغیرہ وغیرہ سب قرآن کے خادم اور اس کے فروع ہیں۔ بلکہ مذہبی علوم کی بھی خصوصیت نہیں ہم مسلمانوں میں جتنے علوم بھی ہیں فہم قرآن میں مدد دینے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور اسی سے تو کہا گیا ہے؎

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مولوی روم نے علم دین کو صرف فقہ اور تفسیر اور حدیث میں محصور کیا مگر ان کا اصل مطلب یہی ہے کہ علم دین وہی علم ہے جو فہم قرآن میں مدد دے ورنہ صرف و نحو اور لغت اور معانی و بلاغت اور تھوڑا سا حساب جس کی فرائض میں ضرورت ہے سب خبیث ہو جائیں تو جو نسبت زبان عربی کو علوم سے تھی کہ زبان عربی کے حاصل کرنے کا آلہ اور ذریعہ تھی وہی

علوم دین کو قرآن سے ہو کہ علوم دین فہم قرآن کا آلہ اور ذریعہ ہیں اور جس طرح ہمارے سلسلۂ درس میں زبان عربی نے علوم کی جگہ غصب کرکے علوم کو بالاے طاق بٹھا دیا تھا اسی طرح علوم دین نے قرآن کی جگہ پر قبضہ کر لیا یعنی لوگ فقہ اور تفسیر اور حدیث پڑہنے لگ گئے

جتنے فرقے اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں شاید مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہو جو سب سے زیادہ اپنی آسمانی کتاب کی قدر کرتا ہو۔ ان کے قدر کرنے کی یہ شناخت ہو کہ ان میں کثرت سے کلام اللہ کے حافظ ہوتے ہیں جب کہ دوسرے فرقوں میں ایسا دستور سننے میں نہیں آیا۔ علاوہ بریں جو لوگ لکھنے پڑہنے کو ذریعہ معاش یا مشغلہ نہیں کرنا چاہتے وہ بھی اپنے بچوں کو قرآن تو ضرور ہی پڑہواتے ہیں اور جن لوگوں کا پیشہ پڑہنا لکھنا ہو اگر ان کی تعلیم قرآن سے شروع نہیں ہوتی تو مسلمان اسلامی حیثیت سے ان کو حقیر سمجھتے ہیں پہلے تو یہ کلیۂ قاعدہ تھا کہ تعلیم تبرکاً ہمیشہ قرآن سے شروع ہوتی تھی قرآن کے بعد فارسی پھر عربی مگر جب سے نئی تعلیم جاری ہوئی اور قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں اور محلے محلے اور کوچے کوچے سکول اور ان کی شاخیں پھیل گئیں۔ لوگوں نے قرآن کے پڑہانے کو چنداں ضروری نہیں سمجھا اور اکثروں نے یہ وتیرہ اختیار کیا ہو کہ شروع ہی سے لڑکوں کو سکول میں داخل کر دیتے ہیں۔ تاہم ابھی تک بھی مسلمانوں کی نسبت کہا جا سکتا ہو کہ دنیا میں کوئی فریق ان سے بڑہ کر اپنی آسمانی کتاب کی قدر کرنے والا نہیں۔ مگر یہ قدر دانی جتنی کچھ بھی ہو لفظوں ہی تک ہو رہی ہے معانی اور مضامین اور مطالب جن بندوں کے گوش گزار کرنا خدا کا اصلی مقصد تھا اور جن معانی اور مضامین اور مطالب نے دنیا میں مسلمانوں کا نیا گروہ بنا کر کھڑا کیا جن معانی اور مضامین اور مطالب نے مسلمانوں کو تہذیب اور شائستگی کا نمونہ بنایا جن معانی اور مضامین اور مطالب نے مسلمانوں کو دنیاوی ترقی کے معراج الکمال پر پہنچایا جن معانی اور مضامین اور مطالب نے معرفت الٰہی کے نور کو چمکایا جن معانی اور مضامین اور مطالب نے شرک اور بت پرستی کی ظلمت کو ہٹایا گھٹایا مٹایا جن معانی اور مضامین اور مطالب نے دلوں میں اسلام کا سکہ جمایا

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[۵۱]

اِن معانی اور مضامین اور مطالب کی ہند کے مسلمانوں نے بلکہ عجم کے مسلمانوں نے یعنی عرب کے سوا اور تمام ملکوں کے مسلمانوں نے اس کے سوا اور کیا کہوں کہ حق قدر کی قدر نہیں کی۔ اُنھوں نے قرآن کی تلاوت کی بھی تو عبادت سمجھ کر کی اور یوں سمجھے کہ صرف الفاظ قرآنی کے ادا کر لینے سے وہ عنداللہ اجر و ثواب کے مستحق ٹھیریں گے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جس مراد سے انہوں نے تلاوت کی ان کی وہ مراد حاصل ہوگی اور ضرور حاصل ہوگی۔ لیکن اگر خدا کو قرآن کے نازل کرنے سے صرف یہی منظور ہوتا کہ بندے الفاظِ قرآنی کو پڑھ پڑھ کر ثواب کمایا کریں تو میں خیال کرتا ہوں کہ کسی دوسری طرح کا قرآن ہوتا شاید زبور شریف کی طرح اس میں کثرت سے خدا کی تسبیح اور تقدیس اور حمد و ثنا ہوتی اور بس۔ لیکن قرآن کی ترتیب پکار سے کہہ رہی ہے کہ اجر و ثواب کے علاوہ قرآن کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آدمی کے خیالات اور معتقدات اور معاملات کی اصلاح ہو اور جیسا اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے ویسا ہی اشرف المخلوقات ہو کر دنیا میں رہے۔ اور اسی لیے ہم قرآن میں کئی طرح کے مضامین پاتے ہیں اس میں خدا کی حمد ہے جا بجا خدا کی قدرتوں کا بیان ہے اس میں مواعظ ہیں حکم ہیں قصص و حکایات ہیں۔ مباحثات مناظرات و استدلالات ہیں اوامر و نواہی ہیں آخرت کے حالات ہیں تو جو لوگ محض اجر و ثواب کی طمع پر الفاظ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں وہ اُن دنیاوی فائدوں سے کلیۃً محروم رہتے ہیں جو قرآن کے معانی اور مضامین اور مطالب کے سمجھنے پر متفرع ہوتے۔ پس یہ ہے لِم مسلمانوں کے ادبار اور تنزل کی۔ ای خدا مسلمانوں کو سمجھ دے کہ اس نکتہ کو سمجھیں۔

الفاظ اور معانی میں قریب قریب اُسی قسم کا سا تعلق ہے جیسا جسم و روح میں۔ آپ

[۵۱] وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (اور) تمام دینوں پر غالب رکھے۔ اگرچہ مشرکین کو برا ہی کیوں نہ لگے۔ (سورۃ الصف)

مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ زندہ قرآن نہیں ہے اس واسطے کہ اس میں معنی نہیں جو قرآن کی جان ہیں اور وہ کوئی صوفی خیال بزرگ کہہ گئے ہیں ؎

من ز قرآں مغز ہا برداشتم	استخواں پیش سگاں انداختم

عجب نہیں مغز و استخواں سے اُن کی یہی مراد ہو۔ اور قرآن میں جو یہود پر اعتراض کیا گیا ہے ۵۱ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ - ۵۲ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ان اعتراضوں سے بھی الفاظ کا بے فہم مطلب پڑھ لینا مورد الزام قرار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ الفاظ قرآنی میں معنی نہیں۔ معنی تو ایسے ہیں کہ ان کو معنوں کے معنی اور معنوں کے معنی و ۵۳ هَلُمَّ جَرًّا کہنا چاہیے مگر چونکہ پڑھنے والوں کو سمجھنے کی لیاقت نہیں سمجھنے کی طرف توجہ نہیں۔ ان کی طرف سے معنی ہوئے تو کیا اور نہ ہوئے تو کیا جیسے طوطا کہ اس کو رٹایا گیا ہو (چمکارنے کی آواز) پڑھو میاں مٹھو حق اللہ پاک ذات اللہ صحیح تو خدا خدا کا رسول غافل نہ ہو خدا کو نہ بھول۔ ہم سے تو تحریر میں چمکارنے کی آواز کی نقل کرتے نہیں بنتی اور طوطا نہیں سمجھتا کہ اس کو کیا سکھانا منظور ہے وہ پہلے چمکارنے کی نقل کرتا اور پھر پڑھو میاں مٹھو سے لے کر نہ بھول تک کی گویا سب کچھ اس کے سبق میں داخل ہے۔ الفاظ بے معنی کا پڑھنا یعنی بے سمجھے پڑھنا بالکل طوطے کا سا پڑھنا ہے۔ طوطے کے پڑھنے کے حق میں ایک شاعر نے خوب کہا ہے ؎

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز	کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

تو جس طرح بے سمجھے پڑھنے سے طوطا آدمی نہیں ہو جاتا اسی طرح بے سمجھے پڑھنے سے الفاظ قرآنی

۵۱ اور بعض ان میں اَن پڑھ ہیں جو (منہ سے لفظوں کے بڑبڑا لینے کے سوا کتاب (الٰہی کے مطلب) کو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے وہ فقط خیالی تکے چلایا کرتے ہیں اور بس (سورۃ البقر) ۵۲ جن لوگوں (کے سر) پر توریت (حکماً) لادی گئی پھر اُنھوں نے اس کو انگیز نہ کیا (یعنی اس پر کاربند نہ ہوئے) اُن کی مثال گدھے کی سی مثال ہے جس پر کتابیں لدی ہیں (سورۃ الجمعہ) ۵۳ اور اسی طرح بڑھتے چلے جاؤ - ۱۲

کار رٹنے والا مسلمان نہیں ہوتا۔ یا بہت احتیاط کرو تو یوں کہو کہ ویسا مسلمان نہیں ہوتا جیسا سمجھ کر پڑھنے کی صورت میں ہوتا۔ اگرچہ ہم کو صحیح تو کہاں ملنا تھا ظنی اور تخمینی شمار بھی ان لوگوں کا معلوم نہیں جو سارے ہندوستان میں قرآن کو اس کی اصلی زبان میں سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اوسط فی صدی نکال کر ایک اٹکل کر سکیں۔ لیکن۔ تاہم تعلیم کا جتنا رونا سنا جا رہا ہے اس سے اور عربی کی تعلیم میں جو مشکلات درپیش ہیں ان سے اتنا تو وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں عربی دانوں کا اوسط معلوم کرنے کے لئے فی صدی اور فی ہزار اور فی دس ہزار کا مذکور تو کرو نہیں مسلمانوں کی ایسی ہی خاطر کرنی ہے تو جبر فی پچاس ہزار کا معیار رکھو۔ مگر فی پچاس ہزار کا نام آیا تو مقدار اوسط سن کر کیا کرو گے اتنا بھی تو نہ ہوا جتنا آٹے میں نمک یا اونٹ کے منہ میں زیرا۔

اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان اس قدر قرآن کے مطلب سے ناواقف اور بے خبر ہیں تو کون چیز ان کو اسلام پر جمائے ہوئے ہے۔ جمائے ہوئے ہے وہی چیز جو عیسائیوں کو عیسائیت پر یہودیوں کو یہودیت پر ہندوؤں کو ہندویت پر اور کسی مذہبی فرقے والے کو اس فرقے کے مذہب پر۔ بات یہ ہے کہ لوگ مذہب کو تحقیق اور تفتیش و تلاش سے تو اختیار کرتے نہیں مال و متاع اور جائداد اور ذات یعنی مثلاً شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان کی طرح مذہب میں بھی میراث کا قاعدہ جاری ہے۔ یعنی جس طرح جائداد کاڑ ...ن کا پرپردادا سے دادا اور دادا سے باپ اور باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے اور پوتے سے پڑپوتے اور پڑپوتے سے پڑپوتے کی طرف منتقل ہوتی ہے اسی طرح پردادا کا مذہب بھی درجہ بدرجہ پڑپوتے کو پہنچے گا دل تو ہر مذہبی گروہ میں مذہبی خیال کے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ[1] پھر وہ لوگ اور بھی تھوڑے ہوتے ہیں جنہوں نے تحقیق کے بعد ایک طریقہ اختیار کیا ہے پھر تحقیق کرنے والے تھوڑے ہی سہی مگر ان کی تحقیق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مخالف آوازیں کان میں پڑتے سے اُن کے دل میں اپنے موروثی عقائد کی طرف سے ایک طرح کی بے اطمینانی

---

[1] ہمارے بندوں میں (بہت ہی) تھوڑے (بندے) شکر گزار (ہوتے) ہیں ۱۲-

پیدا ہوتی اور آخیر میں سمجھوتی کر کرا کے جن میں کے تھے ان ہی میں رہے ۔ تبدیل مذہب کی نامتہم مثالیں اس قدر کم واقع ہوتی ہیں کہ حقیقتہً وہ کسی حساب میں نہیں بے شک ایسا بھی ہوا ہو کہ ایک زمانے میں کسی خاص مذہبی فرقے کا بڑا زور و شور رہا ۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ غل غپاڑہ دب دبا سا گیا کہ اب اس عقیدے کے لوگ کہیں دکھائی نہیں دیتے ۔ مگر دکھائی نہیں دیتے اس سے کہ اتفاق سے اُن کی نسل آگے کو نہ چلی نہ اس سے کہ وہ لوگ دوسرے عقیدے والوں میں جا ملے ۔ ہم نے تو مذہب کا یہی خاصہ دیکھا کہ اس کو ایک درخت فرض کرو اور لوگوں کے دلوں کو زمین ۔ تو بس اس درخت کا زمین میں جڑ پکڑنا شرط ہے پھر نہ تو یہ اُکھاڑنے سے جائے نہ جلانے سے جائے نہ کاٹنے سے جائے بلکہ جس قدر اس کے معدوم کرنے کی تدبیریں کرو اُلٹا بڑھے اور پھیلے جیسا کھیتوں میں کانس یا ریہ کے چھکتے ۔ پس خلاصہ مقال یہ ہے کہ مسلمان جو باوجود قرآن کے معانی اور مضامین اور مطالب کے نہ جاننے کے اسلام پر قائم ہیں اور وہ اپنے تئیں مسلمان کہتے اور لوگ بھی ان کو مسلمان سمجھتے ہیں تو یہ قرآن کا تصرف نہیں بلکہ تصرف ہے پھیر پھار دھسان کا جس کے معنی دوسرے لفظوں میں تقلید ہیں ۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ[لہ] وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ اور چوں کہ نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان قرآن کی جنتری میں سے ہو کر نہیں نکلتے ۔ ان کے اخلاق ان کے اطوار اُن کے معاملات یہاں تک کہ اُن کے معتقدات بھی قرآنی مسلمانوں کے سے نہیں ۔

پھر قرآن کے نہ سمجھنے کا الزام جیسا اُن مسلمانوں پر ہے جو عربی نہیں جانتے ویسا ہی بلکہ مع شئی زائد اُن پر بھی ہے جو بقدر فہم قرآن عربی جانتے ہیں ۔ گو کم ہیں بہت کم ہیں ۔ بہت ہی کم ہیں اور یہ مع شئی زائد اس سے ملزم ٹھیرے کہ سمجھ سکتے ہیں اور نہیں سمجھتے بلکہ جو عربی نہیں جانتا وہ تو شاید ثواب کے لئے رمضان کے رمضان ایک قرآن ختم بھی کر لیتا ہوگا اور عربی جاننے والوں کو ہم نے تو الترامًا قرآن کی تلاوت کرتے دیکھا نہیں اکثر کو تو دوسرے علوم

لہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور انہیں کے قدم بقدم ہم (بھی) اُن کی پیروی کر رہے ہیں ۔
(سورۃ الزخرف)

میں توغل سے فرصت نہیں اور بعض جو فراغ کے قریب پہنچے ہیں وہ اپنی استعداد کے تفرغ سے میں قرآن کے پڑھنے پڑھانے کو کم سواد آدمیوں کا کام سمجھتے ہیں۔

ہم مسلمانوں میں تعلیم کا اسلوب کچھ ایسا بگڑا ہے کہ پڑھنے لکھنے سے چاہیے تھا کہ دو کی جگہ چار آنکھیں ہو جائیں مگر بُرا ماننے کی بات نہیں اور میں بُرے دل سے کہتا بھی نہیں کہ ہمارے یہاں بہت پڑھنے سے کچھ از خود رفتگی سی آجاتی ہے اور اس کی وجہ بھی معقول ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے علمی مشاغل سے دنیا اور ما فیہا کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ کہنے کو دو ہی چیزیں ہیں دنیا اور دین کہنے کو میں نے اس لیے کہا کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ کچھ آج سے نہیں بلکہ میں جانتا ہوں کہ شروع سے جیسا کہ کہا ہے ؎

دنیا خواہی و دیں ہمی طلبی	ایں نازِ بجانہ پدر باید کرد

اس سے ظاہر ہے کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں ضد یکدیگر اور میں دنیا اور دین کا ضد یکدیگر ہونا کیسا دونوں میں مغائرت کا بھی قائل نہیں۔ میرے نزدیک اسی دنیا کا نام ہے دین بشرطیکہ دنیا شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ دنیا اور دین میں فرق ہے بھی تو ایسا ہی فرق ہے جیسے چاندی اور روپیے یا سونے اور اشرفی میں روپیہ چاندی ہے اور سونا اشرفی ہے مگر مسکوک ٹکسال میں ٹھپا کیا ہوا۔ دیکھو تو لفظوں اور حیثیتوں کے اختلاف سے بات کیا سے کیا ہو جاتی ہے وہ ؎

دُنیا خواہی و دیں ہمی طلبی	ایں نازِ بجانہ پدر باید کرد

بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور میں نے شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دنیا کو دین کہا تو یہ بھی ایسا ہی صحیح ہے جیسے مسکوک چاندی کو روپیہ یا مسکوک سونے کو اشرفی کہہ دیا ؎

دُنیا خواہی و دیں ہمی طلبی	ایں نازِ بجانہ پدر باید کرد

صاف و صریح اور کھلی ہوئی رہبانیت ہے اور اسلام رہبانیت کا روادار نہیں لَا رَہْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَام

فی الاسلام - (ترجمہ) اسلام میں ترک اور رہبانیت یعنی ترک دنیا کا دستور نہیں ہے ۱۲

اور خود قرآن بھی اسی کی تائید میں ناطق ہو مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ[۵۱] مِنَ الرِّزۡقِ اور جہاں جہاں یہود کا مذکور ہو اُن کی ذلت اُن کی مسکنت اور زوال سلطنت کو اُن کی نافرمانیوں کی سزا فرمایا ہو۔ مگر دنیا خواہی و دین ہمی طلبی زایں نازنجانہ پدر باید کرد۔ کے کہنے والے نے بھی اپنے دل سے بات نہیں بنائی اور جیسے لَا رَهۡبَانِیَّةَ فِی الۡاِسۡلَامِ حدیث ہو

دنیا خواہی و دین ہمی طلبی	ایں ناز بجانانہ پدر باید کرد

کا ماخذ بھی کئی حدیثیں ہیں ازاں جملہ وہ مشہور حدیث اَلدُّنۡیَا جِیۡفَةٌ[۵۲] وَّطَالِبُهَا كِلَابٌ اس کے علاوہ جناب رسول خدا صلعم نے دنیا اور دین کو ضَرَّتَان بھی فرمایا ہو یعنی دو سوکنیں جن کی ایک دوسرے سے نہیں بنتی اور نہیں بنا کرتی۔ اب ان دو متناقض باتوں میں وجہ توفیق پیدا کرنا اُن بزرگوں کا کام ہو جنھوں نے تعلیم پاکر فضیلت کی پگڑی بند ہوائی اور عالم اور فاضل اور مولوی اور مولنا کہلاتے ہیں مگر ع

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر	ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

ان سے ابھی تک وہی عقدہ حل نہیں ہوا کہ ابن صاحب نے[۵۳] مسلمان ہو کر کافیے کے آغاز میں حمد و نعت کیوں نہیں لکھی اور خرق اجماع کے علاوہ حدیث کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَمۡ یُبۡدَءۡ بِحَمۡدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبۡتَرُ کے کیوں خلاف کیا اور اس عقیدے کے حل کرتے وقت اگر کوئی پوچھ بیٹھا ہر چند اسلام میں کسر مد کی مناہی ہو[۵۴] یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ

۵۱ الله نے جو زینت (کے سازو سامان) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں) اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں (ان کو) کس نے حرام کیا ہو۔ ۱۲ ۵۲ دنیا مردار ہو اور اُس کے طلب کرنے والے کتے۔ ۱۲

۵۳ کوئی با وقعت کام جو خدا کی تعریف سے شروع نہ کیا جاوے وہ ادھورا رہ جاتا ہو۔ ۱۲

۵۴ مسلمانو بہت باتیں (کرید کرید کر) نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری لگیں اور ایسے وقت کہ قرآن نازل ہو رہا ہو (باتوں کی) (بہت) پوچھ پاچھ لگاؤ گے تو تم پر ظاہر (بھی) کر دی جائیں گی (پھر برا مانوگے)

الله نے اس حرکت سے درگزر کیا اور الله بخشنے والا بردبار ہو۔ ۱۲

تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اور اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ کے قاعدے نے ہم کو پوچھ کچھ اور کرید سے بے نیاز کر دیا ہو لیکن اگر کوئی پوچھ بیٹھا اور اس زمانے میں اس قسم کی باتیں اکثر پوچھا کرتے ہیں اور پوچھنے سے میری مراد ہو استفتا یعنی فتویٰ لینا۔ غرض اگر کوئی پوچھ بیٹھا یَا مَعَاشِرَ الْعُلَمَاءِ مَا تَقُوْلُوْنَ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ فِي ابْنِ حَاجِبٍ صَنَّفَ كِتَابًا فِي النَّحْوِ وَسَمَّاهُ الْكَافِيَةَ لٰكِنَّهٗ لَمْ يَبْدَأْ كِتَابَهٗ بِحَمْدِ اللّٰهِ هَلْ يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يَقْرَأَ ذٰلِكَ الْكِتَابَ بَيِّنُوْا تُؤْجَرُوْا[1]۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ عقدہ اور بھی پیچی ہو جائے گا اور اگر کوئی مناظرے سے پیش آگیا اور رسالہ بازی شروع ہوئی۔ تو بس مولوی صاحب ساری عمر کے لئے اسی کے ہو رہے۔ ایسی تعلیم میں آنکھیں تو دو کی چار کیا ہوتی تھیں بصیرت بھی کم ہو جاتی ہو فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ[2] ویسا وہی جیسا میں نے ابھی پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے کلکتے کی کانفرنس میں کہا تھا ؎

ہو نہ باافراط پیش نظر ہیں		مگر چونکہ دل کور ہیں بے بصر ہیں	

دنیا کا حال یہ ہو کہ طلبِ صادق پر بھی مشکل سے ملتی ہو بلکہ نہیں بھی ملتی اور جبکہ ایک قوم کو مذہبًا دنیا سے بے رغبتی اور زہد کی تعلیم دی جائے تو اس قوم کا وہی انجام ہونا چاہئیے جو ہم مسلمانوں کا ہوا۔ وہ تو دنیا کو خدا نے شرطِ زیست بنا دیا ہو۔ جیسے مچھلی کے لئے پانی۔ اس سے لوگوں نے کتّا بننا منظور کیا مگر اس مردار کو نہ چھوڑا ؎

[1] اے گروہ علما خدا تمہارے حال پر رحم کرے تم اس صورت کی نسبت میں کیا فرماتے ہو کہ ایک شخص ابن حاجب نے علم نحو میں ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام رکھا کافیہ مگر اس نے خدا کی تعریف سے اپنی کتاب کو شروع نہیں کیا آیا مسلمان کو اس کتاب کا پڑھنا جائز ہو یا نہیں۔ اس کا حکم بیان کرو۔ خدا تم کو اجر دے گا ۱۲

[2] بات یہ ہو کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں ۱۲

سب کو دنیا کی ہوس خوار لیے پھرتی ہے
کون پھرتا ہے یہ مردار لیے پھرتی ہے

اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ آخر تو کُتّے بنے - تو تازی کتّے کیوں نہ بنیں کہ آپ شکار ماریں مزے سے خون پئیں جہاں سے جی چاہے اور جو نسا جی چاہے گوشت کھائیں اور پس خوردہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیں - یہ کیا کہ کُتّے بھی بنے تو نکمّی ساری عمر گوشت کو ترسا کیے جھڑکیاں سنتے اور ماریں کھاتے رہے اور اس آؤ بھگت پر کھانے کو چیچھڑے چھوڑنے کو خالی ہڈیاں وہ بھی کبھی کبھار اور پیٹ بھر کر نہیں - ہر چند مذہبی خیال کے لوگوں نے دنیا کی مذمت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا - اور دنیا داروں کو بہتیرا ڈرایا دھمکایا شرمایا اس پر بھی دنیا لوگوں سے نہ چھوٹی اور نہ چھوٹ سکتی تھی جس طرح لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ[1] یہ خود مذمت کرنے والوں سے نہ چھوٹی اور نہ چھوٹ سکتی تھی قطعہ

اے ذوق کرے گا کوئی دنیا کیا ترک
دنیا ہے بڑی بلا ارے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا
جب تک نہ کرے آپ اُسے دنیا ترک

مگر ہاں ایک چاؤ کا کھانا ہوتا ہے اور ایک گھن کا - دنیا تو نہ چھوٹی اور نہ چھوٹ سکتی تھی لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ زہد کی تعلیم خالی بھی نہیں گئی ؎

نرگسی آنکھیں سرمہ آلودہ خاک میں ہم کو ملائیں گی
کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اوپر آجائیں گی

اسی تعلیم سے دوڑنے والے چلنے لگے چلنے والے کھڑے ہوگئے کھڑے ہونے والے بیٹھ گئے - بیٹھنے والے لیٹ گئے - لیٹنے والے سو گئے - اگرچہ علما بھی تعلیم زہد کے ثواب میں شریک ہیں اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ مگر حضرات مشائخ شریک غالب ہیں کہ ان کے یہاں آدمی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا[2] کے شکنجے میں کسا جاتا ہے علما اور مشائخ کی دو بڑی زبردست مذہبی جماعتیں دنیا کے پیچھے پڑیں تو دنیا کے پائے ثبات اکھڑا ہی

[1] ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے - ۱۲ [2] مرنے سے پہلے مر رہو - ۱۲

چاہیں۔ غرض سب طرف سے دنیا کو دھکے ملتے تھے۔ آخر بیچاری اپنا سا منہ لے کر اپنے خریداروں میں جا ملی۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں قدرِ نعمت بعدِ زوال اب دنیا کے لیے سر پر ہاتھ دھرے رو رہے ہیں مگر کون؟ سچا اور پکا مسلمان تو دنیا کے جانے کا افسوس کرنے سے رہا۔ رو رہے ہیں۔ چند نیچری۔ نیچری کچھ آج سے نہیں رو رہے برسوں سے رو رہے ہیں ان کو روتا دیکھ اَلْبُكَاءُ يُهَيِّجُ الْبُكَاءَ [۵۱]۔ مسلمان بھی روئے تو نہیں مگر بسورنے لگے ہیں۔ یہ روئیں گے۔ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا [۵۲] مگر اُس وقت روئیں گے جب رونا کچھ کام نہیں آئے گا تو ان کی قسمت اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ [۵۳]۔

اگر میں اسی پر بس کروں تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ میں نے ایک ضروری مسئلے کی چھیڑ نکالی اور اس کو ادھورا چھوڑ دیا مگر مسئلہ فی نفسہا ایسا پیچیدہ اور مشکل ہے کہ اس کا بیان شافی بڑا وقت وسیع چاہتا ہے اور تمہارے یہاں کوئی دم کو چندے کے لیے بازکشید ہونے کو ہے تاہم تنگی وقت کے ساتھ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ [۵۴] جہاں تک میری زبان یاری دے میں اس بات کے دکھانے کی کوشش کروں گا کہ ہم مسلمانوں کے تنزل کے جہاں اور اسباب ہیں اُن میں ایک بلکہ میں کہتا ہوں کہ قوی الاثر ایک یہ نہیں کہ ہم میں تعلیم نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی تعلیم کا کورس ٹھیک نہیں یہ کورس اُن وقتوں میں بنا جب کہ مسلمان تمام اقوام روئے زمین پر سبقت لے گئے ہوئے تھے۔ اسلامی سلطنت کی ابتداء الملک کی پوچھو تو عرب سے ہوئی اور بانیِ سلطنت کی پوچھو تو جناب

---

۵۱ ایک کا رونا دوسروں کو بھی رُلاتا ہے۔ ۱۲ ۵۲ تو (ایک دن ہوگا کہ) یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت۔ ۱۲ ۵۳ جب خدا کسی قوم پر (اُن کے عملوں کے پاداش میں) کوئی مصیبت ڈالنی چاہیے تو وہ (کسی کے ٹالے) ٹل نہیں سکتی اور خدا کے سوا ان لوگوں کا کوئی (حامی) مددگار بھی نہیں۔ ۱۲ ۵۴ جس چیز کا کامل طور پر حاصل کرنا آدمی کے مقدور میں نہ ہو یہ بھی مناسب نہیں کہ اُس کو بالکل چھوڑ بیٹھے۔ ۱۲

پیغمبر خدا صلعم سے ۔

عرب کا جغرافیہ پڑا بول رہا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو کیسا ہونا چاہیئے ۔ اُس ملک کے اکثر حصّے میں سوکھے پہاڑ اور پیاسے ریگستان ہیں خدا نے نباتات میں اور پانی میں لازم و ملزوم کا تعلق رکھا ہے کہ جہاں درخت کثرت سے ہوتے ہیں وہاں پانی بھی بہت برستا ہے اور بالعکس اب یہ نیچری بھائیوں کا کام ہے کہ بارش اور کثرت نباتات میں سے ایک کو سبب بنائیں اور دوسرے کو نتیجہ جیسے حیوانات اور نباتات میں توالد تناسل کا سلسلہ قایم ہے کہ مرغی انڈا دیتی ہے اور انڈے سے دوسری مرغی پیدا ہوتی اور درختوں میں بیج سے درخت اور درخت سے بیج اور ضرور یہ لازم آتا ہے کہ شروع میں انڈا بے مرغی کے ویسے ہوا ہو یا مرغی بے انڈے کے اور درخت بے بیج کے ہوا ہو یا بیج بے درخت کے مگر نیچریوں کے سوا اور کون تجویز کرے کہ ان شقوں میں سے کون سی شق تسلیم کی جائے ۔ بہر کیف ملک عرب کا بڑا حصہ جیسا کہ نباتات سے عاری ہے بارش کو بھی ترستا رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہاں زراعت نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو اس قدر کم کہ زمین کا پیدا وار باشندوں کے گزر کے لیے کافی نہیں ہوتا ۔ ایک پانی کی کمی وجہ سے وہ لوگ نہ تو بڑے قصبے یا شہر بسا سکتے ہیں اور نہ بہت دنوں تک ایک مقام پر ٹھیر سکتے ہیں اور چوں کہ اپنے ملک میں کھانے کو نہیں پاتے ناچار ان کو غیر ملکوں سے غلہ لانا پڑتا ہے ۔ غرض وہ لوگ مسافرت پیشہ یا خانہ بدوش ہوتے ہیں اور اسی لیئے ان لوگوں میں ایسے ہنروں کا رواج نہیں جن کے لیئے اطمینان شرط ہے آئے دن کے سفر اور ملک کی ویرانی نے ان لوگوں کو سپاہی اور آزاد منش اور جفاکش اور چست و چالاک اور جری بنا دیا ہے وہ کبھی کسی بادشاہ کے مطیع ہو کر نہیں رہے اب بھی نہیں لوگ قبیلوں میں منقسم ہیں ہر قبیلے کا ایک شیخ ہوتا ہے اور اس کو اپنے قبیلے کے لوگوں پر اسی قسم کی حکومت ہوتی ہے جو ہر ایک بڑے بوڑھے کو خاندان میں ہوا کرتی ہے

اُن کے حالات زیادہ تر اُن سرحدی اقوام سے ملتے جلتے ہیں جو ہمارے ہندوستان کی مغربی سرحد پر آباد ہیں ۔ ان کی اخلاقی اور تمدنی حالت حد سے زیادہ بگڑی تھی ہے کچھ تھی کہ خدا نے

ان کو سنوارنا چاہا اور جناب پیغمبر خدا صلعم کو ان میں پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کو ان وحشیوں کی اصلاح پر مامور فرمایا۔ پیغمبر صاحب نے بڑی نرمی اور بردباری کے ساتھ اُدْعُ[51] اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ اپنی کارروائی شروع کی۔ قاعدہ ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے پیغمبر صاحب نے گدھوں کو نمک دینا چاہا گدھوں نے کہا کہ ہماری آنکھیں پھوٹیں نرمی کے جواب میں لگے گرمی دکھانے سر پہ چڑھ کر لڑے آسمان کا تھوکا الٹا منہ کو آیا اب سمجھے کہ ہاں خدا بھی کوئی چیز ہے۔ اتنا سمجھنا تھا کہ پیغمبر صاحب کا کلمہ بھرنے لگے ان کا بچہ بچہ اس زمانے کے فنون سپہ گری میں استاد تھا فوجی قوت کسی ملک میں بھی نہ تھی مگر وہ قوت آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے عرب کی عرب ہی میں صرف ہوتی رہتی تھی جیسے نیستان میں بانسوں کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی اور نیستان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے ؎

اپنوں سے نہ مل اپنے ہیں سب اپنوں کے دشمن		ہر نے میں بھری آگ نیستاں کے لیے ہو

یہی حال خانہ جنگیوں نے عرب کا کر رکھا تھا۔ وہ لوگ دوسروں پر اپنا ربط منضبط بٹھانے کی پوری لیاقت رکھتے تھے مگر خود ضابطے کے محتاج تھے۔ خدا نے پیغمبر صاحب کو ان کا ضابط بنایا اور پیغمبری کے روکھن میں اسلامی سلطنت نے اپنا نقشہ جمایا۔

پیغمبر صاحب کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ اپنے لیے یا اپنی نسل کے لیے یا اپنے خاندان کے لیے سلطنت بہم پہنچائیں اور اگر وہ ایسا چاہتے تو آسانی کے ساتھ کر گزرتے بت پرستی کو مٹانا لوگوں کو خدائے واحد کا گرویدہ کرنا عرب کے قبائل کو جن میں سالہائے دراز سے لڑائی ٹھنی ہوئی تھی صرف زبانی باتوں سے آپس میں ملا دینا لَوْ[52] اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط یہ کام سلطنت کے حاصل

۵۱ (اے پیغمبر لوگوں کو) عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کی طرف بلاؤ۔ ۱۲ ۵۲ اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی اُن کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی) تھا جس) نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی بے شک وہ زبردست (اور) صاحب تدبیر ہے (سورۃ الانفال)

کرنے سے بھی کہیں زیادہ اہم اور مشکل تھے۔ مگر پیغمبر صاحب نے ان مقاصد کو ایسی عمدگی اور
کامیابی اور عجلت کے ساتھ پورا کیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اُن کا اقتدار اپنے رفقا
اور اعوان و انصار پر اس درجے کا تھا کہ کسی وقت میں کسی ہر دلعزیز بادشاہ کو اپنی فوج اور اپنی
رعایا پر نصیب نہیں ہوا اور نہ آگے کو نصیب ہے۔ میں اپنے بیان کی شہادت میں مختصر طور پر ایک تاریخی واقعہ
پیش کرتا ہوں کہ ہجرت کے چھٹے برس پیغمبر صاحب عمرہ کرنے کی نیت سے مکے تشریف لے جا رہے
تھے مقام حدیبیہ پر جہاں سے مکہ چند میل کے فاصلے پر رہ جاتا ہے مکے والوں نے خبر پاکر کہلا
بھیجا کہ شہر مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرنا ورنہ لڑائی ہو پڑے گی۔ چنانچہ پیغمبر صاحب اور اُن
کے ہمراہی مقام حدیبیہ میں ٹھیر گئے اور طرفین سے صلح کے پیغام دوڑنے لگے آخر دس برس
کے لیئے صلح ہو گئی چونکہ اہل مکہ میں اور بہت سے عیوب تھے ایک بڑا عیب جھوٹ اور عہد شکنی
کا بھی تھا۔ چنانچہ صلح کے تین برس بعد مکے والوں کی طرف سے عہد شکنی ہوئی کہ صلح نامے کے
خلاف مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابلے میں بنی بکر کی مدد کی ناچار مسلمانوں کو مکے
پر چڑھائی کرنی پڑی۔ مسلمانوں کے لشکر کا آخری پڑاو تھا کہ ابوسفیان جو اس وقت قبیلہ قریش
کی ریاست پر تھا چپکے سے دریافت حال کے لیئے مسلمانوں کے لشکر میں آیا اور یہاں پہچانا گیا
آپس میں رشتہ داریاں تو تھیں ہی حضرت علی نے پیغمبر صاحب کی اجازت سے اُس کو اپنے
پاس ٹھیرایا اور اگلے دن رخصت کر دیا۔ ابوسفیان نے مکے پونہچ کر اپنے لوگوں کو جمع کیا اور کہا
میں بڑے بڑے زبردست بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں جو ادب اور جان نثاری محمدؐ
کے لیئے ان کے لشکر میں دیکھ آیا ہوں میں نے تو کسی بادشاہ کے لشکر میں کبھی نہیں۔ محمدؐ
کے رفقا اس کے وضو کے پانی کا قطرہ تک زمین پر نہیں گرنے دیتے اور تبرکاً منھوں پر مل
لیتے ہیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیا بر سر آسکو گے۔ یہ ابوسفیان ہی کے سمجھانے کا اثر تھا
کہ اہل مکہ شہر چھوڑ باہر جا پڑے اور مسلمانوں نے بلا مزاحمت شہر پر قبضہ کر لیا۔ تو وہی ابوسفیان
کا کہنا کہ جو شخص اپنے رفقا پر اس خاص قسم کا اقتدار رکھتا ہو اگر وہ سلطنت کو اپنے لیئے یا اپنی نسل

کے لیے یا اپنے خاندان کے لیے احراز کرنا چاہتا تو نہایت آسانی سے کر سکتا تھا مگر پیغمبر صاحب نے اپنی ساری عمر عسرت میں گزار دی جس کی توجیہ سوائے اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی کہ سلطنت کا حاصل کرنا ہرگز پیغمبر صاحب کا مقصود نہ تھا۔

لیکن تعلیم جو وہ فرماتے تھے اس کا ضروری نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو سلطنت ملے اور مسلمانوں کے غلاموں کو ملے اور ملی۔ لہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ الغرض ایک وہ تعلیم تھی جس نے زبردستی سلطنت پلے بند ہوائی۔ اور ایک یہ تعلیم ہے جو ہم مسلمانوں میں مروج ہے اور چونکہ جدید انگریزی تعلیم اور انگریزی کی تعلیم کی وجہ سے متروک سی ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کے بعض گروہ دین داری کے جوش میں آ کر اس کی امداد اور حمایت پر کمر بستہ ہیں الغرض ایک وہ پیغمبر صاحب کی تعلیم تھی جس نے زبردستی سلطنت مسلمانوں کے پلے بند ہوا دی تھی ع

درنستانی بستم میر سد

اور ایک یہ ہماری تعلیم ہے جس کا نتیجہ اکثر صورتوں میں گداگری ہے۔ گداگری کا لفظ لوگوں کے سامنے پر گراں گزرا ہو گا۔ اور میں نے بھی بڑی ہی کراہت سے اس کا استعمال کیا ہے مگر

لہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا۔ جیسے ان لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے لیے جما کر رہے گا اور خوف (وخطر) جو ان کو (لاحق) ہے اس کے بعد (عن قریب ہی) ان کو (اس کے) بدلے میں امن دے گا کہ (بہ اطمینان) ہماری عبادت کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں گے اور جو شخص ان (تمام احسانات) کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔ ۱۲

میں جو مولوی صاحبوں کی معاش کے ابواب پر نظر کرتا ہوں تو وعظ ہو تو۔ درس ہو تو۔ افتا ہو تو
امامت ہو تو۔ میں تو ان سب کو گداگری ہی سمجھتا ہوں۔ دروازے دروازے جا کر صدا کرنا
اور مسجد میں صورت سوال بن کر بیٹھنا میرے نزدیک دونو یکساں ہیں اور دونو داخل گداگری
ہیں۔ تعلیم نبوی کی بدولت ایک صدی آدھی صدی کیسی پاؤ صدی بھی نہیں۔ صدی کے
آٹھویں حصے سے بھی کم یعنی دس ہی برس کے عرصے میں مسلمانوں کی حالت میں رات اور
دن کا سا فرق پڑ گیا یعنی ہجرت تک وہ کسی شمار میں نہ تھے ضعیف۔ مغلوب۔ بے یار۔ بے
مددگار۔ جو جہاں تھا اپنی جگہ سہما ہوا چھپا بیٹھا تھا۔ مجال نہ تھی کہ خدا کا نام تو زبان سے نکال لے
آخر کار مدینے والوں کی حمایت کے آسرے پر چوری چھپے گھروں سے بے سر و سامان نکل
نکل کر مدینے میں آ جمع ہوئے مدینے میں آنے سے وہ ہر وقت کی بے اطمینانی تو رفع ہوئی
مگر عسرت بڑھتی چلی جاتی تھی کہ بیٹھے بٹھائے تیسرے برس بدر کی لڑائی پیش آگئی۔ شمار اور
سامان اور توانائی کوئی پہلو مسلمانوں کے جیتنے کا نہ تھا مگر وہی [11] كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ط خدا کا کرنا مسلمانوں نے لڑائی مار لی [12] قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ط
فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ط وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ پھر تو لڑائیوں کا تار بندھ گیا مگر
از بس کہ مسلمان مظلوم تھے اور چھیڑ چھاڑ کی ابتدا مخالفوں کی طرف سے ہوئی تھی اور خدا
ہمیشہ مظلوم کا حامی ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت کے تیسرے برس پہلی لڑائی ہوئی اور ہجرت

---

[11] (اکثر) ایسا ہوا کہ (اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے ۱۲۔ [12] (دو) دین اسلام
کے انکار رکھنے والو (ان دو مخالف) گروہوں میں تمہارے (سمجھنے کے) لیے (خدا کی قدرت کی بڑی بھاری) نشانی (ظاہر
ہو چکی ہے جو بدر کے مقام پر) ایک دوسرے سے گتھ گئے (ان میں سے) ایک گروہ تو خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا (گروہ)
منکروں کا تھا جن کو آنکھوں دیکھتے مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دو چند دکھائی دیتا تھا اور اللہ اپنی مدد سے جس کی
چاہتا ہے تائید فرماتا ہے اس میں شک نہیں جو لوگ (دل کی) آنکھیں رکھتے ہیں ان کے لیے اس (واقعہ) میں (بڑی) عبرت تھی ۱۲

کے تیرہویں برس پیغمبر صاحب نے انتقال فرمایا۔ اس حساب سے دس برس کے اندر ہی اندر تقریباً تمام جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی مطمئن حکومت بیٹھ گئی تھی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔[۵۱]

سلطنت کا درخت تو پیغمبر صاحب نے نصب کیا اور اُس نے پیغمبر صاحب کی حیات میں بخوبی جڑ بھی پکڑ لی اور پھر تو وہ ایسا بڑھا کر بجا ہے تمام روئے زمین پر چھا گیا۔ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔[۵۲] عرب تو بالاضافت الی اخوتہ ایک مفلس ملک ہو با ایں ہمہ سلطنت اسلامی کے آغاز میں یعنی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان اس قدر دولت مند ہوگئے تھے کہ جو لوگ صاحب نصاب تھے زکوٰۃ کے لیے مدینے کی گلیوں میں پکارتے پھرتے تھے اور کوئی زکوٰۃ کے لینے کی حامی نہیں بھرتا تھا یہ تمول سلطنت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ خلفائے عباسیہ کے ساز و سامان ان کی داد و دہش ان کے تزک و احتشام ہماری قسمت تو ایسی کہاں تھی کہ آنکھوں سے دیکھتے۔ ہاں کبھی کتابوں میں نظر پڑ جاتے ہیں تو بے اختیار اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ[۵۳] منہ سے نکل جاتا ہے۔

اب تعلیم کے ساتھ اس مطلب کا پیوند لگانے کے لیے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تعلیم کا مقصود اصلی کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے تعلیم کا مقصود اصلی یہ ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ انسان از روئے فطرت اشرف المخلوقات پیدا ہوا ہے

۵۱ (اے پیغمبر) جب کہ خدا کی مدد آپہنچی اور (مکہ) فتح (ہو گیا) اور تم نے لوگوں کو (بچشم خود) دیکھ لیا کہ دین خدا یعنی اسلام میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد (و ثنا) کے ساتھ (اس کی) تسبیح (و تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اُس سے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ۱۲

۵۲ (نیک بات) گویا ایک پاکیزہ درخت ہے اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے۔ ۱۲ ۵۳ جتنی چیزیں (ہیں) ہمارے ہاں سب کے خزانے (کے خزانے) بھرے پڑے ہیں۔ ۱۲

یہ شرافت صرف منہ سے کہنے کی نہ ہو بلکہ اس کی ایک ایک ادا شرافت کی گواہی دے۔ جتنے دنیاوی اور دینی کمالات آدمی حاصل کرسکتا ہو اسی فطری شرافت اور فضیلت کے قائم رکھنے کے لیے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اسلام نے تعلیم کے ساتھ کیا سروکار رکھا۔ اپنے پیروؤں اور معتقدوں کو کیا تعلیم کیا اور وہ تعلیم مسلمانوں کے حق میں کہاں تک مفید یا مضر ثابت ہوئی ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی ہر روز کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہو پس دنیا حقیقت میں درس گاہ ہو اور قرآن میں جہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہو وہاں لکھا ہو کہ خدا نے آدم کو چیزوں کے نام سکھائے وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا [۵۱]۔ غرض آدم علیہ السلام کے وقت سے جو تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا ہو کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اول تو خدا اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً آدمیوں کو تعلیم فرماتا رہا ہو پھر خود آدمی اپنے ابنائے جنس سے دوسری مخلوقات سے دنیا کے واقعات سے بہت کچھ سیکھتا رہتا ہو۔ جناب رسول خدا صلعم کے حق میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہو۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۵ [۵۲]

پیغمبر صاحب کو تو ایسے لوگ تعلیم کے لیے سپرد ہوئے تھے جن میں نام کو بھی انسانیت نہ تھی یعنی وہ تعلیم پذیر ہی نہ تھے۔ مگر تعلیم کا کورس خدا کا بنایا ہوا تھا اور وہ ان وحشی کے رگ و ریشے سے خوب واقف تھا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ [۵۳]۔ اور اس کو معلوم تھا کہ ان لوگوں میں کس بات کی کمی ہو اور یہ کیوں کر درست ہوں گے۔ آپ سمجھے کہ خدائی

[۵۱] اور آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیے۔ [۵۲] وہ خدا ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمدؐ) کو پیغمبر بنا کر بھیجا (وہ) ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے ہی ۱۲۔ [۵۳] بھلا (یہ ہو سکتا ہو کہ خدا) جو پیدا کرے (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک بین (اور) باخبر ہے ۱۲

کورس یعنی خدا کے بنائے ہوئے کورس سے میری کیا مراد ہے۔ میری مراد ہے قرآن۔ دیکھنے میں تو حجم اور ضخامت کے اعتبار سے کچھ ایسی بڑی کتاب بھی نہیں مگر وہ دریا کو کوزے میں بند کرنا سنا ہو تو واقع میں دنیا اور دین دونوں کے لئے اس میں کافی ہدایت موجود ہے صدہا برس تک بڑی سے بڑی اسلامی سلطنت کے انتظام ان ہی اوراق کی برکتوں سے ہوا کئے ہیں کہ ہندوؤں کی اصطلاح کے مطابق وہ ست جگ کے عہد تھے۔ اس کورس یعنی قرآن نے اپنے پڑھنے والوں یعنی مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچایا ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ جس حیثیت سے دیکھو اپنے وقتوں میں مسلمان بہترین اقوام روئے زمین تھے اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کا یہ گر تھا کہ عرب کے لوگوں میں فوجی قوت تو اعلیٰ درجے کی تھی ہی۔ صرف اتنی کسر تھی کہ کوئی ان کا سردار ہو۔ اور وہ ان کو ایک بات پر جمع کر دے۔ چنانچہ پیغمبر صاحب نے محمد رسول اللہ بن کر ان کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر جمع کر دیا اور یہ بادشاہ ہو گئے۔ فوجی قوت کے سوا جو ان میں پہلے ہی سے موجود تھی اور آپس کی لڑائی جھگڑوں میں ضائع ہوتی رہتی تھی۔ سلطنت کے لئے ان کو ہلدی پھٹکری بھی نہیں لگانی پڑی پھر لڑائی کا قاعدہ ہے کہ جہاں اوپر تلے دو چار فتوحات ہوئیں کہ فاتح کی دھاک بندھ جاتی ہے چنانچہ پیغمبر صاحب نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ[۵۱] فرمایا بھی کرتے تھے اور قرآن میں بھی ایک جگہ اس کی طرف اشارہ ہے جہاں فرماتے ہیں۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ[۵۲] وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ بالکل ہمارے محاورے سے ملتا ہوا ہے کہ زوال ہیبت کو ہمارے یہاں ہوا کا اکھڑ جانا بولتے ہیں۔ جب تک مسلمان اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا کی تعمیل کرتے رہے ان کی ہوا بندھی رہی۔ ہوا کے بندھے رہنے سے ان کو کہاں تک مدد ملتی رہی وہ اس سے ظاہر ہے کہ:۔

---

۵۱ مجھ کو رعب سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ۱۲ ۵۲ (مسلمانو!) اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا مت کرو کہ (آپس میں جھگڑا کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور لڑائی کی تکلیفوں پر صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ ۱۲

فرماتے ہیں اِنْ يَّكُنْ ۵۱ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔

شروع شروع میں تو ایک مسلمان دس دشمنوں پر غالب رہتا تھا کیونکہ بیس اور دو سو اور سو اور ہزار میں ایک اور دس کی نسبت ہے۔ پھر سلطنت کے ساتھ تمول بڑھا اور تمول کسی وجہ سے وہ جوش بھی کسی قدر ٹھنڈے پڑے تو پیغمبر صاحب ہی کے وقت میں ایک اور دس کی جگہ ایک اور دو کی نسبت رہ گئی تھی اَلْـٰٔنَ ۵۲ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ایک اور دو کی نسبت بھی بہت ہوئی اور ہمارے وقتوں میں تو بڑی سے بڑی بہادر قوم بھی اس نسبت سے دشمن پر غالب نہیں آ سکتی۔ ہاں دشمن نہتے ہوں اور ہتھیار بند ہوں تو اُن کے پاس سو ڈان کے درویشوں کی طرح توپوں کے مقابلے کے لیے اگلے وقتوں کے وہیا نوسی چھرے اور کٹار اور برچھے اور تیر ہوں تو دوسری بات ہے۔ شروع شروع کے مسلمانوں کی بہادری اور ان کے جوش اور ان کی دھاک کی نسبت میں نے علی گڑھ کے ایجوکیشنل کانفرنس میں ایک نظم پڑھی تھی اس کے چند شعر آپ صاحبوں کو سناتا ہوں ؎

گئے دن کہ اسلام سے کانپتے تھے		زمان و زمیں بید کی طرح تھر تھر	

۵۱ اگر تم (مسلمانوں) میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر تم (مسلمانوں) میں سے (ایسے) سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ یہ (کافر) ایسے لوگ ہیں جو (اجر عاقبت کو) سمجھتے ہی نہیں کہ اس کے لئے جان دینے میں مضایقہ نہ کریں۔ ۵۲ (مسلمانوں) اب خدا نے تم پر سے (اپنے کلمہ کا) بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ تم میں (ابھی) کم زوری ہے تو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو ہوں گے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے (ایسے) ایک ہزار ہوں گے تو وہ خدا کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو (لڑائی کی) تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں ۱۲۰

بت و برہمن کی زباں پر تھا جاری
دمِ نعرہ ذکرِ اللہ اکبر

جدھر رخ کیا سلطنت زیرِ فرماں
جدھر آنکھ اٹھائی ممالک مسخر

یہ حاکم ہر ایک شخص ان کی رعیت
یہ آقا تمام آدمی ان کے نوکر

زمانے میں اس وقت جتنے ہنر تھے
یہی سب میں فائق یہی سب میں برتر

یہ ممتاز تھے حق بجا تب کہ کوئی
نہ ہمدم مقابل نہ ثانی نہ ہمسر

طبیعت میں ہر ایک کے غمگساری
مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر

خدا نے عجب دل دیے تھے کہ جن میں
کسی کی طرف سے نہ تھا کینہ مضمر

اگر صبح کو لڑ لیے بھائی بھائی
تو پھر شام تک ہو گئے شیر و شکر

کبھی رونق افزائے بزمِ مسرت
کبھی مردِ میدان و سالارِ لشکر

لڑائی میں ایک ایک سو سو پہ بھاری
شہیدانِ بدر و شجاعانِ خیبر

لگیں دشمنوں سے تیلیں ہو کے چھرّے
اگر پھینک دیں لے کے مٹھی میں کنکر

بھگایا ہے اعدا کو یوں غازیوں نے
اڑا کر ہوا جیسے لے جائے چھپّر

خدا اور رسولِ خدا ان کے حامی
کوئی آسکے ان سے کس طرح برسر

ہلا ڈالی بنیادِ ایوانِ کسریٰ
رگڑ دی پھر گردنِ لکبِ قیصر

تعلیم صرف کتابیں رٹنے اور ریپاریں کرنے کا نام نہیں ہے۔ بہت سے فنون ہیں جو ابھی تک کتابت میں نہیں آئے جیسے ہمارے یہاں کی موسیقی یا فنون سپاہ گری یا اور بہت طرح کے پیشے تو ہر ایک آدمی کو اس کی حالت کے مناسب خاص طرح کی تعلیم درکار ہوتی ہے یہ نہیں جیسا کہ ہمارے یہاں ہو رہا ہے کہ تعلیم تو سرکاری دفاتر کے مطلب کی ہے اور جس کو دیکھیے اسی کے لیے طیاری کر رہا ہے۔ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ دفتروں کی ضرورتیں محدود ہیں ان کے لیے کارکنوں کی ایک خاص مقدار درکار ہوتی ہے۔ ہر برس جو ہزارہا آدمی مڈل اور انٹرنس اور ایف۔ اے اور بی۔ اے اور ایم۔ اے پاس کرتے چلے جا رہے ہیں ایسا کون سا دفتر ہے جس میں ان سب کی کھپت ہوگی۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ شروع کے مسلمانوں کی کیا حالت تھی ان کو کس طرح کی تعلیم درکار تھی اور جیسی تعلیم درکار تھی ان کو وہی بھی جاتی تھی یا نہیں۔ بانی اسلام یعنی پیغمبر صاحب خود تو اُمّی یعنی ناخواندہ تھے اور ان کا ناخواندہ ہونا بجائے خود ان کی رسالت کی دلیل تھا۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ [51] لیکن گو پیغمبر صاحب نے دنیا کے دستور کے مطابق تعلیم نہیں پائی تھی مگر اُنھوں نے جو کچھ سیکھا براہ راست خدا سے سیکھا عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا [52] اور خدا سے سیکھ کر اپنی اُمّت کو ایسا سبق دیا کہ عمروں کی پڑھائی برسوں میں طے کرا دی۔ ضرورتیں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں دینی اور دنیاوی۔ سو دنیاوی ضرورتوں کی طرح دینی ضرورتیں بھی آدمی کو زندگی بھر لاحق رہتی ہیں اور دینی ضرورت سے میری مراد ہے معتقدات اور عبادات۔ آدمی جب تک دنیا میں ہے اس کا سب سے بڑا فرض زندگی یہ ہے کہ وہ اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست رکھے اور خدا کے ساتھ معاملہ تب ہی درست ہو کہ خدا کو جیسا وہ ہے اور جیسا اس نے اپنے تئیں اپنے کلام میں ظاہر کیا ہے اور جیسا اس کو انسان کی عقلی گواہی کی رو سے ہونا چاہیے۔ آدمی اس کو ویسا ہی مانے ویسا ہی یقین کرے ویسا ہی سمجھے۔ جب آدمی نے اپنا عقیدہ ٹھیک کر لیا تو پھر اس کا دل اس کو عبادت پر مجبور کرے گا اور وہ بے اختیار چاہے گا کہ اپنی احتیاج اپنی احسانمندی اپنی بندگی اپنی کوتاہی خدمت اور شرمندگی کا اظہار کروں کہ اسی کا نام عبادت ہے۔ غرض معتقدات اور عبادات کو تو میں آدمی کی دینی ضرورت قرار دیتا ہوں۔ پھر آدمی پتھر تو ہے نہیں کہ بے حس و حرکت جہاں پڑا ہے پڑا ہے۔ آدمی کو تو خدا نے رنج و راحت کا احساس بخشا ہے وہ راحت اور آرام سے خوش اور رنج

---

[51] اور (اے پیغمبر) قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے (پڑھا سکتے) تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین خواہی نخواہی شبہ کرتے۔ مگر جن لوگوں کو عقل دی گئی ہے ان کے عقیدے میں تو یہ (قرآن ایسی کھلی) کھلی آیتیں ہیں (کہ کوئی منصف مزاج ان سے انکار نہیں کر سکتا) اور جو بے انصاف ہیں وہی ہماری آیتوں کو نہیں مانتے ۱۲

[52] ہم نے اپنی طرف سے اس کو ایک (خاص) علم سکھایا تھا ۱۲

اور تکلیف سے آزردہ ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں آرام کا طالب ہے اور تکلیف سے ہارب۔ اس کی زندگی بڑے بکھیڑے کی زندگی ہے وہ سکڑنے پر آئے تو ایسا کہ وہ درویش در گلیمے بخسپند اور پھیلے تو اس قدر کہ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ مگر سکڑے یا پھیلے وہ کسی طرح اکیلا تو خوش رہ ہی نہیں سکتا۔ ناچار اس کو اپنے ہی جیسے آدمیوں میں مل کر رہنا پڑتا ہے کہ ضرورت پڑے پر اور ضرورت تو ہمہ وقت سب کے سامنے کھڑی ہی رہتی ہے یہ اُن کی اور وہ اُس کی مدد کریں۔ سوسائٹی اور تمدن ہے تو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اور سوسائٹی کی مزیداری بھی اسی میں ہے کہ سوسائٹی کے ممبروں میں ارتباط والتیام ہو۔ مگر جیسا واقعی یا ادعائی ضرورتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو پھر ان میں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں جو زندگی کو تلخ کر دیتے ہیں تو بالاجمال آدمی کی دنیاوی ضرورت یہ ہے کہ وہ خوش زندگی بسر کرے یعنی اس کی سوسائٹی کے تعلقات مرنج و مرنجان ہوں اور اس کی حاجتیں اور ضرورتیں اٹکی نہ رہیں۔

اگرچہ ہم نے انسان کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو ایک دوسرے کا قسیم قرار دیا ہے مگر ہے یہ کہ زندگی کا حقیقی خوشی کے ساتھ بسر کرنا ایک ہی ضرورت ہے اور وہ بے اس کے رفع نہیں ہوتی کہ آدمی کے دینی اور دنیاوی کل تعلقات ٹھیک ہوں جس کو علم اخلاق میں سعادت کہتے ہیں اور امام غزالیؒ نے اسی پر سے اپنی کتاب کا نام کیمیائے سعادت رکھا ہے۔ دینی تعلقات تو خیر مگر دنیاوی تعلقات سب کے یکساں نہیں بلکہ شخص واحد کے بھی ہمہ وقت یکساں نہیں رہتے تو تعلیم کی عمدگی یہ ہے کہ وہ لوگوں کی وقتی ضرورتوں کو پورا کرے۔ پیغمبر صاحب کو ایسے لوگ تعلیم کے لیے میسر ہوئے جو سراپا ضرورت تھے یعنی ان میں دین و دنیا کا کوئی سا ہنر بھی نہ تھا۔ ہنر کہو تو لے دے کر ایک بہادری وہ بھی بُری طرح استعمال کیے جانے کی وجہ سے داخل عیب۔ سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب نے اپنے وقت کے مسلمانوں کو صرف ایک ہی کتاب پڑھائی یعنی قرآن پھر اُن کی تعلیم کا نتیجہ بھی سب نے دیکھا۔

خیر ایک وقت تو وہ تھا کہ پیغمبر صاحب زندہ تھے اور خود بنفس نفیس لوگوں کو تعلیم فرماتے تھے

پیغمبر صاحب کی زندگی تک مسلمانوں کی ایک حالت تھی کہ پیغمبر صاحب باتباع وحی مسلمانوں کی تربیت فرماتے تھے۔ اصحاب کو یہ آسانی تھی کہ جو مشکل پیش آئی گئے اور پیغمبر صاحب سے پوچھ آئے پیغمبر صاحب کی وفات سے مسلمانوں کی دوسری طرح کی حالت ہوگئی کہ وحی تو ہوئی منقطع اور پیغمبر صاحب کو خدا نے اپنے پاس بلا لیا اور اُدھر اوپر تلے فتوحات ہیں کہ ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ پس پیغمبر صاحب کے وقت تک گویا صرف ملک گیری تھی یعنی مسلمان ملک فتح کرتے اور جناب پیغمبر خدا صلعم ملک داری کا سرانجام فرماتے۔ اب ملک گیری بڑھی ہی سو بڑھی اس پر ملک داری اور مستزاد ہوئی اور اب ایسے ملک مسلمانوں کے قبضے میں آتے چلے۔ جن کا طرز تمدن عرب کے تمدن سے مغائر تھا۔ پس فصل خصومات میں جو لازمہ ملک داری ہو مسلمان حاکموں کو دقتیں پیش آنے لگیں۔ لے دے کر ان کے پاس قرآن تھا جس کو وہ دنیا اور دین کا قانون جامع سمجھتے تھے اور وہ واقع میں ایسا ہی ہو بھی لیکن وہ بمنزلہ کوڈ کے ہو جس میں اصول منضبط ہیں مثلاً قرآن میں نماز کی فرضیت کے احکام تو ہیں مگر نماز کی کیفیت بیان نہیں فرمائی۔ اسی طرح زکوٰۃ کہ اس کی مقدار کی تعیین نہیں اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا[ف۱] نے سرقہ کی سزا قطع ید قرار دی بلا لحاظ قیمت مال مسروقہ۔ اور جزئی واقعات کا حال یہ ہے کہ ہمیشہ نئی نئی شکلوں میں پیش آتے ہیں اور از بس کہ لوگوں کی استعداد کے مراتب ہر زمانے میں متفاوت ہوتے ہیں اصول سے جزئیات کے استنباط کو بڑی لیاقت درکار ہے پس جس زمانے میں سلطنت عروج پر تھی ملک داری ملک گیری سے بھی زیادہ مشکل ہو رہی تھی۔

اس وقت کے مسلمانوں میں جو لوگ اہل الرائے تھے انھوں نے مسلمانوں کی وقتی ضرورتوں پر نظر کر کے ان کے لیے تعلیم کا ایک کورس ٹھیرایا جس سے بہتر کوئی اور کورس خیال میں نہیں آسکتا۔ وہ کورس یہ تھا کہ قرآن کو بڑی تدقیق کے ساتھ پڑھایا جائے تاکہ مسلمان خدا کے ٹھیرائے

ف۱ مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو ان کی اس کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونوں کے (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو۔ ۱۲

ہوئے اُصول کے مطابق اپنی دنیا کا انتظام کریں جس کے دروازے خدا نے ان کے منھوں پر کھول دیئے تھے ان کو دنیا کمانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ دنیا کے سنبھالنے کی۔ انہوں نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ جو ان کو دنیا کما کے گئے اور دنیا کے کمانے کا رستہ دکھا گئے وہ اُن کو دنیا کے رکھ رکھاؤ اور دنیا کے سنبھالنے کا تحریری دستور العمل اور ہدایت نامہ بھی دے گئے ہیں یعنی قرآن۔ پس انہوں نے قرآن کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنی ساری توجہ اسی کی طرف مصروف کر دی۔ یعنی قومی تعلیم کا تمام زور قرآن پر ڈالا۔ اور جتنے علوم قرآن کی تدقیق قرآن کی چھان بین قرآن کے اتقان میں پاس کا یا دور کا دخل رکھ سکتے تھے اُن کو قرآن کا خادم قرار دے کر بڑے اہتمام سے اُن علوم میں کتابیں تصنیف کیں۔ مگر اُن کا اصلی مدعا قرآن کا غایت درجے کی تحقیق سے پڑھنا پڑھانا تھا۔ پھر اُنہوں نے جناب رسول خدا صلعم کے عمل درآمد کو جمع کیا کہ انہوں نے قرآن کے مصنف یعنی خدا سے پڑھا اور سمجھا تھا اور ان کا عملدرآمد بالکل خدا کے منشا کے مطابق تھا۔ پیغمبر صاحب کے عمل درآمد کے جمع کرنے سے میری مراد ہو علم حدیث جس میں پیغمبر صاحب کے اقوال اور افعال اور حالات جہاں تک زبانی روایتوں سے ان کا پتہ پہنچا کر دیئے گئے ہیں۔ پس قرآن کی سب سے بہتر سب سے صحیح تر سب سے مستند تر تفسیر حدیث ہی جتنی بھی ہو جتنی بھی ہو کی قیدیں نے اس سے لگائی کہ قرآن کی اکثر باتوں کا پتہ حدیث میں نہیں بھی ہی

حدیث کے بعد آثارِ صحابہ ہیں یعنی اُن لوگوں کے اقوال اور افعال اور حالات جن کو جناب پیغمبر صاحب صلعم کی صحبت بابرکت یا زیارت کا شرف حاصل ہوا صحابہؓ کے بعد تابعین جنہوں نے پیغمبر صاحب کو تو نہیں مگر اصحاب کو دیکھا رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے بعد چوتھے درجے میں تبع تابعین کہ حدیث خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ [1] کی رو سے یہ سب بزرگ دین کی سمجھ قرون مابعد سے بہتر رکھتے تھے

[1] سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں پھر جو ان بعد والوں کے بعد آئیں ۱۲

اگرچہ حدیث میں معتقدات اور عبادات اور معاملات سب ہی طرح کی باتیں ہیں مگر حدیث کے جمع کرنے کا بڑا باعث یہی ہوا کہ جوں جوں اسلامی سلطنت وسیع ہوتی گئی۔ دنیا کے نظم و نسق اور فصل خصومات کا کام مسلمانوں کے سر پڑتا گیا تو مسلمان حاکم اور ناظمانِ ملک کیا کرتے کہ جیسا کوئی معاملہ پیش آتا پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے قرآن میں حکم نہ پاتے تو حدیث کا سہارا پکڑتے پھر آثارِ صحابہ کا تابعین کا تبع تابعین کا اور اگر بالکل نئی طرح کا ہوتا تو اس میں اجتہاد کرتے اور اپنی رائے لگاتے اور یوں قرآن اور حدیث اور آثار اور اجتہاد سب کا ایک مجموعہ مدون ہوا جس کا نام ہے فقہ اب کوئی ہم کو بتائے کہ مسلمانوں کو اس وقت کس قسم کی ضرورتیں تھیں اور جو تعلیم اُنہوں نے اختیار کی اُن کی اُن ضرورتوں کو پورا بھی کرتی تھی یا نہیں۔ ان سوالوں کا جواب اس کے سوا اور کچھ ہو نہیں سکتا کہ اُس وقت مسلمانوں کو ملک گیری اور ملک داری کی وہی ضرورتیں تھیں بلکہ ملک گیری کی کم اور ملک داری کی زیادہ اس لیے کہ اسلامی سلطنت فوجی قوت کے ذریعے سے ترقی اور وسعت کے معراج الکمال پر پہنچ چکی تھی ملک کا فتح کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اُس کا سنبھالنا تمہارے پاس کے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ مولوی اسمٰعیل مرحوم نے پشاور کے نواح میں بہت سا علاقہ سکھوں سے چھین لیا تھا۔ چھینے کو تو چھین لیا مگر وہ اُس کو سنبھال نہ سکے پس اُن کی فتح گویا چاندنی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی اور وہ علاقے بہت جلد اُن کے قبضے سے نکل گئے اور ان کا اور اُن کے لشکر کا وہی حال ہوا جو عالمگیر اور اُس کے لشکر کا دکن میں ہوا تھا کہ اب تک دلی میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ سب کے بالم کھیر کر لے گئے عالمگیر۔

ان وقتوں کا بنایا ہوا کورس اگرچہ اس وقت بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس واسطے کہ اس کا اکثر حصہ زمانے کے انقلاب کی وجہ سے بیکار ہو گیا ہے اور ہم مسلمانوں کی وقتی ضرورتوں میں بکار آمد نہیں رہا۔ مگر وہ کورس فی نفسہٖ خاص کر اُس وقت کی حالت اور اُس وقت کی ضرورتوں پر نظر کرتے ہوئے جب کہ وہ بنا تھا بڑی وقعت کی چیز ہے۔

یہ کورس خود پکار رہے کہہ رہا ہے کہ مسلمانوں نے علوم کے جمع کرنے میں بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں انھوں نے سب سے پہلے علوم کی طرف توجہ کی اور توجہ بھی کی تو بڑے توغل کے ساتھ۔

اب ایک فن حدیث ہی کو لو کہ کہہ دینے کو مجموعۂ روایات ہے مگر اس وردکو اس سے پوچھو جس نے کبھی کسی جگہ کی تاریخ کے لکھنے پر قلم اٹھایا ہے سرکاری ریکارڈوں میں ایک ریکارڈ گزیٹیر کہلاتا ہے وہ ایک طرح کا انسائیکلوپیڈیا ہے کہ اس میں ہر شہر ہر قوم ہر چیز کے ہر طرح کے حالات شرح و بسط کے ساتھ تحقیق کر کے جمع کیے جاتے ہیں ڈاکٹر ہنٹر کے اہتمام اور ان کی نگرانی میں ہندوستان کا گزیٹیر ترتیب دیا گیا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اب بھی وقتاً فوقتاً اس کی ترتیب ہوتی رہتی ہے میں ایک زمانے میں تحصیل دار تھا اور مجھ کو ایک قصبے کے حالات جمع کرنے کا حکم ہوا اور باتوں کی کون کہے اس کا پتہ چلنا دشوار ہو گیا کہ یہ قصبہ کب بسا کس نے بسایا اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور باشندگانِ قصبہ میں سے کون ہیں جن کا نسب بانیٔ قصبہ تک منتہی ہوتا ہے بڑے سے بڑے نام ور آدمی دنیا میں ہو گزرے ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوئے ان کی تاریخ ولادت میں اختلاف۔ تاریخ وفات میں اختلاف۔ جناب پیغمبر خدا صلعم سے بڑھ کر بھی کوئی ہو گا وہ خود عدنان تک تو اپنے نسب نامے کو تحقیق فرماتے ہیں اس سے اوپر کو مشتبہ عمارتوں میں قدامت اور استحکام اور ساخت کے اعتبار سے ساری دنیا میں اول درجے پر اہرام مصر جو لوگ قدامت کی تحقیق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اینٹی کوارین کہلاتے ہیں[۱] - وہ تحقیق نہیں بتا سکتے کہ یہ اہرام مصر کس نے بنائے کس زمانے میں بنائے اور کس غرض سے بنائے۔

ان باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر دیکھو تو تاریخ ایک بڑا وسیع علم ہے جس میں دنیا کے واقعات جزو کل سے بحث کی جاتی ہے۔ تاریخیں طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ کوئی مورخ صرف پیغمبروں کو لیتا ہے کوئی بادشاہوں کو کوئی اقوام کو کوئی عمارات کو کوئی مذاہب کو کوئی تجارت کو کوئی حرفت اور صنعت کو۔ پھر جو مورخ مثلاً بادشاہوں کو لیتا ہے کوئی ان کے ذاتی حالات لکھتا ہے کوئی ان کی فتوحات کوئی ان کے انتظامات

---

[۱] جو لوگ قدیم زمانے کی چیزوں کی تحقیقات کیا کرتے ہیں ان کو انگریزی میں اینٹی کوارین کہتے ہیں۔ ۱۲

کوئی ان کی شان وشوکت کوئی ان کے سازوسامان۔ مگر کسی طرح کا مورخ ہو اُس کو اپنے موضوع کے قلمبند کرنے میں بڑی مدد ملتی ہو۔ عمارتوں سے۔ سکوں سے۔ کتبوں سے۔ ہتھیاروں سے بتوں سے۔ تصویروں سے۔ باسنوں سے۔ اینٹوں سے کہ اس قسم کی چیزیں زبان حال سے تاریخی واقعات کا اظہار کرتی ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے لارڈ کرزن نے اس مضمون کو ایک جماعت کے سامنے اس طرح بیان کیا۔

Much of ancient history, even in an age of great discoveries, still remains mere guess work. It is only slowly being pieced together by the efforts of scholars and by the outcome of research.

But the clues are lying every where at our hand, in buried cities, in undeciphered inscriptions, in casual coins, in crumbling pillars, and pencilled slabs of stone. They supply the data by which we may reconstruct the annals of the past, and recall to life the morality, the literature, the politics, the art of a perished age.

حدیث بھی اگر سچ پوچھو تو تاریخ ہو مگر ایک خاص قسم کی یعنی مذہبی اور اس میں خاص کر جناب پیغمبر خدا صلعم کے ہر طرح کے حالات منضبط کیے جاتے ہیں لیکن اس کے جمع کرنے میں ایک بڑی مشکل یہ ہو کہ زبانی باتوں کو ان کی حد تک پہنچانا پڑتا ہو یعنی حدیث میں یہ دکھانا پڑتا ہو کہ پیغمبر صاحب نے کیا فرمایا اور کیا کیا اور کیا کسی کو کہتے سُنا یا کرتے دیکھا۔ پھر سب سے بڑی مشکل جو مدوّنین حدیث میں پیش آئی یہ تھی کہ اس کے جمع کرنے کا سب سے پہلا خیال پیغمبر صاحب کی وفات کے ڈیڑھ سو برس بعد پیدا ہوا۔ یعنی ڈیڑھ سو برس بعد سے اس کی تحقیقات شروع ہوئی کہ پیغمبر صاحب نے یہ فرمایا یا کیا تھا پھر مشکل اندر مشکل ست و مشکل اندر مشکل بست۔ حدیثوں کے جمع کرنے والے وہ لوگ تھے جنھوں نے پیغمبر صاحب کے ادب کو عبادت کی سرحد تک پہنچا دیا تھا

وہ وعید مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ[1] سنے ہوئے تھے اور نہ صرف سُنے ہوئے تھے بلکہ ان کو کامل یقین تھا کہ پیغمبر صاحب کی طرف کوئی قول یا فعل جو انھوں نے نہیں کہا یا نہیں کیا منسوب کرنا ابد الآباد کے لیے جہنم میں جانے کے لیے بس کرتا ہے۔ جامعانِ حدیث کے سوا کسی زمانے اور کسی ملک میں کوئی مورخ ایسا نہیں ہوا جس نے ان کی طرح احتیاط اور صداقت کو اپنے اوپر لازم کیا ہو۔ امام بخاریؒ کی یہ حکایت مشہور ہے کہ انھوں نے رطب و یابس صحیح و ضعیف لاکھوں حدیثیں جمع کیں اور جو حدیثیں وہ اختیار کرنے والے تھے ان کے لیے انھوں نے ایسی سخت شرطیں قرار دیں کہ چھنٹ چھنٹا کر لاکھوں میں سے یہ رہ گئیں جو ان کی کتاب اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ صحیح بخاری میں ہیں اور جن کی تعداد بحذف مکررات تین ہزار کو بھی نہیں پہنچتی۔ اُن شرائط کے علاوہ جو امام بخاری نے انتخاب احادیث کے لیے قرار دی تھیں ایک عجیب نہایت عجیب شرط یہ تھی کہ جب وہ کسی حدیث کا اختیار کرنا ٹھان لیتے تو غسل کرکے دو رکعت نمازِ نفل پڑھتے اور گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے دعا کرتے کہ الٰہی اگر اس حدیث میں جس کو میں اپنی کتاب میں درج کرنا چاہتا ہوں میری قرار دی ہوئی شرطوں کے مطابق کچھ بھی ضعف ہو تو میرے دل میں القا کر کہ میں اس کے لینے پر اقدام نہ کروں اور یہ سب کچھ پیغمبر صاحب کے مرقدِ مبارک کے سامنے ہوتا۔ اس کے بعد بھی اگر ان کے ارادے میں کسی طرح کا تزلزل راہ نہ پاتا تو خدا کا نام لے کر اس حدیث کو لکھ لیتے۔ دنیا میں کوئی تاریخ ایسے اہتمام اور ایسی احتیاط کے ساتھ لکھی گئی ہو؟ اس اہتمام اور اس احتیاط کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جتنی تاریخیں ہیں کسی ملک کی ہوں اور کسی زبان میں ہوں اُن کو صحیح بخاری کے ساتھ ایک الماری میں رکھنا راستی اور انصاف کا خون کر دینا ہوگا۔ امام بخاری کی سی احتیاط تو ہر ایک سے ہونی مشکل ہے مگر صداقت کی طرف سے اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے تو سبھی نے جس سے جتنی بن پڑی احتیاط کی جب کہ دوسرے مورخ احتیاط کے پاس بھی ہو کر نہیں پھٹکتے۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ میں اکثر

---

[1] جو شخص دیدہ و دانستہ مجھ پر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔ ۱۲

مورخ بادہوائی سنی سنائی نقل درنقل کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر جن حدیثوں کو کسی ایک محدث مثلاً امام بخاری نے رد کردیا یعنی نہیں لیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس حدیث کو انھوں نے غلط سمجھا۔ نہیں اُن کے رد کردینے اور چھوڑ دینے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اُن کی ٹھیرائی ہوئی شرطوں میں پوری نہیں اُتری نہ یہ کہ وہ حدیث غلط ہو کاہش اور تفتیش اور تلاش اور تحقیق کا تو کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس پر بھی ایک بات کا پتہ نہ چل سکے اور اس کے پتے کا چلانا مرور زمانہ کی وجہ سے محال ہو گیا ہو اور وہ بات بھی زبانی روایت ہو جس کی کوئی اس وقت کی تحریری یادداشت نہیں تو اس کو جامع حدیث کیا کرے۔

مسلمان مصنفوں کی تصنیفات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے جس فن کی طرف توجہ کی اس کو تکمیل کے درجے تک پہنچا کر چھوڑا اور یہی وجہ ہے کہ متقدمین کی تصنیفات میں نئی باتوں کے بڑھانے کی بہت ہی کم گنجائش ہے جن علوم میں متقدمین تصنیفات کر گئے ہیں متاخرین نے اتنا تو کیا ہوگا کہ مطلب کی ترتیب بدل دی یا ادائے مطلب کا کوئی دوسرا پیرایہ اختیار کیا مگر متقدمین پر اضافہ نہیں کر سکے یا تو اضافے کی گنجائش نہ تھی جیسے قواعد صرف و نحو یا جو کچھ متقدمین لکھ گئے تھے متاخرین نے اس کو کارروائی کی قدر کافی سمجھا اور یوں ہمارے علوم ایک حد پر پہنچ کر ٹھہر سے گئے۔ ازبس کہ جمع حدیث کو لوگ ایک طرح کی عبادت سمجھتے تھے اس فن میں بھی لوگوں نے مختلف شانوں سے بکثرت تصنیفات کی ہیں بعض نے مطالب پر اپنی تصنیف کی بنیاد رکھی بعض نے الفاظ پر مثلاً ایک بزرگ نے احادیث اس طرح پر جمع کیا کہ جو حدیثیں لفظ اِنَّ سے شروع ہوتی ہیں اُن کا ایک باب قرار دیا۔ جن کی ابتدا اِنَّمَا سے ہے ان کا ایک۔ ظاہر ہے کہ اگر عبادت کا خیال اس زحمت کے اٹھانے کا باعث نہیں ہوا تو اور کون سا مفاد احادیث کی ایسی لفظی ترتیب پر مترتب ہو سکتا ہے لوگوں نے تو ارادہ کیا تھا کہ احادیث کے الفاظ تک سند بہم پہنچائی جائے۔ مگر قرآن کے سوائے کسی نثر کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ اس میں

ذرا سا بھی ردوبدل نہ ہوا ہو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[51] مجبوراً روایت بالمعنی پر قناعت کرنی پڑی۔

میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی بیان کرچکا ہوں کہ احادیث کی ترتیب پیغمبر صاحب کی وفات کے ڈیڑھ سو برس بعد سے شروع ہوئی۔ اس ڈیڑھ سو برس میں بھلا کچھ نہیں تو اوسط کے حساب سے کم سے کم پانچ نسلیں تو ہو گزری ہوں گی۔ اسی لئے جامع حدیث تک روایتیں اکثر چھ چھ سات سات وسائط سے پہنچی ہیں اور چونکہ غیر معمولی لمبی عمروں کے آدمی بہت تھوڑے ہوتے ہیں امام بخاری کو اپنی ثلاثیات پر یعنی ان احادیث پر جو امام کو صرف تین واسطوں سے پہنچیں بڑا فخر ہے۔ اس طرح پر جس نے پیغمبر صاحب سے جس قدر بعد حدیثیں جمع کیں اسی قدر اس کے وسائط زیادہ ہوتے گئے حدیث کی حقیقت سمجھنے کے لیے کوئی سی ایک مثال لو مثلاً اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[52] امام بخاری اعلیٰ سے حدیث کہتے ہیں۔ یعنی وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ جملہ پیغمبر صاحب کا فرمودہ ہے تو امام بخاری کو اپنے اس دعوے کا ثبوت دینا چاہیئے وہ یہ ثبوت دیتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ الف سے سنا انہوں اپنے شیخ ب سے انھوں نے ج سے انھوں نے د سے انھوں نے خود پیغمبر صاحب سے تو امام بخاری سے لے کر پیغمبر صاحب تک جتنے وسائط ہیں ان کی شہادت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے حدیث ہونے کا ثبوت ہوئی۔ مگر اصل میں ثبوت وہی ایک د کی شہادت ہے جس نے خود پیغمبر صاحب کو ایسا فرماتے سنا تھا۔ اور باقی وسائط کا بیان شہادت نہیں بلکہ شہادت علی الشہادت ہے تاکہ ہم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کو پیغمبر صاحب کا فرمودہ تسلیم کریں ضرور ہے کہ از امام بخاری تا د جتنے راوی ہیں سب ثقہ ہوں عدول ہوں قوی الحافظہ ہوں اور جس سے سننا بیان کرتے ہیں اس سے ملے بھی ہوں۔ یوں ضرورت

[51] بے شک ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں۔ ۱۲

[52] عملوں کا حسن اور قبح نیتوں پر موقوف ہے۔ ۱۲

داعی ہوئی کہ تمام احادیث کے تمام رواۃ کے حالات دریافت کئے جائیں اور روایت سو۔
دو سو۔ ہزار۔ دو ہزار نہیں لاکھوں۔ آج سالہا سال کے مرے ہوئے ایک شخص کے حالات
کا ٹھیک طور پر دریافت کرنا اور جوئے شیر کا لانا برابر ہو نہ کہ لاکھوں کا۔ مگر واہ رے اگلے
وقتوں کے مسلمانو! خدا تم کو تمہاری محنتوں کی جزائے خیر دے ان بزرگوں نے اسلام کی
خیر خواہی اسلام کی ہمدردی کے آگے ان مشکلات کی ذرا بھی تو پروانہ کی اور شخصی حالات
کے تفتیش کے دریائے ناپیدا کنار میں کود پڑے۔ اور موتی اور پوتھ جو کچھ ہاتھ لگا نکال لائے
یعنی اپنے رسول کے ملفوظات اور معمولات کی حفاظت کے لئے فن اَسْمَاءُ الرِّجَالُ وضع
کیا۔ اتنی کاوش اور اس قدر تحقیقات اور ایسی تفتیش و تلاش پر بھی احادیث کا ایک مجموعہ
مرتب ہوا جس میں اختلافات بھی ہیں اور اختلافات کا ہونا بجائے اس کے کہ فن حدیث کی
وقعت کو کم کرے۔ ایک منصف مزاج آدمی کی نظر میں اس کی قدر کو بہت زیادہ کرتا ہے۔ میری
عمر کا ایک اچھا معتد بہ حصہ نوکری کے ذریعے سے شہادت میں غور کرتے گزرا ہے اور جس نے
اکثر دیکھا ہو اور جس کو شہادت کا تجربہ ہو ضرور اس نے بھی دیکھا ہو گا کہ بعض اختلافات شہادت
کی صداقت کا زیادہ یقین دلاتے ہیں۔ ایک مجسٹریٹ گواہوں کو چھوٹی چھوٹی غیر ضروری
باتوں کا جواب دینے پر مجبور کرتا اور ایسی باتوں میں گواہوں کے اختلاف پر گواہی کو نامعقول
ٹھیراتا ایک بار پولیس نے جوئے کا ایک مقدمہ اس کے پاس چالان کیا مجسٹریٹ نے
گواہان صفائی سے پوچھنا شروع کیا کہ جس بالاخانے پر جوا پکڑا گیا اور تم کہتے ہو کہ گرفتاری
کے وقت ہم وہاں موجود تھے۔ اچھا تو اس کمرے میں کس رنگ کی دری کا فرش تھا
اور اس میں کتنی دھاریاں تھیں۔ کمرے کی چھت میں کڑیاں کتنی تھیں۔ یہ اس قسم کی باتیں
ہیں کہ گواہ واقع میں موجود بھی رہا ہو۔ تاہم ممکن ہے کہ اس نے دری کی دھاریاں اور چھت کی
کڑیاں نہ گنی ہوں مگر مجسٹریٹ نے ایسے ہی اختلافات پکڑ کر گواہی کو جھوٹا قرار دیا اور ملزموں
کو سزا دے دی۔ مقدمہ اپیل کورٹ پہنچا اور ججوں نے مجسٹریٹ کی خوب دھجیاں اڑائیں الغرض

وہ مورخ جو مختلف روایتوں کو ظاہر کرتا ہو جیسی اس کو پہنچیں اور جس ذریعے سے اس کو پہنچیں اس مورخ سے بدرجہا عزت کا مستحق ہو جو اختلاف کی پردہ داری کرتا ہو۔ مسلمانوں کے علمی کورس میں کہیں پانی مرتا ہو تو علم حدیث میں پانی مرتا ہو مگر مسلمانوں کا علم حدیث یعنی مسلمانوں کی مذہبی تاریخ جیسی کچھ بھی ہو روئے زمین پر کسی دوسری قوم کے پاس نہیں اور اس سے بہتر ہو بھی نہیں سکتی۔

میں نے اپنے زعم میں تا حدِ اطمینان یہ بات ثابت کر دکھائی ہو کہ مسلمان شروع سے تعلیم کی طرف متوجہ رہے اور تعلیم کا کورس جو انھوں نے وضع کیا جس زمانے میں وضع کیا اس زمانے کی حالت کے ٹھیک مناسب تھا اور اگر اس میں سقم تھا تو یہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے کورس کا سٹینڈرڈ یعنی درجہ یا معیار بہت اونچا رکھا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ بڑا مشکل کورس بنایا۔ اُن کی اصلی غرض قرآن کی تعلیم تھی اور قرآن کا حال یہ ہو کہ اصل مطلب کو پیش نظر رکھ کر پڑھو تو اس سے بڑھ کر کوئی کتاب آسان نہیں جس کے حق میں خود خدا نے فرمایا ہو وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ[۱۵] ظاہر ہو کہ قرآن کے مخاطب کافۃ الناس ہیں اور وہ عامہ خلائق کی ہدایت اور نصیحت کے لیے نازل ہوا اور تا وقتیکہ آسان اور عام فہم نہ ہو اُس سے کافۃ الناس اور عامہ خلائق مستفید نہیں ہو سکتے۔ تو جو قرآن کو مشکل سمجھے اُس نے غلط سمجھا اور جو قرآن میں لایعنی غیر ضروری منطقی یا کسی اور طرح کی کٹ حجتیاں پیش لا کر زبردستی اس کو مشکل بناتا ہے وہ خدا کے منشا کے خلاف کرتا ہے قرآن جس غرض سے نازل ہوا ہو کہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور دنیا میں امن و عافیت اور خوش حالی کے ساتھ رہنا سیکھیں۔ اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے تو قرآن کسی کے سمجھانے کا محتاج نہیں وہ خود اپنے سمجھانے کو کافی ہو اور یوں کا ہے کی کی طرح اس کے اصل مطلب [illegible] تو غرض رکھو نہیں اور

۱۵ اور ہم نے قرآن کو (لوگوں کے) نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا ہو تو کوئی ہو کہ نصیحت پکڑے

لکو کلّ امرٍ ذی بالٍ لم یبدأ بالحمد للّٰہ فھو ابتر کی بحث کرنے تو موجودہ تفاسیر بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ کیا معلوم آئندہ اصل غرض سے الگ ہو کر لوگ کیسے کیسے شبہات پیش لائیں گے اور ان کے دفع کرنے کے لیے کیا کیا سامان بہم پہنچانا پڑے گا۔ لوگو! خدا کو ایک سمجھو اُسی کی عبادت کرو اور ۵۱ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اور ۵۲ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا اور ۵۳ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا اور ۵۴ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ اور ۵۵ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اور ۵۶ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اور ۵۷ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ اور ۵۸ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ فَکُّ رَقَبَۃٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ یہ اور اسی طرح کے اور احکام قرآن میں بھی

---

۵۱ اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں (اُن کا بھی) ۱۲ ۵۲ انتظام ملک کے درست ہوئے پیچھے اُس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ ۱۲ ۵۳ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ ۱۲ ۵۴ (لوگو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ۱۲ ۵۵ زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر ۱۲ ۵۶ اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضے میں ہیں اُن سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ ۱۲ ۵۷ اور ہم نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (راہ خدا میں بھی کچھ) خرچ کرتے رہا کرو ۱۲ ۵۸ پھر (بھی انسان ان نعمتوں کے شکر میں) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری کیا مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم (کو خاص کر جب کہ وہ اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہیے تھا کہ اس گھاٹی میں ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ اُن لوگوں (کے زمرے) میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے ۱۲

بہت کچھ ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں کونسی بات تفسیر یا کسی کے سمجھانے کی محتاج ہو۔ نزول قرآن کی اصل غرض کو پیش نظر رکھ کر کسی ایک تفسیر کی طرف رجوع کرو تو پاؤ گے کہ ہم کو جس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہو وہ ہم تفسیر کی مدد کے بدون بھی قرآن کے لفظوں سے سمجھ سکتے تھے۔ غرض ہمارا تعلیمی کورس بنایا تو گیا قرآن کے سمجھانے کے لئے۔ مگر ہم اسی کورس میں الجھے رہے اور کورس کی الجھن نے قرآن کے سمجھنے کی نوبت نہ آنے دی کورس کا بجائے خود ایک انبار تھا اسی کا ڈھونا ہم کو مشکل پڑ گیا نتیجہ یہ ہوا اور ہونا ہی تھا کہ قرآن نے جو ولولے لوگوں کے دلوں میں پیدا کئے تھے وہ ٹھنڈے پڑتے پڑتے صرف نام کے مسلمان رہ گئے اس لئے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ عبداللہ یا عبدالرحمن نام رکھا گیا۔ بڑوں کو گوشت کھاتے ایک خاص طرح کا لباس پہنتے۔ ایک خاص طرح کی ظاہری وضع رکھتے دیکھا۔ وہی خوراک وہی پوشاک وہی وضع ہم نے بھی اختیار کر لی اور اپنے زعم میں مسلمان بن بیٹھے اور مسلمان کہے جانے لگے۔ خیر یہ نقص تو ہمارے تعلیمی کورس کی ذات میں تھا اور اگر وہی کیفیت باقی رہتی جس کے لئے وہ کورس موضوع تھا تو چنداں جائے شکایت نہ تھی۔ مگر زمانہ آہستہ آہستہ ایک بڑے خطرناک انقلاب کی طیاری کر رہا تھا وہ انقلاب ہونا تھا اور اپنے وقت پر ہو کر رہا اور اس نے ہمارے تعلیمی کورس کو تقویم پارینہ کی طرح بیکار کر دیا۔

دنیا کا عجب دستور دیکھنے میں آتا ہے کہ قوموں میں رات دن کی طرح ترقی اور تنزل کا ایک چکر سا بندھا ہوا ہے۔ صدق اللہ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ[1] تاریخ ہم کو دکھا رہی ہے کہ ایک قوم تقاضائے وقت کے مطابق ترقی کرتی چلی جا رہی ہے اس کی ترقی کے زمانے میں ابنائے جنس اور اقران و امثال پر برتری حاصل کرنے کے لئے جن جن صفتوں سے متصف ہونے کی ضرورت ہے اس قوم کے اکثر افراد اپنے میں ان صفتوں کے پیدا کرنے کی کوشش

[1] یہ اتفاقات وقت ہیں جو ہمارے حکم سے نوبت بہ نوبت (سب) لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔ ۱۲۰

میں لگے ہیں دیکھنے اور شمار کرنے میں الگ الگ آدمی ہیں اور الگ الگ اُن کے دل ہیں مگر چوں کہ وہ سب ایک ذہن اور ایک خیال کے ہیں گویا سب کنفسٍ واحدۃٍ ایک ہیں اور سب کا ایک دل ہے سب کے سب زمانے کی ہوا اور وقت کے سیلاب کے آگے آگے ہو لیے ہیں اور برسوں کی رفتار مہینوں میں مہینوں کی ہفتوں میں، ہفتوں کی دنوں میں دنوں کی گھنٹوں میں گھنٹوں کی منٹوں میں طے کر رہے ہیں۔ نیلوفر کے درخت کی نسبت سنا ہے یا شاید نیلوفر نہ ہو کوئی اور درخت ہوگا جو تالاب کی تہ میں بویا جاتا ہے تو اُس کا یہ خاصہ ہے کہ برسات کے دنوں میں جوں جوں پانی تالاب میں بڑھتا جاتا ہے۔ اُس درخت میں خدا نے اتنا نمو دیا ہے کہ اُس کی پھنگ پانی کے اوپر رہتی ہے تو جو قوم برسر ترقی ہوتی ہے یہی حال اُس کا ترقی کے زمانے میں ہوتا ہے کزرعٍ[1] اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یہاں تک کہ جب وہ قوم فی الجملہ ترقی کی اُس حد کو پہنچ چکتی ہے جو اُس کے لیے مقدر ہے خود بخود اُس میں تنزل کے اسباب پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دل ہی کچھ اور طرح کے ہو جاتے ہیں کہو سیدھی اور سمجھیں اُلٹی جفاکشی کے عوض اُن میں آرام طلبی آجاتی ہے کفایت شعاری کی جگہ اسراف۔ اُس جھاڑو کی طرح جس کا بندھن کھل کر سینکیں بکھر گئی ہوں اُس قوم کے افراد میں کسی طرح کا رابطہ باقی نہیں رہتا وہ زمانے کی ہوا اور وقت کے سیلاب کے آگے آگے ہو لینے کی عوض اُلٹے پھر کر زمانے اور وقت کا مقابلہ کرنے لگتے اور منہ کی کھاتے ہیں۔

اس تیرہ سو برس کے عرصے میں مسلمانوں کی ترقی کتابوں میں پڑھی اور تنزل اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مسلمان تو سلطنت پا کر عیش و آرام میں پڑ گئے اور اہل یورپ انگریزی مثال کے مطابق کہ نیسسٹی از دی مدر آف انونشن (ضرورت مادر ایجاد است) مسلمانوں کی فوجی قوت

[1] جیسے کھیتی کہ اُس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے (غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کر کے اپنی) اس سوئی کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی (یہاں تک کہ آخر کار کھیتی) اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے ۱۲۔

سے برسرِ آکر کسی دوسری قوت کے توڑ میں تھے چنانچہ جوئندہ یابندہ جن ڈھونڈا اُن پایاں
جس چیز کی ان کو جستجو تھی وہ ملی اور ملتی چلی جارہی ہو کچھ سمجھے وہ قوت کیا تھی۔ وہ قوت تھی سائنس
یعنی علوم ریاضی کی جن کی بدولت انھوں نے چیزوں کے نئے نئے خواص دریافت کیے
اور سینکڑوں اور ہزاروں قسم کی کلیں بنا ڈالیں۔ سائنس نے رفتہ رفتہ ایسا زور پکڑا کہ
پرانی قسم کی فوجی قوت کو بھی بے کار محض کر دیا۔ اب وہ غلام اور گیکر سنگھ کے داؤ پیچ آر
کی گاؤزوری کھٹکیتی چھپتی۔ بانک پٹہ بنوٹ۔ نیزہ بنیٹھی۔ توپ اور بندوق کے آگے کیا
کام دے جو ہزاروں قدم کے فاصلے سے ایک منٹ میں سینکڑوں فیر کرے۔ سائنس
تو دنیا میں اسی وقت سے ہو جب سے دنیا عدم سے ہستی میں آئی۔ آدمی سائنس کی مدد کے
بدون زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ جتنی چیزیں ہمارے کام آتی ہیں چھوٹی سے چھوٹی اور بھدی سے
سے بھدی یہاں تک کہ توا اور چکی اور پیالا اور قینچی او[illegible]ئی اور دیا[illegible] سب سائنس کی
ایجاد ہیں۔ جیسے جیسے دنیا میں آدمی کا قیام طول پکڑتا گیا اس کے قیام کے ساتھ ساتھ
سائنس کو اور سائنس کے ساتھ ساتھ سولزیشن کو ترقی ہوتی گئی۔ مسلمانوں کے عروج کے وقت
سائنس نے کچھ ایسا عروج پکڑا نہ تھا اور فوجی قوت کے مقابلے میں اس کا زور بہت گھٹا ہوا
تھا۔ پھر بھی سائنس کو شکایت کرنے کا موقع نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے وقت میں اس کی
طرف سے غفلت اور بے پروائی کی اگر سائنس ایسی شکایت کرے تو خلفائے عباسیہ کا عہد اس
کا منہ بند کرنے کو موجود ہوگا کہ اُن کے وقت میں سارا یونانی فلسفہ عربی میں ترجمہ ہوا اور بڑے
اہتمام سے اس کی اشاعت کی گئی۔ مگر جیسی شخصی حکومتیں تھیں ویسے ہی شوق تھے اور ایک
روکاوٹ بڑی یہ آکر پڑی تھی کہ یونانیوں نے اپنے فلسفے میں الٰہیات بھر رکھے تھے اور مسئلہ
اسلام کے تھے خلاف۔ اس سے کچھ مسلمان سائنس سے بدکنے اور کھنچنے سے رہے پھر تو
مسلمانوں کی سبھی باتوں میں تنزل شروع ہوگیا اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ ہم کو تو اپنے
تئیں ان مسلمانوں کے انتساب اور اخلاف اور وارث اور جانشین اور نسل کہتے ہوئے بھی شرم

آتی ہو مگر کیا کریں آنکھیں دیکھتی ہیں کان سنتے ہیں اور کتنا ہی دفع کرو خیال آہی جاتا ہو۔

پھر خیال آئے پیچھے دل نہیں مانتا اور تنزل کا سبب ڈھونڈنا پڑتا ہو۔ بڑے سوچ بچار کے بعد آخر کار یہی سمجھ میں آتا ہو کہ ہم بگڑے جہل اور علم بتر از جہل سے۔ جہل سے تو خیر جہل ہو رہا علم سو اس کو کسی صورت میں بتر از جہل ہونا چاہیے نہیں۔ اس کی نسبت تو یہ مشہور ہو کہ علم شی بہ از جہل مگر میں نے علم کو بتر از جہل اس اعتبار سے اور صرف اسی اعتبار سے کہا کہ جس علم پر ہمارا دینی یا دنیاوی کسی طرح کا فائدہ مترتب نہ ہو وہ ہوا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا۔ پھر بھی اس طرح کا علم جہل کے برابر ہوا۔ نہ بتر از جہل۔ ہاں ہاں وہ بتر از جہل اس سے ٹھیرا کہ اس علم نامفید نے ہمارا وقت ضائع کیا اور ہم کو دھوکے میں رکھا۔ اب مجھ کو یہ دکھانا ہو کہ ہمارا علم یعنی وہ علم جو ہم اس کورس سے حاصل کرتے ہیں جو ہم مسلمانوں میں رائج ہو دین و دنیا میں مفید نہیں سو دنیا میں اس کا نامفید ہونا تو اظہر من الشمس ہو اور اب ندوہ تک کے علما کا بھی اس پر اجماع ہو کہ ہم کو دنیاوی فائدوں کے احراز کے لیے اپنے کورس کے بدلنے کی ضرورت ہو مجھ کو ندوہ کے ساتھ ایک طرح کی ارادت ہو اور میں ندوہ کے اجماع کو اجماع امت اور مسلمانوں کے لیے شرعی حجت سمجھتا ہوں۔ مجھ کو جو ندوہ کے ساتھ اختلاف ہو وہ صرف اس بات میں ہو کہ میں دین کے اعتبار سے بھی اسلامی کورس کو ویسا ہی محتاج تبدیل و ترمیم سمجھتا ہوں جیسے دنیا کے اعتبار سے میں اس سے پہلے بشرح و بسط بیان کر چکا ہوں کہ یہ کورس نہایت نیک نیتی سے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی فائدوں کے لیے وضع ہوا اور ایک وقت خاص تک جو افسوس نہایت افسوس ہو اب نہیں رہا مسلمان اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے رہے مگر مسلمان ہندوستان کے یہاں سے سلطنت کا کچھ استمرار ہی نہ تو لکھ [illegible] شدہ تھی بلکہ دنیا سے پیغمبر اسلام جو رحمۃ للعالمین تھے ان کو بذریعہ [illegible] [illegible] [illegible] سے آگاہ کر گئے تھے مسلمانوں کی عروج کی مدت پوری ہو گئی

ف۱ سلطنت [illegible] شروع ہوا [illegible] [illegible] ۱۲

تو لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ[1] کے قاعدے کے مطابق وہ کورس سب نہیں تو اُس کا اکثر حصہ نہ صرف دنیا بلکہ دین کے اعتبار سے بھی تقویم پارینہ کی طرح بے کار ہو گیا ہم تو دین و دنیا کو ایک دوسرے کا عدو سمجھتے رہے مگر زوال سلطنت نے ہم کو بتا دیا کہ دین اور دنیا میں جسم و روح کا سا یا گل اور بو کا سا تعلق تھا کہ دنیا گئی تو دین کو بھی مردہ اور بے رونق کر گئی ؎

حسن صورت محض ہے رونق ہے سیرت کے بدون	جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کب ہوتے ہیں

دین کو جسد فرض کرو تو معتقدات اور عبادات اور معاملات اُس کے اعضائے رئیسہ تھے اُن میں سے عضو معاملات کو تو لقوہ مار گیا کہ معاملات پر سے شریعت کی حکومت اُٹھ گئی اب معاملات میں سے شریعت کے پاس رہ کیا گئے ہیں اگر اس کو رہنا سمجھا جائے نکاح طلاق میراث ۔ شفعہ الصلح خیر صلاح ۔ سو بھی حکم شریعت کا نافذ کرنے والا اور نہ صرف نافذ کرنے والا بلکہ اُس میں اپنی رائے لگانے والا حاکم وقت تو کیا اتنی سی اور ایسی برائے نام حکومت کے لیے اس قدر دور دور کو کندن دکا ہیر آور دن غرض اب لے دے کر دین میں کیا رہ گئے معتقدات اور عبادات ۔ اس کو ہم مانتے ہیں کہ اس جزو دین سے ہم کسی حالت میں مستغنی نہیں اور گورنمنٹ بھی اس میں دست انداز نہیں ہوتی ورنہ ہندوستان دار الحرب ہو جائے اور ہم سب کو دریا بند باندھ کر چار ناچار ہنگام کا رستہ لینا پڑے ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا[2] مگر سُن رکھو کہ یہ پیش

---

[1] ہر ایک قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے ۔ [2] جو لوگ (دار الحرب میں رہ کر) اپنے دین کی خرابی سے آپ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم (دار الحرب میں پڑے پڑے) کیا کرتے رہے ، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس ملک میں بے بس تھے (اس پر فرشتے ان سے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی (اتنی لمبی چوڑی)

گورنمنٹ ہی ایک مبارک گورنمنٹ ہے جس کو خدا نے نیوٹریلٹی اور امپارشیلیٹی کی توفیق دے رکھی ہے کہ انتظام ملک میں کسی مذہبی فریق کی طرفدار نہیں یہاں تک کہ اپنے ہم مذہب عیسائیوں کی بھی۔ ورنہ روئے زمین کے پردے پر کوئی گورنمنٹ نہیں جس کے یہاں مذہبی روک ٹوک نہ ہو۔ دوسری گورنمنٹوں کی کون کہے ہماری اسلامی گورنمنٹیں بھی جن کے قرآن میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [۱] کا حکم صاف و صریح موجود ہے کبھی کبھی مذہبی معاملات میں جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گئی ہیں۔ لیکن گو برٹش گورنمنٹ کسی طرح کسی مذہب میں دست انداز نہیں مگر وہ جزو مذہب جو تابع حکومت اور لازمۂ حکومت ہو اس کو کیسے چھوڑ سکتی ہے اس کو چھوڑنا تو حکومت سے دستبردار ہونا ہے الغرض دین اسلام کی حکومت سے معاملات کا جزو اعظم نکل کر اب رہ گیا ہے معتقدات اور عبادات۔ پس پہلی اصلاح و ترمیم یا تغیر و تبدیل جو مسلمانوں کے تعلیمی کورس میں کرنی ہے اس کو معتقدات اور عبادات میں محصور کرنا ہے لیکن اصلاح و ترمیم اور تغیر و تبدیل کا نام منہ سے نکالنا آسان ہے کوئی مرد میدان بن کر سامنے آئے اور کچھ دکھائے تو جانیں۔ اس وقت ندوے نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نظر میں بڑا اعتبار پیدا کر رکھا ہے اور حمایت اسلام اور رعایت اسلام اور وقایت اسلام اور کفایت اسلام اور غایت اسلام کے ناموں سے جا بجا بہت سی انجمنیں چل پڑی ہیں جن کو دین کے اعتبار سے ندوے کی ذریات کہنا چاہیئے اور کیا ندوے اور کیا انجمنیں سبھی تو پکار رہے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلیمی کورس دوسرا بننا چاہیئے مگر کسی نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰ - زمین (اس قدر) گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ تم اس میں (کسی طرف کو) ہجرت کر کے چلے جاتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے مگر (ہاں) جو مرد اور عورتیں اور بچے اس قدر بے بس ہیں کہ ان سے کوئی حیلہ کرتے نہیں بن پڑتا اور نہ ان کو (باہر نکل جانے کا) کوئی رستہ سوجھ پڑتا ہے تو امید ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے ۱۲ ۔ [۱] دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ۱۲

بنا کر بھی دکھایا اور چلا کر بھی دکھایا اس کو تو ہم چلنا سمجھتے نہیں کہ انجمن حمایت اسلام نے اُردو فارسی عربی انگریزی کی پہلی دوسری تیسری چوتھی پانچویں خدا جانے کس نمبر تک کی کتابیں بنوائیں اور اُن میں مذہبی باتیں بھر دیں اور ان کو حکماً اپنے مکتبوں میں رواج دے دیا۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں ان کے اندرونی مذہبی اختلافات کی وجہ سے اس کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی کہ ان کے لیے ایسا مذہبی کورس بنایا جائے جس کو سب فرقے تسلیم کریں اور اگر ایسا کورس بننا ممکن ہے تو وہ کورس صرف قرآن ہے کہ اُس میں کسی اسلامی فرقے کو چون وچرا کرنے کی مجال نہیں اور کرے تو وہ اسلام سے خارج ہے ہم کو اس سے بحث نہیں۔ الفاظ اور معانی دونوں کے اعتبار سے قرآن ہی میں سے عربی خواں مسلمانوں کے لیے ایسے کورس بنائے جا سکتے ہیں جو مبتدی سے لے کر منتہی تک کے کام کے ہوں۔ کورس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ آسان سے شروع کر کے محصل کو بتدریج رفتہ رفتہ اشکال کی طرف لاتے جاتے ہیں۔ قرآن بھی ادبی حیثیت سے اس مطلب کو بخوبی پورا کر سکتا ہے اس کی عبارت جہاں اکثر جگہ بہت سلیس بہت سہل ہے کہیں کہیں صرف و نحو اور معانی و بلاغت کے اعتبار سے مشکل اور زیادہ مشکل بھی ہے۔

مذہبی کورس تو کوئی کیا بدلے گا اور کیا بدل سکتا ہے سکولوں میں گلستان بوستان سکندر نامے کے انتخاب پڑھائے جاتے ہیں ان کو تو پسند کرتا ہی نہیں۔ میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ صرف عربی میں لکھا تھا مَا یُغْنِیْکَ فِی الصَّرْفِ میں نے اُس کو گورنمنٹ میں پیش کیا گورنمنٹ نے مولویوں سے جو سررشتہ تعلیم میں ملازم تھے پوچھا سب نے پسند کیا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ متقدمین کی کتابوں کو مسلمان بابرکت سمجھتے ہیں اور ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔

علیٰ ہذا القیاس مختلف اعتبارات سے آدمیوں کی مختلف حالتیں ہیں مثلاً عمر کے اعتبار سے آدمی ایک وقت بچہ ہوتا ہے پھر جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا۔ اور قرآن میں آدمی کی ہر ایک حالت سے مناسب الگ الگ باتیں ہیں۔ پس زیادہ ضرور یہ ہے کہ ہم آدمی کی عمر کے

تین حصے کرلیں۔ طفلی اور جوانی اور پیری اور تینوں عمروں کے لئے تین کورس ترتیب دے لیں قرآن میں جو جو مطلب جس عمر کے مناسب آتا جائے اس کو اسی کے کورس میں لکھتے جائیں تین کورس بن گئے اور کورس بھی بنے تو لاجواب ؎

نہ ور حرف او جائے انگشت کس

میرے نزدیک دنیوی تعلیم کے ساتھ اتنی ہی دینی تعلیم نبھ سکتی ہے اتنی ہی کی ضرورت ہے اور اتنی ہی بس کرتی ہے دنیوی تعلیم کا حال یہ ہے کہ ہنوز وہ ابتدائی حالت میں ہے اس پر بھی روز بروز اس کا پیچ کستا اور کڑا ہوتا چلا جاتا ہے۔ میری طالب علمی کے زمانے میں اور میری ایسی عمر ہی کون سی بہت آگئی ہے بڈھا ہوں فرتوت نہیں شیخ فانی نہیں یونیورسٹی کی ڈگریوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا ورنہ کہاں ایل ایل ڈی نہ ہی ایم۔ اے بھی نہ ہوتا۔ پھر یہ ڈگریاں نکلیں پھر مڈل کی قید لگی۔ پھر اب سنتے ہیں مڈل موقوف ہو کر کم سے کم انٹرنس پاس پھر چند روز کے بعد سن لینا کہ انٹرنس پاس کی بھی سند نہیں ایف اے۔ پھر کچھ دنوں بعد ایف۔ اے کی بھی پوچھ نہیں بی۔ اے اور اس کو ہوا ہی سمجھو۔ اچھا تو دنیوی تعلیم کی اس ابتدائی حالت میں مسلمانوں کا کیا حال ہے جو بچارے بی۔ اے پاس کرتے ہیں کوئی اس مصیبت کو ان ہی کے دل سے پوچھے ؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو		یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

میں نے کئی بی۔ اے ایسے دیکھے کہ انھوں نے چوں توں کرکے بی۔ اے تو پاس کیا مگر ہر چند ان کی تن درستی کی حفاظت کے لئے ان سے ڈنڈ بھی بجوائے ان کو دوڑایا بھی نچایا بھی کدایا بھی اور صبح و شام دن میں چار چار گھنٹے کھیل میں رگیدا۔ مگر خدا جانے دماغ پر کس قسم کا فشار پڑا ہے کہ ڈاکٹر کے پاس تن درستی کا سرٹیفکیٹ لینے جاتے ہیں تو صورت دیکھتے ہی آن فِٹ فار سروس بول اٹھتا ہے۔ اچھے نماز معاف کرانے گئے گلے روزے گلے پڑے۔ اور پھر یہ ان لوگوں کا حال ہے جنھوں نے اپنی تمام ہمت صرف دنیوی تعلیم

میں صرف کی وہی مولوی محمد حسین آزاد کا کہنا مصرع

	کیڑے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو	

دینی تعلیم کی کون کہے سو کر اُٹھا ہی تو بھول کر کلمہ تک نہیں بھرا۔ بھلا جس سے دنیوی تعلیم کا ایک گمدر اُٹھائے نہ اُٹھے اُس سے دینی اور دنیوی تعلیم کی جوڑی کے ہلانے کی کیا اُمید ہو سکتی ہی۔ پس اس بات کو خوب سمجھے رہو کہ قرآن سے بڑھ کر دینی تعلیم کا دُم چھلا دنیاوی تعلیم کے کنکوے کو ہرگز ہرگز نہیں اُبھرنے دیگا۔ اور ہم پیچ لڑاتے ہیں ان سے جنھوں نے وقت اور محنت اور دولت کی ڈور کے گولے کے گولے پلا پلا کر اپنے کنکووں کو آسمان کا تارا بنا دیا ہی۔ پس ایسا نہ ہو کہ حریف کی پارٹی کی طرف سے وہ کاٹا کا شور بلند ہو اور ہم ڈور اور کنکوے اور دم چھلے سب کو کھو بیٹھیں اور نقصان مایہ کے علاوہ شماتت ہمسایہ سے جھینپنا اور کھسیانا ہونا پڑے۔ میری تو دیانتاً قطعی دو ٹوک رائے ہی کہ مسلمانوں کو دین کے لحاظ سے قرآن صرف قرآن کی تلاوت طوطے کی طرح نہیں بلکہ مطلب سمجھ کر الفاظ قرآنی کے ذریعے سے ہو تو سبحان اللہ نور علیٰ نور ورنہ تراجم کے ذریعے سے لیکن سمجھ کر پڑھنی ہی ضروری ہے تو دیکھا ہر ایک مسلمان کا مرد ہو یا عورت پڑھنا لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو فرض اسلامی ہی کہ زیادہ نہیں تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے چوبیس منٹ کہ وقت کا ساٹھواں حصہ ہوا کلام الٰہی کے پڑھنے پڑھانے سننے سنانے کے لیے التزاماً خاص کر لے اور یارو اتنا بھی نہیں تو اسلام کے لیے چوڑے دعوے اپنے منہ میاں مٹھو نہیں تو کیا ہی۔ کسی کے دل میں ول نہیں ڈالا جاتا مگر ہ

ایمان کی کہیں گے ایمان ہو تو سب کچھ		قرآں ہو جان اپنی اور جان ہو تو سب کچھ

مسلمان کچھ بھی کریں قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں اور آخرت تو آخرت دنیا ہی میں اس کے نتیجے دیکھ لیں کہ انشاء اللہ وہی امپیریل وکٹوریہ کی بہتر سے بہتر رعایا ہونگے بہتر سے بہتر حاکم۔ بہتر سے بہتر محکوم۔ بہتر سے بہتر افسر۔ بہتر سے بہتر ماتحت۔ بہتر سے بہتر

ہمسائے بہتر سے بہتر زمیندار۔ بہتر سے بہتر کاشتکار۔ بہتر سے بہتر بائع۔ بہتر سے بہتر مشتری بہتر سے بہتر آقا۔ بہتر سے بہتر نوکر۔ بہتر سے بہتر باپ۔ بہتر سے بہتر بیٹے۔ بہتر سے بہتر خانہ دار۔ بہتر سے بہتر رب البیت اور میں نہیں جانتا کہ آدمی دنیا میں اس سے زیادہ اور کس بات کی تمنا کر سکتا ہے کہ وہ جس حالت میں ہو جس درجے کا ہو سوسائٹی کا بہتر سے بہتر ممبر ہو۔ الغرض آدمی کو بہتر سے بہتر آدمی بنانے کے لیے کہ یہی تعلیم کا اصلی اور اعلیٰ مقصد ہے قرآن کی تعلیم کافی اور وافی ہے خدا سب مسلمانوں کو قرآن کی تلاوت اور اس کے سمجھنے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

جیسی غلطی مسلمانوں سے دینی تعلیم کے بارے میں ہوئی اور ہو رہی ہے ویسی ہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بدتر غلطی ہم دنیوی تعلیم کے بارے میں کر رہے ہیں جو ہمارے کرنے سے نہیں بلکہ حقیقت میں گورنمنٹ کے کرنے سے دی جا رہی ہے اول تو ہم حق قدرہٖ اس کی قدر ہی نہیں کرتے اور پھر گورنمنٹ کیا کیا کرے تعلیم پر اتنا کچھ خرچ کرتی ہے تو یہ بھی اسی کا حوصلہ ہے آخر اس ملک میں ہندو بھی حکمراں رہے ہیں مسلمان بھی حکومت کر گئے ہیں کسی کو تعلیم کے بارے میں اس کا عشر عشیر بھی کرنا نصیب ہوا تھا۔ پھر یہ تعلیم ہے بھی کس مصرف کی۔ یہی نہ کہ کچہریوں میں نوکری کے ذریعے سے روٹی کمانے کے قابل ہو گئے۔ مگر ایک کا منہ تو کھانڈ سے بھی بھرا جا سکتا ہے۔ دس بیس کی تو چولھے کی راکھ سے بھی پوری نہیں پڑتی۔ یک انار و صد بیمار۔ نوکریاں دس بیس پچاس ان کے خواہاں ہزاروں تو ابھی سے لوگ اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے لگ گئے ہیں اور رجعت قہقری شروع ہو گئی ہے کہ تعلیم کی طرف سے بے دلی پھیلتی چلی جا رہی ہے پس قومی ترقی کے اعتبار سے تو اگر سچ پوچھو ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ گورنمنٹ سمجھتی ہے مگر کر نہیں سکتی ہم ابھی کر نہیں سکتے اور جو سمجھتے ہیں اُن کی کوئی سنتا نہیں۔ اور گستاخی معاف سمجھنے والوں کو سمجھانے کا سلیقہ بھی نہیں جیسے کوئی اُنگلی میں لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا چاہتے۔ سمجھنے سمجھانے والوں میں ایک میں ہوں وہی ہے

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی	کہ یوردانی ست باد سجان و باد سجاں ست بوردانی

مجھ کو بھی اب تین تین چار چار برس سے سوجھی ہو کہ قرآن ہی نے مسلمانوں کو ٹھیک کیا تھا اور اب بھی یہ ٹھیک ہوں گے تو قرآن ہی سے ٹھیک ہوں گے۔ تو بھائیو! ہر کسے مصلحت خویش نکو مے داند۔ اپنا نفع و نقصان تم آپ خوب سمجھتے ہو اور اب نہیں سمجھتے تو آگے چل کر سمجھوگے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنَ الْمُؤَدِّبِيْنَ[1] زمانہ تم کو سمجھا دے گا۔ میرے کہنے سے میری خاطر سے اپنے اوپر رحم اور مجھ پر احسان کرکے ایک تدبیر اشاعت قرآن کی بھی کرکے دیکھو ہزاروں وعظ لاکھوں لکچر ایک طرف اور قرآن کریم ایک طرف۔ اس پر بھی اگر کوئی بھائی وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2] میں داخل ہونا چاہیے اور اس کو ہمارے پہلے کورس کے ذریعے سے قرآن کا کمال تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھنا منظور ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد مگر میں اُن بزرگ کی خدمت میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ کورس کے پڑھنے میں جو اُن کا وقت صرف ہو یعنی اپنی عمر بھر کے لیے اپنی معاش کا ایسا بندوبست کر لیجئے گا کہ غریب مسلمانوں پر آپ کا بوجھ نہ پڑے ان مصیبت کے ماروں کو اپنے ہی اہل و عیال کے پیٹ کا پالنا مشکل ہو گیا ہے یہ خدائی لشکر کی رسد کے کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتے مسلمانوں کی طرح ہندو بھی دینی و دنیاوی تعلیم کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور وہ کر گزریں گے مگر ان کے پاس دولت بہت ہے اور دولت کے علاوہ ان کے یہاں مذہبی گروہ کی معاش کا پکا بندوبست ہے ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی نسلوں کی معاش کا بر اہ پیش بینی اچھا معقول قابل اطمینان بندوبست کر دیا ہے کہ کوئی ہندو بے اس کے کہ اپنے مذہبی پیشوا برہمن اور پروہت کو آئے دن دیتا رہے۔ زندگی کر نہیں سکتا۔ لیکن اسلام نے کسی پیشوا پروہت کا ایسا استحقاق تسلیم

[1] زمانہ سب سے بہتر ادب سکھا دیا کرتا ہے ۱۲ [2] اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام (کرنے) کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور (آخرت میں) ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے

نہیں کیا - جاہل لوگ اپنے طور پر قاضی سے نکاح پڑھوا لیا کرتے تھے اب کوئی قاضی کو بھی نہیں پوچھتا تو جب تک پرانے کورس کے پڑھنے والے مولویوں کی گزر اوقات کا انتظام نہ ہو پرانے کورس کی طرف عموم دعوت اس قدر دوسرے مسلمانوں کے حق میں مضر نہیں ہوگی جس قدر خود مولویوں کو نقصان پہنچائے گی - ابھی تک بھی یہ لوگ در بدر گداگری کرتے ہیں اور یہی لیل و نہار ہے تو ان کے ہاتھوں میں بھیک کا ٹھیکرا ہوگا اور دوکان دکان اور گھر گھر مانگتے پھریں گے - خدا وہ دن مسلمانوں کو نہ دکھائے -

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

اُنتالیسواں لیکچر

جو

محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سولھویں سالانہ جلسے بمقام ریاست رام پور دسمبر ۱۹۰۰ء

میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُعا

الٰہی دے مسلمانوں کو توفیق مسلمانی	کہ پھر آجائے کشتِ مردۂ اسلام میں پانی
دلوں میں ان کے اپنی مہر سے ایسا تصرف کر	وہی جیسا کیا تھا وقتِ قرنِ اول و ثانی

پارسال ان ہی دنوں کلکتے کی کانفرنس میں بھی میں نے اپنا لیکچر نظم سے شروع کیا تھا۔ میں اسی طرح کے مجامع میں پکارے کہہ دیتا ہوں کہ میں شاعر نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اِلٰی سَاعَتِنَا

ملہ اس وقت تک ۱۲۰

ہاں کوئی تخلص بھی اپنے لیے نامزد نہیں کیا۔ نہ مجکو شعرگوئی کا شوق ہو اور نہ سلیقہ گروہ جو کہتے ہیں کہ
رانڈ تو بہتیر ابیٹھنا چاہتی ہو مگر رنڈوے نہیں بیٹھنے دیتے۔ جب جب کوئی صاحب مجھے لکچر دینے
کے لیے بلاتے ہیں اور بلانے والے تو بہت ہیں۔ اِس لیے کہ انجمنوں اور سالانہ جلسوں اور
لکچروں کا تو ڑبہ کھل پڑا ہو مگر میں اپنے لکچروں کی ہوا نہیں اُکھڑنے دیتا کہ گلیوں گلیوں کام ٹہیسی
کام ٹہیسی پکارتا پڑا پھروں۔ گنتی کے چند مقامات ہیں جن میں چار و نا چار شریک ہونا پڑتا ہو۔
اُن میں سب سے زیادہ سخت گیر اور شدید التقاضی یہ کانفرنس ہو ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست	می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

غرض جب جب کوئی صاحب لکچر دینے کے لیے بُلاتے ہیں اُدہر اکر نظم کی فرمایش ضرور
کرتے ہیں۔ خدا جانے ان کو شاعری کا مُونہہ چڑھانے میں کیا مزہ ملتا ہو۔ اگرچہ دوستوں کے
جبر سے میں نظم کہہ کر لاتا ہوں لیکن ؎

راست می گویم و یزدان نہ پسند و جز راست	حرف ناراست سرودن نہ شیاہ من ست

میری طبیعت نظم کی طرف سے ہرگز صاف نہیں اور میں اس مشغلے کو صمیم قلب سے ناپسند
کرتا ہوں۔ بدو وجہ۔ اول تو شاعری کی مذمت قرآن میں پڑھنے سے دل کھٹا ہو گیا ہو وَالشُّعَرَاءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيمُونَ ۔ وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ
اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وَّانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا
وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُونَ دوسرے یہی وہ شعر و سخن کا مذاق روہی ہو۔

۱۵ اور جیسا کہ کافر خیال کرتے ہیں پیغمبر شاعر بھی نہیں کیوں کہ) شاعر (خود گم راہ ہوتے ہیں اور گم راہی کی تعلیم کرتے ہیں اور
اُن کی پیروی (بھی) گم راہ (ہی) کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ
خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے
۵۲ مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے اور (اپنے اشعار میں) کثرت سے خدا کا ذکر
کیا اور کسی کی ہجو بھی کی تو بیٹے خود) اُن پر ظلم ہو لیا ہو اس کے بعد اُنہوں نے (دو اجبی) بدلہ لیا (تو ایسی شاعری

جس نے قوم کا ستیاناس کیا ہے۔ لوگ جھوٹ اور مبالغے اور خیالات بے اصل۔ اور گندے مضامین اور لفاظی میں مصروف اور منہمک ہو کر واقعات نفس الامری کی تفتیش و تلاش سے بے فکر ہو بیٹھے۔ وہی جیسا اس عاجز نے سیدا احمد خاں مرحوم کے مرثیے میں لکھا۔ ٥

رہے مصروف ہم تو سب یہ باتیں بنانے میں	کہ یورپ ہم سے آگے ہو گیا خدائی کارخانے میں
یہ ہم سے بھی گئے گزرے ہیں جو تھے اک زمانے میں	پر اب دنیا کی دولت پھٹ پڑی ان کے خزانے میں

خدا ہی نے کچھ ان کو رازدار اپنا بنایا ہے
کہ ان کی قوم نے کچھ کار رستہ دیکھ پایا ہے

اگرچہ مولوی الطاف حسین حالی کی دیکھا دیکھی ایشیائی شاعری کی شان تہذیب کے ٹھکانے پر آتی جاتی ہے لیکن ہماری عاشق مزاج قوم سے اس ہڑک کا چھوٹنا ہے مشکل اور دیر طلب چوری چوری سے جاتا ہے مگر ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تو جس طرح جلائیں کا خول چڑھا کر کونین کی کڑواہٹ کو دبایا جاتا ہے۔ یا جس طرح یونانی حکیم ہر نسخے کے ساتھ شربت یا خمیرے کا بدرقہ لگا دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی اپنے زعم میں نصیحت کی کوئی بات نظم کے پیرائے میں کہہ گزرتا ہوں۔ میری شاعری کیا ہے نظم کی ریوڑیوں سے بچوں کا بہلانا ہے۔ غرض پار سال ان ہی دنوں کلکتے کی کانفرنس میں بھی میں نے اپنا لکچر نظم سے شروع کیا تھا اور اُس کا آغاز بھی قریب قریب ایسے ہی مطلب سے تھا جو ان دعائیہ دو شعروں کا ہے۔ چنانچہ اس نظم کے شروع کے چند شعر یہ تھے ٥

عزیزو! سمجھتے ہو اسلام کیا ہے؟	وہ شے جس کا اسلام ہے نام کیا ہے؟
جو اس رمز کو سمجھیں وہ کم ہیں	ولیکن بحمد اللہ ایک ان میں ہم ہیں
ادھر آؤ! تم کو مسلماں بنائیں	تمہیں دین و مذہب کی غایت بتائیں

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۸ - کا مضائقہ نہیں - اور جنہوں نے لوگوں پر ظلم کیے ہیں (مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہو) ان کو اس بے پرواہی سے قریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے ۱۱

؎ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

دوسری جگہ دسویں پارے کی سورہ انفال میں ہے ؎ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ کسی کو لڑائی کی سیر دیکھنی ہو تو اُس کو چاہیے کہ عرب کی تاریخ پڑھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو لڑائی کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا عرب جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

؎ وَمَنْ تَكُنِ الْحَضَارَةُ أَعْجَبَتْهُ	فَأَيَّ رِجَالِ بَادِيَةٍ تَرَانَا
وَمَنْ رَبَطَ الْجِحَاشَ فَإِنَّ فِينَا	قَنًا سُلُبًا وَأَفْرَاسًا حِسَانَا
وَكُنَّ إِذَا أَغَرْنَ عَلَى جَنَابٍ	وَأَعْوَزَهُنَّ نَهْبٌ حَيْثُ كَانَا
أَغَرْنَ مِنَ الضِّبَابِ عَلَى حُلُولٍ	وَضَبَّةَ إِنَّهُ مَنْ حَانَ حَانَا
وَأَحْيَانًا عَلَى بَكْرٍ أَخِينَا	إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

؎ مسلمانو اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام ہی پر مرنا ۔ اور سب (مل کر) مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسی کو پکڑے رہو ۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے (یعنے دوزخ) کے کنارے (آ لگے) تھے ۔ پھر اُس نے تم کو اُس سے بچا لیا اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ ۱۲ ؎ (اے پیغمبر) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی ۔ بے شک وہ زبردست (اور) صاحب تدبیر ہے ۱۲ ؎ شاعر شہر والوں کے مقابلے میں اپنے دیہاتی ہونے پر فخر کرتا ہے کہ شہری لوگ گدھوں کو پالتے ہیں اور ہم عمدہ گھوڑوں کو علاوہ بریں

یہ غایت ہی پہچان خالی بھرے کی ۔ یہ غایت کسوٹی ہی کھوٹے کھرے کی

بعد کو میں نے سُنا کہ مسلمانوں کو خطاب کرکے میرا یہ کہنا کہ ادہر آؤ تم کو مسلمان بنائیں - بعض صاحبوں کو ناگوار گزرا وہ سمجھے کہ لکچرار ہم کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ تب ہی تو ہم کو مسلمان بنانے کے لیئے بلاتا ہی - بجائے اس کے کہ میں اس اعتراض کو سُن کر ناخوش ہوتا جیسا کہ قاعدہ ہی میں نے اس کو بھی اُس الزام کے شواہد میں داخل کیا کہ مُسلمان قرآن کی ویسی اور وتنی خبر نہیں رکھتے جیسی اور جتنی اُن کو رکھنی چاہیئے - خبر رکھتے ہوتے تو قرآن کے چھٹے پارے سے ذرا پہلے سورۂ نسا میں اپنے اعتراض کا شافی جواب پاتے جہاں فرماتے ہیں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۱؎ مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسلمانو اللہ پر اُس کے رسول (محمدؐ) پر اور اُس کی کتاب (قرآن) پر جو اُس نے اپنے رسول (محمدؐ) پر اُتاری ہی اور اس کتاب پر جو اُس نے (قرآن سے) پہلے اُتاری ایمان لاؤ اور مسلمانوں کو بلانا کہ آؤ تم کو مسلمان بنائیں ہیں تو دونوں باتوں میں کچھ بھی فرق نہیں سمجھتا - اور یہی سمجھ کر میں نے دعا کا بھی یہ پیرایہ اختیار کیا ہی ۞

عرب کے دو قبیلے اوس و خزرج کتنی مدت تک لڑا کی جب اُنھیں اسلام نے پلٹی اُخوت کی ۔ رہے ایک دوسرے کے تشنۂ خوں دشمن جانی تمامی رنجشیں تھیں دہیں دیوار بیابانی

یہ مضمون بھی میں نے قرآن سے لیا ہی - اوس و خزرج کے نام کی صراحت تو نہیں ہی مگر قرآن میں دو جگہ انہی دو قبیلوں کی جنگ و صلح کی طرف اشارہ ہی - ایک جگہ چوتھے پارے کی سورۂ آل عمران میں یہ آیت ہی -

۱؎ مسلمانو اللہ پر ایمان لاؤ اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول (محمدؐ) پر اُتاری ہی اور اُن کتابوں پر جو (قرآن سے) پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) اُتاریں اور جو شخص اللہ کا منکر ہو اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور روز آخرت کا تو وہ (راہ راست سے) بڑی دور بہک گیا -

اور لڑائیاں بھی اس بلا کی لڑائیاں کہ جب تک دو مخالف فریقوں میں ایک فریق اپنے اعوان و انصار سمیت بالکل ملیامیٹ نہیں ہو لیا لڑائی ختم نہیں ہوئی - اس میں چار چار پانچ پانچ پشتیں کھپتی چلی جاتی تھیں - اب یہی اُوس و خزرج کی لڑائی ایک سو بیس برس جاری رہی شروع سے آخر تک اس کے تفصیلی حالات کا بیان کرنا بہت وقت چاہتا ہے مگر میں اس کے ضمن میں مسلمانوں کو خاص کر سورۂ آل عمران کی اُس آیت کی طرف جس سے میں نے استشہاد کیا ہے پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اُس میں لَا تَفَرَّقُوْا کے صاف لفظوں میں پھوٹ کی ممانعت ہے - باایں ہمہ یہ کیا کم افسوس کی بات ہے کہ جو مذہب اُن کو مجتمع رہنے کی ہدایت کرتا ہے اسی کو مسلمانوں نے تفرقہ اندازی بنا رکھا ہے - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

عناصر جو تھے ضد یک دگر از ہم جدا ہو کر
بظاہر منفرد ہیں دست و پا و چشم و سر لیکن
اگر اک رونگٹا بھی مبتلائے درد ہوتا ہے

بنے قومی جسد کے واسطے اعضائے جسمانی
تمام اعضا میں ہے اک اندرونی ربط پنہانی
تو ہے سارے بدن کو بے قراری اور پریشانی

یہ وہی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا مضمون ہے ٥

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

شیخ سعدی تمام بنی آدم کو اعضائے یک دگر قرار دیتے ہیں اور انھوں نے یوں سمجھا ہے کہ جتنے آدمی روئے زمین پر آباد ہیں کسی ملک کسی مذہب کسی قوم کے ہوں سب مل کر ایک جسم ہیں اور زید و عمرو و بکر خالد و ولید اُس کے اعضا ہیں اور اسی کے اعتبار سے یہ بھی ایک اعلیٰ

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ - ہم فلاں فلاں قبائل کو ہمیشہ لوٹ مار کرتے رہتے ہیں - پھر آخر میں کہتا ہے کہ اگر ہم کو دوسرے قبائل لوٹنے کو نہیں ملتے تو ہم بنی بکر اپنے بھائیوں کو بھی نہیں بخشتے ۱۲ (یعنی ہم تو اللہ ہی کے ہیں نہ ہم کو جس حال میں چاہے رکھے) اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۱۲

درجے کا خیال ہے۔ مگر اس سے بھی اعلیٰ تر اُن لوگوں کا خیال ہے جو ساری دنیا کو ایک دیہ بدن مان کر حیوانات اور نباتات کو بھی جزو بدن سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوؤں کے بعض فرقوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جیو کا ستانا اور دکھی کرنا تو درکنار رہے روکھ کا پتہ تک نہیں توڑتے۔ بعض نے تو ہمدردی کے پیچ کو اتنا کسا کہ آپ اپنے تئیں ستانے لگے۔ حالاں کہ اس عام قاعدے کی رو سے جس کو انھوں نے اپنا دستور العمل بنایا تھا ان کو ایسا نہیں کرنا تھا۔ مگر خیر ہم کو اس سے بحث نہیں۔ ہمدردی میں لہر کی طرح تعدد کی خاصیت ہے۔ گھر سے شروع ہو کر پڑوس اور محلہ اور خاندان اور برادری اور شہر اور ملک اور آخر کار مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ ابھی پچھلے برسوں کے قحط میں اہلِ یورپ اور اہلِ امریکا نے باوجود نا مجانستی جیسی کچھ امداد و ہمدردی ہندوستان کے ساتھ کی اس کے ہم سب شکر گزار ہیں اور کیا ہے تو منہ تک بات آئی ہوئی کہنی ہی پڑتی ہے۔ ہم نے بھی ٹرانسوال کے معاملے میں کچھ کمی نہیں کی حالاں کہ ہم خود قحط اور طاعون کے چند در چند مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک ہمدردی کی توسیع تو بڑے حوصلے والوں کا کام ہے۔ مگر میں افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کے دل کچھ ایسے سُن ہو گئے ہیں کہ یگانگی گھٹتے گھٹتے برائے نام یوں ہی سی باقی رہ گئی ہے۔ ۵۰

شنیدم کہ مردان راہِ خدا	دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام	کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ
ولیکن ہم کو قوم و قومیت سے نسبت کیا	مسلماں گو رہیں ہیں اور کتابوں میں مسلمانی
یہ نااتفاقی جو مسلمانوں میں واقع ہے	انہیں اک قوم کہنا ہے سراسر جہل و نادانی
غرض ہوتی ہے کوئی مشترک تب قوم بنتی ہے	یہاں اغراض اگر ہیں بھی تو ہیں اہوائے نفسانی
لغت والوں نے انساں کو لکھا ہے انس کا مشتق	محبت ہے تقاضائے سرشت طبع انسانی
نہیں انساں پہ موقوف انس خلائق اکبر	اسی منہج پہ رکھی ہے اساس عالم فانی

تمام اجسام ارضی اور سماوی خلقؔ کیا ہیں؟	بس اک جا مجتمع ہیں چند اجزائے ہیولانی
اسی سے ہی ثباتِ بندشِ شیرازۂ دنیا	یہی ہے زندگانی اور یہی ہے روحِ حیوانی
بدن سے باد و خاک و آب و آتش کا جدا ہونا	اسی کا نام مرنا ہے بہ سختی یا بآسانی

۵۱ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

عناصر قوم کے ما و شما جب کشمکش میں ہوں	حیاتِ قوم کی کس طرح ممکن ہے نگہبانی
مسلمانوں کی بھی اک قوم تھی سو مٹ چکی کب کی	اب اُس کا ذکر کرنا بھی ہے گویا مرثیہ خوانی
پڑے ہیں بس کہ حالات اُن کے تاریخی کتابوں میں	مگر آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ شکلیں اُن کی نورانی
خدا رحمت کرے انسانِ کامل کے نمونے تھے	فضائل اُن کے ثابت ہیں بروئے نصِ قرآنی

نصِ قرآنی کا جس شعر میں حوالہ ہے وہ چھبیسویں پارے کی سورۃ الفتح کی آخری آیت ہے
۵۲ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔ اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی کئی جگہ اہلِ بیت اور اصحاب علیہم الرضوان کے

۵۱ (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔ ۱۲ ۵۲ محمد خدا کے بھیجے ہوئے (پیغمبر) ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں (تو اُن کی ایذاؤں سے بچنے کے لیے) بڑے سخت ہیں (مگر) آپس میں رحم دل (اے مخاطب) تو اُن کو دیکھے گا کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں اور (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں اور خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں۔ اُن کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گھٹے اُن کی پیشانیوں پر ہیں۔ یہی اوصاف اُن کے تورات میں (بھی مذکور) ہیں اور (یہی) اوصاف اُن کے انجیل میں ہیں (اور وہ روز بروز اس طرح ترقی کرتے جائیں گے) جیسے کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے اپنی) سوئی نکالی پھر اُس نے (غذا سے نباتی کو بڑھا اور موٹا

فضائل ہیں جو بطریق اختصار بھی ایک جلسے میں بیان نہیں ہو سکتے ہیں۔ تمثیلاً صرف دو بزرگوں کا حال بیان کروں گا وہ بھی فقط ایثار کے متعلق ورنہ جتنے تھے اسلام کے لیئے یا یوں کہو کہ قوم کے لیئے کسی کو جان و مال سے دریغ نہ تھا۔ کس کے سیر کو سوا سیر کا کہہ دیجئے۔ جنھوں نے زیادہ خدمتیں کی ہیں وہ زیادہ کر سکتے تھے اور زیادہ کرنے کے قابل تھے ۵

یہی سنتے ضعیفانِ قومی دل متفق ہو کر — ہوئے تھے چار وانگِ سطوتِ اسلام کے بانی
نہیں امکان کسی سے ہو سکے ایثار اُن کا سا — کیئے ہیں آپ فاقے بھائیوں کی کر کے مہمانی
جنابِ مرتضیٰ اک بار روزوں کے مہینے میں — طعامِ شب پہ بیٹھے تھے کہ آیا کوئی زندانی
پکارا یا علی بھوکا ہوں دلواؤ جو حاضر ہو — کھلا کر اُس کو بھوکے سو رہے با خندہ پیشانی
پھر ایسا ہی ہوا ہے دوسرے اور تیسرے دن بھی — یتیم آیا ہے یا مسکیں برائے لقمۂ نانی
کیئے شیرِ خدا نے تین فاقے متصل پیہم — اگرچہ ہی بہ گردد اور ہی تہ تھا رنتوانی

انتیسویں پارے کی سورۂ دہر میں ایک آیت ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا مفسرین نے جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اسی واقعے کو اس آیت کی شانِ نزول میں لکھا ہے میں اس محل پر اس بات کے ظاہر کر دینے کو ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جو قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ حتی الوسع اس کی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ بمعنی عین التفسیر ہو اور اسی غرض سے میں نے جا بجا اپنی طرف سے خطوط ہلالی میں محذوفات اور مقدرات کو کھول دیا ہے اور جہاں اتنے سے کام نہیں چلا وہاں فوائد لکھ دیئے ہیں مگر آیاتِ مدح و ذم کی شانِ نزول کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۴ سے جذب کر کے اپنی) اس (سوئی) کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی (یہاں تک کہ) آخر کار (کھیتی) اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور (اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے (اور خدا نے اُن کو روز افزوں ترقی) اس لیئے (دی ہے) کہ ان (کی ترقی) سے (ترسا ترسا کر) کافروں کو جلائے۔ ان میں جو (سچے دل سے) ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیئے ان سے خدا نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ۱۲

میں نے قصداً نہیں لکھا الا ماشاء اللہ کہ لوگ زیادہ تر ان حسنات یا سیئات کی طرف متوجہ ہوں جن کی وجہ سے کسی کی تعریف یا مذمت کی گئی ہو مثلاً اُسی اُنتیسویں پارے کی سورۂ قلم میں یہ آیت واقع ہو فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۔

سارے قرآن میں اس سے بڑھ کر کسی کی مذمت نہیں ۔ مذمت نہیں مذمتوں کی بوچھاڑ ہو اور تحقیق معلوم ہو کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ منافق کے حق میں نازل ہوئی ہو کہ وہ اسلام کا اور پیغمبر صاحب کا بڑا سخت دشمن تھا اور اس آیت کے آگے جو سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ کا وعید ہو وہ بھی اسی ولید کے حق میں پورا ہوا کہ بدر کی لڑائی میں اُس کی ناک پر زخم لگا ۔ قرآن میں تو خرطوم کا لفظ ہو جس کا ترجمہ ہماری بولی میں سونڈ ہو ۔ میں نے ناک ترجمہ کیا ہو اور میں اس کو محاسنِ ترجمہ میں سے سمجھتا ہوں الحمد للہ علیٰ ذالک ۔ تو میں نے ترکِ شانِ نزول میں یہ مصلحت سمجھی کہ ایسا نہ ہو مسلمان ولید کا نام معلوم کر کے ان سیئات پر نظر نہ کریں جن کی وجہ سے وہ معتوب ہوا ۔ اگرچہ مجکو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکایت میں وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا اتنے ہی ٹکڑے سے مطلب تھا ۔ مگر جس رکوع میں یہ آیت ہو سارے کا سارا مرصع ہو ۔ اُس میں سے ایک آیت کا جدا کر لینا ایسا ہی ہو جیسے جڑاؤ زیور میں سے ایک

۱۵ (اے پیغمبر کہیں) جھٹلانے والوں کے کہے میں نہ آجانا یہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم ملائم پڑو تو یہ بھی ملائم پڑیں اور تم کسی (ایسے نابکار) کے کہے میں بھی نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ہو (اور) آبرو باختہ ہو (لوگوں پر) آوازے کس کرتا ہو (ادھر کی اُدھر اُدھر کی ادھر) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو اچھے کاموں سے (لوگوں کو) روکتا رہتا ہو حد (بندگی) سے بڑھ گیا ہو ۔ بدہو ۔ اکھڑ ہو (اور) ان عیبوں کے علاوہ بد اصل بھی ہو جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس (بسبب) کہ مال اور (بہت سے) بیٹے رکھتا ہو بول اٹھتا ہو کہ یہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں ۔ ۱۲

تک اُکھاڑلیا جاتے۔ پس آؤ ہنس ملول ہی کیوں نہ ہوں میں تو سارا رکوع پڑھ کر رہوں گا بجک تجوید جس کو قرأت کہتے ہیں نہیں آتی مگر فہم معنی سے تجوید کی کمی کی تلافی کر لیتا ہوں هَلْ[1] أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا - إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا - إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا - إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا - إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا - عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا - يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا - وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا - إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا - إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا - فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا - وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا - مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا - وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا - وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا - قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا - وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا - عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا - وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا - وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا - عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ - وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا - إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا -

[1] بلا شبہ (ضرور) انسان پر (اس کے بڑے وسیع) زمانے سے ایک ایسا وقت (بھی) آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل مذکور نہ تھا ہم نے آدمی کو مرکب نطفے سے پیدا کیا (اور غرض یہ تھی) کہ اس (کی نیکی یا بدی) کو آزمائیں سو پھر ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (مخلوق) بنایا (پھر ہم نے) اس کو (دین کا) رستہ (بھی) دکھایا (پھر اب دو قسم کے آدمی ہیں) یا تو شکر گزار ہیں (یعنی مسلمان) یا نا شکر (یعنی کافر) ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور (دوزخ کی) دہکتی ہوئی آگ (یہ چیزیں) تیار کر رکھی ہیں بے شک جو (لوگ) نیکوکار (ہیں آخرت میں ایسی شراب کے) جام پئیں گے

سنی ہے حضرت صدیق اکبر کی یہ کیفیت | بہت خوش حال تھے اور مال کی بھی تھی فراوانی
ولے راہِ خدا میں خرچ کرتے کرتے آخر کو | بجائے تکمہ تھے ملبوس میں خارِ مغیلانی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۷ - جس میں کافور کے پانی) کی آمیزش ہوگی (اور کافور کے پانی کا ایک چشمہ (ہوگا) جس کا پانی اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے (اور جہاں چاہیں گے) اس (چشمے) کو بہالے جائیں گے یہ (وہ لوگ ہیں جو اپنی) منتیں پوری کرتے ہیں۔ اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت (عام سب طرف) پھیلی ہوئی ہوگی - اور خدا کی محبت کے سبب محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں (اور ان کو جتا بھی دیتے ہیں کہ) ہم تم کو صرف خدا کا موئنہ کر کے کھلاتے ہیں - ہم کو تم سے نہ (کچھ) بدلا درکار ہے اور نہ شکر گزاری ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگ رہا ہے جب لوگ (مارے رنج کے) موئنہ بنائے تیوری چڑھائے ہوں گے تو خدا نے (بھی) اس دن کی مصیبت سے ان کو بچا لیا اور ان کو تازہ روئی اور خوش وقتی سے لا ملایا اور جیسا انھوں نے (دنیا میں) صبر کیا تھا اس کے بدلے میں (رہنے کو) بہشت اور (پہننے کو) ریشمی پوشاک عنایت کی۔ بہشت میں تختوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے (موسم ایسے معتدل ہوں گے کہ) وہاں ان کو نہ (آفتاب کی) تپش معلوم ہوگی اور نہ (جاڑے کی) ٹھر اور درختوں کے سائے (ہیں کہ) ان پر جھکے پڑتے ہیں اور پھل (ہیں کہ ہر وقت) ان کے اختیار میں ہیں کہ (جس طرح چاہیں اور جب چاہیں توڑیں اور کھائیں) اور ان پر چاندی کے باسنوں اور آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا (اور وہ ایسے شفاف) ہوں گے (جیسے) شیشے (مگر شیشے (بھی کانچ کے نہیں بلکہ) چاندی کے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے ان کو ٹھیک (جنتیوں کی ضرورت کے) اندازے کے مطابق بنایا ہے اور (اس کے علاوہ) ان کو (ایسی شراب کے) جام (بھی) پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ (کے پانی) کی آمیزش ہوگی (اور) بہشت میں (سونٹھ کے پانی کا ایک) چشمہ ہوگا جس کا نام ہے سلسبیل اور جنتیوں کے پاس لڑکے (خدمت کے لیے) آتے جاتے ہوں گے کہ وہ ہمیشہ (لڑکے ہی) رہیں گے (اور ایسے خوب صورت ہوں گے کہ اے مخاطب) تو ان کو چلتے پھرتے دیکھے تو (یہ) خیال کرے (جیسے) موتی بکھرے ہوئے (ہیں) اور بہشت (کی مجموعی حالت) کو دیکھے تو (وہاں) تجھ کو (ہر طرح کی) نعمت اور بڑی سلطنت (کا ساز و سامان) دکھائی دے جنتیوں (پر) کپڑے ہوں گے سبز ریشمی باریک اور دبیز اور ان کو

غرض رنگیں برنگ صبغۃ اللہ سب کی وردی تھی — عقائد میں ارادوں ہمتوں میں سب کے یکسانی
ہمارے علم میں اُن کی ترقی کا یہی گر تھا — شجاعت اس کو سمجھو یا اسے تائید ربانی
ہر اک فرد بشر ان میں تھا اپنی قوم پہ قربان — سمجھ رکھا تھا حب القوم کو ایک جزو ایمانی

ان بزرگوں کے مبارک ہاتھوں سے سلطنتِ اسلامی کا قائم ہونا ہی ان کے اتحاد و یکدلی کا کافی ثبوت ہے آپس کی عداوت اور پھوٹ ایسی بدبلا ہے ؎

قدم نامبارک و مسعود — گر بدریا رود برآرد دود

مگر اس نے جمی جمائی سلطنت کو اُلٹ کر دیا نا اتفاقی کی صورت میں ممکن ہی نہ تھا کہ یہ لوگ نئی سلطنت قائم کر سکتے۔ ان میں اگر اختلاف تھے بھی تو اسی طرح کے تھے جیسے برٹش گورنمنٹ کے پولیٹیکل گروہوں میں ہیں کہ ایک کی مت دوسرے سے نہیں ملتی مگر باوجود اختلاف اصل مطلب سب کا ایک۔ سلطنت کی توسیع۔ سلطنت کا استحکام۔ سلطنت کا بہتر سے بہتر انتظام۔ مذہبی فرقوں کو ان پولیٹیکل فرقوں سے سبق لینا چاہیے کہ پولیٹیکل فرقوں کی طرح منزل مقصود ان کی بھی ایک ہے۔ صرف رستے الگ ہیں۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ؎ [۵۱]

مگر جب وخلل پایا قوم میں نا اتفاقی سے — گئی گزری ہوئی ساری جہانگیری جہانبانی
اب اُن باتوں کو کر کے یاد کیوں آزردہ خاطر ہوں — مقدر ہوتے سامنے کس لیے کھینچیں پشیمانی
تسلی کو دل غم دیدہ کی یہ نکتہ کیا کم ہے — کہ وہ بھی چھپا تھی برسات کی ہی آنی و جانی
مبارک ہیں وہ دل تسکین ہوتی ہے جنہیں اس سے — نہ ان کو فرحت بہبود ہے نہ رنج نقصانی

یہ رضا و تسلیم کا درجہ ہے اور برگزیدگان خدا کے لیے خاص ہے جیسا ستائیسویں پارے کی سورہ حدید میں فرمایا ہے [۵۲] مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۸ - چاندی کے کڑے پہنائے جائیں گے۔ اور اُن کا پروردگار اُن کو پاکیزہ شراب پلوائے گا (جنتیو) یہ ہے تمہارا بدلہ اور تمہاری (دنیاوی) کوشش (آج) مقبول ہوئی۔ ۱۲ ۔ [۵۱] ہر گروہ جو (عقیدہ) لیے بیٹھا ہوا تھا اسی میں مگن ہے۔ ۱۲ ۔ [۵۲] (لوگو) جتنی مصیبتیں (روئے) زمین پر نازل ہوتی ہیں اور (جو) خود تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب)

نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۔ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ۵

مگر ہم کس طرح سمجھائیں اپنے نیچری ل کو	ملی ہے جس کو اسباب و علل کی حق سے نگرانی
پڑا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جیسے	نہیں ہوتا ہے بے تدبیر اطمینان روحانی
دیئے ہیں دست و پا کوشش کو اور کسب معیشت کو	نہ بہر آں کہ مقعد بن کے بیٹھے سب کر دانی
جسے ہے تقویت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی	وہ کیوں لانے لگا دل میں خیال یاس حرمانی
یہ مانا بہہ گئے پانی وہ اسلامی سمندر کے	کہ جن کی وجہ سے تھی ہر قسمت میں طغیانی
محال عقل ہے اسلام میں اگلی سی رونق ہو	وہ عظمت پھر نہیں ہوتی وہ شوکت پھر نہیں آنی
مگر کچھ وال دلیا اب بھی ہو سکتا ہے محنت سے ۰	بلا سے گر مقدر میں نہیں ہے اسپنجہ بریانی
پر اس کے واسطے چندیں شرائط ہیں کہ بے ان کے	توقع کامیابی کی ہے ایک سے صرف حیرانی
کرو موقوف دینی کشمکش غیروں سے اپنوں سے	کہ بحث مذہبی ہے سر بسر اغوائے شیطانی

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا پندرھواں پارہ سورہ بنی اسرائیل ۵

کسی کے دین مذہب سے غرض کیا ہم کو مطلب کیا	یہودی ہو کوئی اپنی طرف سے یا کہ نصرانی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

بقیہ صفحہ ۳۹۹ ان کے پیدا کیے جانے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں (اور) بے شک یہ اللہ کے نزدیک (ایک) سہل سی بات ہے (اور ہم نے تم کو) اس لیے بتا دیا ہے کہ کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو اس کا رنج نہ کرو اور کوئی نعمت خدا تم کو عطا کرے تو اس پر اترایا نہ کرو ۔

۵۱ (اے پیغمبر) ہمارے بندوں (یعنی مسلمانوں) کو سمجھا دو کہ (مخالفین سے) کوئی بات کہیں تو ایسی بات کہیں جو (اخلاق کے اعتبار سے) بہتر ہو کیونکہ شیطان سخت بات کہلوا کر لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے (اور) اس میں شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ۔ ۱۲

۵۲ مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے (اس کا گمراہ ہونا تم کو کچھ بھی) نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو جو کچھ (دنیا میں) کرتے رہے ہو وہ اس کا نتیجہ تم کو بتا دے گا ۔ ۱۲

تعصب ہی گر طاعون عالمگیر بے درماں
کہ اس کے پیچھے عقلیں ہو رہی ہیں سب کی دیوانی

نہ فکر دیگراں ہیں احتساب نفس سے فارغ
کہ گویا ہو چکا جنت کا ٹھیکہ ان کو ارزانی

تعصب کی بدولت ہی تم اس نوبت کو پہونچے ہیں
تڑپتے تشنہ لب ہیں بر کنار آب حیرانی

بچھے الوان نعمت کے ہیں خوان اور عام دعوت ہے
مسلمانوں نے خود اپنے گنوں سے لی گرانی

خدا نے جن کو دی ہیں کنجیاں دولت کی عزت کی
انھیں اب تک ہے ان سے اجنبیت اور گریزانی

ہوا رنگ تعصب دور جب آئینہ دل سے
تو پھر شرط وجود قوم ہے ترک تن آسانی

اگر افراد میں ہو قوم کے یوں یک دلی پیدا
انا السلطان پکار اٹھے فلانی اور بہانی

غرض جس کے لیے قومی جماعت کی ضرورت ہے
ہے ان وقتوں میں تعلیم علوم انگلستانی

نہ سیکھا جس نے ان کو زندگی کا کیا مزہ پایا
نہ جانا جس نے ان کو اس نے قدر علم کیا جانی

کہاں تک رو دیئے اور کس کے آگے روئیے دکھڑا
کہ فرصت کم اور اپنی داستان غم ہے طولانی

سنیں جتنا سنا پر نہ پہونچیں اصل مطلب کو
طبیعت کیا دکھائے خاک پھر اپنی جولانی

فہم سخن تا نہ کند مستمع
قوت طبع از متکلم مجوے

فسحت میدان ارادت بیار
تا بزند مرد سخن گوے گوے

تم اپنی نثر اور نظم کو چھوڑو نذیر احمد
کہ اس کے واسطے موضوع ہیں حالی و نعمانی

عباد اللہ سبحان اللہ میں نے نظم میں آپ کا بہت سا وقت لے لیا ہے کہ آدھیں قرآن سے اور ڈیوڑھ ہو گیا ہے یعنی عادت سے زیادہ قرآن سنایا گیا ہے۔ اس لیے کہ مجکو تمام آیتوں کا ترجمہ بھی کرنا پڑا ہے۔ اب اس کی تلافی سوائے اس کے کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ نثر میں کمی کروں۔ کہنا تو بہت کچھ ہے مگر میں تعلیم کے متعلق صرف چند باتیں کہہ کر بس کروں گا سب سے پہلے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ تعلیم کی غرض و غایت کیا ہے۔ ہر شخص جس کے سر میں عقل ہے بے تامل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ آدمی جب عدم سے وجود میں آیا یعنی پیدا ہوا۔

اب اس کو صرف اتنی بات درکار ہے کہ اپنی زندگی آرام و آسائش سے بسر کرکے اپنے اصلی ٹھکانے سے جا لگے۔ اسی کا نام علم اخلاق والوں نے اپنی اصطلاح میں سعادت رکھا ہے۔ اسی پر سے امام غزالی کی کتاب کا نام کیمیائے سعادت رکھا گیا ہے اور یہ لفظ لیا گیا ہے قرآن سے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ترجمہ۔

پھر کیونکہ جب انسان پیدا ہوا اب اس کو اتنی بات درکار ہے کہ اپنی زندگی آرام و آسائش کے ساتھ بسر کرکے اپنے اصلی ٹھکانے سے جا لگے۔ مگر وہ آرام و آسائش جو انسان کو زندگی میں درکار ہے اس کے حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں ایک یہ کہ اس کے قوائے عقلی کو تکمیل کے درجہ پر لایا جائے تاکہ ہر ایک قوت اس غرض کو جس کے لیے وہ موضوع ہے بخوبی پورا کر سکے۔ دوسرے انسان ٹھیرا مدنی الطبع کہ وہ سوسائٹی کے بدون زندگی نہیں کر سکتا اس کی تمدنی حالت ایسی ہو کہ نہ کسی کی اور نہ کوئی اس کی عافیت میں خلل نہ ڈال سکے۔ پس تعلیم کے مفید ہونا مفید ہونے کا معیار ٹھیرا انسان کی آسائش۔ انسان کی عافیت۔ تو تعلیم کی دو شاخیں ہو گئیں جو تعلیم انسان کے قوائے عقلی کو ڈویلپ کرے اس کو ہم دنیاوی تعلیم کہیں گے۔ اور جو تعلیم انسان کی تمدنی حالت کی اصلاح کرے اس کو دینی۔ یہ امر داخل بداہت ہے کہ اہل یورپ کے قوائے عقلی بڑے زوروں پر ہیں۔ اور ریل اور اسٹیمر اور تار برقی۔ اور انواع و اقسام کی مشینیں ان ہی زوروں کے آثار ہیں۔ دو چار سیدھی سادی کلیں دیکھنے کا اتفاق ہوا خدا علیم ہے کہ ان کا

ترجمہ دو قسم کے لوگ ہونگے (بعض) بدبخت اور بعض نیک بخت سو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے (اور) وہاں ان کو چلانا اور دھاڑنا (لگا) ہوگا جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ (ہمیشہ) اسی میں رہیں گے مگر (ہاں) جس کو تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو (وہ) بہشت میں ہوں گے اور جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں (شروع سے) برابر اسی میں رہیں گے مگر جس کو خدا چاہے (سزا دے کر بہشت میں داخل کرے۔ یہ بخشش خدا کی) دین ہے جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ ۱۲

کانسٹرکشن (ساخت) سمجھ میں نہیں آتا۔ کیسے ذہن ہوں گے جنھوں نے ان کو ایجاد کیا ہوگا۔ اچھا تو یہ زور اُن کے قوائے عقلی میں یہ انتقال اُن کے ذہنوں میں کہاں سے آیا۔ آب و ہوا کا خواص تو کہہ نہیں سکتے۔ کیوں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے یہی آب و ہوا تو وہی ہے جو پہلے تھی۔ لیکن تاریخ بتا رہی ہے کہ اب سے زیادہ نہیں چار ساڑھے چار سو برس پہلے ہمارے ملک کے گونڈوں اور بھیلوں کی طرح اہلِ یورپ بھی وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یا اور بہت سے ملک ہیں جن کی آب و ہوا یورپ کی آب و ہوا سے ملتی جلتی ہے اور وہاں کے باشندے کندۂ ناتراش ہیں۔ یہ جو یہ ترقی یہ عروج جو اہلِ یورپ کو ہے سائنس کی تعلیم کا نتیجہ ہے جو یورپ میں تکمیل کے ساتھ دی جا رہی ہے۔ اور گورنمنٹ نے کمال فیاضی سے اس کی ابجد ہندوستان کو پڑھانی شروع کی ہے۔ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ[۵۱] [illegible] میں کم نصیب بد قسمت بدبخت مسلمان ہیں جو اب تک اس جدید تعلیم کی طرف سے پس و پیش ہی میں پڑے ہیں۔ پس اس کو خدا کی طرف سے فیصل شدہ سمجھو کہ دنیا کی بہبود و فلاح تو بدون سائنس کی تعلیم کے ہونی نہیں۔ [illegible][۵۲] اُن کو سمجھا دو کہ سائنس کے خزانے انگریزی کے صندوقوں میں بند ہیں۔ پہلے ان صندوقوں کا کھولنا سیکھو تب خزانے کو ہاتھ لگاؤ۔ اور نہیں سیکھتے تو سلطنتیں کھو کر رعیت بنے ہو آگے اپنا اپنے جنس کی غلامی کرو۔ جھڑکیاں سہو۔ جوتیاں کھاؤ۔ انگلوں کا ڈھکا سیتنا ہو چکے تو بھیک مانگو۔ مگر میری صلاح مانو تو سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر ڈوب مرو۔

قسمت میں قوم کے یہی لکھی صبح و شام ہو	یہ جو ہمی سے کہ پینے سے بہتر حرام موت

لیکن اگر خدا مسلمانوں کے دن پھیرے اور اُن کی عقل گدی میں سے سرک کر ماتھے میں آ جائے اور اُن کو تعلیمِ جدید کی چاٹ لگے۔ تو ابتدا سے اُن کو یہی سمجھ لینا چاہئے کہ سائنس کا

[۵۱] لوگوں میں سے کوئی تو اس (کتاب) پر ایمان لایا اور کوئی اس سے اٹکا رہا ۔ ۱۲ [۵۲] خواہ وہ شخصی ہو تو شخصی سہی اور قومی ہو تو قومی ۱۲

سیکھنا جوئے شیر کا لانا ہے۔ یہ ایسا بحر ناپیدا کنار ہے کہ ساری عمر اس میں پڑے غوطے کھایا کرو اور تھاہ نہ پاؤ۔ سر آئزک نیوٹن جیسا حکیم جس نے تمام اجسام میں کشش کی خاصیت دریافت کی سائنس کی کایا پلٹ دی کہا کرتا تھا کہ میں تو ابھی تک نیچر کے سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا بچوں کی طرح سیپیاں سمیٹ رہا ہوں اور خدا کی قدرت کے موتیوں کے ڈھیر کے ڈھیر تہ میں پڑے ہیں جن کو پاتے ہیں وہ جو اُن کے لیے غوطے لگاتے ہیں۔ اگرچہ سائنس کی لائن میں جو کچھ اس وقت تک ہو چکا ہے وہ اس کے مقابلے میں جو آیندہ ہونے والا ہے کچھ نہیں۔ مگر اسی کچھ نہیں نے دنیا میں نئی روح پھونک دی ہے۔ دیکھئے جو آیندہ ہونے والا ہے کیا رنگ لاتا ہے۔ رنگ کیا لائے گا ہم کو تو مذہبی خیالات کی رو سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس چوہے کی طرح جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے تئیں پنساری سمجھنے لگا تھا اتنی ہی سی معلومات کے برتے پر یورپ میں کفر والحاد بڑھتا جاتا ہے اور ہزارہا بندگان خدا مذہب کو احمقانہ خیال سمجھتے ہیں۔ آیندہ کو سائنس کی ترقی کے ساتھ انسان کی معلومات بڑھتی جائیں گی وہ کارخانۂ دنیا میں بڑے بڑے تصرفات کرنے لگے گا۔ اس کے اختیارات وسیع ہوتے جائیں گے عجب نہیں شدہ شدہ خناس بھی اس کے ذہن میں سما جائے کہ جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ آخر فرعون جس کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا دعویٰ تھا وہ بھی تو آدمی ہی تھا۔ اور آخر کافر اور اعداء دین جتنے بھی تو آدمی ہی ہوئے ہیں اور جو ہیں تو وہ بھی آدمی ہیں۔ تو جب انسان شیطنت پر آمادہ ہوگا جس طرح شیطان کو جنت سے نکالا تھا نوع انسان کو روئے زمین پر سے معدوم کر دیا جائے گا یعنی قیامت آ جائے گی۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۔ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۔ لِيَجْزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ سائنس کی ترقی

---

۵۱ جب (یہ) زمین بدل کر دوسری طرح کی زمین کر دی جائے گی اور (علیٰ ہذا القیاس) آسمان اور (سب) لوگ خدائے واحد (اور) زبردست کے سامنے (جواب دہی کے لیے اپنی اپنی جگہ سے) نکل کھڑے ہوں گے اور اے پیغمبر تم اس دن گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے تارکول کے اُن کے کرتے ہوں گے اور ان کے منہوں کو آگ لگی ہوگی (اور یہ تمام سختیاں اس

کے ساتھ انسان کو اپنی عقل کی نارسائی اور خدا کی بے انتہا دانش اور نا محدود قدرت کا یقین زیادہ ہوتا جائے غذا سے کبھی تخمہ بھی ہوتا ہے باایں ہمہ وہ مدار حیات بھی ہے۔ اسی طرح سائنس کے جاننے سے بعض دہریئے بھی ہو گئے ہیں مگر وہ خداشناسی کا بڑا ذریعہ بھی ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا[۵۲] فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُہُمْ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ بہرکیف بدون سائنس کے بھی نہیں گذرتی اور وہ بجائے خود دریائے ناپیدا کنار ہے۔ تو جو کوئی اس میں گھسنے کا نام لے اتنا سمجھ لے کہ ساری عمر دریا ہی میں رہنا ہوگا۔ جتنا کچھ سائنس میں اس وقت تک جمع ہو چکا ہے وہ بھی لوگوں کی سینکڑوں برس کی محنتوں کا ذخیرہ ہے اس کی دیکھ بھال کے لیے بھی عمر طبیعی نہیں تو عمر تحصیل بمشکل وفا کر سکتی ہے۔ خداوند تعالیٰ شانہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے۔ لَقَدْ[۵۳] خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ سائنس کے پیچھے اتنی جان مارتے کہیں جا کر روٹیاں سیدھی ہوں۔ پھر اس پر مذہب کی ایک شرط ضروری اور ہے کہ وہ اپنے حکم کے خلاف نہ کھانے دے اور نہ کھانے دے۔ سہ

اے بے حکم شرع آب خوردن خطاست	وگر خون بفتوی بریزی رواست

یعنی انسان کی زندگی کیا ہے ایک جھگڑا ہے کہ دنیا کے لحاظ سے بلا تو نہیں کہا جا سکتا مگر ہاں دینی اور دنیاوی تعلیم کے دو گھوڑوں کے بدون جگہ سے سرک نہیں سکتا۔ دینی یا مذہبی تعلیم اپنی ذات سے تو دنیاوی تعلیم کی طرح کچھ ایسی دشوار بھی نہیں ہُوَ اجْتَبٰىکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰہِیْمَ ہُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ہٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَہِیْدًا

اس غرض سے رکی جائیں گی کہ خدا ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے بیشک اللہ کو حساب لیتے کچھ بھی دیر نہیں لگتی۔

۵۲ کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی اور اس بات پر کہ عجب نہیں ان کو موت قریب آ لگی ہو تو اب اتنا سمجھانے پیچھے اور کونسی بات ہے جس کو سن کر ایمان لے آئیں گے ۱۲

۵۳ ہم نے آدمی کو (ایسا مخلوق) بنایا ہے کہ ساری عمر مصیبت میں رہے تو اس کو غرور کرنا چاہیئے ؟

۵۴ اللہ نے تم کو (دنیا کے لوگوں میں سے) انتخاب فرمایا اور دین (کے بارے) میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی

عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ غرض دینی یا مذہبی تعلیم اپنی ذات سے تو دنیاوی تعلیم کی طرح کچھ ایسی دشوار بھی نہیں۔ مگر پیشوایان مذہب کے چابک سواروں کی بے تدبیریوں سے یہ گھوڑا ایسا اڑیل ہو گیا ہے کہ نہ آپ چلے اور نہ اپنی جوڑی کو چلنے دے۔ ایک وقت تھا کہ اسلامی دنیا کے سارے کام سارے انتظام شریعت کے مطابق انجام پاتے تھے تو اُن دنوں علم دین کا دائرہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اُن وقتوں کی اسلامی سلطنت کے مقابلے میں ہندوستان کی کیا حقیقت ہے اس پر بھی قوانین کا ایک انبار ہوا اور داستان قوانین ریشم کے کیڑوں کی طرح اُگل اُگل کر اُس انبار کو بڑھاتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے حق شناسی [illegible] دین و دنیا میں سوکنوں کی سی رقابت پیدا کی۔ اور اُن میں اعتدال قایم نہ رکھ سکے۔ دنیا سے کی بے اعتنائی اس پر بھی دنیا نے بھلائی سے مسلمانوں کے ساتھ رفاقت کیے چلی گئی مگر مصرعہ۔

ہر ایک امر کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

اِدھر دنیا کے ساتھ کج ادائی اُدھر دین کی لگاوٹ بجائے مجبور ہو کر دنیا مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ اُن میں جا ملی جو اس کے لینے کے لیے ہاتھ پسارے بیٹھے تھے۔ اب دین میں رہ کیا گیا نماز روزہ اللہ اللہ خیر صلاح زکوٰۃ کا مقدور نہیں حج کی استطاعت نہیں۔ نماز روزے کو جتنا چاہو پھیلاؤ اور جتنے دن چاہو پڑھو پڑھاؤ چیستان نہیں۔ معما نہیں۔ پہیلی نہیں۔ گورکھ دھندا نہیں۔ مولویوں کے مختلف فیہ مسائل نہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ دنیا تم کو درکار تھی یا نہیں جس کو دنیا درکار نہیں۔ اُس سے بحث نہیں معارضہ نہیں روئے سخن نہیں۔ جو درکار ہے۔ تو اُس کے عزت و آبرو کے ساتھ حاصل کرنے کا یہیں ذریعہ ہے

(۱) تمہارے لیے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا تھا) اسی (خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا (یعنی فرماں بردار بندے) اور اس (قرآن) میں (بھی) تاکہ رسول تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں اور تم (دوسرے) لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو تو نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ ہی کا سہارا پکڑو وہی تمہارا کارساز ہے تو (کیا ہی) اچھا کارساز ہے اور (کیا ہی) اچھا مددگار ۱۲۔

انگریزی تعلیم۔ زبان کی الگ۔ سائنس کی الگ۔ جو شخص اس رائے کو تسلیم کرے انگریزی شروع کر دیجیئے پھر وہ آپ ہی فیصلہ کر سکے گا کہ وہ کتنا وقت مروجہ مذہبی تعلیم کے لئے دے سکتا ہے۔ دنیوی تعلیم کے کورس کا گھٹانا تو اس کمپٹیشن کے زمانے میں اختیار سے خارج ہے۔ ہاں دینی کورس میرے نزدیک قرآن بس کرتا ہے بشرطیکہ سمجھ کر پڑھایا جائے۔ معاش کی طرف سے لوگوں پر اس قدر سختی ہوتی چلی جاتی ہے کہ اگر مسلمان صرف قرآن ہی کو ضبط کئے رہیں تو باوں آولیا ورتی سے کھرے ٹکسالی مسلمان ہوں۔ دین و دنیا دونوں میں سچے ہوں۔ یہ پھر ہی سے عرض تھا صلاح۔ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَ أُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللهِ إِنَّ اللهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔

چالیسواں لکچر الموسوم بہ درباری لکچر

جو

سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام دہلی دیا گیا

جس میں لکچرار نے اپنی علمی لیاقت کے علاوہ اسلامی مذہبی تعلیم پر اپنی رائے ظاہر کی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آتے تھے دکھائی دیتے اپنے بھی دن بھلے ہیں — یعنی کہ اب مسلماں کچھ کچھ سنبھلے ہیں
کچھ کچھ سے لیکن اُن کو ٹھنڈک سے پڑ گئے ہیں — جو دل کے ولولے تک ان کے لئے چلے ہیں
گر علم کی طلب ہو صادق اٹھیں تو جانیں — ورنہ نمائشی یہ سب جوش و ولولے ہیں
روباہِ ناتواں ہیں بس خوردہ خوار اور اس — شیروں کے ساتھ آکر جھگڑے مقابلے ہیں
یورپ نے خشک و تر کو دنیا کے کھود مارا — ان کی ہی ہمتیں ہیں۔ ان کے ہی حوصلے ہیں

لہ آگے چل کر دتم میری بات کو جو میں تم سے کہتا ہوں یاد کرو گے اور میں تو اپنا معاملہ اللہ ہی کو سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ اپنے بندوں کا نگراں ہے

اک باغ ہے یہ کالج اور نونہال بچے — دیکھو تو کیسے پھولے اور کس قدر پھلے ہیں

اب وقت وہ نہیں ہیں جو ہو چکے ہیں پہلے — بدلے ہوئے جہاں میں سارے معاملے ہیں

حقا کہ دور دوسرا ہے دنیا میں ملک داری — کیا سلطنت کریں گے بھوندوں میں جو پلے ہیں

کیا پیش لائے دیکھیں تقلید وضع یورپ — کوّے ہیں چال ساری ہم ہنس کی چلے ہیں

منزل پر آن پہنچے جو چل پڑے سویرے — ہم رہ گئے کہ پینڈتھی جو دن ڈھلے چلے ہیں

گھر بار سب لٹا دیں تن پروری کے پیچھے — دینے کے نام خالی آرے ہیں اٹ رلے ہیں

ہے اختلافِ مذہب اک سبھی کا ما ناٹا — اوّل مناظرے ہیں آخر مجادلے ہیں

عزت کے ساتھ روزی لیں ہو چکی مُدّت — گر دیسی غفلتیں ہیں اور یہ مسالے ہیں

اعمالِ زشت اپنے آخر یہ رنگ لائے — بگڑے ہوئے سکے ہیں۔ طاعون و زلزلے ہیں

دے دو خوشی سے ورنہ ہم لیں گے دے کے ٹنکا — تم پوچھ لو کہیں سے ہم بے لیے ٹلے ہیں

کامل آدمی ہیں کندن گر علم و معرفت ہے — اور یہ نہیں تو یارو مٹی کے سب ڈلے ہیں

دنیا سے زہد و نفرت اک شانِ خودکشی ہے — یہ منع وہ عبادت۔ کیا خوب مسئلے ہیں

بی اے کے امتحان کو اک پار اب سمجھو — پھر اس کے بعد کتنے دشوار مرحلے ہیں

پڑھنے کی کس کو فرصت مفلس کو فکر ناں ہے — اور جو غنی ہیں ان کو کچھ اور مشغلے ہیں

غفلت ہے اور مسلماں جس حال میں جہاں ہیں — گویا کہ ایک سانپ ہے جس کے سب ڈسے ہیں

صوفی و شیخ و زاہد عالم ادیب ناصح — اپنی جگہ بڑے ہیں پر تیل میں تلے ہیں

گاتے تھے چند لڑکے نظم نذیر احمد — ان پاس یا الٰہی ارگن ہیں یا گلے ہیں

رگڑے سے آسماں کے ثابت بچا نہ کوئی — تیری طرح کے دانے اس نے بہت دلے ہیں

یہ اجتماعِ مردم بس داد آخری ہے
موقوف جس پہ قومی قسمت کے فیصلے ہیں

مخمس مولوی سید عبد الغفور شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج

ہو جائے شکر ہم ہیں نازوں کے جو پلے ہیں
عقلوں پہ چل رہے اب علموں کے مشغلے ہیں
اُن کے دلوں میں بھی اب معقول ولولے ہیں
آتے دکھائی دیتے اپنے بھی دن بھلے ہیں
یعنی کہ اب مسلماں کچھ کچھ سنبھل چلے ہیں

روشن جو ہر شوالوں میں تھیں جوہر کی جگمگر
جلوے دکھا رہے ہیں کچھ کچھ چمک دمک کر
خوش قسمتی سے اپنی خوش طالعی کے اختر
کچھ کچھ سے لیکن اُن کو ٹھنڈک پڑے تو کیونکر
جو دل کہ مدتوں تک ان کے لیے جلے ہیں

دیکھیں کسی ہنر میں حاذق انھیں تو جانیں
جانیں فنون کو عذرا - وامق انھیں تو جانیں
سمجھیں علوم کا گر عاشق انھیں تو جانیں
گر علم کی طلب ہو صادق انھیں تو جانیں
ورنہ نمائشی یہ سب جوش و ولولے ہیں

پکڑا نہ جائے ہم سے ہو گرچہ صید لاغر
علمی شکار گہ میں ہم منہ دکھائیں کیونکر
گنجشک کس طرح ہو شہباز کے برابر
روباہِ ناتواں ہیں پس خوردہ خوار - اور اس پر
شیروں کے ساتھ آ کر ٹھہرے مقابلے ہیں

اسٹیمروں سے ان کا بحر پر اجارا
رازِ نہانِ بحر ہے ان پر آشکارا
ریلوں سے ہر اک شے کے قبضے میں بر بھی سارا
یورپ نے خشک و تر کو دنیا کے کھوند مارا
ان کی ہی ہمتیں ہیں ان کے ہی حوصلے ہیں

کالج میں پڑھ رہے ہیں کچھ خورد سال بچے
شائستہ و مہذب روشن خیال بچے
کچھ خوش جمال بچے کچھ خوش خصال بچے
اک باغ ہے یہ کالج اور نونہال بچے
دیکھو تو کیسے کیسے پھولے اور کس قدر پھلے ہیں

جو نہال سے لا پالی پہ [illegible]
ہم سمجھے [illegible] کو جو جی میں آئے کہہ لے

ہم گالیاں سہیں گے وہ اتنی بات سہہ لے — اب وقت وہ نہیں ہیں جو ہو چکے ہیں پہلے
بدلے ہوئے جہاں ہیں سارے معاملے ہیں

آسماں نہیں ہے یارو عالم کی غمگساری — لازم ہے خلق اس کو اور عقل و ہوشیاری
ہلکے سے تاج کا بھی ہے بوجھ سر کو بھاری — حقا کہ درد سر ہے دنیا میں ملک داری
کیا سلطنت کریں گے بھونروں میں جو پلے ہیں

پھولے نہیں سماتے بوٹوں کی سن کے رپ رپ — کرتے ہیں مل کے گٹ پٹ یا جھوٹی سچی گپ شپ
رفع خمار پگ لپ کو آتے ہیں جا کے کپ — کیا پیش لائے دیکھیں تقلید وضع یورپ
کوّے ہیں چال ساری ہم ہنس کی چلے ہیں

کالی گھٹا کی صورت شامت تھی گرچہ گھیرے — اقبال مدتوں سے گو منہ تھا ان سے پھیرے
عزت کے لد گئے تھے ہر چند خیمے ڈیرے — منزل پر آن پہنچے جو چل پڑے سویرے
ہم رہ گئے پسڈی جو دن ڈھلے چلے ہیں

یاں آفتیں ہیں جھپٹی ہر اک غنی کے پیچھے — کچھ ہوش کھو رہے ہیں دل کی خوشی کے پیچھے
دیوانہ ہو رہا ہے کوئی پری کے پیچھے — گھر بار سب لٹا دیں تن پروری کے پیچھے
دینے کے نام خالی آرسے ہیں اور پلے ہیں

مذہب نے جب تجانف کا کوٹ بر میں ڈانٹا — پھر صلح کل کہاں تھی آئی کہ اس کو ڈانٹا
دینی کتب کے اسما کنتا پا ۔ ڈنڈا ۔ چانٹا — ہے اختلاف مذہب اک سیہہ کا سا کانٹا
اول مناظرے ہیں ۔ آخر مجادلے ہیں

روزی کے محکمے میں قانون ہے یہ مقرر — ہوتے ہی بند اکثر کھل جاتے ہیں کئی در
ہم غافلوں کے لیکن ایسے کہاں مقدر — عزت کے ساتھ روزی بس ہو چکی میسر
گر ایسی غفلتیں ہیں اور یہ مسالے ہیں

۱؎ جرعۂ شراب ۱۲۰

شمشیرِ آہن بد کب تک نہ زنگ لائے
کیا چھوٹ پائے مجرم گو عذر لنگ لائے
لائے بدیر لائے یا بے درنگ لائے
اعمالِ زشت اپنے آخر یہ رنگ لائے
بگڑے ہوئے سمے ہیں۔ طاعون و زلزلے ہیں

ہم کو تمھاری خاطر ہے ایک کام کرنا
آساں نہیں ہے قومی جیبِ طلب کا بھرنا
سب زر نہیں ہے ممکن اس کام کا سنورنا
دے دو خوشی سے ورنہ ہم لیں گے دے کے دھرنا
تم پوچھ لو کہیں سے ہم بے لیے ٹلے ہیں

دل ہے خوشی کا معدن گر علم و معرفت ہے
ہر شمعِ عقل روشن گر علم و معرفت ہے
سر ہے خرد کا مخزن گر علم و معرفت ہے
کل آدمی ہیں کندن گر علم معرفت ہے
اور یہ نہیں تو یارو مٹی کے سب ڈلے ہیں

ہے یاں خوشی کی جا غم۔ غم کی جگہ خوشی ہے
کیا کہیے کس سے کہیے بس جائے خامشی ہے
بیہوشی ہوشیاری ہشیاری بیہشی ہے
دنیا سے زہد و نفرت اک شان خودکشی ہے
یہ منع وہ عبادت۔ کیا خوب مسئلے ہیں

دریائے علم سے تم یک قطرہ آب سمجھو
دلبر کا روئے نیکو زیرِ نقاب سمجھو
پانی سمجھ رہے ہو جس کو سراب سمجھو
بی۔ اے۔ کے امتحاں کو اک پاتراب سمجھو
پھر اس کے بعد کتنے دشوار مرحلے ہیں

بے مقدرت ہے بابا بے قوت گھر میاں ہے
بہنوئی ہے توانگر سو مطلق العناں ہے
بھائی سسک رہا ہے۔ فاقہ بہن کے ہاں ہے
پڑھنے کی کس کو فرصت مفلس کو فکرِ ناں ہے
اور جو غنی ہیں ان کو کچھ اور مشغلے ہیں

بیدار مغزیوں کے پیدا کہاں نشاں ہیں
انگڑائیاں ہیں پہروں گھنٹوں جمائیاں ہیں
آثار خواب کے سے کچھ ہر طرف عیاں ہیں
غفلت ہو اور مسلماں جس حال میں جہاں ہیں
گویا کہ ایک سانچے میں سب کے سب ڈھلے ہیں

اصلاح کے منافع افساد کے قبائح
تقریر گرم میں ہیں کیا کیا بھرے مصالح
اقوام کے وقائع اشخاص کے سوانح
صوفی و شیخ و زاہد عالم ادیب ناصح
اپنی جگہ پڑے ہیں پر تیل میں تلے ہیں

ہے یہ قبولِ خاطر سمجھو نہ تم خوش آمد
شاید سمجھ کے ٹپا ٹھمری ترانہ دُھرپد
اک باغ ہیں کہ جس کے تختے تھے گل زبرجد
گاتے تھے چند لڑکے نظمِ نذیر احمد
ان پاس یا الٰہی ارگن ہیں یا گلے ہیں

رکھتا تھا اس جہاں میں شانِ شہانہ کوئی
کرتا تھا زندگانی یاں عالمیانہ کوئی
تھا علم اور فن میں اپنے یگانہ کوئی
رگڑے سے آسماں کے ثابت بچا نہ کوئی
تیری طرح کے دانے اس نے بہت دلے ہیں

تدبیر کی یہ چوسر مدت سے ہو رہی ہے
ہمت مگر نہ ہارو پاسوں پہ آ اڑی ہے
پٹتی رہی ہیں گوٹیں بازی تو جا چکی ہے
یہ اجتماعِ مرحوم بس داو آخری ہے
موقوف جس پہ قومی قسمت کے فیصلے ہیں

میں تو تعلیم کا اتنا ہی گنہ گار ہوں کہ انگریزی انیسویں صدی کے وسط میں یعنی اب سے آدھی صدی پہلے گھر میں باپ سے پرانے قاعدے پر پڑھنا شروع کیا سب سے پہلے قرآن پڑھا مگر وہی طوطے کی طرح۔ میں نے جو قرآن کے اس پڑھنے کو طوطے کی طرح کا پڑھنا کہا تو اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں اس طرح کے پڑھنے کو تضییع وقت سمجھتا ہوں، حاشا و کلا۔ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی ایسا خیال نہیں کیا۔ ایک کم سن بچہ جس نے تحصیل علم کے میدان میں پہلا قدم رکھا ہے اس سے زیادہ اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ قرآن کی زبان عربی ہے جو اس کی مادری زبان نہیں اور عربی خود ایسی مشکل زبان ہے کہ صرف و نحو اور لغت کی مدد سے بھی کہیں مدتوں میں جا کر اس کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ پس سمجھ کر قرآن کا پڑھنا تو چھوٹے بچوں کے امکان سے باہر ہے تاہم طوطے کی

طرح کا پڑھنا بھی خاص کر مسلمانوں کے بچوں کے لیے ضرور مفید ہے۔ قرآن کے پڑھنے سے حروف عربی کے مخارج پر ان کی زبان ٹوٹتی ہے جو اردو کی تکمیل کے لیے ضرور ہے کیونکہ اردو میں عربی کے الفاظ اس کثرت سے رواج پاگئے ہیں کہ جس کو عربی نہیں آتی وہ درستی کے ساتھ الفاظ عربی کو ادا نہیں کرسکتا۔ بڑے ہوکر خدا جانے اعصاب یا ذہن میں کچھ اس طرح کی خشونت آجاتی ہے کہ زبان جن حروف کے ادا کرنے کی ابتدا سے خوگر نہیں ہوتی پھر وہ اس سے بڑی عمر میں ادا نہیں ہوتے خ اور ق وغیرہ کتنے حرف ہیں جن کو انگریز نہیں بول سکتے الا بتکلف ٹ چ ڈ ڑ عرب سے نہیں بولے جاتے دور کیوں جاؤ ہم لوگ پ اور ہ مخلوط پنجابیوں کی طرح ادا نہیں کرسکتے ادھر تو بچپن میں قرآن پڑھنے سے مخارج حروف عربی پر زبان ٹوٹتی ہے اُدھر حروف متقارب المخرج ت ط۔ اور س ص ث اور ز ذ ض ظ وغیرہ کی کتابت اصلاح پاتی ہے بلکہ سب سے مسلمانوں کے بچے خدا رسول اور مذہبی باتوں سے کسی قدر آگہی حاصل کرتے ہیں۔ اگر یہ بے سود ہو تو مولود کے کان میں اذان کا دینا اس سے زیادہ بے سود اور فعل عبث ہے۔ مگر خدا تو آوازوں کو نہیں نیتوں کو دیکھتا ہے لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی منکم ۵

ما بروں را ننگریم و قال را　　ما دروں را بنگریم و حال را

قرآن سے بچوں کی تعلیم شروع کرنے کا یہ مفاد بھی کچھ کم نہیں کہ ذہین بچے لڑکے ہوں یا لڑکیاں مماثلت خطی کے سہارے سے قرآن کا اردو ترجمہ پڑھنے پر قادر ہوجاتے ہیں یک کرشمہ دو کار سب سے بڑا فائدہ جو بچوں کو طوطے کی طرح بے فہم مطلب قرآن پڑھانے سے مشاہدہ کیا جاتا ہے چاہے کوئی اس کو حسن عقیدہ سمجھے یہ ہے کہ قرآن خواں لڑکے زیادہ مؤدب اور کم آزار دیکھے جاتے ہیں وجہ یہ کہ وہ قرآن پڑھنے کے لیے مؤدب بٹھائے جاتے ہیں اور ادب رفتہ رفتہ داخل عادات ہوجاتا ہے۔ اپنے خیالات تو بچپن میں قرآن پڑھانے کی نسبت یہ ہیں

۱؎ پہنچے۔ ۱۲ ۲؎ خدا تک قربانیوں کے گوشت و خون تو پہنچتے نہیں ہاں قربانی کرنے والوں کی پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے ۱۲

مگر ہم میں سے جو لوگ تمام پرانی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں اور ایسے بہت ہیں اور افسوس بہت ہوتے جا رہے ہیں اُنھوں نے تو یہ جدید شیوہ اختیار کیا ہے کہ بچے میں حرف شناسی کا مادہ پیدا ہوا اور اُنھوں نے اُس کو اُردو کی پہلی اور دوسری کے سلسلے میں جا لگایا۔ اور بقیۃ العمر ان کو قرآن پڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔ تعلیم کے پرانے طریقے کی رو سے قرآن پڑھنے کے ضمن میں بچے چھوٹی چھوٹی دس پانچ سورتیں بھی نماز کے لیے یاد کر لیا کرتے تھے یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے جو جدید طریقے سے تعلیم پا رہے ہیں مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ[۱] اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْهُمْ اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا سے تجاوز ہو جاتے ہیں اور اُن کو الحمد تک پوری نہیں آتی درود اور التحیات کی کون کہے۔ اور آئے کہاں سے بیچاروں کو اس رستے پر ڈالا ہی نہیں گیا۔ اس کے امتحان کا موقع تو نہیں ملا مگر ایک بی۔ اے پاس کے ساتھ ایک بار نماز جماعت کے پڑھنے کا اتفاق ہوا لوگوں نے اُن سے اقامت کو کہا تو اُنھوں نے لاعلمی ظاہر کی بھلا ہوا کہ امامت کو نہ کہا۔ اگرچہ ہمارے اُن دوست کو اس وقت تکبیر نہ کہہ سکنے سے ندامت ہوئی ہوگی مگر دل میں اپنی وضع ظاہر بین پر بھی ضرور شکر گزار بھی ہوئے ہوں گے کہ اسی وضع ظاہر کے طفیل میں وہ امامت کی مصیبت سے بچ گئے بہرکیف میں بڑے فخر اور بڑی مسرت کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہوں کہ میری تعلیم قرآن سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد میں نے فارسی کی متداول کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ میں نے نیک و بد کی تمیز آئے پیچھے سمجھا کہ فارسی کتابوں کے اکثر مضامین متعلم کی طبیعت میں بدی کا بیج بوتے اور اس کو آوارگی سکھاتے ہیں۔ فارسی لٹریچر ایسا پیٹ بھر کر بگڑا ہے کہ جھوٹ اور مبالغہ اور حسن پرستی اور خوش آمد اور اوعائی خیالات اور ریا اور نفاق وغیرہ اخلاق ذمیمہ کے اعتبار سے اس کو جیوپٹی کھر اکباب کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔ مگر میں نے

---

[۱] تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس برس کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ ۱۲

اول تو فارسی ایسے صغر سن میں پڑھی کہ مجکو بدی کا احساس ہی نہ تھا۔ دوسرے پڑھی تو والد سے پڑھی۔ اُن کی تعلیم تریاق تھی فارسی لٹریچر کے زہر کا۔

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی	کہ بورانی است بادنجان و بادنجان است بورانی

اب ارذل العمر کو پہنچ کر مجکو اس کا کامل یقین ہوا کہ محفوظ و قابل اطمینان تو گھر میں اپنے کسی بزرگ کی تعلیم ہے بشرطیکہ بزرگ ضابطہ اور معلم بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو ورنہ خیر گندم اگر بہم نہ رسد علی گڑھ یا انجمن حمایت اسلام لاہور۔ گھر کے بزرگ جیسا نہ کوئی استاد درمند اور شفیق ہو سکتا ہے اور نہ معلم کے خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور [۵۱] [۵۲] کو جان سکتا ہے اہل البیت ادری بما فی البیت میں تو اسی ابتدائی تعلیم کی برکت کہوں گا جو میں نے اپنے باپ سے پائی تھی کہ میں نے خدا کی توفیق سے ساری عمر بھلے مانسوں کی طرح زندگی کی اور مذہب کے اعتبار سے کچھ دنوں بھٹک بھٹکا کر آخرکار مرکز پر آ رہا قرآن حفظ کیا جب کہ میری حالت قرآن حفظ کرنے کی نہ تھی اور حتی المقدر ترجمے سے کلام الٰہی کی خدمت کی [۵۳] ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم یوں میری تعلیم کی بنیاد باپ کی نگرانی میں پڑ چکی تھی کہ تحصیل علم کے لیے مجکو ترکِ وطن کرنا پڑا۔ والد مرحوم کا ارادہ مجکو دین دار مولوی بنانے کا تھا جس کے لیے اُن کی حالت مساعد نہ تھی مگر انھوں نے علمی مذاق میری طبیعت میں پیدا کر دیا تھا اور یقین کر لیا تھا کہ [۵۴] من جد وجد من طلب غلب اس مذاق کے ہوتے منزلِ علم طے کرنے کے لیے اور کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے مجکو اپنی سرپرستی سے علیحدہ کر کے جناب مولوی نصر اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کے سپرد کر دیا۔ یہ بزرگ حسن اتفاق سے اُن دنوں بجنور میں ڈپٹی کلکٹر تھے جو میرا مولد نہیں وطن اقامت نہیں بلکہ وطن اصلی ہے۔ جاہ و حشمت حکومت

[۵۱] آنکھوں کی چوری اور دلوں کے مخفی راز۔ ۱۲ [۵۲] جو کچھ گھر میں ہو رہا ہو گھر والے ہی اس کو خوب دیکھ سکتے ہیں۔ ۱۲ [۵۳] اے ہمارے پروردگار ہم سے ہمارا یہ عمل قبول فرما کیوں کہ تو سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ۱۲ [۵۴] جو کوشش کرتا ہے پاتا ہے اور جو طلب کرتا ہے مدعا پر غالب آتا ہے۔ ۱۲

وجاہت علم وفضل حسب نسب حلم و تواضع شریعت طریقت اتنی صفتیں میں نے ڈپٹی صاحب
کے سوائے کسی ایک شخص میں مجتمع نہیں دیکھیں اور اسی جامعیت کے اعتبار سے وہ فرد
روزگار تھے۔ علم ظاہر و باطن کی تعلیم کے لیے طلبا اور فقرا کی ایک جماعت کثیرہ کو اپنے
ساتھ لیے رہتے تھے۔ میرا چال چلن والد کے یہاں وثیقہ تھا تو ڈپٹی صاحب کے یہاں اس
کی رجسٹری ہوئی۔ یہ ڈپٹی صاحب کی خدا واسطے کی سچی محبت مجھ جیسے ناچیز کے ساتھ تھی کہ
جب میں نحو عربی میں شرح ملا تک منطق میں میر قطبی تک فلسفہ میں میبذی تک پہنچا تو
انھوں نے اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے والد کو بلا کر فرمایا کہ اب اس کو دہلی لے جاؤ وہاں اس
کا پڑھنا خوب ہوگا۔ یہاں مجھ کو لاکر والد نے پنجابی کٹڑے کی مسجد میں چھوڑ دیا۔ اب تو وہ محلے کا
محلہ ریل میں آگیا ہے مگر سنہ ۱۸۴۲ء و ۴۳ میں جب کا یہ تذکرہ ہے پنجابی سوداگر اس میں آباد تھے مسجد کا
نام اورنگ آبادی تھا اور وہ ہر طرح سے فتح پوری مسجد کی مدمقابل تھی اس میں مختلف مقامات
کے پچاس ساٹھ طالب علم مسافرانہ رہتے تھے بعض نے کسی مسجد کی امامت یا پڑھانے کے
ذریعے سے معاش کے ٹھکانے بنا رکھے تھے مگر اکثر باری باری سے دونوں وقت پنجابیوں
کے گھروں سے ٹکڑے مانگ لاتے اور آپس میں بانٹ کھاتے اور ان ہی میں سے ایک
میں بھی تھا۔ اورنگ آبادی مسجد مولویوں کے ایک خاندان کی تولیت میں تھی۔ ان میں اختلاف
عقائد کی وجہ سے وہابی اور بدعتی دو گروہ تھے ایک دوسرے کے دشمن۔ مسجد کے طالب العلم
بھی ان دو گروہوں میں منقسم تھے۔ میں تھا رکابی مذہب جدھر کچھ ملتا دیکھا ادھر ہی کا ہو رہا۔ میں
اس وقت بھی ان لوگوں کے باہمی اختلافات کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ اور چونکہ میں مولوی
نصر اللہ خاں صاحب کی صحبتیں دیکھے ہوئے تھا ان لوگوں کی طرف سے میرے دل میں ایک
طرح کی بدگمانی اور نفرت پیدا ہو گئی تھی یہ نہ سمجھ لیجیے گا کہ جتنے طالب العلم جن مولوی کی سرکردگی
میں تھے وہ مولوی ان کی تعلیم کا ذمہ دار تھا جس طرح بعض مولوی نام کے مولوی تھے اسی
طرح بعض طالب العلم نام کے طالب العلم بھی تھے جنھوں نے پیٹ بھرنے کے لیے گداگری

کی یہ شان اختیار کر رکھی تھی۔ مجھکو تو کسی مولوی نے نہ آپ پڑھایا اور نہ پڑھنے دیا۔ آپ نہیں پڑھایا تو خیر ایک بات ہی۔ شکایت تو اس کی ہو کہ پڑھنے بھی نہیں دیا۔ وہ اس طرح کہ مجھ جیسے کم عمر لڑکے مولویوں کے زنان خانے میں جاتے تھے اور اُن سے خدمتگاری کا کام لیا جاتا تھا معاوضہ اس کا کہ مسجد میں رہتے ہیں۔ پس ان کے لیے مسجد بھٹیاری کی سرائے تھی اور اس کا کرایہ مولویوں اور مولوںوں کی خدمت۔ اُن وقتوں کے بعض طالب العلم دو تین برس کے اندر اندر مجھ سے ملے ہیں اور میں نے اُن کو علم کی طرف سے ایسا ہی کورا اور ٹھوس پایا جیسے وہ پچاس پینتالیس برس پہلے تھے جس جس پہلو سے میں اُس وقت کو یاد کرتا ہوں جب کہ میں پنجابی کٹڑے کی مسجد میں تھا تو پاتا ہوں کہ میری ساری عمر میں وہ بدترین وقت تھا اور اگر اُس کو چار پانچ برس کا بھی امتداد ہوتا میں تو دنیا اور دین دونوں طرف سے تباہ ہو لیا تھا عَلٰی[۹۱] شَفَا جُرُفٍ بارے ایک عجیب اتفاق سے میں دہلی کالج کی دوسری عربی جماعت میں داخل ہو گیا۔ داخل ہوتے ہی مجھکو وظیفہ ملنے لگا اور خدا نے مجھکو مسجد کی گدایانہ زندگی سے نجات دی کالج کی تعلیم کی ابتدا تھی کہ وطن میں والد کا انتقال ہو گیا۔ دو ڈھائی برس کی بڑائی چھٹائی سے دو متقارب العمر لڑکوں کے وظیفوں پر آٹھ دس آدمیوں کی خانہ داری کے بوجھ کا پڑ جانا حقیقت میں مصیبت کے پہاڑ کا ٹوٹ پڑنا تھا مگر عَسٰی[۹۲] اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ[۹۳]

اَلَا لَا تَجْزَعَنَّ اِذَا الْبَلِیَّۃُ	فَلِلرَّحْمٰنِ اَلْطَافٌ خَفِیَّۃٌ

والد کا قبل الوقت انتقال تحصیل علم کے لیے کاری تازیانے کا کام کر گیا۔ والد کو روپیٹ کر واپس آیا تو یہ خیال تھا کہ مجھ اکیلے کے نہیں بلکہ سارے خاندان کے ٹوٹی[۹۴] آرناسٹ لوٹی کا فیصلہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ۔ چنانچہ تحصیل علم کے میدان میں یا تو قدم بقدم چل رہا تھا یا اب

۹۱ دریا کے بچپسے لگار کے کنارے ۔ ۱۲ ۹۲ عجب نہیں تم کو ایک چیز بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو ۱۲
۹۳ ای مصیبت منہ ہرگز غمگین نہ ہو کیوں کہ خدائے رحمٰن کے پاس مخفی عنایتیں ہیں ۔ ۱۲ ۹۴ دو ٹوک فیصلہ ادھر یا ادھر ۱۲

لگا سرپٹ دوڑنے۔ باوجودیکہ بجائے خود مدرسے کی پڑھائی کا ایک انبار تھا میں نے اُس وقت کے مشاہیر سے مدرسے کے علاوہ دو سبق اور شروع کر دیئے۔ میرا اُن دنوں کا پڑھنا پڑھانا نہ تھا بلکہ کتابوں کا پھانکنا تھا۔ سرکاری مدرسوں کی پڑھائی میں طلب الکل فوت الکل کا عیب شروع سے چلا آتا ہے یعنی نہ متعلم کے رجحان طبیعت کو دیکھیں نہ اُس کی رغبت کو پہچانیں تین تین چار چار درجن مختلف المذاق لڑکوں کی ایک جماعت بنائی اور سب کو ایک لاٹھی ہانک چلے پھر پڑھائی اتنی کہ غذائے نامرغوب کی طرح اوپر تلے ٹھونسی جاتی ہے اور وہ ہضم نہیں ہوتی جس کا ضروری نتیجہ ہے کہ جس کو اصلی استعداد کہتے ہیں وہ کسی فن میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔ جیک[1] آف آل اینڈ ماسٹر آف نن کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند	چارپائے برو کتابے چند

اب تو انگریزی کا اس قدر رواج ہو گیا ہے کہ سرکاری مدارس کے طالب العلموں میں اور بیرونی طالب العلموں میں کسی طرح کی پڑھائی مشترک باقی نہیں رہی کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جائے مگر میری طالب العلمی کے زمانے میں عربی ایسی کس مپرس حالت میں نہ تھی اور مدرسے اور شہر کے عربی خواں طالب العلموں میں ایک طرح کی منافست قائم تھی اور کبھی کبھی دونوں گروہوں میں مڈبھیڑ بھی ہو جاتی تھی تو شہری طالب العلم استعداد کے اعتبار سے ہم لوگوں کو اپنا جوڑ نہیں سمجھتے تھے اور واقع میں بھی مدرسے والے شہریوں کے ٹکر کے نہ تھے۔ وجہ کیا کہ شہریوں کے پاس لے دے کر ایک عربی تھی اور وہ بھی اختیاری جتنا چاہا پڑھا تو یہ لوگ مطالعے کے بڑے دہنی تھے خاطر خواہ فرصتیں ملتی تھیں جس کتاب کو لے کر بیٹھے اُس کی سیاہی تک چوس گئے برخلاف مدرسے والوں کے کہ ان کا حال یک سر و ہزار سودا کا تھا ؎

یک دل و خیلِ آرزو دل یکہ مدعا نہم	تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

[1] تھوڑی تھوڑی شد بد سب میں مگر کمال ایک میں بھی نہیں ۱۲

میرا حال یہ تھا کہ تاریخ اور ریاضی کے نام سے مجکو وحشت ہوتی تھی مگر سکالرشپ کے لیئے چار و ناچار دیکھنا ہی پڑتا تھا۔ ع

	جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا	

لیکن وہ دیکھنا پالے کا سا چھونا تھا۔ مگر یہ بڑی جیت تھی کہ نمبروں کے مجموعے پر پاس اور فیل کا فیصلہ کیا جاتا تھا خدا عربی کا بھلا کرے کہ وہ ریاضی وغیرہ کی تلافی کرتی رہتی تھی اور یہ نہ ہوتا تو میں کسی طرح جماعت میں بیٹھ نہیں سکتا تھا پس مجھے برا بھلا جو کچھ بھی آتا ہے میں اس کے لیئے کالج سے بڑھ کر باہر کی پڑھائی کا شکر گزار ہوں اگرچہ یہ شکر یہ بھی کالج ہی کی طرف عود کرتا ہے کیوں کہ کالج کا وظیفہ مجھے سپورٹ (امداد) نہ کرتا تو میں کسی طرح یہ شغل جاری رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ کالج نے عربی میں میری کافی مدد نہیں کی اور اگرچہ بے مناسبتی کی وجہ سے میں نے سائنس کو شوق سے نہیں پڑھا لیکن معلومات کی وسعت رائے کی آزادی ماڈریشن (تعدیل) گورمنٹ کی سچی خیر خواہی اجتہادی علمی بصیرت یہ چیزیں جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں ان کو میں نے کالج ہی میں سیکھا اور حاصل کیا۔ اور اگر میں نے کالج میں نہ پڑھا ہوتا تو میں بتاؤں کیا ہوتا مولوی ہوتا تنگ خیال متعصب اکھل کھرا اپنے نفس کے احتساب سے فارغ۔ دوسروں کے عیوب کا متجسس تہ غو و غلط

	ترک دنیا بمردم آموزند	۵۱	خویشتن سیم و غلہ اندوزند

کا عامل مسلمانوں کا نادان دوست تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[۵۱]

بہرکیف مَا اَصَابَنِیْ مِنْ حَسَنَۃٍ فِی الدِّیْنِ اَوْ فِی الدُّنْیَا فَمِنَ الْکَالِجِ[۵۲] برٹش گورمنٹ نے رلیجس نیوٹریلیٹی[۵۳] کا بڑا ہی دانشمندانہ اصول اختیار کر رکھا ہے خاص کر ہندوستان میں تو سلطنت کے ثبات و استحکام کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اس ملک میں سیکڑوں برس سے

۵۱ بہرے گونگے اندھے ہیے کہ وہ کسی طرح راہِ راست پر آ ہی نہیں سکتے۔ ۱۲ ۵۲ مجکو دینی و دنیاوی جو فائدہ پونہچا کالج کی بدولت۔ ۱۲ ۵۳ مذہبی معاملات سے الگ تھلگ رہنا ۱۲

اختلافِ مذہب کا طاعون پھیلا ہوا ہے اور اس طاعون کا انا کیولیشن (ٹیکہ) ہے تعلیم اور تعلیم اول تو یہاں ہے نہیں اور ہے بھی تو سیسرم اچھا نہ ہونے کے علاوہ کافی بھی نہیں یعنی کو الٹی خراب کو انٹی کم یوں لوگوں میں طرح طرح کے اختلاف ہیں - لوگوں کی شکلیں مختلف - زبانیں مختلف زمین مختلف آسمان مختلف ماند و بود مختلف اوضاع مختلف طبائع مختلف - غذا مختلف روز و شب مختلف آب و ہوا مختلف پیشے مختلف وجوہ معاش مختلف اور اختلاف کو خدا نے اپنی قدرت کی نشانی بھی فرمایا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ[۵۱] شیخ ابراہیم ذوق اختلاف کی نسبت فرماتے ہیں ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن		اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اور میں کہتا ہوں کہ اختلاف دوسرا نام ہے ہستی کا - عالم بنا موالید ثلثہ سے اور موجوداتِ عالم ممتاز ہوئے تشخصات سے اور تشخصات نہیں ہیں مگر اختلافات بہر کیف لوگوں میں چند در چند طرح طرح کے اختلاف ہیں اور وہ باوجود چند در چند اختلافات کے سازگاری اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً حلوائی بزاز سے نہیں لڑتا کہ تو میری طرح مٹھائی کیوں نہیں بناتا - بزاز اس پر نہیں بگڑتا کہ حلوائی کپڑا کیوں نہیں بیچتا - لیکن اختلافِ مذہب بعض کا ایسا چلتا ہوا عمل ہے کہ اس کا نام آیا اور ایک فریق دوسرے کا جانی دشمن ہوا ہندوستان کا فرماں روا ریلیجس[۵۲] نیوٹریلٹی کے بدون کسی طرح یہاں کی رعایا میں امن قائم رکھ ہی نہیں سکتا حکام وقت کی نیوٹریلٹی کے ہوتے تو آئے دن مذہبی کشت و خون ملک میں ہوتے رہتے ہیں اور یہ نہ ہو تو شاید ایک برس بھی خیریت کا نہ گزرے - اختلافِ مذہب کے نتیجے دیکھ کر ڈنڈگل[۵۳] کے پنڈت کی طرح

[۵۱] خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم لوگوں کی زبانیں اور رنگتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں - ۱۲

[۵۲] مذہبی معاملات سے الگ تھلگ رہنا [۵۳] ڈنڈگل مدراس کے علاقے میں ایک قصبہ ہے وہاں ایک بڑے بھاری جوتشی پنڈت رہتے ہیں انھوں نے حال میں پیشین گوئی کی تھی کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں بڑا عظیم زلزلہ آئے گا مگر وہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی - ۱۲

نہیں بلکہ عقلی اصول کی بنا پر ہندوستان کے حق میں یہ پیشین گوئی کی جا سکتی ہو اور وہ اس کے لیئے فال نیک بھی ہو کہ ہندوستان ہمیشہ کے لیئے فارنیرز[۵۱] کا محکوم رہیگا اور وہ فارنیرز یورپینز ہوں گے[۵۲] اور یوروپینز میں بھی ان شاء اللہ ہمارے شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم اور اُن کے بیٹے پوتے پڑپوتے وَهَلُمَّ جَرًّا آمین - تو برٹش گورنمنٹ رلیجس نیوٹریلٹی کے اصول کی ایسی سختی کے ساتھ پابند ہو کہ گورنمنٹ کے جتنے صیغے ہیں کسی میں مذہب سے کچھ بحث نہیں اور یہی حال سررشتۂ تعلیم کا ہو کہ ادنی جماعتوں سے لے کر اعلی جماعتوں تک جتنے کورس ہیں کسی میں کسی مذہب کا دخل نہیں۔ لیکن فرض کرو کہ کوئی مذہب فی نفسہ ایسا لغو ہو کہ اُس نے واقعات غلط اور مشاہدات بے اصل کو داخل معتقدات کر رکھا ہو اور وہ سرکاری مدارس کی تعلیم کو جو سرتاسر واقعات حقہ صحیحہ ثابتہ پر مبنی ہو اپنے ادعائی معتقدات کے خلاف سمجھ کر سرکاری تعلیم کو مذہبی مداخلت قرار دے اور ناحق کی واویلا کرے تو یہ اُس کا اور اُس کے مذہب کا قصور ہو اور کوئی منصف مزاج آدمی تو اس معاملے میں گورنمنٹ کو مداخلت مذہبی کا الزام دینے کا نہیں۔ میں اس بات کی ذرا زیادہ تصریح کرنی چاہتا ہوں اس لیئے کہ میرے نزدیک مسلمانوں کو ایسی ہی غلط فہمیوں نے اس تعلیم سے جس کے لیئے ایسا ہر طرف اور تقریباً ہر جگہ مشت بعد از جنگ چلائے جا رہے ہیں اتنے دنوں تک محروم رکھا کہ یار لوگ بازی لے گئے اور یہ بدنصیب منھ تکتے کے تکتے ہی رہے۔ باتیں تو بہت ہیں مگر مثال کے طور پر میں صرف ایک ہی بات بیان کرتا ہوں کہ جغرافیہ گویا انگریزی تعلیم کی بسم اللہ ہو اور ہمارے لڑکے ہیں کہ جغرافیے کو سخت ناپسند کرتے ہیں وجہ کیا سفر کے ولولے قوم کے دلوں سے سلب ہو گئے ہیں نوکری ان کو کرنی نہیں اس لیئے کہ کوئی دیتا نہیں اور دے بھی تو گھر کی آدھی باہر کی ساری سے

گرچہ ہیں ملک دکن میں ان دنوں قدر سخن	کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

تجارت ان کے بس کی نہیں اس کو چاہیئے سرمایہ اور وہی مثل ہو مصرع

۵۱ غیر ملکی ۔ ۵۲ اور اسی طرح اور ۔ ۱۲

چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔ مسلمان سرمایہ دار ہوتے اور اس کو خیر المکاسب تجارت میں مشغول کرتے تو پھر رونا ہی کا ہے کا تھا۔

غرض نوکری اور تجارت یہی دو چیزیں ہیں جن کے لیے سفر کیا جاتا ہے اور دونوں سے مسلمان ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ۔ پھر واقع میں ان کو جغرافیے کی طرف رغبت ہو تو کیوں تاریخ اور جغرافیے کی طرف سے بے رغبتی جو عموماً سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں میں دیکھی جاتی ہے میں نے تو اس کو اپنے ذہن میں صحیح ہو یا غلط قومی ترقی اور تنزل کی شناخت کا تھرمامیٹر قرار دے رکھا ہے۔ خیر تو بہرکیف جغرافیہ انگریزی تعلیم کی بسم اللہ ہوا اور وہ اسی سے شروع ہوتا ہے کہ زمین گول ہے اور اپنے اوپر پلٹے کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد گھوم رہی ہے۔ اب یہ پہلی ہی دو باتیں ایسی ہیں کہ سہ ویدہ شنید۔ مگر جن پر یہ راز منکشف ہوا انھوں نے اس کو ایسا ثابت کر دکھایا جیسے دو اور دو چار۔ اور یہاں قرآن میں پڑھا تھا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا اور وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ اور اس کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے کہ زمین ہموار اور ٹھیری ہوئی ہے اور ایسا ہی دکھائی دیتا اور ایسا ہی خدا فرماتا ہے پس سر منڈاتے ہی اولے پڑے یعنی مدرسے میں داخل ہوتے ہی قرآن اور جغرافیہ میں مخالفت شروع ہوئی اور جغرافیے نے معاذ اللہ قرآن کو رد کر دیا۔ اور یہ تو میں نے تمثیلاً ایک چھوٹی سی بات بیان کی ہے۔ سائنس کے کتنے مسئلے ہیں جو عام مسلمانوں کے معتقدات مذہبی کے خلاف ہیں اس کشمکش کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ سائنس کا پڑھنے والا انگریزی کی خصوصیت نہیں چاہے وہ کسی زبان میں پڑھے عقیدۃً عام طور کا مسلمان تو رہ نہیں سکتا۔ ہاں مسلمانوں کے ڈر کے مارے وہ مسلمانوں میں ملا جلا رہے تو بھی وہ منافق ہو گا

۵۱ لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ وہ خدا ایسا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت۔ ۱۲ ۵۲ خدا نے زمین میں اٹل پہاڑ پلا دیئے کہ مبادا زمین تمہیں کسی طرف کو لے کر جھک نہ جائے ۱۲

ظاہر مسلمان باطن کافر۔ اور نہ صرف یہ ہے کہ سائنس کا پڑھنے والا عام طور کا مسلمان نہیں رہ سکتا میں کہتا ہوں اور پکار کے کہتا ہوں اور بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ مذاہب متعارفہ میں سے کسی مذہب میں بھی نہیں رہ سکتا نہ ہندو نہ عیسائی نہ یہودی نہ کوئی نہ کوئی کیوں کہ جتنے بھی مذاہب ہیں سب میں سائنس کی مخالفت ضرور ہے۔ اب تو سائنس شباب پر ہے جو زمانہ اس کی طفولیت کا تھا اُس وقت سے سائنس مذہب کے پیچھے پڑا ہے کوئی سا بھی ہو۔ میں ذرا بھی اس بات کے کہنے میں باک نہیں کرتا کہ کالج کی طالب العلمی کا زمانہ مذہب کی رو سے مجھ پر بڑے ہی تذبذب کا گزرا ہے۔ یہ تو میرا حال تھا جس نے مدت العمر سائنس کا شوق نہیں کیا وائے بر حال اُن کے جو سائنس میں منہمک تھے اور اُن کا مبلغ العلم ہی سائنس تھا اور بس۔ مجھ کو جو ساری عمر سائنس سے گریز سا رہا اس کے دو سبب ہوئے اول یہ کہ سائنس کے بعض مضامین اقلیدس جبر و مقابلہ و امثالہا بہت سوچ بچار چاہتے ہیں اسی کا ہو رہے تو اس سے عہدہ برآ ہو سکے اور انبار پڑھائی کے ہوتے کسی ایک کا کیسے ہو رہے پس بہت طالب العلم اپنی پسند کی ایک چیز لے لیتے ہیں اسی پر زیادہ توجہ کرتے اور اسی میں اچھے بھی رہتے ہیں میں نے عربی ادب لے لیا تھا اور سائنس کو بے وضو پڑھتا تھا۔ ادب عربی مابعد کی زندگی میں تو میرے بہت کام آیا نہیں مگر اتنا ضرور ہوا کہ عمر بھر کے لیے ایک دل خوش کن مشغلہ ہاتھ آگیا۔ دوسرا سبب سائنس کی طرف سے میری بے رغبتی کا یہ بھی ہوا کہ میری طبیعت واقع ہوئی ہے کنسرو ٹو تھوڑا بہت کنسرو ٹزم تو سبھی طبیعتوں میں ہوتا ہے میری طبیعت میں اس کا عنصر کچھ زیادہ ہے سائنس نے جو میرے مذہبی خیالات پر حملہ کرنا شروع کیا سائنس میں توغل کرنے کو طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ مگر بے رغبتی کیا کام آئے۔ سائنس کی صدائیں کالج کے در و دیوار میں بڑی گونج رہی تھیں بلکہ ایک وقت تو ایسا آیا کہ گونجتے گونجتے ڈھول بجنے لگے یعنی سائنس کے پروفیسر جناب ماسٹر رام چندر صاحب جو ذات کے کایستھ تھے اور جنھوں نے کتاب میکسما اینڈ منیما تصنیف کر کے تمام یورپ میں اپنی ریاضی دانی کا سکہ بٹھا دیا تھا اصطباغ لینے پر آمادہ ہوئے۔ وہ علمی سوسائٹی میں بڑے نامی نامور آدمی تھے اور

انھوں نے ڈنکے کی چوٹ عیسائی ہونا چاہا تو تمام شہر میں ڈھنڈورا سا پٹ گیا اور جا بجا مباحثے کی مجلسیں گرم ہو گئیں عربی جماعتوں کے مولویوں اور طالب العلموں کے ساتھ بھی آئے دن جھوٹ ہوتی رہتی تھی لیکن میں دیکھتا تھا کہ مولوی چپ تو نہیں ہوتے تھے کچھ نہ کچھ کہے ہی جاتے تھے مگر وہ کہنا سمجھنے والے کے نزدیک لاجواب ہونے کے برابر تھا اس لیے کہ یہ لوگ عیسائی مذہب کے کونے کھدرے سے محض ناواقف تھے اُن کو خبر ہی نہ تھی کہ عیسائیوں میں کہاں کہاں پانی مرتا ہے ورنہ نرا معارضہ بالمثل ماسٹر صاحب کو بند کرنے کے لیے بس کرتا تھا غرض بات کہوں صاف سائنس کے زہر نے باوجودے کہ میں نے اس کو ذرا سی ذرا چکھا ہی تھا۔ میرے ایمان کو تو ڈانواڈول کر دیا تھا۔ آٹھ برس کے قریب میں کالج میں رہا اور برابر باہر کی پڑھائی کی بھی ڈیوڑھ لگائے رکھی تو درسی کتابیں بھی نظر سے گزر گئیں اور میں نے اس اثنا میں پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ میں اپنے میں اتنی استعداد پاتا تھا کہ درس کو جاری رکھتا تو رفتہ رفتہ کمانے بھی لگتا مگر مولویت کی دکان کا جمانا ذرا دیر طلب۔

حسن اتفاق سے میری طالب العلمی ختم ہونے ہی کو تھی کہ ضلع گجرات پنجاب میں تمہید کے طور پر چھ سکول کھولے گئے اور مدرس دلی کالج سے طلب ہوئے میں نے سوچا کہ لوگوں کو عقیدت مند بنانے کی تو میری عمر نہیں خدا نے غیب سے ایک سامان کیا ہے اسے کیوں چھوڑو فقد را بہ نسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست۔ چنانچہ گنجاہ پہنچ کر میں نے مدرسے کی بنیاد ڈالی اور منت خوشامد سے چند ابجد خواں لڑکے جمع کیے۔ مگر میں اپنی قسمت کو روتا تھا کہ الٰہی اتنا پڑھ لکھ کر یہی حرف شناس لونڈے میری تقدیر کے تھے۔ لوگ سچ کہتے ہیں کہ مکتب کے لونڈے میاں جی کی عقل چر لیتے ہیں میرا جتنا وقت گنجاہ میں صرف ہوا علم کے اعتبار سے میں اس کو رجعت قہقری سے تعبیر کرتا ہوں۔ یعنی جس وقت میں نے کالج چھوڑا عربی کے سیکڑوں شعر مجھکو زبانی یاد تھے پنجاب کے دو برس کے قیام میں شاید مشکل سے دو درجن یاد رہے ہوں گے باقی سب بھول گئے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مطالعے کی قوت دستبرد لیتاں سے

محفوظ رہی ۵

تو نگیں توڑ نہ دل کا کہ بڑی کاوش سے	اسم کو میں نے ترے کندہ کیا ہوا اس میں

پنجاب کا قیام مجکو ناگوار تو تھا ہی چھ مہینے نہیں گزرنے پائے تھے کہ میں نے ملا کی دوڑ مسجد سررشتۂ تعلیم کے حکام کو عرضیاں دوڑانی شروع کیں تاکہ مجکو ان اطراف میں کہیں جگہ مل جائے بارے ایک دم سے دو آفر[۵۱] آئے اجمیر کالج کی سو روپے کی عربی مدرسی اور کان پور کی اسّی روپے کی ڈپٹی انسپکٹری - میں نے آیندہ کی توقعات کے لحاظ سے ڈپٹی انسپکٹری قبول کر لی۔ جہاں جائے بھوکا وہیں پڑے سوکا کنجاہ کی مدرسی کا سا تو حال نہ تھا کہ منڈوں کو بیٹھے بیٹھے کراؤ مگر یہاں بھی قریب قریب ہماں آش در کاسہ بچے نہ کراؤ تو پہاڑے سنتے پھر واستنے میں تو مصرع

یاران فراموش کردند عشق

کا وقت آیا یعنی ۱۸۵۷ء کا مشہور غدر۔ کس کی نوکری اور کیسا پڑھنا جینے کے لالے پڑ گئے بارے تقدیر میں تو انگریزی عملداری کی برکات سے متمتع ہونا لکھا تھا ہم مولویوں کے خاندان سے ایک بڑے وہڑتے کی خیر خواہی بن پڑی باغیوں نے انگریز یوریشین عیسائی قیدیوں کو جمع کر کے میگزین کے میدان میں باڑ ماری ان میں مس لیسن بھی تھیں یہ بھی زخمی ہوئیں مگر بچ رہیں ان کو مولویوں نے اپنے یہاں رکھ کر ان کی مرہم پٹی کی توانا تندرست ہوئیں تو دہلی کی فتح سے پہلے ان کو انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا۔ یہ خیر خواہی قطع نظر اس سے کہ ایسے نازک اور خطرناک وقت میں - ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مولویوں کے خاندان سے ہوئی اور ایسی رازداری کے ساتھ کہ ایک طرف مسجد میں جہادی بھرے پڑے تھے اور دوسری طرف ان کے پڑوس میں مصرع

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

[۵۱] یعنی دو جگہ سے اظہار خواہش کیا گیا ۔۱۲

ایک لیڈی کئی مہینے ٹھیری رہی اور اس کی ہوا تک نہ پھوٹی غرض یہ خیر خواہی فی نفسہ اس رتبے کی تھی کہ گورنمنٹ اس کے صلے میں جو کچھ بھی کرتی کم تھا مگر مولویوں کے باہمی اختلاف نے جو ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے [۵۱] اِذَا تَشَاجَرْنَا فَسَقَطْنَا اتنی بڑی خیر خواہی کو خاک میں ملا دیا یعنی کم سے کم اس خیر خواہی کی رازداری میں تو مولویوں کے خاندان کا بچہ بچہ شریک تھا مگر اس وقت رئیسِ خاندان وہ تھے مولوی نذیر حسین صاحب جن کا حال میں انتقال ہوا ہے اور میرے خسر مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور خیر خواہی میں بھی ان ہی دو کا نام تھا باوجودیکہ دونوں میں سالے بہنوئی کا رشتہ بھی تھا اس پر بھی دونوں میں اختلاف ہوا اور خیر خواہی کا انعام یہ ملا کہ جنرل بخت خاں باغی نے مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرا لی تھیں اگر یہ خیر خواہی نہ ہوتی تو ان کو پھانسی ملتی انھوں نے میم کی جان بچائی سرکار نے ان کی جان بخشی فرمائی اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ [۵۲] پھر دونوں نے اس اختلاف کا خمیازہ بھی بھگتا میں نے جو یہ پھوٹ دیکھی بحالی کا حکم سے الٰہ آباد میں جا کر دم لیا جان بچی لاکھوں پائے۔ غدر کی وجہ سے گورنمنٹ کی مشینری کے سارے کیل پرزے ڈھیلے پڑ گئے تھے خاص کر سررشتۂ تعلیم تو ایسا چوپٹ میں آیا کہ اس کو سنبھلتے سنبھلتے کئی برس لگے۔ میں نے غدر کی یہ حکایت اس لیے بیان کی کہ مجھ کو جتنا کچھ بھی اس خیر خواہی میں دخل یا اس سے تعلق تھا وہ کالج کی تعلیم کالج کی صحبت کا اثر تھا۔ غدر کے دو تین برس بعد سررشتۂ تعلیم تو پنپ گیا مگر جس چیز کو میری آنکھیں ڈھونڈتی تھیں کہیں اس کا مذکور تک نہ تھا وہی ماپ تول وہی بھوگول [۵۳] بارے مساعدتِ توفیق سے اب میری اپنی تعلیم نے ایک دوسری شان اختیار کی جس نے میری پچھلی تعلیم کی خاطر خواہ داد دی اور مجھ کو ایک ایسے شغل سے لگا دیا کہ وہ مجھے ساری عمر کے لیے بس کرتا ہوا اور

[۵۱] دو لڑے دونوں گرے ۱۲ — [۵۲] جان کے بدلے جان ۱۲

[۵۳] ماپ تول ڈپٹی رام سرنداس کی بنائی ہوئی تین چار ورق کی کتاب ہے جس میں بیگہ بسوہ کا حساب لکھا ہے اور بھوگول بابو شیو پرشاد کا بنایا ہوا ناگری حرف میں ہے ۱۲

اب علم کی طرف سے میری خاطر جمع ہے جیسے ایک پیاسا چشمۂ آب حیات پر بیٹھا ہو اور اُس کا دل سیر ہے جب چاہے گا پی لے گا۔ تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ طالب العلمی کے زمانے میں تو سوسائٹی کے تعصبات نے انگریزی پڑھنے کی اجازت نہ دی اور خود میں بھی انگریزی کی طرف سے بدگمان ہی سا رہا۔ الہ آباد میں عبد اللہ خان مرحوم امین عدالت نے مجھے مکان میں ٹھیرایا۔ بیٹھک میری اُن کی مشترک تھی ساتھ کے اُٹھنے بیٹھنے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اُردو کی شد بد کے علاوہ مشن سکول میں انگریزی کی تعلیم بھی پائی ہے۔ یہ معلوم کر کے میں تو کسی قدر کھٹکا مگر دیکھا تو ان کو پکا مسلمان بلا غلو کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کے پابند۔ باوجودیکہ انگریزی میں اچھی لیاقت ہے مگر وضع ظاہر طرز ماند و بود اور گفتگو سے کوئی جان نہیں سکتا کہ ان کو انگریزی چھو بھی گئی ہے عبد اللہ خاں کی وہ ادا جس کو میں نے بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے جو آگ ملک میں لگائی تھی وہ ابھی تک پڑی سلگ رہی تھی یعنی دار و گیر جاری تھی تو جو لوگ ناکردہ گناہ دشمنوں کی مخبری پر یا محض اشتباہ پر ماخوذ تھے ان کے عزیز و قریب ان کی رہائی کے لیے یہاں صدر الہ آباد میں آ کر پڑے ہوئے تھے اور ان کو انگریزی استغاثے اور اپیلیں لکھوانے کی ضرورت ہوتی تھی اور وکیلوں اور بارسٹروں کی یہ کیفیت کہ کسی کا گھر جلے اور کوئی تاپے تو میں عبد اللہ خاں کو دیکھتا تھا کہ راتوں کو بیٹھے بیٹھے کر مسلمانوں کی اپیلیں مفت لکھتے اور کوئی کچھ دیتا بھی تو بڑے مضایقے کے ساتھ لیتے اُس وقت مسلمانوں کی امداد اور خیر خواہی کا اس سے بہتر کوئی پیرایہ نہ تھا۔ سب سے پہلے شخص جنھوں نے انگریزی اور انگریزی دانوں کی طرف سے میرے سوءِ ظن کو دور کیا وہ عبد اللہ خاں تھے عبد اللہ خاں کو دیکھ کر آزماکر میں نے اول بار سمجھا کہ انگریزی اور اسلامی عقائد مانعۃ الجمع نہیں۔ عبد اللہ خاں مذہبی آدمی تو تھے ہی اکثر مجھ سے قرآن کی آیتوں اور دعاؤں کے معنی پوچھتے رہتے تھے تو میں متعلق الفاظ ایسی طرح سمجھاتا کہ وہ جلدی سے سمجھ لیتے اور عبارت سے استنباط مطلب پر قادر ہو جاتے۔ یوں تو برابر عبد اللہ خاں مجھ سے انگریزی پڑھنے کے لیے کہتے رہتے تھے اب اُنھوں نے میری اتنی ذرا سی

امداد کے صلے میں زیادہ اصرار کرنا شروع کیا اور کہا کہ میں تم کو جنگی بجاتے میں انگریزی سکھادوں گا
غرض میں نے انگریزی پڑھنی شروع کی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میری نوکری تھی دورے کی
تو میں کیا کرتا کہ سمال ٹائپ کی عربین نائٹس[له] کے دس دس پندرہ پندرہ صفحے عبداللہ خاں
سے دیکھ لیتا اور دورے میں ان کو رٹا کرتا۔ شروع شروع میں تو انگریزی کے ہجوں سے
ایک طرح کی وحشت ہوئی مگر جب ہزار ڈیڑھ ہزار لفظ ذہن نشین ہو گئے تو میں انگلش انٹو اردو ڈکشنری
کی مدد سے آسان آسان عبارتوں کا مطلب نکالنے لگا اور یہ صرف چھ مہینے میں۔ اس طرح
پر انگریزی کے سیکھنے میں مجھکو یہ بات معلوم ہوئی کہ آدمی کوئی سی زبان بھی باقاعدہ سیکھ لے
تو اس کی مدد سے دوسری زبان کا سیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ میں نے انگریزی سبقاً سبقاً ترتیب
سے نہیں پڑھی اور انگریزی کی گرامر مجھے اب تک بھی نہیں آتی مگر چونکہ عربی ٹھوک بجا کر پڑھی
تھی اس نے انگریزی کو میرے لیئے ایسا سہل کر دیا کہ جو مدرسے کے لڑکے برسوں میں کرتے
ہیں میں نے مہینوں میں کر لیا۔ میر ناصر علی خاں ذوالقدر مرحوم نے جو الہ آباد میں اول درجے کے
ڈپٹی کلکٹر تھے اور میرے حال پر خاص عنایت فرماتے تھے میری انگریزی کو میری غیر
معمولی ذہانت پر محمول فرمایا اور چونکہ خود لایق اور لیاقت کے قدر شناس تھے مجھکو عزیز رکھنے
لگے اسی اثنا میں اول بار انکم ٹیکس ایکٹ جاری ہوا سر ولیم میور نے جو ان دنوں ریونیو بورڈ کے
سینیر ممبر تھے میر ناصر علی خاں سے اس کے اردو ترجمے کی فرمایش کی انھوں نے عذر کیا کہ
مجھکو تو انگریزی نہیں آتی ہاں ایک شخص میری نظر میں ہے میں اس کو حاضر کروں گا حضور اس کا امتحان
لے لیں میرے نزدیک وہ کر سکے گا اور اچھا کر سکے گا۔ وہاں تو ڈپٹی صاحب نے یہ کہا اور مجھکو
بلا کر فرمایا کہ میں تیرا نام لے آیا ہوں اور کل میں تجھکو میور صاحب پاس لے چلوں گا یہ سن کر میرے
تو ہوش اڑ گئے اور میں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا غضب کیا اور میں آج ہی رات کو دورے پر چلا
جاتا ہوں فرمایا کہ کہیں جاؤ جو تمہارے انسپکٹر ہیں بابو شیو پرشاد ان کے نام حکم جائے گا اور وہ

له الف لیلہ کا انگریزی ترجمہ ۔۱۲

تم کو پکڑ کر بھیجدیں گے میں دیر تک بحث کرتا رہا یہاں تک کہ ڈپٹی صاحب ناخوش ہونے لگے اور میں نے سمجھا کہ واقع میں انھوں نے ناوانی کر کے میرا نام لے دیا آخر میں چلا آیا مگر مجھکو ساری رات نیند نہیں آئی میں اس خیال میں مستغرق رہا کہ کل وہ برندش ہوگا اور چھوٹتے ہی میور صاحب انگریزی بولیں گے تو میں کیا سمجھوں گا اور کیا جواب دونگا ضرور اُس احمق بہرے بھنڈ کا سا حال ہونا ہے کہ وہ ایک بیمار کی عیادت کو گیا اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ[1] میں سے تو تھا ہی اور اس پر بے بصیرت آپ ہی آپ دماغ سپیارہ گفتہ وخیال باطل بست کہ میں صاحب سلامت کے بعد مزاج پوچھوں گا تو وہ جیسا دستور ہے کہیں گے کہ ہاں اب تو کسی قدر تخفیف ہے اس پر میں کہوں گا اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ[2] پھر میں پوچھوں گا کہ کون صاحب معالج ہیں۔ وہ کسی کا نام لیں گے تو میں کہوں گا شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهُ[3] پھر میں بیمار کا دل خوش کرنے غسل صحت کے لئے پوچھونگا وہ کوئی دن بتائیں گے میں کہوں گا بَارَكَ اللّٰهُ[4] اور چونکہ آداب عیادت میں یہ بھی ہے کہ بیمار کے پاس حتی الوسع جلسہ خفیفی سے زیادہ نہ بیٹھے بس اتنی ہی باتیں کر کے رخصت ہو لوں گا۔ لیکن سوچا کچھ اور ہوا کچھ اس نے مزاج پوچھا تو بیمار نے مری ہوئی آواز سے کہا کیا پوچھتے ہو مصرع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس نے اسی اللّٰهم زد فزد کا اعادہ کیا اس نے طبیب کو پوچھا تو بیمار نے جل کر کہا عزرائیل اس نے جواب میں شکر اللہ سعیہ سے دعا دی۔ آخر میں اس نے غسل صحت کو دریافت کیا۔ بیمار نے مایوسانہ یہ شعر پڑھا ؎

موت ہی سے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو
غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

یہ احمق عیادت کنندہ تو بارک اللہ کہکر رخصت ہوا اور بیمار اور بیمارداروں نے بہت ہی بُرا مانا۔ ایسے خیالات نے مجھے رات بھر بےچین رکھا۔ اگلے دن نو نہیں بجے تھے کہ آدمی دوڑا ہوا آیا کہ ڈپٹی صاحب کبھی سے بیٹھے کھڑے ہیں۔ جانا پڑا مگر رستے بھر مارے غصے کے میں نے

[1] سننے سے بے نصیب [2] خدا زیادہ کرے [3] خدا کرے ان کی سعی کامیاب ہو [4] مبارک ہو۔ ۱۲

ڈپٹی صاحب سے آنکھ تک نہیں ملائی۔ ڈپٹی صاحب مجھے باہر بٹھا آپ اندر چلے گئے بس کوئی چار یا پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ میری طلبی آئی قریب جا کر سلام کیا۔ دیکھا کہ سخت عدیم الفرصت ہیں۔ انگریزی کاغذات کے بہت سے بنڈل سامنے دھرے ہیں سر جھکائے دیکھ دیکھ کر ان پر پنسل سے کچھ لکھا اور الگ رکھ دیا۔ مجھے سلام کرتے کو تو کیا دیکھا ہوگا مگر میری آہٹ پا کر اسی طرح جھکے جھکے اردو میں پوچھا کہ علم کہاں حاصل کیا۔ عرض کیا دہلی کالج میں۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام نے وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ[۵۸] کے جواب میں هِيَ عَصَايَ[۵۹] کے ساتھ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ زیادہ کر دیا تھا اتنا میری زبان سے اور نکلا کہ جب حضور نے مدرسے پہلے کالج کا ملاحظہ فرمایا تو میں عربی کی اول جماعت میں تھا بلکہ حضور نے مجھ سے تاریخ یمینی کا ایک قصیدہ بھی پڑھوا کر سنا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ سر ولیم میور نے میری اس بات کو توجہ سے سنا یا نہ سنا مگر سامنے گزٹ کی نقتی پڑی تھی اٹھا کر مجھے دی اور فرمایا کہیں سے اس کے ایک چیپٹر کا ترجمہ کر کے آج ہی کے دن اسی وقت مجھکو دکھا جانا۔ اس کے بعد ڈپٹی صاحب اور میں دونوں رخصت ہوئے۔ رستے میں ڈپٹی صاحب نے مجھے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ مکان پر پہنچنے کے ساتھ ہی میں تو ستو باندھ کر ترجمے کے پیچھے پڑا چھوٹا سا چیپٹر منتخب کیا الفاظ کو ڈکشنری میں دیکھا اور سیاق کے زور سے مطلب سمجھا پھر ترجمہ تو منہ کا نوالا تھا۔ میعاد سے تین دن پہلے میں نے اصل و ترجمہ ڈپٹی صاحب پاس بھیج دیا کہ یہ بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ یہ ایسے جلد باز کہ اسی وقت میور صاحب پاس لے دوڑے۔ انہوں نے دیکھ کر پسند کیا اور فرمایا کہ نذیر احمد ترجمہ کرے اور وقتاً فوقتاً تو صاحب سکریٹری کو دکھاتا رہے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا کہ وہ سررشتہ تعلیم کا ملازم ہے اور اکثر دورے میں رہتا ہے اس پر میور صاحب نے بابو شیو پرشاد صاحب کے نام ایک چٹ لکھ دی کہ نذیر احمد کو

[۵۸] موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے ۱۲ [۵۹] میری لاٹھی ہے کہ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اسی سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اس کے علاوہ اس سے میرے اور بھی کئی کام نکلتے ہیں ۱۲

کو انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمے کے لیئے اُس کے کام سے سبکدوش کرو۔ یہاں کا تو قصہ یہاں چھوڑا یہاں سنو اب ذرا ترجمے کا بیان۔ میور صاحب نے جو دن مقرر فرمایا تھا میں نے ایک دن پہلے ڈپٹی صاحب سے جا کر کہا کہ اب کل مجھکو لے چلئے گا۔ ڈپٹی صاحب نے روکھے پھیکے ہو کر فرمایا کہ مجھ سے جو نادانی ہوئی تھی میں نے اُس کو نباہ دیا۔ اب تم جاؤ اور میور صاحب جانیں میں نے بہتیری ہی منت اور سماجت کی انھوں نے میور صاحب تک چلنے کی ہامی ہی نہ بھری یہاں تک کہ عین دن کے دن میں نے صبح سے جا کر دھرنا دیا پھر بھی وہ انکار ہی کرتے رہے۔ جب مجھے خوب زچ کر لیا اور میں رونکا سا ہوا تو بورڈ کا سرکاری لفافہ میرے آگے ڈال دیا اُس میں میور صاحب کے دستخطی چٹ بابو شیو پرشاد صاحب کے نام کی تھی کہ نذیر احمد کو انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمے کے لیئے اس کے کام سے سبکدوش کرو۔ غرض میں باطمینان ترجمے کے کام میں مشغول ہو گیا۔ بڑا آدھا ترجمہ کر چکا تھا کہ بابو صاحب آ گئے اور میں اُن کی پیش دستی میں ترجمہ کرنے لگا۔ اس سے مجھکو بے دلی سی ہوئی مگر ڈپٹی صاحب نے سمجھایا کہ میور صاحب اور لو صاحب تم کو جان چکے ہیں ان کا اتنا جاننا تمہارے لیئے بس کرتا ہے۔ ڈپٹی صاحب۔ تمہارے کیئے ہوئے میں بابو صاحب نے تو کچھ تصرف نہیں کیا۔ میں ایک نقطے کا بھی نہیں۔ ڈپٹی صاحب۔ بس تو مال میں آنے کی تیاری کرو۔ یہ کہہ کر مجھے شفقت سے زیادہ پاس بلایا اور خوش ہو ہو کر اور ادھر ادھر باتیں کرتے رہے جیسے اِن کو میری آئندہ ترقی کا اذعان تھا۔ یہ ہی مودتِ اہل صفا چہ دررو چہ درقفا۔ انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمے پر تو اس کے سوا کوئی عاجل منفعت مترتب ہوئی نہیں کہ بابو شیو پرشاد صاحب لو صاحب پاس میرا آنا جانا سن کر ذرا سیدہی طرح بولنے بات کرنے لگے اور ہاں میری انگریزی کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ اور اب مجھکو عربی کی بھی قدر آئی۔ یا تو انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمے کا نام سن کر میرے حواس باختہ ہو گئے تھے یا اب ایسا ہوا کھلا کہ میں نے لو صاحب سے مانگ کر بورڈ کے کئی سرکلر ترجمے کیئے۔ اور میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ ترجمے کی جنتری میں سے نکل کر میری اُردو کی تحریر بھی ٹھیک ہو گئی۔ اور

مجکو لفاظی اور قافیہ بندی اور مبالغہ اور استعارات اور تشبیہات کے بدون سادہ سلیس شگفتہ عبارت میں ادائے مطلب کا ڈھب آگیا جس کو آگے چل کر لوگوں نے بہت پسند کیا ادھر تو میری طبیعت ترجمے کی سان پر چڑھی ہوئی تھی ادھر انھی کے مقارن سر جارج ایڈمنسٹن اپنی خاص نگرانی میں پینل کوڈ[1] کا اردو ترجمہ کرا رہے تھے اس طرح پر کہ بریلی کے منشی عظمت اللہ ترجمے کرتے پھر ریڈ صاحب ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے میر منشی مولوی کریم بخش صاحب اس کو ہناتے پھر ریڈ صاحب انگریزی سے مقابلہ کرتے اس سب کے بعد وہ ترجمہ اصلاح خاتم کے لیے لفظ بلفظ لاٹ صاحب کو سنایا جاتا تب کہیں جا کر وہ ٹھکانے سے بیٹھتا۔ لاٹ صاحب معمولی سرمائی دورے کے لیے پہاڑ پر سے اترے۔ الہ آباد پہنچنے میں ابھی ہفتے عشرے کی دیر ہو کہ ریڈ صاحب کی چھٹی میرے نام آئی کہ لاٹ صاحب صرف دو دن الہ آباد ٹھیر کر بنارس چلے جائیں گے عظمت اللہ کریم بخش ان کے ساتھ مجھ سے آگے بڑھ جائیں گے میں چند روز تھارن ہل صاحب کمشنر کے یہاں الہ آباد ٹھیروں گا تم کچہری کے وقت میں عظمت اللہ کا ترجمہ مجھے سنا دیا کرنا چنانچہ لاٹ صاحب آئے بھی اور گئے بھی میں حکم کے مطابق ہر روز جاتا اور جس طرح حاکم کے سامنے رپورٹ خوانی ہوتی ہے منشی عظمت اللہ کا ترجمہ مولوی کریم بخش کا بنایا ہوا ریڈ صاحب کو سنا کر چلا آتا۔ ریڈ صاحب جگہ جگہ رکتے اور کبھی کبھی ناخوش بھی ہوتے مجھ پر نہیں مترجموں پر میں تین چار روز تو ریڈ صاحب کا رنگ ڈھنگ دیکھتا رہا کہ کیا چاہتے ہیں اور کہاں اٹکتے ہیں۔ جب اس کی اٹکل مل گئی تو میں نے بیچ میں سے چار پانچ دن کے سنانے کی قدر چھوڑ اٹھارویں چیپٹر سے متوکلاً علی اللہ آپ ترجمہ شروع کر دیا۔ دستور یہ تھا کہ برخاست کرتے وقت ریڈ صاحب سکشنوں کو گن لیا کرتے تھے۔ تو فی یوم اکثر سات سکشنوں کا اوسط پڑتا رہتا تھا۔ اٹھارویں باب پر پہنچ کر تو میں نے ہمت کر کے اپنا ترجمہ پڑھا۔ خدا کا کرنا پہلے ہی دن تیرہ سکشن پاس ہوئے۔ اٹھتے وقت گنا تو شبہ ہوا کہ شاید کچھ سکشن چھوٹ گئے بار بار الٹ کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ نہیں کچھ چھوٹا نہیں تو ریڈ صاحب کو بڑا تعجب ہوا اب میں نے

[1] انگریزی مجموعۂ تعزیرات ہند۔ ۱۲

عربی زبان سے کہا یہ ترجمہ میں نے کر لیا تھا کہ دیکھوں کر بھی سکتا ہوں یا نہیں۔ اس پر ریڈ صاحب کو اور بھی تعجب ہوا۔ ترجمہ تو مجھ سے لے لیا اور لاٹ صاحب کے نام کی ایک چٹھی میرے حوالے کی کہ آج ہی ڈاک میں بنارس پہنچ کر چٹھی لاٹ صاحب کو دو وہ تم کو ترجمے میں شریک کر لیں گے اور میں بھی آج کے چوتھے دن لاٹ صاحب کے کیمپ میں ہوں گا۔ غرض میں بنارس پہنچا اور منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش کے ساتھ ثالثُ الاثنانی[لہ] بنا لیا گیا میرا منصب سکروٹنائز یعنی نکتہ چینی کا تھا۔ میں نے اسی میں لاٹ صاحب اور ریڈ صاحب دونوں کی نظر میں اتنا اعتبار پیدا کر لیا کہ ترجمے کے ختم ہونے پر جو منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش کو دیا وہ مجھ کو دیا یعنی پانچ چھ سو کی مکیب کی قیمتی گھڑی جس کے ڈھکنے کے اندر نام اور عطیہ گورنمنٹ ولایت سے کندہ ہو کر آیا اور ڈپٹی کلکٹری کے لیے تینوں کو یکسان نامزد کر دیا۔ ہاں اس کو جو چاہو سمجھو لو کہ میں نے بحکم گورنمنٹ لکھنؤ رہ کر منشی نول کشور کے یہاں ترجمہ چھپوایا میں نے انڈکس بنایا میں نے دفعات کے خلاصے لکھے۔ میری اس کامیابی سے یوں تو جیسا قاعدہ ہے میرے دوست احباب بھی خوش ہوئے لیکن اوروں کی خوشی خالی خوشی تھی ہاں لکھنؤ سے واپس ہو کر جو میں لو صاحب کے سلام کو گیا تو انھوں نے کہا تم نے بڑی دیر لگائی کان پور میں ایک تحصیل داری خالی ہونے والی ہے میں نے تمہارے انتظار میں اس کو روک رکھا ہے ڈپٹی کلکٹری تو آپ لوگوں کو ملے گی ضرور ملے گی مگر میرے نزدیک پایہ بپایہ چڑھنا اچھا ہے اور میں بھی عن قریب کلکٹری پر جانے والا ہوں۔ میں نے سوچا کہ نقد را بہ نسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست جیسا آیا تھا ویسا ہی لو صاحب سے چٹھی لے کان پور کو لوٹ گیا۔ تحصیل دار ہوا تو سابقہ عمل و دربار ہی سے تھا اس کوچے سے نابلد۔ لوں پر اپنا وقار قائم رکھ کر کام سے آگاہی پیدا کرنے کے لیے مجھ کو قانون اور ہدایت نامہ اور سرکلر اور دستور العمل اور مثلوں کے دیکھنے میں طالب العلمی سے بہت زیادہ محنت کرنی پڑی۔ اور شاید کارروائی کے لیے میں اتنی محنت نہ بھی کرتا تحصیلدار سا

لہ پورے تین بازوؤں کا تیسرا بازو ۱۲

سکے امتحان میں صرف تین یا چار مہینے باقی تھے اور میں جدید الخدمت ہونے کا عذر کرتا تو ضرور پذیرا بھی ہوتا مگر میں نے کہا کہ برس روز تک کون ڈگدے میں رہے میں نے جان توڑ ایسی محنت کی کہ روزمرہ کے کام کو بھی پس ماندہ نہ ہونے دیا اور ساتھ کے ساتھ امتحان کے لیے بھی تیاری کرتا رہا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساتھ کے امتحان دینے والوں میں سب میں اول رہا۔ اب یہ وقت آیا تھا کہ میں دن بھر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا حقے بجایا کرتا مگر وہ جو کہتے ہیں کام کرنے والے کو کام کی کمی نہیں ان ہی دنوں ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۸۶۱ء کا اردو ترجمہ ضابطۂ فوجداری گورنمنٹ گزٹ میں شائع ہوا۔ باوجودے کہ ضابطہ گویا قانون تعزیرات ہند کا ضمیمہ تھا چاہیے تھا کہ تعزیرات ہند کی طرح ہم ہی لوگ ضابطے کا بھی ترجمہ کرتے مگر کسی کو اس کا خیال نہ آیا اور مسٹر ولسن مترجم گزٹ نے اپنے طور پر بلا لحاظ تعزیرات ہند ضابطے کا ترجمہ کر کے سیدھے گزٹ میں چھپوا بھی دیا تو تعزیرات ہند اور ضابطے میں اختلاف ہوا ہی چاہیے اور ہوا بھی۔ میں نے میر ناصر علی خاں ذوالقدر کے ذریعے سے یہ بات گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی۔ بات معقول تھی گورنمنٹ نے فروگذاشت کو تسلیم کیا اور آخر مجھی کو ضابطے کا ترجمہ درست کرنا پڑا۔ غرض تحصیل داری کا زمانہ جو دو برس سے متجاوز نہ تھا کام سے آگاہی پیدا کرنے بجا آوری خدمت اور ضابطۂ فوجداری کی اصلاح میں مشغول رہا۔ پھر میں ڈپٹی کلکٹر کر دیا گیا دو مہینے کان پور میں کام کرنے پایا تھا کہ محنت جو میری قسمت میں لکھی تھی گورکھپور لے گئی۔ دیکھا کہ ضلع بجائے خود ڈویژن ہے جس کا ایک ایک پرگنہ آبادی اور مالگزاری اور وسعت رقبہ میں بڑے بڑے اضلاع کی ہمسری کرتا ہے اور شملہ بمقدار علم جیسا ضلع بڑا ہے ویسا ہی مال فوجداری کا معمولی کام بہت ہے اور بندوبست اس کے علاوہ۔ کثرت کار دیکھ کر گھبرایا تو سہی مگر ہمت نہیں ہاری رات دن محنت کر کے کام کو کار امروز بفردا مگذار پر لا ڈالا۔ مرتے کو مارے شاہ مدار کثرت کار کے علاوہ ایک پنچ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کی اور تھی لیکن محنت میں خدا نے بڑی برکت دی ہے۔ دن بھر کام کیا ادھیڑ بن میں رہا رات کو امتحان کے لیے کتابوں کی ورق گردانی کی

بارے تمام پراونس میں مال و فوجداری دونوں صیغوں میرا دل رہا اور بقیۃ العمر امتحانوں سے چھٹی پائی۔ اس کے بعد میری بدلی ضلع جالون کو ہوگئی۔ مصرع

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

یہاں بھی وہی بندوبست۔ بندوبست میں رہ کر فرصت کی توقع ایسی ہے جیسے کوئی شخص چیل کے گھونسلے میں ماس ڈھونڈتا پھرے خاص کر میرے لیے کہ میں کار سرکار میں نفلوں کو بھی فرضوں کی طرح اپنے اوپر لازم کر لیا کرتا تھا۔ بندوبست کی کم فرصتی پر ایک حکایت یاد آئی کہ میں ایک بار رمضان کے مہینے میں دورے پر تھا اتفاق سے ایک دوست غالی فی المذہب دن کے وقت تشریف لائے اور مجھے حقہ پیتے دیکھ لیا تعجب کیا اور پوچھا کہ کیا آپ کو روزہ نہیں۔ میں نے کہا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آپ دیکھتے ہی ہیں۔ فرمانے لگے خیر ہے کیا عذر ہے۔ میں نے کہا سفر۔ دوست۔ دورے کو امام ابو حنیفہ نے سفر تسلیم نہیں کیا۔ میں۔ کون امام ابو حنیفہ۔ دوست۔ ایں آپ کیسی تجاہل عارفانہ کی سی باتیں کرتے ہیں اجی وہی امام ابو حنیفہ جن کے ہم سب حنفی مقلد ہیں۔ میں۔ وہ کہیں بندوبست کے ڈپٹی کلکٹر بھی رہے تھے۔ دوست لاحول ولا قوۃ الا باللہ اُن کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ تھی اُنہوں نے خدمت قضا تو قبول کی ہی نہیں ڈپٹی کلکٹری لعنت ہیچ کیا چیز ہے۔ میں۔ امام ابو حنیفہ غلام زحمت کشی نیاز مودہ بود۔ تو دورے کو سفر نہیں مانتے اور گورنمنٹ تین روپیہ روز بھتہ دیتی ہے از برائے خدا کہیں یہ مسئلہ کسی حاکم کے گوش گزار نہ کر دیجئے گا ورنہ ہم بیچارے ڈپٹی کلکٹروں کا بھتہ مارا جائے گا۔ باوجود ایسی عدیم الفرصتی کے بھی میں نے علمی شغلہ نہ چھوڑا مگر ہاں اس کی شان بدل دی۔ ابھی اب میرے بچے دو بیٹیاں جن میں سے بڑی کے جوان مرگ مرنے کا میرے دل پر داغ ہے اور ایک بیٹا خدا اُس کی عمر دراز کرے اس قابل ہوئے کہ اُن کو پڑھنا شروع کرایا جائے۔ بیٹے کے بارے میں تو ابھی وہ طفل رضیع ہی تھا تبھی سے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرح میں نے اپنے باپ سے پڑھنا شروع کیا تھا

میں آپ اس کو پڑھاؤں گا - رہیں بیٹیاں ان کے لیے قرآن ترجمہ قرآن اور چھوٹے چھوٹے
مذہبی رسائل راہ نجات وغیرہ کے سوائے کوئی کتاب ہی نہ تھی - اور بیٹے کے لیے بھی
سرکاری سکولوں کی کتابیں تو خاصی تھیں مگر میں ان سے زیادہ شگفتہ کتابیں چاہتا تھا تاکہ
اس کو پڑھنے سے وحشت نہ ہو - اس پر بھی ایک حکایت یاد آئی اور اکثر یاد آیا کرتی ہے کہ بشیر
کوئی پانچ برس کا ہوگا میری عادت تھی کہ کھانا کھانے سے فارغ ہو کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا
وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ مصرع

	شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو	

بالالتزام پڑھا کرتا تھا تو ایک دن بشیر نے پوچھا کہ ابا جان آپ کھانے کے بعد یہ کیا پڑھا
کرتے ہیں میں نے کہا بیٹا خدا نے عزت و آبرو کے ساتھ روزی دی ہے اس کا شکر کرتا ہوں
کہنے لگا کہ مجھکو بھی سکھا دیجیے میں نے کہا کہ عربی تو تم کو مشکل سے یاد ہوگی میں اردو کی دعا
بنا دوں گا تم وہی پڑھ لیا کرنا - چنانچہ میں نے یہ شعر بنا دیا ۵

یہ رزق طیب بلا مشقت خدا کی قدرت کا دیکھو جلوہ	گنا ہگاروں کو من و سلویٰ کیا عنایت گیہوں کا حلوا

کی اچھی تھی جلد ہی سے یاد ہو گیا اور بشیر کڑک کڑک کر وقت بے وقت پڑھتا پھرا اگر بچہ
سمجھتا بوجھتا تو کچھ تھا نہیں گیہوں کو حلوا کی جگہ گیہوں کا حلوا زبان پر چڑھ گیا اور وہ اسی کو رٹتا
رہا - بات تھی ہنسی کی نہ میں نے روکا نہ کسی کو روکنے دیا - اب تک بھی جب کبھی گیہوں
کا حلوا یاد آجاتا ہے تو ہم لوگ ہنسا کرتے ہیں - تو میں اپنے بچوں کے لیے ایسی کتابیں چاہتا
تھا کہ وہ ان کو چاؤ سے پڑھیں - ڈھونڈا تلاش کیا کہیں پتہ نہ لگا - ناچار میں نے ہر ایک کے
مناسب حالات آپ کتابیں بنانی شروع کیں بڑی لڑکی کے لیے مراۃ العروس چھوٹی کے
لیے منتخب الحکایات - بشیر کے لیے چند پند - یہ نہیں کیا کہ کتابیں سالم لکھ لیں تب پڑھانی شروع

۵ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہم کو مسلمان پیدا کیا اور ہماری آخری بات یہ ہے کہ سب طرح کی
تعریفیں خدا کو ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے - ۱۲

کیں۔ نہیں بلکہ ہر کتاب کے چار چار پانچ پانچ صفحے لکھ کو ہر ایک کے حوالے کر دیئے۔ مگر وہ
بچوں کو ایسی بجائیں کہ جس کو پاؤ صفحہ کے پڑھنے کی طاقت تھی وہ آدھے صفحے کے لئے اور
جس کو ایک صفحے کی استعداد تھی وہ ورق کے لیے مستعجل تھا جب کبھی ایک نہ ایک متقاضی
ہو کہ میرا سبق کم رہ گیا ہے۔ میں اسی وقت قلم برداشتہ لکھ دیا کرتا تھا۔ یوں کتابوں کا پہلا گھان
پورا ہوا۔ اتنے میں تو کپتان صاحب ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن دورہ کرتے کرتے ضلع
کے ہیڈکوارٹر اور دلی کے باغ میں فروکش ہوئے شام کے وقت خیمے کے باہر درختوں کے
تلے ٹہل رہے تھے کہ بشیر تانگن پر سوار دو تین آدمی ساتھ۔ لئے اُدھر سے نکلا صاحب کو دیکھ
تانگن پر سے اتر سلام کیا صاحب نے نام و نشان کے بعد پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ بشیر۔ چند پند
صاحب۔ یہ نام تو ہم نے نہیں سنا۔ بشیر۔ یہ کتاب میرے والد نے میرے لئے بنا دی
ہے۔ صاحب۔ کتاب کا مضمون کیا ہے۔ بشیر۔ بڑی اچھی اچھی نصیحت کی باتیں ہیں۔ صاحب۔
ہمکو وہ کتاب دکھا سکتے ہو۔ بشیر۔ میں ابھی جا کر گھر سے لے آتا ہوں وہ تانگے پار ہمارا ہی گھر
دکھائی دیتا ہے۔ تھوڑی دور سے لوٹ کر۔ میں بڑی آپا اور چھوٹی آپا کی کتابیں بھی لیتا آؤں چند پند سے
بھی اچھی ہیں بڑے مزے کی باتیں ہیں۔ صاحب۔ ضرور سب لاؤ۔ بشیر نے بستے کا
بستہ گھر سے لا صاحب کے حوالے کیا۔ شام کو میں جو کچہری سے گھر آیا تو بہن بھائی لڑ رہے
تھے بہنوں کو شکایت تھی کہ ہماری کتابیں کیوں دے آئے میں نے سن کر کہا کہ کیا مضائقہ ہے
میں تم سب کو ان سے بہتر کتابیں بنا دوں گا۔ اگلے دن جو میں کپتان صاحب سے ملا تو انھوں
نے شاید ان کتابوں کو کچھ دیکھ بھال لیا ہوگا فرمایا ان کی نقلیں مجھے پرسوں تک کاپی پہنچا دو۔
یہاں میرے پاس نمبر کی صفائی میں بہت سے اجیر تھے خوش خط اور کتابیں بھی چھوٹے
چھوٹے رسالے ہیں میں نے شیرازہ توڑ اوراق تقسیم کر دیئے شاموں شام نقل ہو کر آ گئے۔
جاتی ہوئی جلدیں بند ہوا کر صاحب تو پرسوں تک کو کہہ گئے تھے۔ میں نے اگلے ہی دن
کتابیں پہنچا دیں۔ کوئی دو مہینے بعد نینی تال سے کپتان صاحب کی چٹھی آئی کہ مراۃ العروس کو

پڑھ کر میں بہت ہی محظوظ ہوا یہ اپنے طرز مقبول میں پہلی ہی کتاب ہی اور ہزار روپیے کے انعام کی مستحق ہی اور اسی غرض سے میں اس کو گورنمنٹ میں پیش کروں گا۔ لفٹنٹ گورنر تھے وہی سر ولیم میور جن کی فرمائش سے میں نے انکم ٹیکس کا ترجمہ کیا تھا۔ انھوں نے تو مراۃ العروس کو آسمان پر چڑھا دیا ہزار روپیہ گورنمنٹ سے سر دربار انعام دیا ایک قیمتی ٹائم پیس میرا نام کندہ کرا کے جیب خاص سے کیمپسن صاحب اور اپنے ریویو کو گورنمنٹ گزٹ میں چھپوایا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔ میں نے بھی تصنیف کا دڑبہ کھول دیا اور اب بھی کھلا ہی سا ہے ہاتھ کے رعشے کی وجہ سے پٹ بھیڑ دیئے ہیں بنا نہیں سکتے۔ مراۃ العروس کے بعد میں نے سینڈ فورڈ کی طرح کا ایک ناول بنات النعش لڑکیوں کے لیے لکھا اور اس کو بھی بطمع انعام سرکار میں چلتا کیا۔ ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے تاہم پانسو روپیہ اس پر بھی انعام ملا اور چونکہ بابو شیو پرشاد نے اتنے ہی کی سفارش کی تھی اس پانسو کو بھی کئی پانسو کی برابر سمجھتا ہوں۔ ضلع جالون کا بندوبست ختم ہونے کو ہوا تو مجھ کو پھر گورکھپور بدل دیا گیا بترقی۔ میں تو گورکھپور کا نام سن کر ڈر گیا تھا مگر اس مرتبہ کام تھوڑا تھا اور تھوڑے دنوں کا بھی تھا مدتوں سے سالانہ رپوٹوں میں شکایت لکھی جا رہی تھی کہ ضلع بندی کے وقت ضلع گورکھپور میں جنگل بہت تھا اس کے بعد سے گرانٹ سسٹم پر جنگل کٹ کٹ کر کاشت ہو گئے نیپال کی ترائی کے لوگوں نے کتنے گانو بسا لیے حکام اور عمال کو کثرت کار سے رعایا کو صدر کی آمد و شد سے بہت تکلیف ہی اور اتنے لوگوں کی روک تھام بھی مشکل ہی۔ آخر کار ضلع گورکھپور سے کچھ علاقہ کٹ کر ضلع بستی قرار پایا۔ میری تعیناتی اسی غرض سے تھی کہ ضلع بستی کے کاغذات بندوبست الگ کر دوں۔ جیسا سرکاری کام تھوڑا تھا ویسا ہی ایک چھوٹا سا کام تصنیف و تالیف کا بھی مل گیا کہ میری پہلی آمد میں ایک مہتمم بندوبست مسٹر لیوپرون بھی تھے میں ان کا ماتحت تو نہ تھا مگر وہ آدمی تھے علم دوست دو چار ملاقاتوں میں مہربانی فرمانے لگے۔ انھوں نے قانون شہادت پر انگریزی میں ایک عالمانہ متن لکھا اور مجھ سے اس کے ترجمے کی فرمائش

کی ۔ رسالہ تو چھوٹا تھا مگر بڑا ہی ادق ۔ ون صاحب نے ترجمہ پسند کیا اور منشی نول کشور نے مطبع میں اُس کو چھپوایا بھی پھر مجھکو نہیں معلوم ہوا کہ اُس کا کیا حشر ہوا۔ میں تو اس کا ذکر بھی نہ کرتا مگر آگے چل کر ان ہی لپورون صاحب کے ایک فرمایشی ترجمے کا حال بیان کروں گا جس کی وجہ سے میرے حق میں ایک بڑا مفید نتیجہ مترتب ہوا تفریق کا غذات کا کام پورا ہو لیا تو مجھکو اعظم گڈھ بھیج دیا۔ کتاب بینی اور تصنیف و تالیف کی لذت تو فرصت ڈھونڈتی تھی ؎

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن	بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

اور کُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِیْ عُنُقِهٖ بندوبست ہے کہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں بار بار حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ اب مجھکو ضلع کا کام ملے حکام وعدہ بھی فرماتے ہیں مگر عین وقت پر مصرع

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

پہلی نظر مجھ پر پڑتی ہے میں تو بندوبست سے اس قدر ملول ہو گیا تھا کہ جب سر ولیم میور[۱] نے آگرے کے مقام پر ڈیوک آف اڈنبرا کی موجودگی میں مجھکو مراۃ العروس کی تصنیف کے صلے میں انعام دیا ہے جس کا ذکر میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی کر چکا ہوں تو میں اُن کی شان میں عربی کا مدحی قصیدہ لکھ کر لے گیا تھا اُس میں تین شعر یہ بھی تھے ؎

فَلِیْ عَمَلٌ فِی الْبَنْدِ وَلَیْسَتْ ...	اَکَابِدُ هَا بِالصَّبْرِ مُنْذُ ثَمَانِ
فَهٰذَا اُسَاوِیْ وَاُسْتَقْبِحُ تَلَوُّنَا	وَهٰذَا مَشِیْبِیْ شَیَّبَتْ قَبْلَ اٰوَانِ

(۱) ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے لفٹنٹ گورنر تھے جو عربی کے بڑے ادیب اور فاضل اجل تھے خدمت سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ ایڈنبرا یونیورسٹی کے چانسلر تھے کیمپن صاحب ایم اے۔ ان کے داماد ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن تھے انھوں ہی نے مراۃ العروس اور توبۃ النصوح کا انگریزی ترجمہ کیا اور توبۃ النصوح کی ایک مبسوط شرح بھی انگریزی میں لکھی ۱۲۰ ۵۲ اور میں آٹھ برس سے بندوبست میں ہوں اور مجھکو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور میں صبر کے ساتھ مشقت اُٹھاتا ہوں ۱۲۰ ۵۳ یہ میری صورت ہے کہ میری رنگت متغیر ہو گئی ہے اور میں وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا ہوں ۱۲۰

وَثِقْتُ بِرَجَائِیْ وَالرَّجَاءُ مُعَوِّلِیْ[۵۱]	عَلٰی ثِقَۃٍ بِالنُّجْحِ وَالتَّشَکُّکُ بِ

اعظم گڑھ کے قیام کا زمانہ تصنیف و تالیف کے اعتبار سے اچھا کامیاب زمانہ تھا۔ میں نے اعظم گڑھ میں ایک تو توبۃ النصوح لکھی جو میری تصنیفات میں سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ وہ مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی اور لاٹ صاحب کو گورنمنٹ کی نیوٹریلیٹی کے لحاظ سے تامل تھا کہ وہ اس کو انعامی کتابوں کے شمول میں لے بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ مگر کتاب کا پلاٹ کچھ ایسا بن پڑا تھا کہ لاٹ صاحب کو لیتے ہی بن آئی اور کتاب باوجودیکہ اسلام کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی مگر اس میں کہیں بھی کوئی ایسی بات نہ تھی جس کو کوئی دوسرے مذہب کا آدمی دیکھ کر برا مانے۔ اس پر بھی گورنمنٹ نے ایک ہزار روپیہ اول درجے کا انعام دیا اور انعام سے بڑھ کر یہ ہوا کہ سول سروس کے کورس میں داخل کی گئی۔ میں جو کتابیں بناتا تھا تو صرف انعام کی طمع سے نہیں بلکہ اصل میں مجکو ان کتابوں کے ذریعے سے اپنے بچوں کی تعلیم منظور ہوتی تھی اور گورنمنٹ سے جو انعام مل جاتے تھے وہ روکھن ہیں۔ چنانچہ بشیر کے لیے میں نے صرف و نحو عربی کے دو رسالے بنائے وہی اس کو پڑھائے اور انھیں رسالوں کی مدد سے وہ طالب العلمانہ طور پر اچھی خاصی طرح عربی عبارت کے پڑھنے پر قادر بھی ہو گیا۔ صرف کا رسالہ مَا یُغْنِیْکَ فِی الصَّرْفِ چھپوا کر سرکار میں پیش بھی کیا وہاں سے یہ لکھ کر واپس آیا کہ جن مولویوں سے اس پر رائے لی گئی وہ اس کو پسند تو کرتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کورس اگلوں سے چلا آیا ہے اس کو بدلنا مناسب نہیں۔ شمس العلماء عالم باعمل مولوی علوم شرقیہ کے بعد میں نے مَا یُغْنِیْکَ فِی النَّحْوِ

---

[۵۱] اور مجکو آپ سے بڑی امید ہے اور امید پر مجکو بھروسہ ہے اور کامیابی کا یقین۔ ۱۲

[۵۲] یہ کتاب مولوی علی احمد صاحب برادر اکبر مولوی نذیر احمد صاحب نے میرے والد ماجد مرحوم و مغفور کی فرمائش پر لکھی تھی جس کا نام انھوں نے "توضیح الطرام" رکھا تھا اور میں نے سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔ نحو میں یہ کتاب بہت جامع ہے لیکن جب رسالہ صرف کا وہ حشر ہوا کہ نہ چلی تو نحو کی کتاب کے روبراہ ہونے کی کیا امید تھی۔ اس زمانے میں عربی کی تعلیم کم تر ہوتی ہے تو پھر اس کتاب کے چلنے کی کیا امید کی جا سکتی تھی لہذا اس کے چھپوانے کی ہمت نہ پڑی اور بیٹھ رہا وغیرہ یوں ہی پڑا ہے ۱۲

کو ہوا تک بھی نہ لگنے دی - مگر میری محنت پھر بھی رائگاں نہیں گئی کیونکہ بشیر نے اس کو پڑھا اور اس سے فائدہ اٹھایا - سر ولیم میور کی گورنمنٹ کو تعلیم کی طرف خاص توجہ تھی ادھر تو بشیر منطق شروع کرنے والا تھا ادھر گورنمنٹ کو سرکاری مدارس کے مبتدیوں کے لیے ایک رسالے کی ضرورت تھی اشتہار دیا گیا جگہ جگہ رسالے بننے لگے [۵۱] وَاَلْقِ دَلْوَكَ فِي الدِّلَاءِ میں نے بھی عربی اور انگریزی منطق کو ملا جلا کر ایک انوکھی قسم کا رسالہ لکھا مبادی الحکمت گیارہ رسالوں میں میرا رسالہ بازی لے گیا اور انعام کے پانسو چھپتا گیا یونیورسٹی نے اس کو کورس میں بھی لے لیا - اب نہیں معلوم رہنے دیا یا نکال پھینکا - مگر ابنیک فی الصرف اور مبادی الحکمت دونوں رسالے چھپتے تو رہتے ہیں کورس میں ہوں یا نہ ہوں - قیام اعظم گڑھ کی برکات میں سے دی لاسٹ [۵۲] دونا ٹیا دی لیسٹ علم ہیئت کی مشہور اور مقبول کتاب گولنر ہونز کا ترجمہ ہے کتاب ایک فرانسیسی عالم نے لکھی مضمون تو سوکھا پھیکا ہے مگر مصنف نے ایسے دلچسپ پیرائے میں لکھا ہے کہ قصہ معلوم ہوتا ہے - پھر وہ جرمن میں ترجمہ ہوئی جرمنی سے انگریزی میں - اب لیوروں صاحب کو خیال آیا کہ اس کو اردو کیا جائے گزٹ میں ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار دیا اور مجھکو چٹھی لکھی کہ میں نے اشتہار تو دیا ہے مگر میری نگاہ تم پر ہے میں نے عذر کیا کہ میں نے تعلیم نسواں کا سلسلہ لے رکھا ہے اور اس میں مجھکو ابھی بہت کچھ کرنا ہے جب تک بندوبست میں ہوں اس سے زیادہ فرصت نہیں پا سکتا - مرد بزرگ نے یہ تو کیا کہ سن کر مجھکو ضلع میں بدلوا دیتے الٹا سر ولیم میور کا دباؤ ڈلوایا - ناچار مجھے ترجمہ کرنا پڑا - سب ملا کر گیارہ ترجمے ہوئے - ان میں مقابلہ کرنے کو لیوروں صاحب نے نقادان فن کی کمیٹی بٹھائی - کمیٹی نے میرے ترجمے کو سب سے بہتر تو مانا مگر ساتھ ہی یہ پچر لگا دی کہ اپ [۵۳] ٹو مارک نہیں ہزار میں سے چار سو کے قابل ہے جی جل کر خاک ہی تو ہو گیا - ممبران کمیٹی کے نام پوچھتا ہوں تو نام نہیں بتاتے استعفا دریافت کرتا ہوں

---

[۵۱] لیکن جہاں اور لوگ اپنے ڈول ڈال رہے ہیں تو بھی اپنا ڈول ڈال دے - ۱۲ [۵۲] [illegible]

انگریزی کے دو لفظ ہیں - ۱۲ [۵۳] تعمیل جیسی چاہئے ویسی نہیں - ۱۲

استقامت ظاہر نہیں کرتے ۔ وہ دن اور آج کا دن میں نے فرمایشی شاعری سے کان اینٹھا ۔ خیر میں تو صبر و شکر کر کے چپ ہو رہا وہاں لیوروں صاحب اس فکر میں پڑے کہ اب اس کو اپٹو مارک کون کرے ۔ یہ بات اُن کے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ حیدر آباد دکن میں امیر کبیر جو سرسالار جنگ اول کے ساتھ کو ریجنٹ بھی ہیں علم ہیأۃ کے بڑے عالم ہیں اور اُنھوں نے اس فن میں ایک رسالہ شمسیہ بھی لکھا ہے اور وہ انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا ہے ۔ امیر صاحب کے علو شان کے لحاظ سے لیوروں صاحب کو یہ تو جرأت نہ ہوئی کہ خود امیر صاحب کو لکھیں مگر اُنھوں نے سانڈرس صاحب رزیڈنٹ کو لکھا کہ یوں میں نے ترجمہ کرایا ہے اور میں اس کو اپٹو مارک کرانا چاہتا ہوں اگر آپ امیر صاحب کو اس کی درستی کی طرف متوجہ فرما سکیں تو میں آپ کا اور امیر صاحب کا بہت ہی ممنون ہوں گا ۔ یوں وہ میرا ترجمہ صاحب رزیڈنٹ حیدر آباد دکن امیر کبیر سرسالار جنگ سے دست بدست مولوی سید حسین بلگرامی تک پونہچا اور مجھے کچھ خبر نہیں اور نہ ان صاحبوں میں کسی سے جان پہچان یہ تھی تمہید میرے حیدر آباد جانے کی اور یہی وہ ترجمہ ہے جس کی نسبت میں نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ اس کی وجہ سے میرے حق میں بڑا مفید نتیجہ مترتب ہوا ۔ ترجمہ مولوی سید حسین کے پاس ہے اور مجھے معلوم نہیں یہاں تک کہ بات بھولی بسری ہو گئی کہ اتنے میں مولوی سید حسین کا خط آیا ۔ لکھا تھا کہ تمھارا ترجمہ مجھ کو سپرد ہوا ہے ۔ مجھ کو اس کمیٹی کی رائے سے اتفاق نہیں جس نے ترجمے کو اچھا نہیں بتایا ترجمہ بہتر سے بہتر ہوا ہے اور اس میں کچھ کسر ہے تو اسی قدر کہ تم ہی اس کی نظر ثانی کرو اور جہاں ضرورت دیکھو اصلاح کر لو ۔ اور میں یہی رائے لکھ کر ترجمہ وِلن صاحب کے پاس بھیج رہا ہوں ۔ خط کو آئے ایک ہفتہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ وِلن صاحب کے مفاجاۃً انتقال فرمانے کی خبر انگریزی اخبار میں پڑھی ۔ سناٹا سا گزر گیا اور سمجھا کہ ترجمہ بھی مر گیا کس کو لکھوں کس سے پوچھوں مصرع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اس عرصے میں ولن صاحب کی بیوہ شوہر کو رو پیٹا کر ولایت چلی گئیں کوئی چھ مہینے بعد انھوں نے

مجھکو لکھا کہ گولمنز ہوں کے ترجمے کا حال ون صاحب مرحوم کے بیانِ زبانی اور اُن کے روزنامچے کے پڑھنے سے مجھے بخوبی معلوم ہوا اور وہ ترجمہ میرے پاس ہے اور چھ سو روپیہ ترجمے کی نیت کا بھی امانت ہے جو تم کہو سو کروں۔ حضرات ذرا دیکھنا ان لوگوں کے اخلاق ان لوگوں کی تہذیب ان لوگوں کی مروت ان لوگوں کی وفاداری ان لوگوں کا پاسِ عہد۔ میں نے تعزیت کے بعد لکھا کہ روپیہ تو مجھکو چاہیے نہیں۔ ہاں ترجمہ واپس کر دیجئے تو میں ون صاحب کی نشانی اپنے پاس رکھوں گا۔ جب ترجمہ میرے پاس آگیا تو میں نے ترجمے سمیت ساری مراسلت جمع کر کے گورمنٹ میں پیش کر دی۔ گورمنٹ نے براہِ کمال قدر دانی وہ چھ سو روپے جو کمیٹی نقاد ترجمہ نے ضبط کرائے تھے اپنی گرہ سے بھر دیئے[۵۱] اس کے بعد سر سالار جنگ نے مجھکو حیدرآباد بلا لیا اور شروع ہی سے میری اتنی تنخواہ کر دی کہ اگر میں یہاں مر کر دوبارہ بھی جنم لیتا تو نصیب نہ ہوتی اور تنخواہ کے علاوہ لاکھ تنخواہوں کی ایک تنخواہ تو اُن کی قدر دانی تھی۔ میں نے بھی ان کے کام کے آگے نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات مصرع

کہ مزدورِ خوش دل کند کار بیش

وہاں اگر میں تصنیف و تالیف کا خیال کرتا تو کورنمکی کا مجرم ہوتا غرض زمانِ قیام حیدرآباد میں تعلیم و تعلم سے بے تعلقی ہی سی رہی مگر ایک تو سر سالار جنگ کے حکم سے میں نے ایڈمنسٹریشن پر چند رسالے[۵۲] حضور پر نور کے ملاحظے کے لئے تصنیف کیے و کفیٰ بہ فخراً اور ایک بڑا بہت بڑا

[۵۱] اور چار سو روپیہ گورمنٹ نظام نے دے کر انعام موعودہ ایک ہزار روپیہ کی تعداد پوری کر دی کتاب میں آسمان چاند سورج ستاروں کی متعدد پلیٹیں ہیں وہ بدون ولایت کے یہاں چھپ نہیں سکتیں اور ولایت کے چھپنے میں خرچ زیادہ بیٹھتا ہے۔ خیر خرچ کی تو کچھ بات نہیں لیکن بہت کم لوگ علم ہیئت کے شائق ہیں اور اُن سے بھی زیادہ کم وہ ہیں جو گرہ سے دام خرچ کر کے کتاب لیں اس وجہ سے مسودہ نہ اب تک چھپا نہ بظاہر حال چھپنے کی کوئی صورت نظر آتی ہے ۱۲ [۵۲] یہ چھ رسالے ہیں انتظام مالگزاری۔ عدالت اور اُن دیگر امور و اصول سلطنت میں جن کی ایک فرماں روا کو ضرورت ہے اور منشا ان کا جملہ امور نظم و نسق و انتظامات مملکت

کام یہ کیا کہ بدون اس کے کہ کار سرکار میں کسی طرح کا فتور واقع ہو چھ مہینے سترہ دن میں قرآن حفظ کر لیا ؎ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ؎ ۔ سر سالار جنگ کے انتقال کے بعد ان کے سبھی آوردوں کے پائے ثبات لڑکھڑا اٹھے اور جو سب سے پہلے بھاگ کھڑا ہوا وہ میں تھا۔ حیدرآباد کے ساتھ میں نے نوکری کے پیشے ہی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا کسی کی بھی ہو اور سرکار عالی نظام سے وظیفہ لے مزے سے گھر آ بیٹھا ؎ اَلْعَادَةُ كَالطَّبِيعَةِ الثَّانِيَةِ ساری عمر کام اور محنت میں گزری مشغولی شرط زندگی ہو گئی تھی میں نے پڑھنے لکھنے سے بیکاری کی تلافی کر لی اور یہ نہ کرتا تو اب تک کبھی کا مر بھی گیا ہوتا پندرہ سولہ برس گھر بیٹھے ہو گئے پڑھنے لکھنے کی بدولت نہ کبھی ایک منٹ کے لیے گرمی صحبت کی تمنا کی مصرع ؎ وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ كِتَابٌ اور نہ تنہائی سے تنگ دل ہوا ہ

ہر آدمی بجائے خود ایک محشر خیال		ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اس خانہ نشینی کے زمانے میں ابن الوقت محصنات ۔ رویائے صادقہ بیّن تو ناول لکھے ۔ وہ انعاموں کا سلسلہ تو مدتوں سے موقوف ہے جو خودستائی کا حیلہ شرعی تھا اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ میری ساری کتابیں انعامی اور غیر انعامی جائز ناجائز طور پر بار بار چھپتی ہی رہتی ہیں اور مراۃ العروس کو تو لوگوں نے ایسا سر چڑھایا ہے کہ انگریزی، بنگالی، گجراتی

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۳ ۔ گو یہ حسن الوجوہ والی ملکہ کی سمع مبارک تک پہونچا ہو چنانچہ ان رسالوں سے نواب میر محبوب علی خان غفران مکان کے ملاحظہ انور سے گزرنے کا شرف و افتخار حاصل کیا ۔ والد مرحوم کی پنشن بروئے قاعدہ چار سو ہوتی تھی کیوں کہ ان کی مدت ملازمت کم تھی اور برٹش گورنمنٹ کی سروس محسوب کرنے پر بھی ان کو ماہوار حالیہ کی نصف کی پنشن نہ ہو سکتی تھی لہذا چار سو پنشن اور دو سو روپیہ ماہانہ ان رسالوں کا انعام سرفراز ہو کر چھ سو روپیہ پنشن ہوئی جو اس وقت کے قواعد کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ مقدار پنشن کی تھی ۔ ۱۲ منہ ؎ اور خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہ رستہ دکھایا اور بے اس کے رستہ دکھائے ہم ہرگز رستہ نہ دیکھ پاتے ۱۲ ؎ جس چیز کی عادت پڑ جاتی ہے وہ انسان کی طبیعت ثانی ہو جاتی ہے ۱۲ ؎ بہتر ہمنشین زمانہ میں کتاب ہے ۱۲

بھاشا پنجابی، کشمیری زبانوں میں میرے علم و اجازت سے ترجمے کیے ہیں اور مجھ سے بے پوچھے کسی نے ترجمہ کر لیا ہو تو وہ جانے اور اُس کا ایمان۔ ناولوں کے علاوہ غمخواری بذریعہ لکچروں کی بلا اپنے پیچھے لگا لی کہ یہ بھی سال کے سال میرا مستقل وقت خرچ کرا دیتے ہیں۔ بالالتزام انگریزی اخبار کے مطالعے سے انگریزی کو بھی اپنے زعم میں پڑھ لیا ہے اور میں انگریزی اخبار کو اپنے لیے بلکہ ہر ایک انگریزی دان کے لیے سب سے بہتر معلم اور اخبار کو سب سے بہتر سبق سمجھتا ہوں۔ عربی میں تو کچھ پڑھا نہیں بلکہ جگالی کرتا تھا یعنی جو کچھ زمانِ طالب العلمی میں پڑھ لکھ لیا تھا اُسی کو دہراتا اُسی میں غور کرتے رہنا۔ تو میں نے ادب اور دینیات میں سے بھی تفسیر اور حدیث اور سیر کو لے لیا کہ ان ہی چیزوں میں میرا جی لگتا ہے۔ حدیث پڑھتے پڑھتے ایک کتاب میری نظر سے گزری تَیْسِیْرُ الْوُصُوْلِ اِلٰی جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِیْ اَحَادِیْثِ الرَّسُوْلِ میں تو اس کتاب کو دیکھ کر پھڑک گیا کہ صاحبِ کتاب نے حقیقت میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا یا چنے کی دال پر قل ہو اللہ کر دی یعنی مجموعہ صحاحِ ستہ کو ایک جلد میں جمع کر دیا اور وہ جلد صحاحِ ستہ[1] کی چھ کتابوں میں ہر ایک کتاب سے ضخامت میں چھوٹی اور مزہ یہ کہ اختلافاتِ لفظی میں سے زیر زبر کے اختلاف تک کچھ نہیں چھوڑا۔ دیکھنے کے ساتھ بے اختیار دل میں آیا کہ دین کی خدمت اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کتاب کا اُردو ترجمہ کر دوں تاکہ خدا کا فرمودہ اَلْیَوْمَ[2] اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا مسلمانانِ ہند کے حق میں جو عربی نہیں جانتے پورا ہو۔ ایک جملہ معترضہ تیسیر کے ترجمے کے متعلق اور بھی سُن لیجیے کہ جب سے مرأۃ العروس کے ساتھ اس بات کی شہرت ہوئی کہ میں اُردو اچھی لکھتا ہوں تبھی سے چند دیندار دوستوں نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ اگر تم قرآن کا اُردو ترجمہ کر دو تو بڑا کام کرو۔ میں بھی اس ضرورت کو تو سمجھتا تھا مگر کلامِ الٰہی کی عظمت کے لحاظ سے ترجمے کے لیے قرآن کو چھوتے ہوئے ڈر لگتا تھا

[1] حدیث کی چھ مستند کتابیں۔ موطا۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ۱۲ [2] آج ہم نے تم مسلمانوں کا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسی دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔ ۱۲

بار بار خیال آیا اور بار بار میں نے اس کو دفع کیا یہاں تک کہ میں تفسیر کا ترجمہ کرتے کرتے کتاب التفسیر تک پہونچا تو اُس میں آیات قرآنی آنی ہی تھیں۔ اب اُن کو اگر پرانے ترجمے رہنے دیتا ہوں تو ان کی اُردو میری اُردو سے نہیں ملتی اور اپنے طور پر ترجمہ کرتا ہوں تو ادب اجازت نہیں دیتا مصرع

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اسی گونگو میں مہینے گزر گئے قلم اُٹھاتا ہوں اور رکھ دیتا ہوں۔ آخر ڈرتے ڈرتے کتاب التفسیر کی آیتوں کا اپنے طور پر ترجمہ کیا۔ پھر تو میرا حوصلہ کھل گیا تفسیر کا ترجمہ تو کیا بند اور ترجمۂ قرآن کے بارہ میں استخارے کے طور پر خدا سے دعا کی۔ اس کے بعد میں نے اپنے ارادے میں کسی طرح کا تزلزل نہ پایا تو میں سمجھا کہ خدا مجھ سے یہ خدمت لینی چاہتا ہے اور میں نے تین برس کی لگاتار رات دن کی محنت میں سارے قرآن کا ترجمہ کر لیا۔ خدا کے فضل سے میری عمر کا کوئی بڑا حصہ قرآن سے بے تعلقی کا نہیں گزرا اور گزرا ہو تو حفظ کرنے سے میں نے اس کی کافی تلافی کر دی ہے۔ اور فہم معنی قرآن کو بھی ایک عمر گزری مگر ترجمہ کرتے وقت مجھ پر ایسے حقائق منکشف ہوئے جن کی طرف پہلے کبھی ذہن منتقل نہیں ہوا تھا۔ اُن میں سے بعض حقائق میں نے لکچروں میں ظاہر بھی کیے ہیں اور بعض کے اظہار کو ملتوی رکھا ہے اس لیے کہ عام لوگوں کے اذہان ابھی اُن کے متحمل نہیں۔ یہ ہے میری شروع سے اب تک کی تعلیم جس کو میں نے فی زعمی اپنے حق میں دنیا و دین دونوں کے اعتبار سے مفید پایا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ[1]۔ تعلیم کا مضمون اس وجہ سے کہ اُس پر سالہا سال سے از حکم تا محکوم ہر شخص غور کر رہا ہے جو تعلیم سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہے ایسا مستقل مضمون ہو گیا ہے کہ اب کوئی بڑے سے بڑا اکسپرٹ (ماہر) بھی کوئی نئی بات نہیں نکال سکتا جیسے ایشیائی شاعروں کے ہجر و وصال و انتظار و گل و بلبل کے معمولی فرسودہ مضامین کہ خیال تو خیال اب نئی بندش بھی کسی کو نہیں سوجھتی خاص

---

[1] تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے ۱۲

جب ایجوکیشن کمیشن بیٹھا تعلیم کا کوئی پہلو نہیں رہ گیا جس پر کافی بحث نہ ہو چکی ہو۔ بایں ہمہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم پر میں کچھ ریمارک کرنے چاہتا ہوں۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی غلط فہمیوں نے ان کا سارا ستیاناس مارا ہے ان ہی غلط فہمیوں نے انھیں یہ روز بد دکھایا ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو مذہب میں افراط و تفریط سکھائی۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ان کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دنیا مردار ہے اور دنیا کے طالب کتے اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَّ طَالِبُهَا كِلَابٌ۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو کاہل بنایا۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو تقدیر اور توکل کے حیلے تعلیم کیے۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو متعصب بنایا۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو انگریزی عملداری کی برکتوں سے متمتع نہ ہونے دیا۔ ان ہی غلط فہمیوں نے غیرت اور حمیت کی صفات فاضلہ ان سے سلب کر لیں۔ ان ہی غلط فہمیوں نے ایک اسلام سے تہتر فرقے نکال کھڑے کیے جن میں ایک کی مت ایک سے نہیں ملتی ان ہی غلط فہمیوں نے بھائی کو بھائی سے لڑوایا۔ غرض ان ہی غلط فہمیوں نے ان کو بیٹھ بھر کر بگاڑا۔ ان میں سے بعض غلطیاں تو ایسی ہیں جنھوں نے گویا اسلام کے ساتھ ساتھ نشو و نما پایا پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ہر کہ آمد براں مزید کرد ہوتا گیا۔ یا تو ایک زمانہ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا تھا یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ جو پشتینی مسلمان ہیں ان ہی کو اسلام میں ٹھیرنے کی مشکل پڑی ہے نہ وہ خود ٹھیر سکتے نہ ان ہی کے ہم مذہب ان کو ٹھیرنے دیتے ہندوستان کے مسلمانوں کا تو یہ حال ہے افریقہ کی ترقی اسلام یا تو آوازوں دور ہے یا جہاں روک نہیں وہاں ارنڈ روکھ ہمارے یہاں تو غلط فہمیاں کا بڑا عمل کار نقل و نقل ہوتے ہوتے شرط اسلام بلکہ جزو اسلام بلکہ عین اسلام قرار پا گئیں۔ ایک مذہبی روایت ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ

لہ دنیا مردار ہے اور طالب دنیا کتے۔ ۱۲ سلہ اور اے پیغمبر تم لوگوں کو دیکھو کہ خدا کے دین میں گروہ کے گروہ داخل ہو رہے ہیں ۱۲

سلہ اور (اسی طرح) ہوا کو سلیمان کا تابع کر دیا تھا کہ اس کی صبح کی منزل ایک مہینے بھر کی (راہ) ہوتی اور (اسی طرح) اس کی شام کی منزل مہینے بھر کی (راہ ہوتی) اور ہم نے ان کے لیے تانبے (کو پگھلا کر اس) کا ایک چشمہ بہا دیا تھا

عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ
كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ط وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ فَلَمَّا
قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ج فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ
الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ میں خیال کرتا ہوں تو اس
روایت کو مسلمانوں کی حالت پر بالکل منطبق پاتا ہوں جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام جب تک زندہ
رہے جنات کو مطیع فرمان رکھتے رہے وفات کا وقت آیا تو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو میرا مرنا معلوم کر کے جنات
سرکشی کریں کار و خدمت کو چھوڑ بیٹھیں اور بیت المقدس کی تعمیر رک جائے عصا کے سہارے
کھڑے کھڑے جان دے دی۔ جنات کام پر آتے تو حضرت سلیمانؑ کو کھڑا پاتے اور بدستور
اپنی اپنی خدمتیں بجا لاتے۔ یہاں تک کہ جس لکڑی کے سہارے سے لاش کھڑی تھی اس کو
گھن کے کیڑے نے کھاتے کھاتے کھوکھلا کر دیا۔ لکڑی میں لاش کی سہار نہ رہی تو ٹوٹی اور
اور لاش دھڑام سے گر پڑی۔ تب جنات نے جانا کہ ان کو دھوکا ہوا۔ میں اسلام کے خلفا اور

اور جنات (کو سلیمان کے بس میں کر دیا تھا اور ان) میں سے ایسے بھی تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے
ان کے ہاتھ تلے (طرح طرح کے) کام کرتے تھے اور (ہم نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ) ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم
سے انحراف کرے گا ہم اس کو (آخرت میں) عذاب دوزخ (کا مزہ) چکھائیں گے (تو) سلیمان کو جو کچھ (بنانا) منظور
ہوتا (یہ جنات) ان کے لیے بناتے (جیسے مسجد بیت المقدس کی بڑی) اونچی شان دار عمارتیں اور (ڈھلی ہوئی)
مورتیں اور (ایسے بڑے بڑے) لگن جیسے حوض اور (بڑی بھاری بھاری) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں اور ہم
نے داود کی نسل کو حکم دیا کہ) اے نسل داود (ان نعمتوں کے بدلے میں ہمارا) شکر کرتے رہو اور ہمارے بندوں میں
بہت تھوڑے (بندے) شکر گزار (ہوتے) ہیں۔ پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو جنات کو
(کسی چیز نے) ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا رہا یعنی جب (عصا
جس کے سہارے سے سلیمان مرے کھڑے تھے) گھن سے کھوکھلا ہو گیا [illegible] تب جنات نے جانا کہ
(اگر) ہم [illegible] جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں [illegible]

سلاطین کو حضرت سلیمان کی جگہ فرض کرتا ہوں اور اسلام کو عصا جس کے بل پر مسلمان زبردست اور مطمئن اور روزافزوں سلطنت کرتے تھے جیسے ہمارے وقتوں میں انگریز کر رہے ہیں مسلمانوں کی بدقسمتی سے اُس عصا میں لگا گھن۔ گھن کیا وہی مذہبی غلطیاں جنھوں نے رفتہ رفتہ اسلام کو کھالیا۔ اب اسلام ہی کہاں اِلّا ماشآءاللہ مسلماناں درگور و مسلمانی در کتاب۔ اور اب تو در کتاب بھی اُٹھنے ہی والا ہے اسلام میں جو سب سے بڑی بات ہے وہ توحید ہے جس کی مسلمانوں نے ایسی مٹی خوار کی ہے کہ ان میں اور مشرکوں اور بُت پرستوں میں لفظوں کے سوائے کچھ بھی فرق نہیں۔ اور کہو تو بُرا لگتا ہے جب اسلام مسلمانوں کی غلط فہمیوں کی وجہ سے اتنا ضعیف ہوگیا کہ اُس میں سلطنت کے سہارا لگانے کا بوتا نہ رہا سلطنت گئی گزری ہوئی۔ سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کے تنزل حالت کی کرید کی اُن جیسے روشن دماغ آدمی کو جو مسلمانوں کے رگ و ریشے سے بخوبی واقف اور ساتھ ہی زمانے کے بھی نبض شناس تھے اصلی سبب کا دریافت کر لینا کیا مشکل تھا اُنھوں نے ذراسی ٹٹول میں معلوم کر لیا کہ مذہبی غلط فہمیوں نے اُن کا یہ حال کر رکھا ہے۔ اُن کو اسلام کی صداقت کا ایسا یقین تھا جیسے کسی کو دو اور دو کے چار ہونے کا اور مسلمانوں کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی اُنھوں نے اپنے نانا سے میراث میں پائی تھی۔ اِن ہی دو باتوں نے ان کو مجبور کیا کہ ان سے خاموش نہ بیٹھا گیا۔ مگر مشکل یہ آکر پڑی تھی کہ مسلمانوں نے مذہب کو چھوئی موئی بنا رکھا ہے۔ ذرا ٹھیس لگی اور کملایا۔ غرض وہ مسلمانوں کو نعل لگانا چاہتے تھے اور مسلمان ہیں کہ پیٹھ پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے اور سچ بھی ہے کہ سید احمد خاں مسلمانوں کے مذہبی عقائد سے گو وہ اُن کے نزدیک کیسے ہی لغو تھے کسی طرح کا تعرض نہیں کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے اُنھوں نے اپنا کام صرف دنیاوی علوم سے شروع کیا اور چاہا کہ مسلمان مغربی علوم حاصل کریں جن کی بدولت یورپ میں اس سرے سے اُس سرے تک شہر شہر قصبے قصبے گانوں گانوں گھر گھر ہُن برس رہا ہے اور جس کی امداد سے اہل یورپ کا تسلط تمام روئے زمین پر پھیلتا چلا جارہا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا سید احمد خاں نے تو فی زعمہ بہتیرا مذہب سے الگ تھلگ رہنا چاہا مگر مسلمانوں نے مذہب ہی آپڑوسن لڑیں بنا رکھا تھا کہ وہ خواہی نخواہی ہر ایک کے سر ہوتا پھرتا تھا ؎

کوئی کام ہو اُس میں دیں کے اڑنگے	کوئی بات ہو اُس میں مذہب کی پچّر

مغربی علوم کا نام ہی مسلمانوں کے بِدکا دینے کو بس کرتا تھا اس پر کریلا اور نیم چڑھا مصرع

سمندِ ناز پر اور ایک تازیانہ ہوا

حضرت نے مغربی علوم کی ترویج کا بیڑا اُٹھایا تو کوٹ پتلون ڈانٹے ہوئے ولایت سے واپس آکر گلی کے کتوں کو بھونکتا دیکھ لگے عوام الناس بھی غرّانے۔ غرض وہ جو کہتے ہیں کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے شروع ہی سے مذہبی بحث آپڑی۔ رہ رہ کر غصّہ تو اس بات پر آتا ہے کہ مسلمانو سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں عزت آبرو اور خوش حالی سے رہنا چاہتے ہو تو انگریزی پڑھو تو جواب دیتے ہیں کہ ؎

	کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد		چنیں دادل آں فرومایہ شاد
	ایں ناز بختانہ پدر باید کرد		دُنیا خواہی و دیں ہمی طلبی تو

یعنی انگریزی پڑھنا دنیا کا طلب کرنا ہے اور دین و دنیا آب و آتش ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور یوں ان کے شبانہ روز کا احتساب کیجیے تو چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سونا جاگنا جینا مرنا کوئی دنیا کا کام نہیں جس میں دین کا دخل نہ ہو۔ یعنی دین و دنیا لازم و ملزوم ہیں۔ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ

بس یہاں تک تو سید احمد خاں کی کارروائی ٹھیک تھی کہ کالج میں دین و مذہب کچھ بحث نہ تھی جیسے دوسرے گورنمنٹ کالج ویسا علی گڑھ کالج پڑھائی سب کی یکساں اور سید احمد خاں تہذیب اخلاق اور تفسیر قرآن اور رسالوں اور آرٹکلوں کے ذریعے سے

ا؎ کیا کفار مکہ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ملک کو چاروں طرف سے مسلمانوں کے لیے فتح کرتے اور دبائے چلے آتے ہیں ۱۲ ۲؎ تم کو کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے ہو ۱۲

اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے تھے اس پر بھی سید احمد خاں کے تعلق کی وجہ سے لوگ کالج کی طرف سے بدگمان رہتے تھے تو یہ بدگمانی بے اصل محض تھی اِنَّ[۵۱] بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ اور چوں کہ بے اصل محض تھی بے ثبات بھی تھی مگر سید احمد خاں کو تو یونیورسٹی کی دُھن تھی کہ کب علی گڈھ کالج میں ہزار بورڈر ہوں اور کب محمڈن یونیورسٹی بنا کھڑی کروں۔ یونیورسٹی کی جلدی کے مارے سید احمد خاں نے رسّی ڈھیلی چھوڑ دی اور مسلمانوں کی استمالت اور تالیف کے لیئے تعلیم مذہبی کو کالج میں لا داخل کیا تاکہ مسلمانوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ کالج ہر پہلو سے ترقی کر رہا ہے۔ بورڈر اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بورڈنگ ہوس میں نہیں سماتے ایک ہزار بورڈروں کا خواب جو سید احمد خاں اور مسٹر بک دیکھا کرتے تھے اُس کے ظہور کا وقت بھی قریب آتا جاتا ہے۔ یونیورسٹی کے امتحانوں کا نتیجہ بھی کالج کے حق میں عمدہ ہی نکلتا رہتا ہے۔ انگریزی کھیلوں میں اچھے اچھے کھلاڑی یہاں کے طالب العلموں کا لوہا مانتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات جو اس کالج کے لیئے مایہ الامتیاز ہے یہ ہے کہ یہاں کے طالب العلموں میں ایک طرح کی نیشنلٹی[۵۲] آجاتی ہے جو قوم کے لیئے فالِ نیک ہے۔ بہر کیف کالج نے گورنمنٹ اور پبلک دونوں کی نظر میں اعتماد اور اعتبار پیدا کر لیا ہے وَ ذٰلِکَ[۵۳] هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسری باتوں سے قطع نظر کر کے صرف طلب کی کثرت کا کیا سبب ہوا۔ بھلا کالج کے ٹرسٹیوں میں سے کوئی ٹرسٹی کالج کے سٹاف میں سے کوئی ایک ٹیچر کوئی ایک بررسر کوئی پراکٹر کوئی مانیٹر طالب العلموں میں سے کوئی ایک طالب العلم تو کھڑا ہو کر کہے کہ یہ تعلیم مذہبی کی کشش ہے۔ بے شک طالب العلموں کے بزرگوں میں اور شاید متعلقین کالج میں بھی معدودے چند اس خیال کے بھی ہوں گے مگر گنتی۔ عدد صحیح کے مقابلے میں کوئی چھوٹی سی کسر اعشاری جو کسی شمار میں نہیں۔ پس انگریزی تعلیم کو مقصود بالذات بنانا اور رونق میں مذہب سکھانا اور یہ سمجھنا کہ اس سے ہم اسلام کی حفاظت کر رہے ہیں پبلک کو

[۵۱] بے شک بعض بدگمانیاں داخلِ گناہ ہیں ۱۲ [۵۲] قومیت ۔ ۱۲ [۵۳] اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۱۲

دھوکا دینا اور مذہب کو حقیر کرنا ہے۔ اور الحق سوچنے کی بات ہے کہ انگریزی تعلیم کے اعتبار سے ابھی تک بھی مسلمان مبتدی ہیں اور بدقسمتی سے ان کو مقابلہ کرنا ہے اُن لوگوں کے ساتھ جن کی گھٹی میں انگریزی داخل ہے اور مسلمانوں کے اس درد کو کوئی نہیں پاتا اور پھر انگریزی تعلیم کا سٹینڈرڈ (معیار) اتنا اونچا کردیا گیا ہے اور ابھی اور بھی اونچا ہوگا ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

کہ اگر نری انگریزی پڑھنی ہو تو اچھا صحیح القویٰ ذہین جفاکش آدمی پندرہ سولہ برس کی مسلسل محنت میں اُس سے بمشکل اسی قدر عہدہ برآ ہو سکتا ہے کہ بی۔ اے ہو جائے اس کے بعد وہ کوئی پیٹ کا دھندا لے کر بیٹھے اور تین چار برس کو سیکھے۔ آدھی عمر طبعی تو سیکھنے میں صرف ہوگئی اب وہ کمائے گا کب اور بیٹھ کر کھائے گا کب۔ ایسے شخص پر انگریزی تعلیم کے علاوہ مذہبی تعلیم کا بوجھ لادنا وہی مثل ہوگئی مرتے کو مارے شاہ مدار مصرع

نہ اُٹھے جس سے کلھیا اُس کے سر پہ دھر دیا مٹکا

اس ڈبل تعلیم کا ضروری نتیجہ ہے ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ نہ ادھر نہ اُدھر بلکہ دھر نہ مولوی نہ مسٹر مُذَبذَبِینَ بَینَ ذٰلِکَ لَآ اِلیٰ هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلیٰ هٰٓؤُلَآءِ (۱) جس طرح دنیاوی تعلیم کے مدارج ہیں کہ طالب العلم مڈل سے لے کر بتدریج انٹرنس۔ ایف۔ اے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے تک ترقی کرتا جاتا ہے اسی طرح مذہبی تعلیم کے بھی مدارج ہونے چاہئیں آدمی پتھر تو ہے نہیں کہ جب سے بنا ایک وضع پر جیسا بنا تھا ویسا ہی پڑا ہے۔ نہ وہ درخت ہے جگہ کا پابند پڑا پھولا پھلا کھڑا کھڑا سوکھ گیا یا کھوکھلا ہو کر گر پڑا نہ وہ جانور ہے کہ جتنے کمالات اُس کے لیے مقدر ہیں اوقات معینہ پر بلا اکتساب اُس کو حاصل ہوتے ہیں۔ قطعہ

ہر بنگ از بیضہ بروں آید و روزی طلبد
آں بنا گاہ سگے گشت و بچیزے نرسید
آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز
دریں تمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

(۱) ادھ بیچ میں لٹکے ہوئے نہ ادھر نہ اُدھر ۱۲

غرض آدمی ایک خاص طرح کا مخلوق ہے[۱] لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا قطعہ۔

آدمی زادہ طرفہ معجونے است	از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں	ور رود سوئے آں شود بہ ازاں

آدمی کے جسمانی خواص تو حیوانوں کی طرح کے ہیں مگر جسم کے علاوہ اس میں ایک روح ہے[۲] وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ جو ایک جوہر شریف ہے۔ آدمی کی جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی قوتیں ترقی پذیر ہیں جسمانی اور عقلی یا دماغی یا روحانی قوتوں میں فرق یہ ہے کہ جسمانی قوتیں ایک حد خاص پر پہنچ کر ٹھیر جاتی ہیں[۳] اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ اور پھر عمر کے تنزل کے ساتھ اُن میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے برخلاف دماغی قوتوں کے کہ ان کی ترقی کی کوئی حد نہیں باوجودیکہ اہلِ یورپ کی دماغی قوتوں نے حیرت ناک ترقی کی ہے پھر بھی آئے دن ایک سے ایک عجیب راز منکشف ہوتے رہتے ہیں جسمانی قوتوں میں تو اتنا نہیں مگر عقلی قوتوں کی ترقی میں سعی واکتساب کو بڑا دخل ہے اور اسی سعی واکتساب کا نام ہے تعلیم۔ پس تعلیم میں ہم کو ہمیشہ غرض و غایت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے یعنی ہم تعلیم کا ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جو قوتیں خدا نے متعلم میں ودیعت رکھی ہیں اپنے اپنے وقت پر ظہور کریں اور جس غرض سے وہ قوتیں دی گئی ہیں وہ مطلب کامل طور پر حاصل ہو تو اس کے لیے ہم کو تعلیم سے پہلے متعلم کی صلاحیت اور قابلیت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مگر کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اتنا دردِ سر اٹھائے۔ ایشیائی تعلیم اور اس کے نصاب کو دیکھا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کسی فن میں کتاب لکھنی چاہی اور جو کچھ اور جیسا کچھ اس کے جی میں آیا جمع کر دیا۔ یہی

---

۱ اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں اُن کو (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا اور عمدہ (عمدہ) چیزیں انھیں دکھانے کو دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے اُن میں بہتیروں پر اُن کو برتری دی ۲ اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ ۳ تو (زمین پر دھماکے کے ساتھ چلنے سے) زمین کو تو نہیں پھاڑ سکے گا اور نہ (تن کر چلنے سے) درازی (قد) میں پہاڑوں تک پہنچ جائے گا۔ ۱۲

حال تمام نصاب کا ہو۔ پڑھانے والوں نے حجم اور ضخامت کے اعتبار سے یا عبارت کی دقت اور سہولت کے اعتبار سے کتابوں کے درجے قرار دیدیے اور ایک لاٹھی شاگردوں کو ہانک چلے اس طرز تعلیم کا ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ متعلمین کی عقلیں خبط ہو جاتی ہیں اور جس فن کے پیچھے وہ عمریں صرف کر دیتے ہیں اُس میں بھی ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپایے برو کتابے چند

رہتے ہیں۔ بات عام تعلیم میں جا پڑی مگر مجکو تو صرف مذہبی تعلیم کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنی ہو۔ مذہبی علوم کا بھی اتنا انبار جمع ہو گیا ہو کہ اُن پر پورا احاطہ کرنا مقدور بشر نہیں۔ اور چوں کہ اسلام ایک ایسی شریعت ہو کہ مسلمانوں کے پیدایش سے لے کر وفات تک کے سارے معاملات جزو کل اُس کے محکوم ہیں تو ایسی شریعت کے احکام کا مجموعہ خواہی نخواہی انبار ہو گا اور وہ ہو ہی بھی۔ لیکن ہم کو ان لوگوں کے حال سے بحث نہیں جو دنیا کے علامۂ محقق اور مجتہد بننا چاہتے ہیں۔ ہم کو تو صرف اتنی بات دیکھنی ہو کہ ہم ہند کے مسلمانوں کی جو حالت ہو کہ ہم برٹش گورمنٹ کی رعایا ہیں سلطنت اور ملک داری ہمارے ہاتھ سے نکل جا چکی ہو اور حکام وقت اپنے طور پر ملک کا انتظام کرتے ہیں ایسی صورت میں اسلامی شریعت یعنی فقہ کا بڑا حصہ جو فصل خصومات سے متعلق تھا اور جس کو اب ہم باختیار خود نافذ نہیں کر سکتے نہ اپنے اوپر نہ دوسرے پر وہ حصہ تو ہمارے حق میں بکار آمد نہ رہا تو اس کا جاننا بھی فعل عبث فصل خصومات اور معاملات کو دینیات میں سے خارج کرو تو صرف تین مضمون باقی رہتے ہیں معتقدات۔ عبادات۔ آداب تمدن جن کا جاننا مسلمانوں کو مذہبًا ضروری ہو بس ہمارا مذہبی کورس اگر ہو تو ان ہی تین مضمونوں میں منحصر ہو۔ اگر ہو کی قید میں نے اس سے لگائی کہ اتنے کے لیے میری رائے دنیاوی اور دینی تعلیم کے جمع کرنے کی نہیں جمع کرنے سے دونوں طرح کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہو اور ادھوری تعلیم دنیا کی ہو یا دین کی مفید نہیں ہو سکتی سچ کہتے ہیں نیم ملّا خطرۂ ایمان۔ دوسری بات یہ ہو کہ بارہ سو تیرہ سو برس سے اسلام کی منادی ہو رہی ہو

اس کی آواز سارے ہندوستان میں پڑی گونج رہی ہے اور ہم مسلمانوں کی بیس بیس پچیس پچیس چھتیس اسلام میں گزر گئی ہیں مسلمان کا ایسا ہی کوئی کم بخت گھر ہوگا کہ اسلام کی ضروری باتیں عورتوں اور بچوں تک کے کانوں میں نہ پڑی ہوں۔ عمل کرنا نہ کرنا دوسری بات ہے سزا اور خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد۔ اگر کسی مسلمان کو دیکھو کہ نماز نہیں پڑھتا روزے نہیں رکھتا تو نہ پڑھنا اور نہ رکھنا اس سے ہے کہ وہ نماز اور روزے کی فرضیت سے واقف نہیں۔ نہیں۔ وہ سب کچھ جانتا ہے کاہلی اور ضعف عقیدہ کی وجہ سے عمل نہیں کرتا۔ اور چوں کہ خدا کی عادت نہیں کہ نافرمانیوں پر بندوں کو فوراً سزا دے دیا کرے یہ ورگزر بندوں کے حق میں ان کے کو ٹیلنے کا بہانہ ہو جاتی ہے۔ يَآاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (فطرت) ۔ تو جو لڑکے سکول میں داخل ہوتے ہیں کیسے ہی کمسن ہوں وہ سکول کا مذہبی کورس پڑھے ہوئے آتے ہیں سبقاً سبقاً نہیں سینہ بسینہ۔ ایک مشکل اور بھی ہے جس کی وجہ سے دینیات کی تعلیم دنیاوی تعلیم کے ساتھ سکولوں اور کالجوں میں جمع نہیں ہو سکتی اور جمع ہونی چاہیے بھی نہیں۔ وہ مسلمانوں کے مذہبی فرقوں کا باہمی اختلاف ہے مقلدوں غیر مقلدوں و والین ذوالین کے اختلافات کا لحاظ نہ بھی کرو تاہم سنی شیعہ کا اختلاف تو اس درجے کا ہے کہ یہ تفرقہ مسلمانوں میں قدیمی تفرقہ ہے اور جناب رسول خدا صلعم کے وقت سے بلکہ خود خاندان نبوت سے پیدا ہوا ہے بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ گو ہر دو فریق ایک خدا ایک رسول۔ ایک قرآن۔ ایک قبلہ ماننے والے ہیں باایں ہمہ ایک دوسرے سے ایسے

ط۱۵ اے آدم زاد تجھ کو کس چیز نے اپنے پروردگار کی جناب میں گستاخ کر دیا ہے جس نے تجھ کو بنایا اور (بنایا بھی تو) بہت درست بنایا اور تیرے جوڑ بند مناسب رکھے (پھر) جس شکل سے چاہا تیرا (یعنی تیرے اعضا کا) پیوند ملا دیا مگر بات یہ ہے کہ تم (یعنی آدم زاد) جزا کو نہیں مانتے۔ حالاں کہ تم پر (ہمارے) چوکیدار (تعینات) ہیں (یعنی) کراماً کاتبین (فرشتے) کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو ان کو معلوم رہتا ہے۔ ۱۲

الگ ہیں کہ ان میں [۵۱] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا سا اتحاد نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا - میں نے اپنی کتاب رویائے صادقہ میں اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے [۵۲] مَنْ شَآءَ فَلْیَرْجِعْ [۵۳] اِلَیْہِ اب جو مسلمان سکولوں اور کالجوں میں دنیاوی اور دینی تعلیموں کو جمع کرنا چاہتے ہیں تو یہ جمع کرنا وہی طرح پر ہو سکتا ہے یا تو ہر فریق کو اُسی کے مذہب کی کتابیں پڑھائی جائیں تو یہ سرو دبستان یاد و ہا نیدن ہوگا - یا یہ کیا جائے کہ جو باتیں فریقین کے متفق علیہ ہیں وہی درس میں رکھی جائیں اور مختلف فیہ متروک تو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی - اختلاف ہی تو ہر فرقہ کی جان ہے تو اختلاف کے مٹانے کی کوشش کرنا گویا اس فرقے کو معدوم کرنا ہے - یہ راز کبھی نہ کبھی عوام پر کُھلے گا اور جس دن کُھلا عوام فوراً اپنے پیشواؤں کے ہتّے سے اکھڑ جائیں گے جناب قبلہ و کعبہ مجتہد العصر ہوں یا حضرت ندوۃ العلماء ہیں دونوں صاحبوں کی خدمت میں بکمال ادب عرض کرتا ہوں کہ یہ اختلاف مصرع

اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

آپ ہی نے تو اس کا بیج بویا آپ ہی نے اس کو پرورش کیا جب درخت جڑ پکڑ گیا اب آپ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر اس کو اکھاڑ پھینکیں - سو یہ تو ہونا نہیں - [۵۴] حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ قطعہ

درختے کہ اکنوں گرفت ست پائے	بہ نیروئے مردے برآید زجائے
وگر ہمچناں روزگارے ہلی	بگردونش از بیخ بر نگسلی

لیں یہ باتیں کچھ اپنے منہ سے آثار کر نہیں کہتا ہا کہ مصرع -

آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں قرآن کی سند سے کہہ رہا ہوں فرماتے ہیں - [۵۵] وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ

[۵۱] مسلمان تو آپس میں سب بھائی بھائی ہیں - ۱۲ [۵۲] جو چاہے اوسے دیکھے - ۱۲ [۵۳] یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے - ۱۲ [۵۴] اور اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو سب

اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَہُمْ وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ بھلا اب جو ندوۃ العلماء مسلمانوں میں سے مذہبی اختلاف کے اٹھا دینے کی فکر میں ہے تو یہ قرآن کی پیشین گوئی لایزالون مختلفین کی کیا توجیہ کریں گے۔ خیر علی گڑھ والوں نے تو اتنا ہی کیا تھا کہ انگریزی تعلیم کو مقدم رکھ کر مذہبی تعلیم کو ردّ و کمی میں رکھا تھا۔ ندوۃ العلماء نے علی گڑھ کو بھی مات کیا کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علی گڑھ کالج کا جواب اپنا ایک دار العلوم بنایا جس میں انگریزی کو سکنڈ لینگویج قرار دیا۔ سبحان اللہ وہی تو انگریزی جو سکنڈ لینگویج بنا کر پڑھی اور آئی۔ انگریزی اور مذہبی تعلیم کے جمع کرنے میں مجھے ایک اعتراض اور بھی ہے کہ ایک طرف تو طالب العلموں کو سائنس پڑھایا جاتا ہے جو بنظر ظاہر بعض مذہب کا دشمن ہے اور ازاں جملہ اسلام کا بھی۔ اور دوسری طرف مذہب کی تعلیم ہوتی ہے تو چاہیئے کہ مذہب کی تعلیم ہو تو ایسے طور پر ہو کہ سائنس سے جو شکوک پیدا ہوں ان کو دفع کرتی رہے اور طالب العلموں کو مذہب کی طرف سے بدگمان نہ ہونے دے۔ مگر جو مذہبی کورس ہمارے ہاتوں میں پہلے اگلے زمانے کے بنے ہوئے ہیں وہ تو اس مطلب کے لیئے ہرگز کافی نہیں اس لیئے کہ سرے سے شکوک ہی ان وقتوں کی پیداوار نہیں آپ ندیدہ موزہ از پا کشیدہ متقدمین قبل الوقت ان کا دفیعہ کیسے کرتے۔ ان باتوں پر لحاظ کرکے میں نے اپنے نزدیک فیصلہ کر لیا ہے کہ انگریزی اور مذہبی تعلیم کو جمع نہ کیا جائے علی گڑھ کالج علوم دنیاوی کی تعلیم اپنے ہاتھ میں رکھے اور دار العلوم ندوہ مذہب کو لیئے رہے اور وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا بھی یہی منشاء معلوم ہوتا ہے۔ اسلام

---

۱۱۵ لوگوں کی ایک ہی مسند کر دیتا اور لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے
اور اسی لیئے تو ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا فرمودہ پورا ہو کر رہے گا کہ ہم دوزخ کو آدمیوں اور جنات
سب سے بھر کر رہیں گے ۱۲ ۱۱۵ اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو لوگوں کو نیک کام کی طرف
بلائیں بھلائی کرنے کو کہیں اور نامشروع باتوں سے منع کریں اور یہی لوگ آخر کار فلاح پانے والے ہیں ۱۲۰

تو فی نفسہ ایسا سچا اور سیدھا اور کھرا اور معقول اور مستحکم مذہب ہی کہ ایک سائنس نہیں ہزار سائنس اس پر حملہ کریں تو بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا مگر ہاں مسلمانوں کے اندرونی اور باہمی اختلافات نے اسلام کو ایسا نقصان پونچایا ہی کہ اس کی تلافی کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ ان کے اختلافات متفرع ہیں اکثر احادیث کی روایت پر میں نے تفسیر کا ترجمہ کرتے وقت نمونے کے طور پر صرف چند حدیثوں کے اختلاف کے رفع کرنے کی کوشش کی آخر ہار کر بیٹھ رہا اور سمجھا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ حدیث بیش برین نیست کہ ایک یا چند صحابی کی شہادت ہی اس بات کی کہ جناب رسول خدا صلعم نے اصل راوی یا روات کی سماعت میں ایسا فرمایا یا اُن کی آنکھوں کے سامنے ایسا کیا پھر یہ نہیں کہ اصل راوی نے خود ہم سے وہ روایت بیان کی ہو۔ نہیں۔ بلکہ وہ روایت متعدد ذرائع اور وسائط سے شہادۃ علی الشہادۃ علی الشہادت وعلم جرا ہوتے ہوتے ہم تک پونچی اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہی ذرائع اور وسائط بڑہتے چلے جاتے ہیں۔ اے کاش شروع ہی میں حدیثیں لکھ لی گئی ہوتیں تو غالبًا اس قدر اختلاف نہ ہونے پاتا سو تو پیغمبر صاحب نے خود منع فرما دیا تھا کہ قرآن کے سوا میری کوئی بات قلم بند نہ کیا کرو عن ابی الخدری قال قال رسول اللہ صلعم لا تکتبوا عنی شیئا غیر القرآن رواہ مسلم۔ لوگوں نے دیکھا کہ پیغمبر صاحب کا طرز عمل بھولنا چلا جاتا ہی ناچار احادیث کو جمع کرنا شروع کیا مگر پیغمبر صاحب کے عہد کے ڈیڑھ سو برس بعد۔ اُدہر تو پیغمبر صاحب نے جمع احادیث کو منع فرما دیا تھا اور ادہر حضرت عمرؓ جن کی لیاقت ملک گیری و ملک داری اور عقل مصلحت اندیش تمام صحابہ میں اعلیٰ درجے کی تھی روایت کے سخت مخالف تھے اور اُن کے ڈر سے کوئی صحابی روایت پر جرات نہیں کر سکتا تھا ان دو وجہوں سے قرن اول میں باب روایت گویا بند ہی سا رہا۔ یہ اختلاف روایت ہی تو تھا جس کے خیال سے پیغمبر صاحب نے جمع احادیث کو منع فرمایا اور عمرؓ نے جہاں تک بن پڑا اس کو روکا۔ آخر کار جب حدیثیں جمع کی جانے لگیں تو اختلاف روایت ہونا ہی تھا اور ہوا اور یہ باہمی جھگڑے اور فسادات جو آئے دن مسلمانوں میں واقع ہوتے

رہتے ہیں زیادہ تر اسی اختلاف روایات کے نتیجے ہیں جو بھگتے جا رہے ہیں یا مجتہدین کی اختلاف رائے کے۔ ہر چند میں نے اختلاف روایت نتائج پر نظر کر کے تیسیر الوصول کے ترجمے کو جس قدر ہو چکا تھا بالائے طاق نسیاں رکھ دیا کہ کیوں مسلمانوں کو الجھن میں ڈالا تاہم میں حدیث کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور یہ میرا ایمان ہے کہ کسی قوم کے پاس ایسی معتبر تاریخ نہیں جیسی ہم مسلمانوں کے پاس باوجود اختلافات کے حدیث۔ حدیث میں اختلافات کا ہونا ہی تو میرے نزدیک تاریخی حیثیت سے حدیث کی معتبری کی دلیل ہے۔ غرض اختلاف تو صلب اسلام میں داخل ہو گیا اور اب وہ کسی کے مٹائے مٹنے والا نہیں ایسی صورت میں مذہبی کورس بنے تو کیسے بنے اس کی صرف ایک ہی تدبیر میرے خیال میں آتی ہے باوجودیکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ چلے گی نہیں اور مولوی اس کو چلنے بھی نہیں دیں گے مگر میں تو اپنی طرف سے گوش گزار کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ میں نے اپنے ترجمۂ قرآن کے شروع میں مطالب قرآن کی مطلب وار ایک فہرست بنا کر لگا دی ہے یعنی ہر ایک مضمون کی جتنی آیتیں جہاں جہاں قرآن میں ہیں سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ پس مذہبی مواد تو طیار ہے اب اس میں سے نصابوں کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر مجھ سے رائے لی جائے تو میں آدمی کی عمر کے اعتبار سے نصابوں کو ترتیب دوں۔ آدمی کی عمر کے پانچ حصے ایسے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں کہ ایک عمر کی حالت دوسری عمر کی حالت سے بہت ہی کم ملتی ہے۔ ہر ایک حصے کے لیے جداگانہ تعلقات ہیں جداگانہ خیالات جداگانہ ضرورات گویا آدمی عمر کے ہر حصے میں ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَر کا مصداق ہوتا رہتا ہے۔ وہ پانچ حصے ہیں طفلی۔ عنفوان۔ شباب۔ وقوف۔ پیری۔ اور ایک حصہ معاد کا ہے کہ وہ اس زندگی سے متعلق ہے جو بعد مرگ پیش آئے گی۔ میں تو اس طرح کے نصاب کبھی کے بنا چکا ہوتا مگر لکیروں کے فقیروں سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو نصاب بھی بناؤں اور میں آپ ہی اس کو چھپا پڑھا بھی کروں اور ہدف لعنت بنوں سو آگے جو لوگ رفارمر (اصلاح اصلاح) پکار رہے ہیں چاہے کسی غرض سے پکار رہے ہوں میری آج کی بات سن رکھیں وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کہ مسلمانوں کی قومی رفارم تو جب کبھی ہوگی اسی صورت

ہو گی کہ پہلے مسلمانوں کے مذہب کی اصلاح کی جائے اور مسلمانوں کے مذہب کی اصلاح جب
کبھی ہو گی اسی صورت سے ہو گی کہ یہ لوگ قرآن کے سوائے کسی مذہبی کتاب کو ہاتھ نہ لگانے
پائیں تفسیر ہو یا حدیث یا فقہ۔ قرآن ہی ایک کتاب ہے جس پر تمام اسلامی فرقوں کا اجماع ہے باوجود
اختلافات باہمی اور باہمی اختلافات ہرگز قرآن کی تعلیم نہیں بلکہ تعلیم اگر ہے تو تفاسیر کی احادیث کی
مسائل فقہ کی یا کوئی صاحب مجھکو بتاویں کہ اختلاف آیا تو کہاں سے آیا۔ قرآن کے حق میں تو خود
خدائے تعالیٰ المصرع

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[۱۵۱] ۔ یعنی
قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی تعلیم میں اختلاف
نہیں۔ علاوہ بریں قرآن صاف لفظوں میں مسلمانوں کو تفرقہ و اختلاف سے کنارہ کش رہنے کی
تاکید فرماتا ہے[۱۵۲] وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ اور[۱۵۳] وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔ میں اس خطرے سے بے خبر نہیں ہوں کہ جو کچھ میں نے مذہبی تعلیم
کے بارے میں کہا بالکل انوکھی بات ہے اور کسی مسلمان کے کان اس سے آشنا نہیں حتیٰ کہ ان
لوگوں کے بھی جو مسلمانوں کی اصلاح حالت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں اور مدتوں سے اس کی تدبیریں
سوچ رہے ہیں ایک۔ اور دوسرے یہ مضمون ایسا وسیع ہے کہ ایک جلسہ کیا ایسے ایسے شاید
دس جلسوں میں بھی میں اس کا حق ادا نہیں کر سکتا لیکن بمجبوری اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں ۔

نگاہ لطف و عنایت ذرا خدا کے لیے	کہ ہم سب آئے ہیں خدمت میں التجا کے لیے
نہ زر سے ہم کو غرض اور نہ سیم سے مطلب	ہوئے ہیں جمع ہم ایک خاص مدعا کے لیے

۱۵۱ کیا قرآن کو نہیں سوچتے اور اگر خدا کے سوائے کسی اور کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو اس میں بہتیرے اختلافات پاتے۔ ۱۲
۱۵۲ اور سب مل کر مضبوط تھامے رہو اللہ (کے دین) کی رسی کو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔ ۱۵۳ اور
ان جیسے نہ ہو جو (ایک دوسرے سے) پھٹ گئے اور کھلے کھلے احکام آئے پیچھے لگے آپس میں اختلاف کرنے ۱۲

ہماری قوم ہے بیمار مختصر مشکل | اب اس کی زیست ہے بس آخری فنا کے لیے
مگر جو اس کے ہوا خواہ ہیں وہ کہتے ہیں | دوا مرض کے لیے ہے مرض دوا کے لیے
خدا کے فضل سے کوئی نہ ہو کبھی مایوس | محال و باطل و مشکل ہے ما سوا کے لیے
اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے فنا و بقا | بنا ہے عالم اسباب ابتلا کے لیے
کوئی بتا نہیں سکتا مآل مستقبل | یہ علم خاص ہے بے چون و بے چرا کے لیے
خدا ہی جانے کہ کیا کس کو پیش آنی ہے | کوئی تو سمت مقرر کرے ہوا کے لیے
اگرچہ حال ہے بیمار کا ردی لیکن | ہمارا فرض ہے کوشش کریں شفا کے لیے
نہیں ہے یہ کہ علاج مرض نہیں معلوم | نہ یہ کہ جا ہے تشخیص میں خطا کے لیے
علاج وہ جسے یورپ نے آزما دیکھا | تو کیوں مفید نہ ثابت ہو ایشیا کے لیے
دل و دماغ و سر و سینہ جو وہاں سو یہاں | وہی ہے [illegible] کی ایک ہی پچی غذا کے لیے
اگر ان میں اور ہم میں تفاوت ہے کچھ تو رنگت کا | وگرنہ ایک سے سانچے ہیں دست و پا کے لیے
سروں میں ان کے ہیں تعبیہ چشم و دو گوش | وہ دیکھنے کو یہ شنوائے صدا کے لیے
کمی ہے ہم میں تو ایک علم کی کہ علم مفید | ہماری قوم میں سے اٹھ گیا سدا کے لیے
شمار میں ہیں کروروں و لیک حرف شناس | جو ڈھونڈیے تو میسر نہیں دوا کے لیے
ہمارا علم ہے الفاظ کا اتار چڑھاؤ | کہ اتنا بس ہے فضیلت کی انتہا کے لیے
کسی کے ذہن میں گر ہے بلند پروازی | تو علم فلسفہ مسلّم ہے ارتقا کے لیے
مگر وہ فلسفہ جو کچھ بکار خلق نہیں | نہ اس زمیں کے لیے اور نہ اس سما کے لیے
ذلیل ہو گئے ایسے کہ منہ دکھانے کی | جگہ نہیں ہے کسی مرد با حیا کے لیے
ہمیں جو صید زبوں سب نے دیکھ پایا ہے | ہر ایک بے سبب آمادہ ہے جفا کے لیے
کبھی تو چین ہو کیا اے تداول ایام | ہمیں ہیں دلنے کو گردوں کی آسیا کے لیے

اکتالیسواں لکچر نہایت مفید و عبرت خیز

موسوم بہ

تنبیہ

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے سترھویں اجلاس میں بمقام بمبئی دسمبر ۱۹۰۳ء کو دیا گیا

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یک دل و خیل آرزو دل بکہ مدعا نہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اگرچہ ایشیائی شاعروں کے ملفوظات مبالغے سے کمتر خالی ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ لیکن اگر اس شعر کو اس زمانے کے مسلمانوں کے حسب حال خیال کیا جائے تو میرے نزدیک اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کیوں کہ روحانی عقلی۔ تمدنی۔ اخلاقی جس جس پہلو سے مسلمانوں کی حالت پر نظر کی جاتی ہے وہ یوماً فیوماً قعرِ تنزل میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ میرے منہ میں خاک۔ میرے نزدیک تو ان کا مرض علاج سے گزر چکا ہے۔ یہ سچ ہے کہ معدودے چند نفوس کو قوم کی حالت کا احساس ہو چلا ہے مگر اول تو وہ معدودے چند مسلمانوں کی مردم شماری اور وسعتِ ملک کے مقابلے میں ہیں کتنے۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ کھانے میں نمک بھی تو نہیں۔ پھر ابھی تو تدبیریں سوچ رہے ہیں اور یہ سوجھنا مشت بعد از جنگ ہے

خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پیٹا کر | گیا ہے سانپ نکل تو لکیر پیٹا کر

غرض سوچ رہے ہیں مگر نہیں رہے اس لیے کہ کرنا معدودے چند کے بس کا نہیں پس سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

موت ہی سے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو | غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

ع ۔ تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم

ظاہر میں آدمی اکہرا جسم دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں دوہرا ہے اس لیے کہ جسم کی ہمزاد روح اس میں حلول کیے ہوئے ہے ۔ روح نہ جسم ہے نہ جان ہے بلکہ ایک جداگانہ چیز ہے جسے ہر شخص میں سے تعبیر کرتا ہے اور جسم کے تعلق سے تمام اجزائے جسم کو اپنا بتاتا ہے اور کہتا ہے ۔ میرا دل ۔ میرا دماغ ۔ میرا سر میرے ہاتھ پاؤں وغیرہ جسم و روح کے تعلق کو خیال کرتے ہیں تو ذہن لفظِ چادر کے معنے کی طرف منتقل ہوتا ہے وہ بتاتا ہے کہ قطعہ

ایک اگر چار سے جائے تو رہیں چار کے چار | دو اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار

تین اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار | چار اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار

اور اس کا حل اس طور پر ہے کہ لفظ چادر میں سے ایک حرف دال حذف کر دو تو لفظ چار باقی رہتا ہے ۔ جیسا کہ قطعے کے پہلے مصرع میں ہے ۔ پھر لفظ چادر میں سے دو حرف د ر نکال ڈالو تو باقی رہتا ہے چا ۔ بقاعدۂ جمل چ کے تین ا کا ایک مجموعہ چار ۔ قطعے کا دوسرا مصرع ۔ پھر لفظ چادر میں سے چ آ ر کو نکال دو تو باقی رہتا ہے حرفِ د جس کے لیے چار کا عدد خاص ہے ۔ قطعے کے تیسرے مصرع کا ثبوت ۔ پھر لفظِ چادر میں سے لفظِ چار ساقط کر دو تو حرف د رہ جائے گا جس کے چار ہوتے ہیں یا د ساقط کر دو جس کے چار ہوتے ہیں تو لفظ چار رہ جائے گا غرض قطعے کے چوتھے مصرع کے ایک چھوڑ دو دو ثبوت ۔

یہی حال ہے میں کا کہ مثلاً آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالو میں بدستور ۔ پاؤں قطع کر دو میں بدستور وَقِسْ عَلٰی هٰذَا سَائِرَ الْجَسَدِ ۔ سر یا کوئی عضوِ رئیس کاٹ دینے سے آدمی تو مر جائے گا گر

ہیں کا مدلول بدستور رہا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں کی قبر ہے یہ اُس کا مزار ہے۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں

ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں

آدمی شروع سے روح کی ٹوہ میں لگا ہے مگر اس وقت تک تو کچھ پتا چلا نہیں کہ روح ہے کیا چیز اور جسم کے ساتھ کیوں کر اُس کا پیوند ملا ہے۔ صدق اللہ عزوجل وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي وَمَآ اُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلًا[۵۱] ہم نے روح کو پہچانا اُن قوتوں سے جو جو مبدا فیاض جل و علا شانہ نے اُس کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ قوتیں وہبی ہیں اور ان کا تخم ہر فرد بشر کی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا ہے مگر ان قوتوں کا اُکسانا اُبھارنا موقوف ہے ریاضت اور اکتساب پر۔ کسی نے ان قوتوں کی تھاہ اور انتہا نہیں پائی کہ کہاں تک ترقی کر سکتی ہیں۔ ترقی پر نظر کرتے ہیں تو پاتے ہیں قطعہ

خاک کے پتلے نے دیکھو کیا ہی مچایا ہے شور
فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور

سینے میں قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا
بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

تنزل کو دیکھتے ہیں تو آدمی اسفل السافلین حیوانیت میں گرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ[۵۲] قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونے ست
از ملائک سرشتہ وز حیوال

گر کند میل ایں شود کم ازیں
ور رود سوئے آں شود بہ ازاں

آدمی کو ان قوتوں کے ساتھ دیکھا جاتا ہے تو ہر ایک آدمی بجائے خود ایک شاہی دربار ہے جس میں روح بادشاہ ہے عقل وزیر اعظم۔ حافظہ خزانہ دار۔ اعضا و جوارح لاؤ لشکر۔ حواس ظاہری طلیعہ اور جاسوس متعارف سلطنتوں میں سے کسی سلطنت کو مقیس[۵۳] علیہ ٹھیرالو جتنی خدمتیں جتنے عہدے

۵۱ اور (اے پیغمبر لوگ) تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔ ۱۲ ۵۲ یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں۔ ۱۲ ۵۳ جس پر قیاس کیا جائے۔ ۱۲

اُس سلطنت میں دیکھتے ہو ویسی ہی خدمتیں ویسے ہی عہدے انسانی سلطنت میں بھی پاؤگے۔ یہ تو ہوا مگر سلطنت کو چاہیئے مُلک سو زمین سے لے کر آسمان تک اِسی انسانی سلطنت کا علاقہ ہے۔ مُنہ کے کہنے سے نہیں بلکہ شاہنشاہی فرمان کی رو سے۔ وہ فرمان کیا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝[51] صورت شکل دیکھو تو بعض دوسری مخلوقات کے مقابلے میں آدمی ایک وجود مختصر[52] معلوم ہوتا ہے تن و توش میں توانائی میں اور اسی لیے اس کو انسان ضعیف البنیان کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے۔ مگر اس کو عقل و دانش کا ایک وزیر باتدبیر ایسا ملا ہے کہ اُس سے کام لے اُس کی صلاح پر کاربند اُس کی رائے پر عامل ہو تو یہ سچ مچ کا بڑا زبردست بادشاہ ہے۔ پھر خدائے تعالیٰ جَلَّ عَلَا شَانُہٗ کی مزید عنایت تو دیکھو کہ دنیا کے بادشاہ جن مصیبتوں سے مُلک فتح کرتے ہیں آئے دن دیکھتے رہتے ہو مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا[53] کی اتنی وسیع سلطنت آدمی کے بس کی تو نہتی مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا تو رہا اپنی جگہ۔ بس کی پوچھو تو ایک پرکاہ بھی آدمی کے بس کا نہیں۔ أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۝ أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا

---

[51] (لوگو!) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے اپنے (کرم) سے ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک اِن (باتوں) میں (قدرتِ خدا کی) بہتیری ہی نشانیاں ہیں (مگر ہاں اُن) لوگوں کے لیے جو (غور و) فکر کو کام میں لاتے ہیں ۱۲ [52] حقیر ۔ [53] بھلا آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا اور آسمان سے تم لوگوں کے لیے (کس نے) پانی برسایا (ہم ہی نے برسایا) پھر پانی کے ذریعے سے (ہم ہی) نے خوشنما باغ اُگائے۔ (لوگو!) تمہارے تو بس کی تو بات نہ تھی کہ تم اُن کے درختوں کو اُگا سکو کیا خدا کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہے؟ (نہیں) مگر یہی (بے سمجھ) لوگ ہیں کہ (ناحق) کج روی کرتے ہیں ۔ بھلا کس نے زمین کو (آدمیوں اور جانوروں کے) ٹھیرنے کی جگہ بنایا اور اُس کے بیچ بیچ میں ۔ ف ۔ اس آیت میں اور اس کے مابعد کی آیتوں میں خدا کو بت پرستوں اور مشرکوں کے مقابلے میں یہ بات ثابت کرنی منظور ہے کہ ہماری ذاتِ پاک کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں ۔ استدلال کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ خدا اپنی قدرت

اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

ندی نالے بنائے اور اُس کے (ایک وضع خاص پر رکھنے کے) لیے اٹل پہاڑ بنائے اور (میٹھے اور کھاری دو سمندروں میں حدِ فاصل رکھی (کہ ایک دوسرے سے نہ مل جائیں) کیا اللہ کے ساتھ (اور کوئی) معبود (بھی) ہے (نہیں) مگر ان لوگوں میں اکثر (اتنی موٹی بات بھی) نہیں جانتے۔ بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص (بے قرار ہو کر) اُس سے فریاد کرے وہ اُس بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور (اُس کی) مصیبت کو ٹال دے اور (کون ہے جو) زمین میں تم لوگوں کو (اپنا) نائب بناتا ہے (کہ تم اس میں مالکانہ تصرف کرتے ہو) کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہے؟ (نہیں مگر) تم لوگ (غور) اور (فکر) کو بہت ہی کم کام میں لاتے ہو۔ بھلا کون (ہے جو) تم لوگوں کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون (ہے جو) اپنی رحمت (یعنی مینہ) کے آگے (آگے) ہواؤں کو (بارش کی) خوش خبری دینے کے لیے بھیجتا ہے

بقیہ فائدہ صفحہ ۴۶۶ - قدرتیں یاد دلا کر پوچھتا ہے کہ یہ بڑے بڑے کام کس نے کیے۔ چوں کہ تمام آدمیوں کے دل کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ہر ایک آدمی چار و ناچار تسلیم کرتا ہے کہ بے شک یہ کام خدا کے ہیں اور کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتے چنانچہ کئی جگہ یہ مضمون صاف صاف لفظوں میں ہے مثلاً سورۂ عنکبوت میں ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو پہلے یہ تقاضائے فطرتِ انسانی یہ بات تسلیم کرا کے کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ کام خدا ہی نے کیے ہیں اور کسی اور سے نہیں ہو سکتے دلیل کو اس طرح پر پورا کیا ہے کہ جس نے یہ کام کیے ہوں وہی قابلِ عبادت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے سوا کوئی اور قابلِ عبادت نہیں اس لیے جو لوگ شرک و بت پرستی کرتے ہیں راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں ۱۲۔ ف۱۔ خلفا جمع ہے خلیفہ کی جس کے معنی جانشین اور نائب کے ہیں ہم نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے پتے سے نائب ترجمہ کیا ہے اور خلافت وحدانی میں نیابت کی وجہ بھی کیمو[ل] وہی ہے لیکن خلیفہ کے معنی جانشین کے بھی ہیں تو ترجمہ یوں کرنا ہوگا اور (کون ہے جو) زمین میں تم لوگوں کو (پچھلوں کا) جانشین بناتا ہے (کہ بڑوں کے مرنے پر چھوٹے ان کے قائم مقام ہوتے ہیں) ۱۲

ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

باقی قلعے اور مکانات اور شہر اور دیہات اور کھیتی اور باغات اور سڑکیں اور پل اور کشتیاں اور جہاز اور ہر طرح کا ساز و سامان یہ سب چیزیں آدمی ہی کی بنائی بسائی لگائی ہوئی ہیں۔

اس سے بڑھ کر تصرفات دیکھنے ہوں تو چلو یورپ۔ وہاں تم کو وہ وہ منظر دکھائی دیں گے جنہیں دیکھ کر رہی سہی عقل بھی چکر میں آجائے گی۔ اور مشتے نمونہ از خروارے اہل یورپ کی ایجاد کی ہوئی چند کلیں جو اس بدقسمت اس غافل اس احمق ہندوستان میں چل پڑی ہیں کسی ورک شاپ میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو سادہ سے سادہ اور سلیس سے سلیس کل کا گورکھ دھندا اپنی سمجھ میں تو نہیں آیا ایک آدمی ہم ہیں کہ سادہ سے سادہ اور سلیس سے سلیس کل کے عمل کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور ایک آدمی غضب کے سمجھے ہوئے اہل یورپ ہیں کہ یہ کلیں ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ	ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

وہ تو غنیمت ہے کہ یورپ والوں نے سوپچیدل کو پرزوں کا دعویٰ نہیں کیا ورنہ بڑوں بڑے ہنرمندی دین دولت تو ہم سے لے ہی چکے تھے کتنوں کا دھرم ایمان بھی ہڑپ کر لیے ہوتے۔ مدت ہوئی جب میں نظام سروس میں داخل ہونے کے لیے حیدرآباد گیا تھوڑے دنوں کا گیا ہوا تھا کہ یہ حضرت جو بیٹھے ہیں اُن کے ۔ ماشاء اللہ نواب بالانتخاب ہیں اُس وقت یہ نرے مولوی مہدی علی تھے مجھے وہاں کی ورکشاپ دکھانے کو لے گئے ۔ مشینری کچھ ایسی بہت پیچیدہ نہ تھی اور

لہ [illegible] (یعنی کچھ لے لے) ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے (سکھیں) تو [illegible] ہی گئے) پیچھے پڑیں (اور اس کو نہ پکڑ سکیں اور [illegible]) بودے ہی وہ بیچاری مکھی بھی کمزور [illegible] [illegible] [illegible] (اور جس کا پیچھا کیا جائے) غالباً [illegible]

فل ہم نے طالب بتوں کو اور مطلوب مکھی کو بنایا ہے۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ چھٹا پرستار طالب ہوں [illegible]

[illegible] ۱۳۰

اگر خواہی سلامت برکنار است

کا ایک پیچ اور آکر پڑا کہ خدا نے جو مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا پر آدمی کو اختیار دیا تو وہ اختیار ہر فرد بشر کو عطا ہوا تھا۔ اُدہر تو اختیارات عطا ہوئے اور ادہر نسلِ آدم نے پاؤں پھیلانے شروع کئے جتنے وارث تھے سارے اور سلطنت وہی ایک مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند کی رو سے لگے آپس میں جوتی پیزار کرنے چنانچہ وہ جوتی پیزار پہلے بشر آدم کے دو بیٹوں

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ	اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں
اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا	(ہابیل اور قابیل) کے واقعی حالات پڑھ کر سناؤ
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ	کہ جب دونوں نے (خدا کی جناب میں) نیازیں
قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۞	چڑھائیں کہ ان میں سے ایک (یعنی ہابیل)
لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ	کی قبول ہوئی اور دوسرے (یعنی قابیل) کی
مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ	قبول نہ ہوئی تو (قابیل مارے حسد کے بھائی سے) لگا کہنے کہ میں ضرور تجھ کو قتل کر کے رہوں گا۔ اس نے
اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞	جواب دیا کہ اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی (نیازیں) قبول کرتا ہے ف اگر میرے قتل کرنے کے ارادے تو مجھ پر اپنا ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تجھ پر اپنا ہاتھ چلانے والا نہیں۔ (کیونکہ) میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں

باقی بر صفحہ آیندہ

ف اس سے ہابیل کی یہ غرض نہ تھی کہ میں پرہیزگار ہوں۔ بلکہ یہ جتانا مقصود تھا کہ تمھاری نیاز جو قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور تمھارا ہو کہ پرہیزگار نہیں ہو۔ اس لیے خدا نے قبول نہیں کی ۱۲

کام بھی موٹی موٹی قسم کے کر رہی تھی جیسے تختوں کا چیرنا پھاڑنا۔ رندہ کرنا۔ لوہے اور لکڑی کے لٹھوں اور شہتیروں کا بیلنا۔ بھٹی کا دہکانا وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے کپڑا بننے کی کلوں میں بڑی انجن ہوتی ہے۔ پھرکیاں اور کٹ پتلیاں ایسی پھرتی سے گردش کرتی ہیں کہ نظر نہیں جمتی۔ خیر تو ہم ورک شاپ کے تمام حصّوں کو دیکھتے پھرے۔ جوں ہی برمے پر نظر پڑی جو لوہے کو تراش رہا تھا تو دیکھا کہ گاجر کی طرح تراشتا اور چھیلتا چلا جاتا ہے بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ (داؤد کے لیے ہم نے لوہے کو (بھی) ملائم کر دیا تھا) ؎

در کفِ داؤد آہن موم کرد

ہو رہا ہے یہ ہے جو ابھی میں نے تھوڑی دیر ہوئی کہا تھا کہ اہلِ یورپ بدور ہنرمندی وہن دولت تو ہم سے لے ہی چکے تھے سوپر نیچرل پورز کا دعویٰ کرتے تو کنتوں کا دہرم ایمان بھی ہڑپ کر لیتے میں خود سائنس اور سائنس کے کرشموں سے ناواقف ہوں مگر ہاں اخبار میں عجائباتِ ایجاد و اختراع پڑھا کرتا ہوں اور انگریزی خوانوں سے سنا ہے اور انھوں نے بھی کسی سے سنا ہی ہوگا اور کسی سے کیا سنا ہوگا چار و ناچار کسی یورپین ہی سے سنا ہوگا کہ سائنس ایک پہیلی ہے جو اس کو بوجھے وہ ایسے بہتیرے کرشمے کر سکتا ہے۔ غرض اصلی سلطنت تو یہ تھی جو خدا نے سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ ط اور اِنِّیْ[۵۱] جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط کی رو سے بنی آدم کو عطا فرما کر من وجہ خدائی کا حصے دار بنا لیا تھا مگر ہم بنی آدم نے حقّ قدرِ ھا اس عطیے کی قدر نہ جانی اور کسی کا ذہن ہی اس طرف کو منتقل نہیں ہوا اِلّا ماشاء اللہ کہ ہم بھی کچھ ہیں اور کرنے پر آئیں تو بہت کچھ ہیں اور بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم نیچر کی سمندر کی سطح پر پڑے منڈلایا کیے اور بھولے بھٹکے جھینگے بھی شکار کرتے رہے ؎

بدریا در منافع بے شمار است

کا بھول کر بھی خیال نہیں آیا اور آیا بھی تو انصافی مذہب کے لحاظ سے ؎

[۵۱] میں زمین میں (اپنا) ایک (یعنی) نائب بنانے والا ہوں ۔۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۱

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَ
إِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ
وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ
لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ
فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ
غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ
يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ
أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ
فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ (زیادتی ہو تو تیری ہی طرف سے ہو
اور) تو میرا اور اپنا (دونوں کا) گناہ سمیٹے اور دوزخیوں
میں (جا شامل) ہو۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس
پر بھی اُس کے (یعنی قابیل کے) نفس نے اس کو اپنے
بھائی کے مار ڈالنے پر آمادہ کیا (چنانچہ) آخر کار
اُس کو مار ڈالا اور (آپ ہی) گھاٹے میں آگیا۔ اس کے بعد
اللہ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کریدنے لگا تاکہ اُس کو
(یعنی قابیل کو) دکھائے کہ اُسے اپنے بھائی کی فضیحت
(یعنی اُس کی بوسیدہ لاش) کو کیوں کر چھپانا چاہیے (چنانچہ
وہ کوّے کو زمین کریدتے دیکھ کر) بول اٹھا ہائے میری شامت
کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا کہ (بلا سے) میں اس
کوّے (ہی) جیسا (ہوشیار) ہوتا تو اپنے بھائی
کی فضیحت (یعنی لاش) کو چھپا دیتا الغرض وہ (اپنے
کیے سے بہت ہی پشیمان ہوا ف

ف ہابیل و قابیل آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ قابیل کھیتی کرتے ہابیل بکریاں پالتے۔ دونوں نے خدا کی نیاز کی قابیل نے مال ردی نیاز میں رکھا اور ہابیل نے بہتر سے بہتر بکری جو اُس کے ریوڑ میں تھی۔ قابیل کی نیاز نامنظور ہوئی اور وہ نامنظور ہونے کے قابل بھی تھی اور ہابیل کی نیاز قبول ہوئی۔ یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق آسمان سے آگ آکر اُس کو جلا گئی۔ قابیل نے غصے میں آکر مارے حسد کے بھائی کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو لادے لادے پھرا۔ کیوں کہ وہ پہلی موت تھی جو زمین پر واقع ہوئی۔ آخر اُس نے کوّے سے دفن کرنا سیکھا اور اُس کو اپنی حالت پر سخت رنج ہوا ۱۲

ہابیل قابیل سے شروع ہو کر الیٰ ساعتنا ھٰذہٖ (اس وقت تک) چلی جاتی ہے اور بنی آدم ہیں کہ آپس ہی میں کٹے مرتے ہیں۔ یہ آگ کچھ ایسی گھڑی کی لگی ہے کہ نسل آدم کو زمین پر بسے ہوئے ہزاروں برس ہو گئے یہ آگ ہی بجھنے پر نہ آئی ایک طرف سے زور کم ہوتا ہے دوسری طرف سے پھوٹ پڑتی ہے۔ غرض اولاد آدم نے زمین کو وہ آتش فشاں بنا دیا ہے اور سمندروں کے پانی کو کروسن آئل۔ وہ تو خدا نے زمین ہی اتنی بڑی بنائی تھی کہ ہر ایک گروہ کو تھوڑا بہت ملک مل گیا ورنہ آئے دن کے باہمی کشت و خون سے آدم کی نسل کبھی کی کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ (گویا کل اس کا نام و نشان ہی نہ تھا) ہو گئی ہوتی۔ مگر یہ سلطنت جس کے لئے زمین پر خون کے دریا بہ گئے اس مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کی سلطنت کے مقابلے میں ہے کیا چیز؟ سمندر کے مقابلے میں قطرہ بھی نہیں ایک چھینٹ! مغز کے مقابلے میں پوست!! آفتاب کے مقابلے میں ذرہ!!! سودے میں روکھن! تول میں پاسنگ!!! اے کاش شروع سے سب نہیں سو میں دو چار بھی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کی ٹوہ میں لگے رہتے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔	اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے اں سب کے خزانے (کے خزانے بھرے پڑے) ہیں مگر ہم ایک اندازہ معلوم (و مقرر) کے ساتھ ان کو (مخلوقات کے لئے) بھیجتے رہتے ہیں

تو کیوں اس سلطنت کو ہاتھ سے جانے دیتے اور در و سر گستر یہ گئی تھی تو کیوں اس کے جانے کا ماتم کرتے؟

تو ہی ہر جائی تو اپنا بھی یہی طور سہی		تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی

ہمارا روئے سخن تو خاص کر مسلمانوں کی طرف ہے کہ ان کی جماعت ایک مذہبی جماعت ہے یعنی اب سے تیرہ سو برس پہلے شہر مکہ کے شریف ترین قبیلہ قریش میں عبد المطلب کے گھر جو اپنے وقت میں رئیس القبائل تھے ان کے پوتے محمد بن عبد اللہ صلوات اللہ علیہ یتیم پیدا ہوئے ہر چند عبد المطلب بجائے خود کثیر العیال تھے مگر انھوں نے یتیم پوتے کو بڑی شفقت سے پالا پرورش کیا۔ برسوں کے اعتبار سے عمر کی صرف آٹھ منزلیں طے کرنے پائے تھے کہ دادا

کا بھی انتقال ہوگیا تو چچا ابو طالب متکفل ہوئے۔ یہ تھی ابتدا اُس شخص کی جو بڑا ہوکر دین و دنیا دونوں کا بادشاہ ہونے والا تھا۔ میں نے تعدد ازواج پر ایک کتاب لکھی تھی۔ فسانۂ مبتلا۔ اور چوں کہ تعدد ازواج پہ تھی کتاب کے بھی دو نام رکھے محصنات اور فسانۂ مبتلا۔ اور مولوی خواجہ **الطاف حسین** حالی کا نہیں بلکہ اُن کے مسدس مد و جزر اسلام کا مُنہ چڑانے کے لیے ایک مسدس اتمام حجت کے نام سے اُس کتاب کے آخر میں لگا دیا تھا۔ مناسب محل اُس مسدس کے چند بند پڑھتا ہوں جن سے حضرات سامعین کو اجمالی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ جناب رسالت مآب کی ولادت باسعادت کے وقت دنیا کا اور خاص کر اہل عرب کا کیا حال تھا۔

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں
ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
جاری ہے یہ زمین سے لے تا بہ آسماں
یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سببِ معتبر نہ تھا
راہِ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا
تھا عزم و سعی[۵۱] صرف دعا کا اثر نہ تھا
مؤمن نہ تھا کہ جس کا ہتھیلی پہ سر نہ تھا
اِن معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں بہا[۵۲]
اِک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا[۵۳]

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل
اہلِ کتاب تک اسی آفت میں پابگل
روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا منفعل
پس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال[۵۴] یا مُضِل
شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

۵۱ کوشش کا صلہ ۱۲ ۵۲ یعنی خون گرا ۱۲ ۵۳ تاوان معاوضۂ خون ۱۲ ۵۴ یعنی گمراہ یا گمراہ کرنے والے ۱۲

اہل[۵۱] عرب کا حال تھا سب میں بہت خراب
جیسے بلا مبالغہ چیونٹی بھرا کباب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب[۵۲]
گر بات تو چھیڑیئے تو ملے خبیث[۵۳] جواب
لٹنے سے لفظ پر کہ چپلو یا ہٹو پرے
لڑنے پر مستعد ہوئے حتی کہ کٹ مرے

سفاک کینہ توز[۵۴] ستمگر ستیزہ جو
بے رحم سنگدل متمرد درشت خو
غارتگروں کو اہل قوافل[۵۵] کی جستجو
اس لوٹ میں سدا پڑے پھرتے تھے چار سو
صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

ان کو نظر نہ تھی نہ زیاں پہ نہ سود پر
گھر بار سب لٹا دیں گر آ جائیں جود[۵۶] پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود[۵۷] پر
مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر
برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ بیٹیاں
کم بخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے کبھی بعض تو صرف از برائے نام
اک ننگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام
کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات[۵۸] و انتظام
داووں کا لیتے پوتے پڑوتوں سے انتقام
ہر قوم سے طناب عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے ان میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل و لیاقت سے بے نصیب
لیکن ہر ایک باغ فصاحت کا عندلیب
ترکیب ان کی بولی کی واقع ہوئی عجیب
جادو اگر نہیں ہے تو جادو کے ہے قریب
وہ دل کو موہ لیتے تھے طرز بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے ان کی زبان سے

۵۱ یہ حال اہل عرب کا تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ۵۲ افروختہ شدن آتش ۱۲ ۵۳ خبیث ایک آگ کہ تیل ہو ۱۲ ۵۴ کینہ کش ۱۲ ۵۵ جمع قافلہ ۱۲
۵۶ سخاوت ۱۲ ۵۷ مہمان ۱۲ ۵۸ جمع سیاست ۱۲

باآں کہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل[۵۱]
گھر میں خدا کے سینکڑوں بت ہو گئے دخیل
نالائقوں نے اُس کو کیا اس قدر ذلیل
جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل
کیا انقلاب گردش چرخ کہن کے ہیں
یہ بت پرست خلف اسی بت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت[۵۲] باہمہ حال[۵۳]
وہ خانہ داریاں تھیں بجائے خوروش وبال
اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال
منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذر سخیف[۵۴] پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضو ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہے اُن کا طریق معاشرت
کرہاً[۵۵] زنان بیوہ کی ارث و مقاسمت
شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
دو دو بہنیں اور حقوق زنی میں مشارکت
ظاہر خراب اُس سے زبوں تر سریرتیں[۵۶]
انسان ہو کے اُن کی بہائم کی سیرتیں

سب اہل روزگار تھے گمراہ یک قلم
پر اُس[۵۷] نے عین وقت پہ اپنا کیا کرم
مستوجب عذاب الٰہی عرب عجم
پیدا[۵۸] ہوئے نجات دہندۂ امم
بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزل مقصود مل گئی

۵۱ یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبے میں بت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ ۵۲ سختی ودرشتی ۱۲ ۵۳ بہرحال ۱۲ ۵۴ بودا کم زور ۱۲ ۵۵ عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹوں پر تقسیم کردی جاتی تھیں اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ ان بری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۱۲ ۵۶ اعمال باطن ۱۲
۵۷ یعنی خدا تعالیٰ نے ۱۲ ۵۸ پیغمبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

حالات جو اس نظم میں مذکور ہیں مختصر اور نہایت مختصر تو ہیں مگر شاعرانہ خیالات نہیں ہیں بلکہ واقعاتِ نفس الامری ہیں جو سِیَر اور تاریخ کی کتابوں میں کندہ کیے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہی کہ زمانے کی حالت اس کی متقاضی تھی کہ خدا اپنے بندوں کو ضائع نہ ہونے دے اور اُس نے اپنی مہربانی سے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥	اور (اے پیغمبر) ہم نے تو تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت (بناکر) بھیجا ہی اور بس

حضرت خاتم المرسلین کو پیدا کیا اور ایسے لوگوں میں پیدا کیا جو ننگِ انسانیت تھے اور وہی ننگِ انسانیت اتنے تھوڑے عرصے میں کہ ایسے عظیم اور عجیب انقلاب کے لحاظ سے اُس کو طرفۃ العین کہنا ہرگز مبالغہ نہیں غرض چشم زدن میں اتنے بگڑے ہوئے ایسے سنورے اس قدر گرے ہوئے ایسے اُبھرے کہ ہم تو اس کو معجزہ ہی کہیں گے۔ معجزے کے سر میں سینگ نہیں ہوتے اگر یہ معجزہ نہیں تو یدِ موسیٰ اور دمِ عیسیٰ کو بھی کچھ معجزہ نہیں۔ ہم تو ایک لمحے کے لیے بھی اس بات کو نہیں مانتے کہ جبر و اکراہ سے کوئی مذہب اشاعت پا سکتا ہی۔ اور بفرض محال اشاعت پا بھی جائے تو اس طرح جڑ نہیں پکڑ سکتا کہ اتنے جھکولوں پر جو اسلام کو پیش آ رہے ہیں اُکھڑنے کا کیا مذکور ہو جگہ سے ہلا تک بھی تو نہیں۔

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ	اُس کی جڑ مضبوط ہی اور اُس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں

دیکھو تو کیا مزے کی بات ہی ہم نے مانا کہ تلوار نے بزور لوگوں کو مسلمان کیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ تلوار کو کس نے مسلمان کیا۔ ناچار ماننا پڑے گا کہ اسلام کی حقانیت نے بہر کیف مسلمانوں کی جماعت مذہبی جماعت ہی یعنی مذہبی عقائد نے اس جماعت کو کھڑا کیا ہی۔ ان کے عقائد ایک کتاب میں جمع ہیں جس کا نام ہی قرآن۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ	جھوٹ نہ تو اُس کے آگے (ہی کی طرف) سے اُس کے پاس پھٹکنے پاتا ہی اور نہ اُس کے پیچھے (کی طرف) سے کیوں کہ

حَمِیۡدٍ ۝
حکمت والے سزاوار حمد و ثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی ہی

قرآن بھی ایک عجیب و غریب کتاب ہی جیسا اس کا مصنف لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ہی ویسے ہی یہ کتاب اپنا جواب نہیں رکھتی۔

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ
عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ
لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُهُمۡ
لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ۝

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جنات جمع (ہو کر اس بات پر آمادہ) ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں بنا لا سکتے اگرچہ اُن میں سے ایک کی پشتی پر ایک (کیوں نہ) ہو۔

سانچے میں ڈھلے ہوئے لفظ ٹکسال چڑھے ہوئے مطالب ۝

اُمّی نے کتاب پڑھ سنائی
گویا وہ فصیح سب کے سب تھے
بولا تو عرب نے چُپ لگائی
پر سامنے اُس کے بستہ لب تھے

جامعیت پر نظر کرتے ہیں تو وہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کی تاریخ ہو اور تاریخ بھی ہو تو آج کل کی تاریخوں جیسی نہیں کہ لونڈوں کو پریشان کرنے کے لیئے سنوں کی بھرمار ہو تاریخ کیا ہو گویا جنتری ہو اور وہ بھی پارینہ یا مضامین ہوں تو ایسے کہ ملک میں فساد کی آگ بھڑکائیں۔ قرآن تاریخ بھی ہو تو ایسی تاریخ جو آدمی کے تکلے کے بل نکال دے اور اس کو بھلا آدمی بنائے منکسر۔ متواضع۔ ملنسار۔ خوش معاملہ۔ حق شناس۔ خدا پرست۔ تاریخی مضامین کے علاوہ قرآن میں مواعظ ہیں۔ حِکَم ہیں۔ مناظرات ہیں۔ قصص ہیں۔ امثال ہیں۔ اوامر ہیں۔ نواہی ہیں۔ ترغیبات ہیں۔ ترہیبات ہیں۔ اور سب کا مقصود اصلی ایک کہ آدمی آدمی بنے ۝

آدمیت اور شی ہی علم ہی کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پہ وہ حیواں ہی رہا

غرض قرآن جیسا دستور العمل تو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی جو ہر ایک بات میں ان کی رہنمائی کے لیئے بس کرتا ہی۔ حَسۡبُنَا کِتٰبُ اللّٰهِ (ہمیں کتاب اللہ کافی اور بس ہی) اس کے علاوہ جناب

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات بابرکات کا نمونہ موجود ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔

(مسلمانو!) تمہارے لیے (یعنی) اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت (کے عذاب) سے ڈرتے اور کثرت سے یادِ الٰہی کیا کرتے تھے (پیروی کرنے کو) رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

پھر ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں مسلمانوں نے ایک طرف اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کو نظر انداز کیا اور دوسری طرف نمونۂ رسول سے چشم پوشی کی چشم پوشی کا موجب نری غفلت ہوتی تو چنداں جائے شکایت نہ تھی مصیبت بڑی مصیبت بڑی سخت مصیبت تو یہ ہے کہ انھوں نے شرع سے طلبِ دنیا ہی کو مذہباً حرام سمجھا اور یہ غلط فہمی اوس نکمے پن کو سٹیلنے کا بہانہ بن گئی ہے۔

بقدرِ ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را | دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

مسلمانوں کو دنیاوی ترقی اور عروج کے اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو ان منزلوں میں سے صرف ایک مردن کی منزل رہ گئی ہے باقی کی منزلیں غفلت اور کج فہمی اور تعصب کی مہربانی سے سب طے ہو چکیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرا یہ کہنا مسلمانوں کو ضرور ناگوار گزرا ہوگا[لہ] مگر چونکہ انھوں نے احکامِ الٰہی کو نظر انداز کیا اور میں نے دیدہ و دانستہ عمداً اور ارادۃً ناگوارِ خاطر گزرنے ہی کے لیے یہ بات لکھی بھی ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝

تو کیا اس وجہ سے کہ تم لوگ حد (عبودیت) سے باہر ہو گئے ہو ہم (تمہاری اصلاح سے) بے تعلق ہو کر نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے۔

جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے و گرنہ ہم | شعر | سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

ناگوار گزرنا دلیلِ اثر ہے اور اثر اصلاحِ آئندہ کی ضمانت۔ میں پکار کے کہتا اور تحدی کرتا ہوں کہ

لہ حق بات کڑوی لگا کرتی ہے ۱۲

جو لوگ مسلمان ہونے کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کے دیکھیں۔ میں عمل کو نہیں پوچھتا عمل کا درجہ تو بالاتر ہے اور اس امتحان میں پورا اترنا مشکل ہے۔ چودہ سو برس سے قرآن کی منادی ہو رہی ہے کتنوں نے قرآن کو اول سے آخر تک ایک بار صرف ایک بار سمجھ کر پڑھا یا پڑھوا کر سنا لاکھوں کروڑوں مسلمان ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس کی عمریں پا کر مر جاتے ہیں اور ان کو سمجھ کر سارے قرآن کا پڑھنا یا سننا نصیب نہیں ہوتا ؎

آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی تنگ	جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

اسلام کا دعویٰ اور جنت کا ارمان اور قرآن کی طرف سے ایسی بے پروائی۔ جائے شرم ہے۔ مسلمانوں نے جو بڑی سخت گرہی نسخ کی وہ یہ تھی کہ جو بڑے دین دار ہیں انھوں نے الفاظ کے پڑھ لینے پر قناعت کی اور مولوی روم کو یہ کہنے کا موقع دیا ؎

	من ز قرآں مغز را برداشتم	استخواں پیش سگاں انداختم	

لوگ یہ عذر بدتر از گناہ کریں گے کہ قرآن کی زبان عربی ہے اور ہم عربی نہیں جانتے ؏

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

سچ ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ اسلام میں آنے کے لیے کون آپ کی خدمت میں ہاتھ جوڑنے گیا تھا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے) علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان دنیاوی عارضی فانی موہوم فائدے کے لیے انگریزی کی سخت کرخت نامانوس زبان سیکھتے اور بی۔اے۔ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں اور جنہیں یہ مشکل ہے اگل اسی کے لیے یہ کانفرنس کے سوانگ بھرنے جا رہے ہیں فلاح عاقبت کو کیا نانی جی کے گھر کا لقمہ سمجھا ہے کہ گئے اور چپکے سے اتار کھا لیا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ	(مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مزے سے) بہشت میں جا داخل ہو گے اور ابھی تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝	کہ اُن کو سختیاں (بھی) پہنچیں اور تکلیفیں (بھی) پہنچیں) اور جھڑ جھڑائے (بھی) گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُن کے ساتھ تھے چلا اٹھے کہ (آخر) خدا کی مدد (کے آنے) کا کوئی وقت بھی ہے؟ سنبھلو سنبھلو اللہ کی مدد (کا وقت) قریب (آلگا) ہے۔

پھر پڑھو اگر سننے کا کیا جواب۔ اب پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آدمی پیدا ہوتا ہے تو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی رو سے خلافتِ الٰہی کے اختیارات لیے ہوئے پیدا ہوتا ہے یعنی مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کی نمائش گاہ اُس کے سامنے کر دی جاتی ہے کہ اپنی اور اپنے ابنائے جنس کی آسائش کے لئے مخلوقاتِ عالم میں تصرف کرے۔ چنانچہ جب پہلا آدمی عرصۂ ہستی میں آیا ہوگا تو اُس نے آتے کے ساتھ بھوک پیاس گرمی سردی کو ضرور ہی احساس کیا ہوگا۔ بیچارہ اور تو کچھ جانتا نہ تھا پیٹ بھرنے کے لیے جنگل کے خود رَو پھل کھاتا دریاؤں کا پانی پیتا۔ درختوں کے تلے یا پہاڑوں کی کھوہ میں دھوپ اور مینہ بوندی سے پناہ لیتا رہا ہوگا۔ رفتہ رفتہ اُسکو عقل آتی گئی اور وہ پاؤں پھیلاتے پھیلاتے اب اِس درجے کو پہنچا کہ اُس ابتدائی زندگی کے مقابلے میں ہر شخص شاہانہ زندگی کر رہا ہے۔ اور ابھی کیا ہے ۝

ایں کہ دیدی مراتب بازندہ [illegible]	کار کلی ہنوز در دست است

آدمی اگر اسی نسبت سے سولزیشن میں ترقی کرتا رہا تو خدا جانے کیا کچھ کر گزرے گا۔ اسی کا نام ہے سائنس کہ آدمی دنیا کی چیزوں میں کوئی ایسا تصرف کرے جو اس کے اور اس کے ہم جنسوں کے لیے بکار آمد ثابت ہو۔ سوئی۔ چاقو۔ مقراض۔ کلہاڑی۔ کڑاہی۔ چولھا۔ چکی۔ پھکنی۔ دست پناہ۔ برتن بھانڈا سب اپنی اپنی جگہ مشتے نمونہ ہیں۔ سائنس کی ابتدائی شق ہوئی بعد ہی بڑا سائنس کی منطقی جو کچھ بھی فلاسفہ کرتے ہوں میرے نزدیک سائنس کی [illegible] سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ سائنس نام ہے سولزیشن کا یا دوسرے لفظوں میں

جیسی کچھ برتری بھی حاصل کی ہو چاہے وہ برتری ابنائے جنس پر ہو یا دوسری مخلوقات پر سائنس ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہو۔ پس جتنا کچھ سائنس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معلوم ہو چکا تھا اُسی کے ذریعے سے اُنھوں نے خدائے واحد کا سکہ بٹھانا چاہا اور بٹھا دیا۔

باآنکہ اُن کو ذات خدا کی پشت پناہ تھی ￼ پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی ￼ جو دوسروں کی راہ ہے وہ اُن کی راہ تھی

تقلید کیا درست ہے تدبیر کار میں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اوّل تو نفس قرآن سے یہ بات سمجھنی چاہیے تھی کہ خدا نے ہم کو مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا پر سلطنت اور حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے لیکن سب کے ذہن ایسے رسا نہیں کہ قرآن کے لطیف اشاروں کو سمجھیں تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی زندہ تفسیر تھے اُنھوں نے اپنے طرز عمل سے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ کا مطلب بچے بچے کو سمجھا دیا تھا وہ طرز عمل کیا تھا کہ اُنھوں نے ایک اپنے دم سے اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ہم نے اِس تفسیر کے سمجھنے میں بھی غلطی کی اور غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ پیغمبر صاحب کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو سے تو وہ جزیرۂ عرب کے بادشاہ تھے اور بادشاہ بھی ایسے مقتدر کہ روم کے قیصر، فارس کے کسریٰ، حبش کے نجاشی اُن کے نام سے تھراتے تھے۔ اُن دنوں فوجی قوت پر سلطنت کا مدار تھا اب بھی ہے صرف قوت کی شان بدلی ہوئی ہے کہ جسمانی توانائی دل کی بہادری بجائے ہتھیار کے عوض مشینیں چل پڑی ہیں جنھوں نے سا[ئنس] کا کمال انسانی کو مات کر دیا ہے۔ سو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی قوت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا

ﮧ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۱۲

نصرت کرنے کا جیسا کچھ بھی ہو۔ وحشی سے وحشی قومیں بھی سائنس کی ابجد کے دو چار حرف ضرور پہچانتی ہوتی ہیں اور اسی نسبت سے اُن میں سولزیشن بھی ہوتی ہے کیونکہ سائنس آدمی کے لئے شرطِ زندگی ہے۔ پھر زندگی اور سولزیشن اور سائنس کے مدارج ہیں۔ ایک زندگی اہلِ یوروپ کی ہے۔ ایک گونڈوں اور بھیلوں کی۔ ایک ہماری کہ نہ اہلِ یورپ کی طرح پورے سولائزڈ ہیں نہ گونڈوں اور بھیلوں کی طرح نرے وحشی بلکہ سولائزڈ قوموں سے گرے ہوئے نرے وحشیوں سے سولزیشن کی طرف تا بڑھے ہوئے جس زمانے میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۂ عرب میں مبعوث ہوئے اہلِ عرب کی سولزیشن کا حال سن ہی چکے ہو اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ دعوتِ اسلام عرب کے وحشیوں کو سولائزڈ (مہذب) بنانے کی ایک ترکیب تھی اور اسی غرض سے تھی۔ اس بات کو دشمن تک بھی تسلیم کرے گا کہ اسلام مشن (وفد) اس ارادے میں ناکام نہیں رہا بلکہ جیسی کامیابی اسلام کے مشن کو ہوئی ہے کسی مشن کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسلام نے عرب کے اُن وحشیوں کو جو انسانیت سے پیچھے لٹھ لیے پھرتے تھے جنگلی کہلاتے تھے اسفل السافلین حیوانیت سے اُبھار کر سولزیشن یا انسانیت کے اعلیٰ علیین پر پہنچا دیا۔ تو گویا یہ سب کچھ بدون سائنس کی مدد کے ہو گیا تھا۔ سائنس کے بدون تو آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے میں سائنس ہے۔ چلنے پھرنے میں سائنس ہے۔ بولنے بات کرنے میں سائنس ہے۔ اس کے ہر ایک کام میں سائنس ہے۔ مگر تھوڑے ہیں جن کو اس کا شعور ہوتا ہے۔ جیسے زبان کہ ایک اَن پڑھ آدمی بھی بولنے میں صرف و نحو کے قاعدوں کا استعمال کرتا ہے مگر اس کو ان قاعدوں کا قاعدے کے طور پر علم نہیں ہوتا۔

جب سے دنیا ہے تب ہی سے سائنس بھی ہے اور ذرّے ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ آدمی نے کسی قدر سائنس کو جانا ہے اور بہت کچھ جاننے کو باقی ہے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ سائنس ترقی کر رہا ہے محض غلط ہے۔ سائنس تو جو ہے سو ہے۔ یوں کہو کہ آدمیوں کا علم ترقی کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا [illegible] سائنس کی حکومت [illegible] اور جہاں کہیں

ہیں کہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تخمیناً ایک لاکھ سپاہ تھی اور سپاہ بھی عرب کی جن کی بہادری کا لوہا سب مانتے آئے ہیں۔ بہادری کے علاوہ اُن کی جان نثاری کا حال یہ تھا کہ ہجرت کے چھٹے برس پیغمبر صاحب نے عمرے کا ارادہ کیا اخیر پڑاؤ حدیبیہ میں تھا کہ اب اگلے دن مکے جا داخل ہوں گے۔ مکے والوں نے مسلمانوں کی آمد سن کر کہلا بھیجا کہ خبردار مکے میں داخل ہونے کا قصد نہ کرنا ورنہ تلوار چل جائے گی پیغمبر صاحب حدیبیہ میں رک گئے اور صلح کے پیغام سلام ہونے لگے۔ ابھی صلح کی بات چیت ہو رہی تھی کہ ابو سفیان رئیس مکہ جاسوسی کے طور پر مسلمانوں کے لشکر کی خبر لینے آیا۔ باہمی رشتے ناطے تو تھے ہی۔ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُس کو اپنے پاس ٹھیرایا پھر جو ابو سفیان مکے لوٹ کر گیا تو اُس نے جا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ محمدؐ سے لڑنے کا تو نام ہی نہ لینا میں نے روم و فارس کی شاہی فوجوں کو دیکھا ہے اور میں اُن کے حال سے واقف ہوں۔ محمدؐ کی فوج کا حال یہ ہے کہ اُس کے وضو کے پانی پر لوگ لڑتے ہیں اور تبرک سمجھ کر اُس کو زمین پر نہیں گرنے دیتے ایسے لوگوں سے تم کیا برآ سکو گے۔ اَیُّھَا الْمُسْتَمِعُوْنَ اس بیان سے تم سمجھ سکتے ہو کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبری کے ساتھ زبردست بادشاہ بھی تھے۔ تو پیغمبر صاحب کی زندگی کا ایک پہلو تو سلطنت کا پہلو تھا۔ یہی وہ پہلو ہے جس کو کوئی مسلمان نہیں دیکھتا۔ اِن کی نظر پڑتی ہے تو پیغمبر صاحب کے پہلوئے فقر پر پڑتی ہے کہ ساری عمر نہ اچھا کھایا نہ اچھا پہنا۔ نہیں کھایا اس لیے کہ دوسروں کا پیٹ بھرے۔ نہیں پہنا تا کہ اوروں کے تن بدن ڈھکیں۔ فقر نبوی کا مذکور آ گیا ہے تو اس کے متعلق چند باتیں سنو۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لگاتار دو روز جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ

ابن عباس کا بیان ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل عیال کئی کئی راتیں پیہم خالی پیٹ گزار دیتے اور رات کا کھانا میسر نہ ہوتا اور اکثر اوقات انھیں جَو کی روٹی ملتی تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مہینوں آگ نہ جلاتے تھے اور ہمارا کھانا صرف یہی کھجوریں اور یہی پانی ہوتا تھا۔

عَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِي طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ حَجَرَيْنِ۔

حضرت انسؓ ابو طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پیٹوں پر سے ایک ایک پتھر اٹھا کر دکھایا تو آپ نے اپنے پیٹ پر سے دو پتھر اٹھا کر دکھا دیئے۔

اس وقت مسلمانوں کا اتنا بڑا مجمع ہے کوئی تو خدا کا بندہ کھڑا ہو کر کہے یا نہ کہے تو اپنے دل میں احتساب کرے کہ اس سے مقدور ہوتے ہوئے فاقہ کرنا تو بڑی بات ہے کبھی کسی بھوکے کی خاطر ایک لقمہ بھی کم کھایا ہے۔ غرض جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات کے دو پہلو تھے۔ ایک طلب دنیا کا اور دنیا کی اعلیٰ درجے کی یعنی سلطنت۔ دوسرا فقر اور وہ بھی اعلیٰ درجے کا لیکن سلطنت کی طلب تھی تو اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ

حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ۔

اور (مسلمانو!) کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فساد کا نام و نشان کو باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو

اور فقر و فاقہ تھا تو بخل سے نہیں بلکہ

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط	اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

کی وجہ سے۔ تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمان کے لیے زندگی کے بسر کرنے کا بہترین طریقہ اتباعِ سنت ہے یعنی مسلمان کو چاہیے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی کو اپنا دستور العمل قرار دے۔

إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ط	اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ (بھی) تم کو دوست رکھے گا۔

اچھا تو پیغمبر صاحب کی پوری پوری پیروی تو یوں ہو کہ ہر مسلمان حصول سلطنت کا بھی خواہاں ہو اور دوسروں کو آرام پہنچا کے آپ تکلیف اٹھائے۔ اب میں سلطنت یعنی متعارف سلطنت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ متعارف سلطنت تو یہ ہے کہ جو کوئی اس پر قابض ہو اسی کی فوج ہو۔ اسی کا سکہ۔ وہی خراج لے۔ اسی کی عدالت ہو۔ اسی کی حکومت۔ ایسی سلطنت کے بارے میں جو صلاح نیک مسلمان بھائیوں کو دی جا سکتی ہے یہ ہے کہ اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ سلطنت کی یاد کو ایسا بھلائیں کہ خواب میں بھی اس کا خیال نہ آنے پائے۔ سلطنت کے حاصل کرنے کے جتنے ذرائع تھے وہ سب سائنس نے اپنے قبضے میں کر لیے ہیں اور سائنس پر یورپ کا قبضہ ہے۔ خاصی منطقی شکل اول ہے۔ بدیہی الانتاج شرائط انتاج ایجاب صغریٰ اور کلیہ کبریٰ موجود۔ نتیجہ یہ کہ خلق خدا کی ملک اہل یورپ کا۔ اور اہل یورپ میں سے بھی ہمارے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا حکم وائسرائے لارڈ کرزن کا۔ یہ گفتگو تو عام مسلمانوں کے ساتھ ہے کہیں کے بھی ہوں۔ رہے ہم ہند کے مسلمان اول تو کسی قابل نہیں اور ہوتے بھی تو ہمارا مذہب ہی ہوس سلطنت کی اجازت نہیں دیتا۔ غرض جب تک انگریزی عملداری ہے اسلام اور طمع سلطنت۔ دو خیال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں اب سلطنتیں اگلی سی مرجوع الخلق

سلطنتیں نہیں رہیں کہ جو چاہا سو کیا کوئی پرسان حال نہیں بلکہ لوگوں میں ابتدائی اسلامی سلطنتوں کی سی آزادی آگئی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَوْنٍ كَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُ لِمُعَاوِيَةَ وَاللهِ لَتَسْتَقِيْمَنَّ بِنَا يَا مُعَاوِيَةُ أَوْ لَنُقَوِّمَنَّكَ فَيَقُوْلُ بِمَاذَا فَيَقُوْلُ بِالْخَشَبِ فَيَقُوْلُ إِذًا نَسْتَقِيْمُ ۝	ابن عون کہتے ہیں کہ ایک معمولی سا آدمی بھی معاویہ سے کہہ دیا کرتا تھا کہ معاویہ قسم خدا کی ہمارے ساتھ سیدھے رہتے ہو تو رہو ورنہ تم کو خود سیدھا کر دیں گے معاویہ کہتے کس سے سیدھا کرو گے تو وہ کہتا لکڑی سے اس پر معاویہ کہتے تو ہم سیدھے بھی ہو جائیں گے۔

یا شاید عمر بن عبدالعزیز کا مذکور ہے کہ کسی بڑھیا کا بیٹا فوج میں تھا اور فوج مہم پر گئی ہوئی تھی کچھ عرصے تک بڑھیا کو اپنے بیٹے کا حال معلوم نہ ہوا اُس نے خود خلیفہ سے جا کر پوچھا خلیفہ نے لاعلمی ظاہر کی تو بڑھیا نے کہا کہ ای خلیفہ اگر تو ایسا بے خبر ہے تو خلافت اپنے سے بہتر کسی باخبر کے حوالے کر۔ اتنا تو نہیں مگر اس کے قریب قریب اس زمانے میں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بادشاہ اور حاکم کی زندگی ایک مصیبت مند زندگی ہے۔ انگریزی مثل کے مطابق "تاج پہننے والا سر ہمیشہ دکھتا ہی رہتا ہے" کون سا انگریزی یا اردو اخبار ہے اور اخبار کا کون سا پرچہ ہے جو گورنمنٹ کے انتظام پر نکتہ چینی نہیں کرتا بادشاہ اور حاکم کی تمام حرکات اور سکنات اور افعال و اقوال افواہ مردم میں زیر بحث رہتے ہیں گویا کہ اُن کے ہاں راز کی کوئی بات ہی نہیں

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝	کوئی بات منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر ایک چوکیدار اُس کے پاس (لکھنے کو) تیار رہتا ہے۔

غرض کوئی بادشاہ سلطنت کو کوئی حاکم حکومت کو خود اختیاری کے ساتھ چلا نہیں سکتا بغیر اس کے کہ اُس میں غیرت اور انصاف اور خوف خدا ہو۔

وہ جو کہتے ہیں کہ دولت کا کمانا اتنا مشکل نہیں جتنا اُس کا رکھنا مشکل ہے اسی طرح ان وقتوں میں جتنا سا مغز سلطنت کے حاصل کرنے کے لئے درکار ہے اُس سے زیادہ سلطنت

کے سنبھالنے کے لیے درکار ہے۔ غرض حضرت سائنس نے منشاء الٰہی سے سمجھ کر ہم کو ہمیشہ کے لیے سلطنت سے محروم کر دیا چاہیے وہ سلطنت متعارف سلطنت ہو اور چاہیے سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کی سلطنت ہو تقدیر میں جو اہل یورپ کی دست نگری محکومی بلکہ غلامی لکھی جا چکی ہے لاکھ جتن کر وہ تو کسی کے مٹائے مٹنے والی نہیں اور الإسلام بدأ غريبًا وسيعود غريبًا (اسلام شروع میں بھی غریب تھا اور آخر میں بھی غریب ہوگا) کی پیشین گوئی پوری ہونی ہی تھی پوری ہو رہی ہے اور پوری ہو کر رہے گی۔ اب پوچھو کہ پھر تم لوگ یہ کیا تعلیم تعلیم پکارتے پڑے پھر رہے ہو۔ ہاں تو ہم لوگ اس بات کی منادی کرتے پھر رہے ہیں کہ اول غلام بننا آخر غلام بننا یہ طوق غلامی تو ہماری گردن کے ساتھ ہے

اَلْغُلُّ الثَّقِيلُ وَالْحَجَرُ الَّذِي لَا يَنْدَمِلُ	جو ٹوں دار طوق اور نہ پھرنے والا زخم

اور ہم تم سب حسن اتفاق سے انگلستان کے غلام ہیں اور غلام کا لفظ ناگوار خاطر گزرتا ہو تو یوں کہو کہ رعایا ہیں مگر وہی غلام وہی رعیت ہم تو دونوں کے معنی ایک ہی سمجھتے ہیں۔ تو ہم لوگ اس بات کی منادی کرتے پھر رہے ہیں کہ ایک تو انگلستان کی غلامی کو غنیمت سمجھو کہ آقاؤں میں ایک یہی آقا ہے جو غلاموں کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ نہیں کرتا بلکہ اپنے بال بچوں کی طرح غلاموں کی پرداخت کرتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ غلام تو بننا ہی ہو تو ایاز کی طرح کے غلام بنو۔ کیوں کر بنو۔ تعلیم سے کیسی تعلیم۔ وہ ان پریزیڈنٹ صاحب سے پوچھو اور ان کے ساتھ ہمکاروں سے۔ ع

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا
سنو اے بسی تجھ پہ پیروں کا سایہ	تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا
مگر ہے یہ گہوارہ [illegible] کی سرزمیں ہیں	تو گویا کہ برزخ ہو دنیا و دیں میں
[illegible] وزیر کے خزانے	شرف تجھ کو بخشے ہیں کتنے خدا نے
تجارت کا تجھ کو [illegible] گیا ہے	سمندر سے آیا [illegible] ہے

تو گلدستۂ علم و فضل و ہنر ہی
غرض تیری ہر اک ادا ہم کو بھائی
ہیں شہر اور بھی پر ہے کیا بات تیری
سمندر کا ساحل ترا مستقر ہی
تہی دستی اور مفلسی بد بلا ہی
نہ ہوں گر میاں مٹھو اہیر[1] منایاں[2]
نہیں یہ کہ اوڑھے ہوئے شال سب ہیں
مگر ہم کو تم سے شکایت بڑی ہی
قدم رنجہ فرماؤ چل کر تو دیکھو
مسلمان کس رنگ کس حال میں ہیں
یہ مانا کہ تم کو ذرا غم نہیں ہی

حکومت کا صوبے کی ہیڈ کوارٹر ہی
خصوصاً تری رفتگی اور صفائی
مکانات تیرے عمارات تیری
حکومت تری بر سر بحر و بر ہی
مگر دیکھ کر تجھ کو جی خوش ہوا ہی
مسلمان رہ جائیں بنتے گدایاں
ولیکن بہر حال خوش حال سب ہیں
ہمیں قوم کی۔ تم کو اپنی پڑی ہی
ذرا گھر سے باہر نکل کر تو دیکھو
تمام ان کی خرمستیاں کہاں میں ہیں
غم قوم سمجھو۔ تو کچھ کم نہیں ہی

آہ آن کہ با قبال تو در عالم نیست
گیرم کہ غمت نیست غم ما ہم نیست

بُرا گر نہ مانو تو اک بات پوچھیں
فقط ہند میں ہیں مسلمان کتنے
تو کیا تم سب آپس میں بھائی[3] نہیں ہو

سبب پوچھیں اور وجہ منافات پوچھیں
کچھ چھ کروڑ اور اوپر سے اتنے
اسی ایک دیں کے فدائی نہیں ہو

[3] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ
[4] اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا ط

[3] مسلمان تو بس (آپس میں بھائی بھائی) ہیں۔
[4] جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے

اگر مختلف فیہ ہیں چند باتیں
تو کیوں اُن پہ جھگڑے چلیں اور لاتیں

[1] گروہ مومنین ۱۲ [2] گروہ کی جمع ہو ۔ ۱۲

جو کرنا ہے تم کو کرو ایک بن کر[۱]
بدی کو دباتے رہو نیک بن کر[۲]

[۱] وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

[۲] اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ
وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝

[۱] اور سب (مل) کر مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔

[۲] برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔ (اگر ایسا کروگے) تو (تم دیکھ لوگے کہ) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ (تمہارا) دل سوز دوست ہے

زمانے میں ہر اک کی حالت جدا ہے
شہنشاہ ہے کوئی کوئی گدا ہے
مبذر ہے مسرف ہے خراج کوئی
رہے کوڑی کوڑی کو محتاج کوئی
کسی کو نہیں امتلا سے افاقہ
کسی کو ہے ناچار دو دن کا فاقہ
پہنتا ہے پشمینہ یک لخت کوئی
سسکتا ہے جاڑے میں کم بخت کوئی
[۳] نہ پیارا خدا کا ہے وہ جو غنی ہے
نہ مفلس سے اللہ کو دشمنی ہے

[۳] وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً
وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ
لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ
عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ
اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ
وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ
عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

[۳] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو (ساز و سامان دنیا ہمارے ہاں اس قدر حقیر ہے کہ) جو لوگ منکر (خدائے) رحمٰن ہیں ان کے لئے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے اور (چھتوں کے علاوہ چاندی کے) زینے کہ ان پر چڑھتے (اترتے) اور (چاندی ہی کے) ان کے گھروں کے دروازے (کر دیتے) اور (چاندی ہی کے) تخت کہ ان پر (مزے سے) تکیے لگا لگا کر بیٹھتے اور (چاندی ہی کے نہیں بلکہ) سونے کے (بھی) اور (دھیر بھی) یہ تمام (ساز و سامان) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور (اے پیغمبر) آخرت تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں (ہی) کے لیے ہے

مگر جو ہے جس حال میں ہے جہاں ہے
ہر اک کا لیا جا رہا امتحاں ہے

لِیَبْلُوَکُمْ فِیْمَآ اٰتٰکُمْ (تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں اُن میں تمہاری شکر گزاری اور فرماں برداری کی آزمائش کرے)

امیروں سے کیا چاہتے ہیں؟ سخاوت
غریبوں سے صبر و شکیب و قناعت
تو اے صاحبو دل میں انصاف کر لو
سمجھ لو اگر شبہ ہو صاف کر لو
کہ جو کچھ ہے اس کو تم اپنا نہ جانو
خدا کی امانت اسے کر کے مانو
کفایت شعاری سے اس کو اٹھاؤ
ضرورت سے زائد نہ پہنو نہ کھاؤ

وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

اور (اے پیغمبر) اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہو اور نہ بالکل اُس کو پھیلا ہی دو (ایسا کرو گے) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم پر ملامت بھی کریں گے (اور) تم تہی دست بھی ہو گے۔

اگر ایک کوڑی بھی کی صرف بے جا
کیا جائے گا پلا اس کا حسیبا

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو (اے پیغمبر) اُن کو (روز قیامت کے) عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو جب کہ اُس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں (رکھ کر) تپایا جائے گا پھر اُس سے اُن کے ماتھے اور اُن کی کروٹیں اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے دنیا میں جمع کیا تھا تو (آج) اپنے جمع کیے کا مزہ چکھو۔

پس انداز ہو خرچ سے جو کمائی
کرو اُس سے لوگوں کی حاجت روائی
سو یہ مسئلہ ہو چکا ہے مسلّم
ہے تعلیم سب حاجتوں میں مقدم

سب اغراض کو بر ہدف تیر ہی یہ
کُل امراض کے حق میں اکسیر ہی یہ
تو اس فنڈ کے اہل مہدی علی ہیں
اگر ہم مسلمان ہیں یہ ولی ہیں
اگر قوم تعلیم سے بہرہ ور ہو
تو ہم بخشش و دیں سلطنت بھی - اگر ہو

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یہ چندے پھر آخر کو واپس ملیں گے
وہاں چل کے اک اک کے دس دس ملیں گے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا -

جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا تو اُس کا دس گنا اُس کو (ثواب) ملے گا۔

اگر اس سے بڑھ کر کسی کو ہو ہو کا
تو قرآن میں وعدہ ہے سات سو کا

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی (خیرات کی) مثال اُس دانے کی سی ہو کہ جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں - ہر بال میں سو دانے اور اللہ برکت دیتا ہو جس کو چاہتا ہو اور اللہ (بڑی) گنجائش والا (اور ہر ایک چیز کے حال سے) واقف ہے۔

جنابِ الٰہی میں اب ہاتھ اُٹھا کر
نذیر احمد ان سب کے حق میں دعا کر

جہاں میں خوش و خرم و شاد رہنا
بفضلِ خدا دیر آباد رہنا

بیالیسواں ۴۲ لکچر

یہ لکچر موسوم بہ "آزادی اور مستورات کی بے پردگی" انجمن حمایت اسلام کے انیسویں سالانہ جلسہ بمقام لاہور اپریل ۱۹۰۴ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ

اور جب پیغمبر کی بیبیوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے باہر (کھڑے رہ کر) اُن سے مانگو

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابگل | کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہو آزاد کا

سامعین میں چند صاحب ایسے بھی ضرور ہوں گے جنھوں نے اسی پلیٹ فارم پر مجھے شاعری کی مذمت کرتے سنا ہوگا۔ میں شاعری کی مذمت بہ اَلنَّاسُ أَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوا کی وجہ سے کرتا ہوں۔ ایسا کروں تو میری مثال اُس لومڑی کی سی ہو جو انگور کے خوشوں پر دسترس نہ پاکر یہ کہتی ہوئی گزر گئی تھی کہ انگور کھٹے ہیں۔ نہیں میں شاعری کی مذمت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے باستثنائے بعض قرآن پاک میں شاعروں کی مذمت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔ مدتوں تک میری یہ رائے

لہ اور (کافر خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر شاعر ہیں۔ وہ شاعر بھی نہیں کیونکہ) شاعر خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہی کی تعلیم کرتے ہیں اور اُن کی پیروی (بھی) گمراہ (ہی) کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے (مگر ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کئے اور (اپنے اشعار میں) کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور (کسی کی ہجو کی بھی تو پہلے خود) اُن پر ظلم ہو لیا ہو اس کے بعد (اس کا بدلہ) لے لیا (تو ایسی شاعری کا مضائقہ نہیں) اور جنھوں نے لوگوں پر ظلم کئے ہیں

ہی کہ مروجہ شاعری قوم کے اخلاق کو خراب کرنے والی ہو مگر اب ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی	کہ بورانی است بادنجان و بادنجان ست بورانی

میرا خیال یہ ہو کہ پہلے قومی مذاق بگڑا ہو اور مذاق بگڑا ہو مذہبی لاپروائی سے جو ایک طرح کی آزادی ہو اور مذہبی لاپروائی پیدا ہوئی ہو اُس غفلت سے جو مسلمانوں نے قرآن کی طرف سے کی ہو اور کر رہے ہیں۔ شاعروں کا مقصود اصلی یہ ہوتا ہو کہ اُن کا کلام عام پسند ہو جیسے عام تھے جیسے اُن کے مذاق تھے۔ شاعروں نے عام کے خوش کرنے کو ویسے ہی سانچے میں اپنے کلام کو ڈھالا۔ یوں شاعری کی مٹی پلید ہوئی۔ اسی مذاق کی گندگی نے خواجہ حافظ شیراز جیسے پاک نفس صوفی کو مجبور کیا کہ اُنھوں نے شراب اور ساقی کے پیرایے میں تصوف کے مسائل بیان کیے۔ عوام شراب و ساقی کے نام پر لٹو ہوئے۔ اور خواص نے شراب سے عشق الٰہی مراد لی۔ اور ساقی سے شیخ و مرشد۔ خواص خواجہ حافظ کے کلام کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہوں نے خواجہ کو لسان الغیب کا خطاب دیا۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر جیسا متشرع ہمہ وقت دیوان حافظ پاس رکھتا اور بات بات میں استخارے کے طور پر اُس سے تفاول کرتا۔ میں نے بچشم خود ایک صاحب دل کے پاس قرآن اور مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کو ایک جلد میں بندھا ہوا دیکھا ہو اور رنڈی لاابالی کو بدمستی کی حالت میں مصرع

ساقی خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو

گاتے بھی سنا ہو۔ اردو۔ فارسی کا لٹریچر پیٹ بھر کر بگڑا ہوا تو ہو مگر اس میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں کہ خواجہ حافظ کے اشعار کی طرح وہ پہلو رکھتے ہیں ایک تہذیب کا اور دوسرا رندی کا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹۳) مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہو) اُن کو امر سے پرا عن قریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی جگہوں کو لوٹ کر جاتا ہے

(دوسرا ضمیمہ صفحہ ۴۹۳) ان آیتوں سے ثابت ہو کہ ایشیائی شاعری کا رنگ پیغمبر صاحب کے وقت میں بھی بہت بگڑا ہوا تھا۔ الا ماشاء اللہ اور اب تو جھوٹ اور مبالغے اور فحش کے سوا اور کوئی بات ہی دیکھنے میں نہیں آتی سو ہمیں اور قرآن کو بیہودہ خیالات سے کیا مناسبت اس میں نصیحت کی باتیں ہیں۔ اخلاق کی تعلیم ہو۔ خداپرستی کی تاکید ہو۔ کجا شاعرانہ خیالات اور کجا قرآن زمین و آسمان کا فرق ہو۔ بہشت جہنم کا تفاوت ہے۔ ۱۲

اب کے جو میں انجمن کے لکچر کے لیے خیالات جمع کرنے کو ہوا۔ تو خود بخود ذوق کا یہ شعر خیال پر چڑھ گیا ۵۰

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل	کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہو آزاد کا

اس میں تو برائی کا کوئی پہلو نہیں ہے میں نے اسی کو اپنے لکچر کا سبجکٹ بنایا اور یہ شعر مجھکو کچھ ایسا بھایا کہ میں آپ ہی آپ اس کو بار بار پڑھتا رہا۔ اور اسی کے وزن پر خود بھی کچھ شعر کہے تو پہلے میں اپنے شعر پڑھ لوں پھر آزادی پر کچھ کہوں۔ میں نے ان اشعار کے علاوہ پہلے بھی اپنے لکچروں کے ساتھ نظمیں پڑھی ہیں کبھی شروع میں کبھی آخر میں۔ لیکن میں نے جب جب نظم کہی ہے۔ با دل ناخواستہ فرمایشی شاعری کی ہے اور میں اسکو کبھی پسند نہیں کرتا مگر لوگوں کی فرمایش سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ قرآن میں ایک جگہ ایک امر نہی عنہ کے بعد فرمایا ہے کہ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۵۱ یعنے حلال و حرام میں ایک حد قرار دے کر فرمایا کہ حد سے تجاوز کرنا کیسا حد کے پاس جانے کی بھی جرأت نہ کرو اور اسی بنا پر صحابہ رضوان اللہ علیہم بہ تقاضائے احتیاط مباحات میں بھی توسیع سے پرہیز کرتے تھے۔ پس اگرچہ مولوی **الطاف حسین** حالی واشالہ کی قومی نظموں کے پڑھنے میں کسی طرح کی قباحت نہیں بلکہ میں ایسی نظموں کو وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ کے مستثنیات اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا میں داخل سمجھتا ہوں مگر شیوہ احتیاط یہی ہے کہ نوجوان طالب العلموں کی طبائع میں نظم کا مذاق ہی پیدا نہ ہونے دیا جائے اور ان کی پوری توجہ علم نافع کے اکتساب میں مشغول رکھی جائے میں نے **علی گڑھ** کالج اور انجمن حمایت اسلام کے طلبہ کو کبھی کبھی ہم لوگوں کی دیکھا دیکھی نظم کہتے دیکھا ہے اور ان کی اس ادا کو پسند نہیں کیا مگر لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۵۲ کی وجہ سے طلبہ جیسا چاہیے متاثر نہیں ہوئے۔ میری اصلی راے تو یہ ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے جاتا ہے تو ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ نظم کہہ کر لایا ہوں تو بے سنائے نہیں رہا جاتا۔ وہ طرح کا شعر تو سن چکے ہو اس پر میرے اشعار یہ ہیں ۵۰

---

۵۱ یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں، تو ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا ۱۲ ۔ ۵۲ کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرتے نہیں یہ بڑا ناپسند ہے ۱۲

ممبرانِ انجمن میں ذکر کیا فرہاد کا	اُس میں ان میں فرق ہے شاگرد اور استاد کا
جلبِ چندہ کم نہیں لانے سے جوئے شیر کے	بے تکلّف ہے تفاوت سنگ اور فولاد کا

یہ دونوں شعر ظاہراً بے مناسبت سے معلوم ہوتے ہیں لیکن میں اِن کی تھوڑی سی تشریح کروں تو بے مناسبتی دور نہیں تو کم ضرور ہو جائے گی۔ اوّل سمجھنا چاہیئے کہ عشق کیا چیز ہے؟ حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نام ہے عشق! مطلق محبّت تو انسان کے خمیر میں داخل ہے یہاں تک کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ لفظ انسان نکلا ہے اُنس سے۔ اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ کوئی فرد بشر اُنس محبّت سے خالی نہیں جس کو جس چیز کا جس بات کا شوق ہوا گر وہ شوق حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ[151] کے درجے کو پہنچ گیا ہے۔ تو اُسی کو عشق کہیں گے۔ یہ تو لغت کی رو سے ہوا۔ مگر عرف میں عشق ایسی محبّت پر بولا جاتا ہے جو آدمی کو اپنے ہم جنس سے ساتھ ہو۔ شاعروں نے ادّعائی طور پر جیسی اُن کی عادت ہے۔ اسی طرح کا میلان جانوروں میں بھی فرض کر کے پروانے کو شمع کا بلبل اور بھونرے کو گل کا۔ قمری کو سرو کا۔ گرگٹ کو آفتاب کا۔ چکور کو چاند کا عاشق قرار دیا ہے۔ نوع بشر میں وامق اور عذرا لیلی اور مجنوں۔ نل اور دمن۔ عنبلان اور می۔ رامن اور ویا سلیمان اور بلقیس۔ یوسف اور زلیخا۔ فرہاد اور شیریں کا عشق مثل زد ہے۔ میں نے فرہاد کو اس لیے خاص کیا کہ اس کی معشوقہ شیریں نے تعلیق المحال بالمحال پہاڑ میں سے جوئے شیر لانے کی فرمایش کی۔ فرہاد نے جنونِ عشق کے جوش میں کہ اَلْعِشْقُ نَوْعٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ[152]۔ ممکن و محال پر تو نظر کی نہیں لگا پہاڑ کو کھودنے۔ پہاڑ سے جوئے شیر تو کیا لا سکتا تھا۔ مگر اُس نے دنیا پر اپنا سچا عشق تو ثابت کر دیا جس کا افسانہ آج تک زبان زدِ شعرا ہے۔ میں انجمن اسلام لاہور کے حال پر نظر کرتا ہوں۔ تو ممبرانِ انجمن کو فرہاد سے بھی بڑھا ہوا پاتا ہوں۔ کاہے میں؟ اُسی جنون میں! جو فرہاد کو تھا۔ ممبرانِ انجمن لفظ جنون کے استعمال کو معاف فرمائیں کیوں کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[153] میں بڑی نیّت سے اِن کے حق میں اس لفظ کا استعمال نہیں کرتا۔ ممبرانِ انجمن اور فرہاد میں مشابہت اور مماثلت یہی ہے اور ممبران کو فرہاد پر فضیلت بھی ہے مماثلت اور مشابہت تو عشق میں ہے۔ فرہاد شیریں کا عاشق تھا۔ ممبرانِ انجمن قوم کے عاشق ہیں۔ فرہاد نے

151 کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرا کر دیتی ہے ۱۲ 152 عشق بھی ایک طرح کا دیوانگی ہے ۱۲ 153 اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ۱۲

جوئے شیر کے لانے میں قصدِ محال کیا تھا۔ ممبرانِ انجمن نظر بحالاتِ زمانہ قوم کی تعلیم میں قصدِ محال کر رہے ہیں ممبرانِ انجمن کو فرہاد پر برتری اور فضیلت اس بات میں ہے کہ فرہاد پہاڑ سے جوئے شیر لانا چاہتا تھا ممبرانِ انجمن مفلس اور قدر ناشناس قوم کے جیب بادل سے ابیضِ منقوش اصفرِ صیّاح کے نکالنے کے فکر میں ہیں ؎

چاہیے زر ممبرانِ انجمن کے واسطے
سیم و زر مفلسوں کے پاس کہاں
قوم مفلس۔ یاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

افلاس کے علاوہ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ [۵۱] ؎

گر جاں طلبی مضایقہ نیست
زر مے طلبی سخن درین نیست

اسی لحاظ سے میں نے فرہاد کو کہن کے مقابلے میں ممبرانِ انجمن کو فولاد شکن سمجھا۔ کیوں کہ فولاد پتھر سے بہت زیادہ سخت ہے ثُمَّ [۵۲] قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْھٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ پس بقاعدہ علیٰ حسب قدر المرتا تی العزائم "جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے" فرہاد پر ممبرانِ انجمن کی فضیلت ثابت۔ خدا خدا کر کے میرے شروع کے دو شعر تو ہوئے۔ اب اور لو ؎

کچھ تو ایسی ہی مصیبت آبنی ہے قوم پر
مٹ گئیں قومیں کی قومیں اپنی ہی کرتوت سے
انجمن میں آج اک ہنگامہ ہے فریاد کا
کیا سنا تم نے نہیں قصہ ثمود و عاد کا

اک ثمود و عاد کیا قومِ شعیب اخوانِ لوطؑ
لشکرِ اصحابِ فیل و فوج ذی الاوتاد کا

نوحؑ کی اُمت کو جب غارت کیا طوفان نے
سطح پر پانی کے ایک انبار تھا اجساد کا

ڈوب کر پانی میں نکلے جاکے فی نار الجحیم
پر نتیجہ اُن کے حق میں ایک تھا اضداد کا

[۵۱] اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہے ۱۲ [۵۲] پھر اسکے بعد تمہارے دل (ایسے) سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ (اُن سے بھی) سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی (ہوتے) ہیں کہ اُن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی (ہوتے) ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی (ہوتے) ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں ۱۲

دیکھنے کے لیے میں نے اُن کا ایک نقشہ بنا لیا ہے۔ اس نقشے میں لوگوں کے نام ہیں ان کی نافرمانیاں ہیں اور نافرمانیوں کی سزائیں ہیں اور اس سے غرض یہ ہے کہ گزشتگان کے حالات سے ہم لوگ عبرت پکڑیں پند پذیر ہوں اور خدا کی نافرمانی سے محترز رہیں۔

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
قوم ثمود	یہ قوم بت پرست تھی اور پہاڑوں کو تراش تراش کر بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے میں فخر کرتی تھی۔ پیغمبر صالح کی نافرمانی کی معجزے کی اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔	آسمانی چیخ سے ہلاک ہو گئی
قوم عاد	یہ بھی بت پرستی میں منہمک تھی اور بے ضرورت بڑی بڑی اونچی یادگاریں بنانے اور صنعت کے محل تعمیر کرنے میں فخر کرتی تھی	ہوا کے تیز و تند جھکڑ سے ہلاک کر دی جو برابر سات رات اور آٹھ دن چلا کیا
قوم شعیب	یہ لوگ مشرک تو تھے ہی ناپ تول میں بھی کمی کیا کرتے تھے اور قزاقی اور رہزنی ان کا عام پیشہ تھا۔	زمین کی طرف سے زلزلہ آیا آسمان کی جانب سے بجلی گری سب ہلاک ہو گئے۔
اخوان لوط	یہ لوگ بھی بت پرست تھے اور بت پرستی کے علاوہ مرتکب فواحش بھی۔	آسمان سے پتھر برسے اور جبریل فرشتے نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا
اصحاب فیل	خانۂ خدا کی ہتک حرمت کے ارادے سے بہت سا لشکر لے کر بیت اللہ پر چڑھائی کی۔	پرندوں نے اوپر سے کنکر پھینکے اور سب ہلاک ہو گئے۔
ذی الاوتاد یعنی فرعون	خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو یہاں تک تکلیف پہنچائی کہ ان کے ہزارہا معصوم بچوں کو قتل کر ڈالا۔ اور مرد و عورتوں سے ذلیل ذلیل خدمتیں لیں۔	وہ اور اس کا لشکر دریا میں ڈوب گیا۔
امت نوح	یہ لوگ بت پرستی کرتے اور بت پرستی کے علاوہ پیغمبر وقت کی سخت نافرمانی کرتے تھے۔	پانی کا طوفان آیا اور سب غرق ہو گئے۔

کھا کے گندم بو البشر آدم نے نقصان کر لیا — اپنا اور اولاد کا۔ اولاد کی اولاد کا
ایک سجدے کے نہ کرنے سے ہوا شیطان رجیم — پس نہیں اپنے گناہوں کو شمار اعداد کا
سنۃ اللہ ہی کبھی بدلی کسی کے واسطے — کچھ لحاظ اس نے کیا نمرود کا شداد کا
رافت و رحمت خدا کی عام ہی بندوں کے ساتھ — کفر اور کفران ہی اس پر گماں بیداد کا
ہاں مگر بندے خود اوپر اپنے لاتے ہیں بلا — خون فاسد گویا مشتاق ہی فصاد کا
منزل ہستی کو ہم سب کر رہے ہیں طی مگر — مفلسی سے حال ہی واماندۂ بے زاد کا
بھیک منگوا کر تمھیں چھوڑے گا یورپ ایک دن — یا نکالو سوچ کر رستہ کوئی ایجاد کا
گنج قاروں سرزمین ہند میں مدفون ہی — اک اشارہ چاہیے سائنس کی امداد کا
کعبے قائم ہی جہاں اور اپنے استحکام پہ — ہر بشر شاکی ہی اس کی سستی بنیاد کا
خضر نے کھے کر ڈبوئی ہم مسلمانوں کی ناؤ — گمرہان چند نے منصب لیا ارشاد کا
نام انگریزی کے پڑھنے کا اگر لیتا کوئی — مولوی دیتے تھے فتوی کفر کا الحاد کا
مشت بعد از جنگ اب سمجھے ہیں بعض بعض — کھو چکے اسباب کھو چکے ہیں خانماں برباد کا
قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں انتڑیاں ہر شخص کی — اور یہ پڑھواتے ہیں اوپر سے سبق اوراد کا
آنکھ اندھی ہو تو شاید بن سکے تدبیر سے — چارہ ناممکن ہی دل کے کور مادر زاد کا[۱]
حیف ہم خوشیاں منائیں اپنے فرزندوں کے ساتھ — اور نہ خیال آئے یتیموں کے دل ناشاد کا
وقت از بس تنگ ہو دینا ہی جو کچھ دے چکو — ہو نہیں سکتا تحمل وعدہ و میعاد کا
میں کہاں اور شاعری کا مشغلہ بے سود محض — یہ وہ کرتا ہی جو محفل سے ہو خواہاں داد کا
انجمن کے واسطے میں بھی ہوں خواہاں داد کا — داد تحسین کا نہیں، داد و دہش کی داد کا

یہ جو کچھ میں نے کہا لکچر کے بعد ہوتا تو میں اس کو رد و کد کہتا۔ مگر لکچر سے پہلے ہی تو میں اس کو باجی کہہ سکتا ہوں۔ اس نظم میں جن لوگوں کا مذکور ہی کہ ان پر نعوذ باللہ من غضب اللہ خدا کا عتاب ہوا ایک

۱؎ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۱۲

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
ابوالبشر حضرت آدم	خدا نے منع کیا تھا کہ گیہوں کے درخت کے پاس جا کر بھی نہ پھٹکنا انھوں نے اُسے کھا لیا۔	جنت اور آسمان سے اُتار دیے گئے۔
شیطان	خدا نے آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس نے خدا کی حکم عدولی کی۔ آدم کو سجدہ نہیں کیا۔	ملا اعلیٰ سے نکال باہر کیا گیا اور ہمیشہ کے لیے جہنمی اور ملعون ہوا

میں نے اس نقشہ میں نمرود اور شدّاد کا ذکر نہیں کیا اگرچہ نظم میں یہ دونوں نام مذکور ہیں۔ نقشے میں نہیں ذکر کیا اس لیے کہ قرآن مجید میں ان کا بالتصریح ذکر نہیں ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ نمرود اور اُس کی قوم ستارہ پرست تھی۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدا کے بارے میں جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے ایسا قائل کیا۔ کہ اسکو کچھ جواب دیتے بن نہ پڑا۔ کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے مچھر مغرور نمرود کے دماغ میں گھُسا۔ اور یہی اُس کی ہلاکت کا سبب ہوا۔ آیہ[1] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ الخ میں اسی کا مذکور ہے۔ رہا شدّاد اُس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ اُس نے دعویٰ خدائی کیا اور سونے چاندی جواہرات کا ایک شہر بنوایا جس کا نام بہشت رکھا بعض مفسروں کا بیان ہے کہ[2] اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ میں اسی شہر ارم کا ذکر ہے جو شداد نے بنوایا تھا۔ چوں کہ نافرمانی بھی ایک طرح کی آزادی ہے ان لوگوں کے حالات کا خیال کرتے کرتے ذہن خود بخود اُس شعر کی طرف منتقل ہوا جو میں نے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہی پڑھا تھا کہ ؎

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل	کیسی آزادی کہاں یہ حال ہے آزاد کا

[1] (اے پیغمبر) کیا تم نے اُس شخص (کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس وجہ سے کہ خدا نے اُس کو سلطنت دے رکھی تھی (شیخی میں آکر) ابراہیم سے اُن کے پروردگار کے بارے میں لگا حجت کرنے ۱۲۔ [2] (اے پیغمبر) کیا تم نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ تمھارے پروردگار نے عاد ارم کے (لوگوں کے) ساتھ کیسا (برتاؤ) کیا جو لمبے لمبے قد آور تھے کہ (قوت توانائی کے اعتبار سے دنیا کے) شہروں میں کوئی مخلوق کبھی ان جیسی پیدا نہیں ہوئی ۱۲

سرو کی آزادی تو ایک شاعرانہ خیال ہے جیسے سبزہ بے گانہ ؎

ہو گیا آنکھوں کے آگے باغ تاراج خزاں	آشنا اپنا بھی واں ایک سبزہ بیگانہ تھا

سرو کی نسبت آزادی کا خیال اُس کی بے ثمری کی وجہ سے پیدا ہوا۔ شعراء اولاد کو ثمر زندگی ٹھیراتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ ابراہیم ذوق فرما گئے ہیں ؎

توڑا کمر شاخ کو کثرت نے ثمر کی	دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

تو سرو کی آزادی کے یہ معنی ہوئے کہ وہ ثمر کے بکھیڑے سے آزاد ہے۔ اب ہم آزادی کو انسان کی حالت پر منطبق کرکے دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے تعلیم یافتوں میں اور تعلیم یافتوں سے میری مراد ہے انگریزی پڑھے ہوئے اس لیے کہ اس زمانے میں انگریزی ہی علم ہے یعنی علمِ دنیا اور باقی سب جہل۔ بلکہ بدتر از جہل۔ غرض ہمارے تعلیم یافتوں میں شاید ہی کوئی سر آزادی کے خبط سے خالی ہو۔ ورنہ جس کو دیکھو آزادی آزادی پکارتا ہے اور اس کو انگریزی عملداری کی برکات میں راس البرکات سمجھا جاتا ہے اور وہ راس البرکات ہے بھی۔ کامل آزادی تو خدا کی شان اور اُس کی صفتِ لازمی ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ شانہٗ لاشریک لہٗ فی ذاتہ ہے۔ اسی طرح لاشریک لہٗ فی صفاتہ بھی ہے یعنے کوئی مخلوق خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر یا[لہ] خلفاء مثلاً ابوبکر صدیق و عمر ہی کیوں نہ ہو اُس کی سی کسی صفت کے ساتھ نہ کبھی متصف ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کامل آزادی۔ کامل قدرت کے بدون نہیں ہو سکتی۔ اور کامل قدرت کامل بے نیازی کے بدون نہیں ہو سکتی۔ پس انسان جو سراپا احتیاج پیدا کیا گیا ہے کامل بے نیاز ہو نہیں سکتا۔ اور کامل بے نیاز نہیں ہو سکتا تو وہ کامل قدرت بھی نہیں رکھ سکتا۔ اور کامل قدرت نہیں رکھ سکتا تو وہ کامل آزاد کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ بات کہ انسان سراپا احتیاج پیدا کیا گیا ہے اسی سے ظاہر ہے کہ سر سے اُس کی ہستی ہی کسی اور کے ارادے کی محکوم ہے اور وہ ارادہ خدا کا ارادہ ہے پھر ہستی ہے بھی تو شروع سے آخر تک ہر وقت اُس کو اتنے لوازم درکار ہیں۔ کہ جتنا کچھ ساز و سامان بھی دنیا میں ہے سب اسی کے ایک دم کے لیے ہے ؎

لہ یا کوئی اور چیز [illegible] (ترجمہ) پ ۱۲۰

جو کچھ کہ جہاں میں ہے سب انساں کے لیے ہے
آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیے ہے

یہ صرف ایک شاعر کا خیال نہیں مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ[1] خود قرآن کے شروع ہی میں یہ آیت موجود ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا[2]۔ اسی مضمون کو سعدی نے یوں ادا کیا ہے قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ایک دفعہ یوں ہی بیٹھے بیٹھے خیال دوڑایا تھا تو ثابت ہوا کہ قدرتی اعوان و انصار کے علاوہ معمولی زندگی کے لیے بھی آدمی کو سینکڑوں ابنائے جنس سے مدد لینے کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ ایک ظریف کا قول ہے کہ "جینا تو جینا مرنا بھی بے دوسروں کی مدد کے نہیں ہو سکتا" پس انسان کو سراپا احتیاج کہنے میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ اتنی احتیاجوں کے ہوتے آدمی آزادی کا دم بھرے تو اس کی نسبت چھوٹا مونھ بڑی بات کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بایں ہمہ ہر فرد بشر کی طبیعت میں آزادی کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے یعنی ہر فرد بشر بالطبع آزادی کا خواہش مند ہے۔ ایک طرف تو آدمی سراپا احتیاج ہونے کی وجہ سے اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور اس کی یہ حالت اس کو تمدن پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے جیسے لوگوں سے مل کر رہے اور یوں آدمی ایک دوسرے کی ضرورتوں میں مدد کریں۔ جیسا کہ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف طبیعتوں کی آزادی چاہتی ہے کہ آدمی آدمی کو چھوڑ جائے فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ[3] وہی لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا[4]۔ آزادی تو سبھی کی طبیعتوں میں ہے مگر ممکن نہیں کہ آزادیوں میں سرپھٹول نہ ہو اور سرپھٹول ہوا تو تمدن کہاں باقی رہا۔ یہ خدا کا انتظام ہے کہ جس طرح اس نے آدمی کے جسم میں مختلف الطبائع عناصر کو جمع کر رکھا ہے قطعہ

چار طبع مخالف و سرکش
چند روزے بوند باہم خوش

[1] وہ شاعر کا قول نہیں ہے ۱۲ [2] وہی (خدائے برحق) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی کل کائنات پیدا کی ۱۲ [3] (اس) زندگی میں تو تیری یہ سزا ہے کہ زندگی بھر کہتا پھرا کرے کہ دیکھیو کوئی چھو نہ جانا ۱۲ [4] اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے ۱۲

چوں سیکے زیں چہار شد غالب	جان شیریں بر آمد از قالب

اِسی طرح اُس نے اپنی کامل دانشمندی سے آزاد طبع آدمیوں کو سوسائٹی میں منتظم کر رکھا ہی۔ اور وہ اس طرح کہ جب سے آدمی پیدا ہوتا ہی اُسی وقت سے اُس کو اطاعت و انقیاد کی جنتری میں سے نکالا جاتا ہی آدمی پیدا ہوتا ہی تو ایک مضغہ گوشت ہوتا ہی وَاللّٰهُ[۵۱] اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ قطعہ

ہر طفلکے از سینہ بروں آید و روزی طلبد	آدمی زادہ ندارد بخر دو عقل و تمیز
آں بنا گاہ سگے گشت و بچیزے نرسید	ویں بہ تمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

آدمی کو اِس بیچارگی کی حالت میں چار و ناچار دوسرے کا مطیع و منقاد بننا پڑتا ہی۔ ہر ایک گھر بجائے خود ایک گورنمنٹ ہی۔ ربّ البیت بادشاہ۔ اور خاندان کے باقی لوگ اہل و عیال خدم و حشم رعایا۔ آدمی کا بچہ پہلے گھر کی گورنمنٹ میں اطاعت کا سبق سیکھتا اور آزادی کو روکنے اور دبانے کی تعلیم پاتا۔ پھر اِس کی گردن پر ماسٹر اور معلّم کی نگرانی اور ہدایت کا جُوا رکھا جاتا ہی اور آخر کو حاکم وقت کی حکومت کا۔ غرض آدمی کو ساری عمر اِن ہی پابندیوں میں گزارنی پڑتی ہی اور سب سے بڑی پابندی تو عقل کی ہی۔ لغت کی رو سے عقل کے معنے ہی بندش کے ہیں۔ عقال وہ رسّی جس سے جانور کو باندھا جاتا ہی جیسے اگاڑی پچھاڑی باگ ڈور وغیرہ۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ رہے زکوٰۃ اور صدقات سے جو آمدنی ہوتی پیغمبر صاحب پر اور اُن کی نسل پر بلکہ اُن کے ہم جدّیوں پر یعنے بنی ہاشم تک پر حرام تھی پیغمبر صاحب کو اس فنڈ سے اتنا ہی تعلق تھا کہ جو کچھ آتا بیت المال میں داخل ہوتا۔ اُس کے مصارف خدا کی طرف سے مقرر ہو چکے تھے پیغمبر صاحب کی رائے اور تجویز سے اُن ہی مصارف میں صرف کیا جاتا اِنَّمَا[۵۲] الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[۵۱] اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اور اُس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور تم کو کان دیئے اور آنکھیں (دیں) اور دل (دیئے) تاکہ تم (۱۴ ۳) شکر کرو۔ [۵۲] خیرات (کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہی اور محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو (مال) خیرات کے وصول کرنے پر (تعینات) ہیں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کو پرچانا منظور ہی ان مصارف میں مال خیرات یعنی

ابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ پیغمبر صاحب کا انتقال ہوا تو عرب کے نومسلموں نے زکوٰۃ کا بیت المال میں داخل کرنا بند کیا اور یہ مبتدا اس بات کی تھی کہ یہ لوگ زکوٰۃ دینی نہیں چاہتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں پر جہاد کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کیا اختلاف کہ مانعین زکوٰۃ مسلمان کلمہ گو ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی رائے پر اصرار تھا۔ اور فرماتے تھے وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا لَّقَاتَلْتُهُمْ آخر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اتفاق کیا۔ میں اس واقعے سے دو باتیں مستنبط کرتا ہوں اول اختلاف کا ہونا اور پھر اس کا رفع ہو جانا۔ ایک وہ لوگ تھے کہ اختلاف بھی کرتے تھے اور پھر متفق بھی ہو جاتے تھے اس واسطے کہ جیسے اُن کا اختلاف لوجہ اللہ ہوتا تھا ویسا ہی اُن کا اتفاق بھی لوجہ اللہ ہوتا تھا اُن کی باتوں میں سخن پروری کا مطلق دخل نہ تھا۔ یا اب ہمارے علما کا یہ حال ہے کہ چھوٹی سی بات میں اختلاف پیدا ہوا اور پھر دو مختلف گروہوں میں التیام کا رستہ ہمیشہ کے لئے بند۔ دوسری بات جو میں نے واقعہ منع زکوٰۃ سے مستنبط کی یہ ہے کہ جو مسلمان نصاب کا مقدور رکھتے ہیں اور خدا کے فضل سے ابھی تک بھی ایسے بہت ہیں اُن کو اپنی جگہ سوچنا چاہیئے کہ واقعہ منع زکوٰۃ ان پر کہاں تک صادق آتا ہے۔ اول تو بہت سے مسلمان زکوٰۃ ہی نہیں دیتے۔ دوسرے جو دیتے ہیں نامستحق کو دیتے ہیں اور پوری نہیں دیتے اور نہ انجمن حمایت اسلام لاہور کو ہر سال دست گدائی دراز کرنے کی نوبت نہ آنے پائے۔ زکوٰۃ کا بیت المال میں داخل ہونا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے بند ہوا اس لیے کہ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں بہت سے فتوحات کر رہے تھے۔ اور ممالک مفتوحہ سے جو خراج آتا تھا وہ مسلمانوں کی ضرورت کو کافی اور کافی سے زیادہ تھا۔ زکوٰۃ کی چھوٹی چھوٹی رقموں کا حساب کتاب درستی کے ساتھ رکھنا اُن وقتوں میں مشکل تھا۔ اور مسلمان صاحب نصاب بھی بہت ہو گئے تھے حضرت عثمانؓ نے اپنے وقت کے مسلمانوں پر قیاس کر کے زکوٰۃ کا لینا موقوف کیا۔ اور سمجھے کہ جس طرح مسلمان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۳۔ زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضے میں اور (نیز) خدا کی راہ (یعنی مجاہدین کے سازوسامان) میں اور مسافروں (کے زاد راہ) میں (یہ حقوق) اللہ کے ٹھہرائے ہوئے (ہیں) اور اللہ جاننے والا (اور) صاحب تدبیر ہے ۱۲

اپنی طبیعتوں کے تقاضے سے فریضۂ نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح فریضۂ زکوٰۃ بھی بطورِ خود ادا کرتے رہیں گے اُن کو اِن وقتوں کی خبر نہ تھی کہ مسلمان فرائض اسلام کی طرف سے اس قدر غفلت اختیار کریں گے یہی ایک حکم زکوٰۃ ہے کہ اگر احتیاط کے ساتھ اس کی تعمیل ہو اور حق اللہ پورا ادا کیا جائے اور مستحق کو پہنچایا جائے یعنی مسلمانوں کی تعلیم میں خرچ کیا جائے۔ تو یہ تمام شور و غل جو جابجا ہوا کرتا ہے ایک دم سے بند ہو جائے مجکو یہ بات صرف نقل پر یاد آگئی تو آدمی پر بڑی روک عقل کی ہے اور عقل کو عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بُرے کاموں سے روکتی اور منع کرتی ہے۔ غرض آدمی ایک خاص طرح کا مخلوق ہے آزادی پسند اور تمیز طلب ہے جکڑ بندا اس کے ساتھ وہ متزلزل الرائے بھی ہے کہ اعتدال پر قایم نہیں رہ سکتا خدا نے اس کو تھوڑا سا اختیار بھی دے رکھا ہے جس سے تو تے ہیں اگر وہ [۵۱] اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ اور [۵۲] اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی بھی کہنے لگتا ہے سلطنت اور حکومت سے قطع نظر کریں تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ہم ہی جیسے ایک بشر کا مقولہ ہے جو [۵۳] اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَ ھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ کے بوتے پر [۵۴] یٰۤاَیُّھَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ پکار اٹھا تھا۔ اور اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ بھی فرعون جیسے ایک بادشاہ کی بیہودہ گو اس ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور اُس کا قصہ قرآن میں ان لفظوں میں مذکور ہے [۵۵] اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

۵۱ میں بھی جلاتا و رماتا ہوں ۱۲۔ ۵۲ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں ۱۲۔ ۵۳ کیا ملک مصر ہمارا نہیں؟ اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) یہ نہریں ہمارے (ایوان شاہی کے) تلے (بہ رہی) ہیں ۱۲۔ ۵۴ اے اہل دربار میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی خدا معلوم نہیں ۱۲۔ ۵۵ (اے پیغمبر) کیا تم نے اُس شخص (کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو سلطنت دے رکھی تھی (شیخی میں آکر) ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں لگا حجت کرنے جب ابراہیم نے (اس سے) کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو (لوگوں کو) جلاتا اور مارتا ہے (اس پر) وہ لگا کہنے کہ میں (بھی) جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکالیں (تو جانیں) اس پر وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور پھر بھی ایمان نہ لایا) اور اللہ ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۱۲۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ - سامعین میں اکثر تعجب کریں گے کہ فرعون نے
بندہ بشر ہو کر کیس موہنہ سے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی - کہا ہوگا تو حضرات! اس سے انسان کی اوچھی طبیعت کا
پتہ ملتا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا فرعون تو خیر
مصر کا بادشاہ بھی تھا - ہم ان گئے وقتوں میں امرا کو دیکھتے ہیں کہ ان کے خطابات پندرہ بیس کے فرق
سے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی سے ملتے جلتے ہوئے ہیں - اور امرا کی کیا خصوصیت ہے میں اپنے **شمس العلماء**
اور **ایل ایل ڈی** کے خطابوں کو بھی اسی قبیل سے سمجھتا ہوں - مولانا روم ہیچ فرما گئے ہیں ؎

ہیچ کس از ما کم از فرعون نیست		لیکن او را عون ما را عون نیست	

جو جس حال میں ترقع چاہے وہ فرعونیت کی شان سے لئے ہوئے ہے اور تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا[۵۰]
لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا کی رو سے اس کی حالت محل خطر ہے - آدمی کی خصلتوں
میں سے بدترین اور کیا عند اللہ اور کیا عند الناس مبغوض ترین خصلت غرور ہے تکبر اور خود پسندی اور
عجب سب غرور ہی کی قسمیں ہیں پہلی بیماری ایسا شرہ شیطان کا تھا - اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ[۵۱]
خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ایک فرعون کا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ایک ان لوگوں کا ہوتا ہے جو شیخی کے گھنٹوں سے نیچے تک
تہ بند لٹکاتے تھے - ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے نفس میں استفسار کرے اور دیکھے کہ شاید ہی اس
کا کوئی فعل شائبہ غرور سے خالی ہو - فرعون نے تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہہ کر غرور کی حد ہی کردی تھی -
اس سے دوسرے درجے میں وہ غرور ہے جس کے حق میں فرمایا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ[۵۲]
کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اب لکچر و عظ

---

[۴۹] بے شک آدمی بڑا ہی تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اس کو کسی طرح کا فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ۱۲ [۵۰] دنیا کی نعمتیں تو ہر کس و ناکس کو مل جاتی ہیں مگر یہ آخرت کا گھر ہے جس (کی نعمتوں) کو ہم نے ان لوگوں کے لیے (خاص) کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنی چاہتے اور نہ فساد کے خواہاں ہیں ۱۲ [۵۱] میں اس سے بہتر ہوں (کیونکہ) مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا - اور اس کو خاک سے پیدا کیا ۱۲ [۵۲] اور اس سے بڑھ کر ظالم (اور) کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا دعوی کرے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کی طرف وحی

کی شان بکپڑ چلا ہو اور وہ منصب ہو ۔ ۔ ۔ ۔ کا۔

تو میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آدمی ایک خاص طرح کا مخلوق ہے۔ آزادی پسند اور قید علائق میں مکلف۔ بدیں ہمہ اس کی آزادی نام کی آزادی ہے ورنہ وہ محکوم ہے قوانینِ نیچر کا محکوم ہے خاندانی حکومت کا۔ محکوم ہے وقت کے حاکم کا۔ محکوم ہے عقل کا۔ محکوم ہے رسم و رواج کا۔ محکوم ہے عام لوگوں کی رائے کا۔ محکوم ہے مذہب کا۔ محکوم ہے اپنے نفس کا اور یہ ساری محکومیاں اضطراری ہیں۔ شاعر کو تو ایک پاگل ہونے سے بھی کی آزادی تسلیم نہیں۔ اتنی محکومیوں کے ہوتے آدمی کو کیسے آزاد مانا جا سکتا ہے۔ معلقات کے ایک شاعر نے آدمی کی آزادی کی ایک بہت ہی برجستہ مثال دی ہے وہ کہتا ہے ؎

لعمرک ان الموت ما اخذا الفتی	لکالطول المرخی وثنیاہ بالید

شعر کا مطلب یہ ہے کہ موت کے مقابلے میں آدمی کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے جانور کے گلے میں رسی باندھ کر اسے چرنے کے لیے چھوڑ رکھا ہو۔ اور رسی کا ایک سرا اس شخص کے ہاتھ میں ہو تو اس صورت میں جانور جہاں تک رسی جائے دائرے کے اندر اندر گویا مطلق العنان ہے جس کا نصف قطر بقدر طول رسن ہے۔ اسی طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے زمین پر مستطیل کی طرح کی ایک شکل بنائی۔ شکل کے بیچ میں ایک لمبا خط کھینچا۔ اور اس خط کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے کئی خط۔ تو ان چھوٹے چھوٹے خطوں سے مل کر اس لمبے خط کی شکل کنگھی کی سی ہو گئی پھر مستطیل کے وار پار ایک اور لمبا خط کھینچا۔ صحابہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مستطیل آدمی کی موت ہے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور کنگھی آدمی اور اس کے عوارض ہیں اور مستطیل کے وار پار کا خط آدمی کی ہوس ہے۔ موت کی حد سے بھی آگے بڑھی ہوئی ؏

گو بہم مشکل بگر نہ گویم مشکل

پھر شیخ چیونٹا ہوں کہ حضرت کی شان ۔ ۔ ۔ ہندوستانی لہجہ سے رسید" آہی جاتی ہے اور یہی

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰۶ – بڑی وحی آئی ہو اور دنیز اس سے بڑا بھی ظالم اور کون ہوگا جو دعویٰ کرے کہ قرآن جس کی نسبت تم کہتے ہو اس کو اس ... [illegible]

حال ہے تو لکچر کا تمام ہونا بھی معلوم۔ انجمن اجازت دے یا نہ دے خود مجھ میں اگلی سی توانائی نہیں رہی۔

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب	لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

افسوس تو اس بات کا ہے کہ حاشیوں کی وجہ سے اصل متن رہا جاتا ہے۔ میں نے اس ارادے سے لکچر شروع کیا تھا کہ ہر ایک قسم کی آزادی پر بحث کر کے آڈینس کو بتاؤں گا کہ آزادی کی خواہش جو ہر ایک بشر کی طبیعت میں ہے۔ چند در چند اضطراری قیود کے ساتھ جو لازمۂ فطرتِ انسانی ہیں کیوں کر اور کہاں تک عمل میں لائی جائے۔ سو یہ تو بڑا وسیع مضمون ہے۔ تاہم میں چلتے چلتے اتنا تو کہے دیتا ہوں کہ ہم لوگوں نے اُس آزادی کے مصرف ہی کو نہیں سمجھا جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہم کو عطا ہوئی ہے۔ اس آزادی کا مصرفِ صحیح تو یہ تھا کہ ہم خواص الاشیا کی ٹوہ لگاتے۔ اور کائناتِ عالم سے خدمت لیتے جیسا کہ اہلِ یورپ کر رہے ہیں سو اس طرف تو ہم نے جیسی چاہیے توجہ کی نہیں اور جیسے خالی بیٹھا ہوا بنیا باٹ کیا کرتا یا اس کوٹھی کے دھان اُس کوٹھی میں اور اُس کوٹھی کے دھان اس کوٹھی میں کیا کرتا ہے۔ فکر رائگاں اور لایعنی مشغلوں میں پڑ گئے یا کم سے کم نفلوں کے پیچھے فرضوں کو ناغہ کرنے لگے۔ ان ہی قسموں میں سے ایک قسم کی آزادی وہ ہے جس کے لیے مخالفین پردۂ مستورات شور و غل مچا رہے ہیں۔ ان دنوں روس اور جاپان میں لڑائی ہو رہی ہے۔ جاپانی تو خشکی اور تری دو طرف سے روس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں مخالفین پردہ ایک دم چار طرف سے پردے پر حملہ کر رہے ہیں۔ یعنی پردے کے خلاف میں چار چار دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ رواجی پردہ شرعی پردے کی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے اٹھا دینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اتنا پردہ سختی کی وجہ سے عورتوں پر ظلم ہے۔ تیسرے یہ کہ پردے نے قوم کے آدھے دھڑ کو بیکار کر رکھا ہے۔ کیوں کہ مردم شماری کی رو سے مردوں اور عورتوں کا شمار قریب قریب برابر کے ہے۔ ان دنوں چوں کہ تعلیم پر بڑا شور و غل مچا ہے۔ مخالفین پردہ تیسری دلیل کے تتمہ کے طور پر یہ بات بھی پیش کرتے ہیں کہ قوم کی ترقی موقوف ہے تعلیم پر اور پردے کی وجہ سے عورتوں کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم عورتوں کی خلقت پر نظر کریں اور اس تعلق پر جو خدا نے مرد و عورت میں … قرار دیا ہے۔ تو مخالفین پردہ

کی سب دلیلیں مکڑی کے جالے کی طرح ایک پھونک سے ٹوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ (۱) مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ میں تو صرف دو باتیں کہتا ہوں اور دونوں مرئی و مشاہد ہیں۔ جن سے انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ اول یہ کہ مرد و عورت کا باہمی تعلق پیار و اخلاص کا تعلق ہے۔ اس کا ثبوت خود خدا کا فرمودہ ہے جس نے مرد و عورت کے دل ہی ایسے بنائے ہیں کہ ایک دوسرے کی طرف مائل ہوں۔ اور ایک دوسرے کی طرف کو رغبت کریں۔ وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ بے شک کہیں کہیں میاں بی بی میں موافقت نہیں بھی ہوتی مگر ایسی مثالیں شاذ و نادر ہیں۔ وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ۔ اور پھر میاں بی بی کے لڑائی کا اعتبار کیا دن کو لڑے رات کو پھر ایک کے ایک۔ دنیوی تعلقات میں بھی ایک تعلق جیتے جی کا تعلق ہے۔ خدا نے دونوں کے اغراض کو ایسا وابستہ یک دگر کیا ہے کہ نکاح سے شروع ہو کر توالد و تناسل کے ذریعے سے عمر کے ساتھ بڑھتا اور قوی ہوتا جاتا ہے۔ اور اشتراک اغراض کی وجہ سے دونوں کو ایک جان دو قالب کہہ سکتے ہیں۔ پس سرے سے یہ فرض ہی غلط ہے کہ جن لوگوں میں عورتوں کے پردے کا رواج ہے اُن میں مرد اور عورت کا تعلق موافقانہ اور مؤالفانہ نہیں بلکہ مخالفانہ اور مخاصمانہ ہے اور مردوں نے زبردستی عورتوں کی مرضی کے خلاف ظلماً اُنھیں پردوں میں قید کر رکھا ہے۔ حقیقۃ الحال یہ ہے کہ عورت کو خدا نے مرد کے مقابلے میں ضعیف پیدا کیا ہے اس کے پیچھے ایسے عوارض لگا دیئے ہیں کہ وہ اس کو کمزور کرتے رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں عورتوں کو ویکر سکس کہتے ہیں (یعنی صنف ضعیف)۔ تو مرد اور عورت نے جن کو

(۱) جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے (دوسرے) کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ اُس نے (بھی اپنے زعم میں ایک) گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ گھروں میں بودے سے بودا مکڑی کا گھر ہے ۲۱ع۱۵ اور اسی کی (قدرت کی نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہارے ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں لاتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں ہیں۔ ۱۲

اپنی زندگی ایک ساتھ بسر کرتی تھی۔ دنیا اور دین کے کاموں کو صلح و سازگاری سے آپس میں تقسیم کیا و قطعہ

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے — جس چیز کے لائق کوئی قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا — غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا[له]۔ اعمال شاقہ جن میں زیادہ توانائی درکار تھی مردوں کے حصے میں آئے اور انتظام خانہ داری، اور اولاد کی پرورش ہلکے ہلکے کام عورتوں سے لئے جو ان کے مناسب حال تھے۔ اور چونکہ عورتوں کے کرنے کے کام بدون اس کے اچھی طرح سرانجام نہیں پا سکتے کہ عورت جم کر گھر میں بیٹھی رہے۔ خانہ نشینی نے پردے کی صورت اختیار کر لی۔ تو اس حساب سے پردہ لازمۂ فطرت نسوانی ہوا اور لازمۂ فطرت ہوا تو پردے پر اعتراض کرنا فطرت پر اعتراض کرنا ہو یعنی معاذ اللہ خدا پر مصرع

نہ بر حرف او جائے انگشت کس

أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ایک بات اور یہ نہیں کہ پردے کا لازمۂ فطرت نسوانی ہونا پایا جاتا ہو بلکہ شاید وہی مؤید ہو کہ جن لوگوں میں عورتوں کے پردے کا دستور نہیں ان کی عورتوں میں بھی اختلاط ذکور سے ایک طرح کی جھجک تو ضرور باقی ہے اور ایشیا کے لٹریچر سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ شاعروں نے اس وحشت و گریز کو حسن کی ایک ادا سمجھا ہے۔ اور یہ تو اپنی آنکھوں دیکھی بات ہے کہ بڑے بڑے انگریز اپنی لیڈیوں کو دور دور ساتھ لئے پھرتے ہیں ریاستوں میں دعوتیں ہوتی ہیں۔ ایڈریس دئے جاتے ہیں۔ ایڈریس کے مخاطب تو صاحب ہوتے ہیں مگر ان کے خوش کرنے کو ایڈریس میں میم صاحبہ کا بھی مذکور ضرور ہوتا ہے تو صاحب ایڈریس کے جواب میں پیش از ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے تو خیر میم صاحبہ کی طرف سے بھی اس لئے کہ مجمع میں بولنے

له ہم نے ذمہ داری کو (جو انسان پر ہے) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا۔ تو انھوں نے (بزبان حال) اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا ارادتًا بے تامل) اس کو اٹھا لیا اس میں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) نہایت ظالم تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ بڑا ہی نادان ۔

اور بات کرنے کو بھی جرأت چاہیئے ۔ اور بیگم صاحب میں بے حجابی بھی ہو، تعلیم بھی ہو، شاید حکومت بھی ہو۔ ایک نہیں تو جرأت نہیں ہے کیوں نہیں؟ وہی جھجک جو اثر ہے بقیۃ الازمنہ فطرت نسوانی یعنے پردے کا! عورتوں کے اس خاصۂ طبعی کا بیان ایک جگہ قرآن میں بھی ہے کہ مشرکین عرب کے عقائد فاسدہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن میں ان کو اس طرح قائل کیا گیا ہے کہ تم تو بیٹیوں سے عار رکھتے ہو اس عار کو خدا کی طرف منسوب کرنے سے تم کو شرم نہیں آتی کیسے احمق ہو سرے سے اولاد اور اولاد میں سے بھی بیٹیاں۔ خدا کی شان کو کیا زیبا دیتی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ساری عمر کنگھی چوٹی بناؤ سنگار میں لگی رہیں۔ زبانی تکرار ہو پڑے تو مونھ سے بات نہ نکلے اَوَمَنْ[1] یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ مطلب یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں نے آپس کی صلاح سے مناسب حالت اپنے اپنے گھروں کا انتظام کر رکھا ہے ؎

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

سوسائٹی ایک وضع پر سکون و اطمینان سے چل رہی ہے ۔ بلا ضرورت پردے کی بحث چھیڑ کر گھروں میں فساد ڈلوانا ۔ یُفَرِّقُوْنَ[2] بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ ۔ نہیں تو اور بیاہ کی بھی ریفارم کی سوجھی جس کا ضروری نتیجہ یہ ہو کہ گھروں سے عافیت اٹھ جائے ۔ ایسے ریفارمروں سے میرے نزدیک حفظ امن کے مچلکے لینے چاہئیں ۔ اور اگر قانون اجازت نہ دے تو لارڈ کرزن سے عرض معروض کر کے سرکاری رازوں کی طرح کا بل پاس کرایا جائے ۔ لارڈ صاحب کی طبیعت ماشاء اللہ ان دنوں بہت جولانیوں پر ہے ۔ رہا تعلیم کا البتہ فریب حیلہ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی	کہ با آسماں نیز پرداختی

بندگانِ خدا ابھی مردوں کی تعلیم کا اونٹ تو ایک کروٹ بیٹھا ہی نہیں ۔ ادھر یونیورسٹی بل انڈیا لیجسلیٹو کونسل میں پڑا جھول رہا ہے ۔ ادھر علی گڑھ کالج ۔ ادھر [illegible] احیاے عربی کا شگوفہ نکال کھڑا

[1] کیا (بیٹی ذات) جو زیور میں پلیں اور بڑھیں نشو و نما پائے اور کوئی جھگڑا آ پڑے تو جھگڑے کے وقت (اچھی طرح) اظہار مطلب نہ کر سکے (وہ خدا کی شان کے زیبا ہے؟) [2] میاں بی بی میں جدائی ڈال رہے ہیں ۱۲

کیا ہم عورتوں سے پردے کی بحث چھیڑ کر تعلیم کے مسئلے کو اور بھی گول مال کرنا چاہتے ہو کیا کب سے لڑکوں کی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے اور زور بے اثر بھی نہیں رہا۔ مگر نتیجہ یہی نا کہ لاہور کی تو خبر نہیں ایک دلی میں بیس۔ بائیس بی۔ اے۔ بے کار بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک کا حال مجھے معلوم ہے کہ خدا خدا کر کے بڑی سفارشوں سے نقل نویسوں میں بھرتی ہوا۔ لڑکیاں کچھ بھی کریں۔ لڑکوں کے برابر تعلیم پانے کی ان میں قابلیت ہی نہیں۔ اور نہ مہلت۔ بہت کرو ان کو اردو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ یا بی۔ اے۔ ایم۔ اے کے درجے تک پڑھانا ہو تو حساب میں جمع۔ تفریق۔ ضرب۔ تقسیم۔ تو شریفوں کے گھروں میں اتنی تعلیم سبقاً سبقاً اور سینہ بسینہ پردے کے ساتھ اب بھی ہو رہی ہے۔ اس کے لیے اتنا غل غپاڑہ کرنا کیا ضرور ہے

رات دن چکر میں ہیں سات آسماں		ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب رہا پردے کے متعلق شرع کا حکم تو مولویوں کی طرح ان پیچیدگیوں میں تو پڑنا چاہتا نہیں کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[۱] میں زینت سے اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے اور يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ[۲] میں جلابیب سے اور ادنائے جلابیب سے کیا مراد ہے۔ میں تو ایک سیدھی سادی طبیعت کا مسلمان ہوں اور اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ[۳] کی رو سے سب مسلمان بھائیوں کو صلاح دیتا ہوں کہ میری ہی طرح کی سیدھی سادی طبیعت رکھیں۔ میں نے تو پردے کی آیتوں سے جو قرآن میں ہیں یہ سمجھا ہے کہ پردے کا مقصود اصلی عفت کی حفاظت ہے تاکہ مسلمانوں کی سوسائٹی فواحش کی گندگی سے پاک صاف رہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[۴] اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی بِالنِّسْبَةِ اِلٰى اَخَوَاتِهَا مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ بہت کچھ

۱؎ اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہو تو اس کا ظاہر ہونے دینا مضائقہ کی بات نہیں ۱۲ ۲؎ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں ۱۲ ۳؎ دین نام ہے خیر خواہی کا ۱۲
۴؎ (اے پیغمبر کے) گھر والو خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا پاک صاف بنانے کا حق ہے ۱۲

فواحش کی گندگی سے پاک ہے بھی۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے عورتوں کا پردہ ہے۔ پس پردے کے مقصودِ اصلی یعنی حفظِ عفت کو فوت نہ ہونے دو۔ اور اس کے لیے جو احتیاط بھی عمل میں لاؤ گے اُس کو محکوم شرع سمجھو۔ احتیاط کے لیے کوئی عام سٹینڈرڈ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک احتیاط شہریوں کے لیے ہے ایک دیہاتیوں کے لیے۔ ایک امیروں کے لیے۔ ایک غریبوں کے لیے۔ ایک جوانوں کے لیے۔ ایک بوڑھوں کے لیے۔ ایک کنواروں کے لیے۔ ایک بیاہتے ہوؤں کے لیے۔ ایک خوبصورتوں کے لیے۔ ایک بدصورتوں کے لیے۔ ایک خواص کے لیے۔ ایک عوام کے لیے۔ ایک ایک حالت کے لیے۔ ایک دوسری حالت کے لیے۔ لیکن نیک نیتی سے جو جیسی بھی احتیاط کرتا ہے اُس کے لیے وہی محکوم شرع ہے۔ بمبئی کی کانفرنس میں جو معاملہ پیش آیا آپ صاحبوں میں سے بعض نے سنا ہوگا وہ معاملہ یہ تھا کہ مسلمانانِ بمبئی کے دو بڑے لیڈر مستورات کے پردے کے مخالف ہیں۔ ہز ہائنس سر آغا خان اور جسٹس سید بدرالدین طیب جی۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے محمڈن ایجوکیشنل کے پریزیڈنٹ قرار دیے گئے۔ سال پیوستہ میں سر آغا خان اور سال گزشتہ میں جسٹس سید بدرالدین۔ دونوں نے پردے کے مخالف اپنا خیال ظاہر کیا۔ بمبئی کے لوگ سید بدرالدین کی تقریر پر برہم ہو گئے۔ میں تو اپنی ڈیوٹی ادا کر کے بمبئی سے مہم چلا گیا۔ بمبئی میں ایک بڑا معزز خاندان ناخدا محمد علی روگے کا ہے ناخدا صاحب تو علیل ہیں مگر ان کے خاندان کی عظمت قائم ہے۔ قال قال پردے کی بحث ناخدا صاحب کے حرم محترم میں پونچی۔ اور انہوں نے اپنے داماد نواب نصر اللہ خاں صاحب کو دوڑایا۔ وہ مجھکو مہم سے واپس لے گئے اور میں نے ناخدا صاحب کی بی بی کے فرمانے سے پردے پر لکچر دیا۔ کوئی سو یا زیادہ لیڈیاں پردے کے اندر بیٹھی سن رہی تھیں اور میں پردے کے پاس مردوں میں لکچر دے رہا تھا۔ لکچر میں یہی کچھ تھا۔ جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں مگر ذرا تفصیل کے ساتھ لکچر کے تمام ہوتے ہی ناخدا صاحب کی بی بی نے ایک ہزار۔ ناخدا صاحب کی بہو نے ایک ہزار۔ ناخدا صاحب کی صاحب زادی نے پانسو۔ کل ڈھائی ہزار روپیہ کے نوٹ اُسی وقت میرے حوالے کیے۔ دیے تو مجھکو مگر نواب محسن الملک گھات میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے اُچک لیے

پچھلے مہینے میں مسٹر آرنلڈ کو رخصت کرنے علی گڈھ گیا دیکھا کہ اس روپیے کے شاندار کمرے تیار ہیں کمروں کے دروازوں پر میرے لکچر کا حوالہ دے کر پتھر کندہ کرا کر نصب کر دیئے ہیں۔ بمبئی سے ڈہائی ہزار روپے ملے تھے اب دیکھیں لاہور سے کیا وصول ہوتا ہے۔ میں اپنے لیے نہیں مانگتا۔ اِنْ[۵۱] اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ۔ وہ اور بھائی شمس[۵۲] دین لیں اور انجمن کے بینک لگے۔ هَنِیْئًا[۵۳] مَّرِیْئًا۔

تینتالیسواں[۴۳] لکچر

الموسوم بہ

نصاب المسلمین

جو

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھارہویں سالانہ جلسے میں بمقام لکھنؤ سنہ ۱۹۰۴ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرچہ ہے شعر و سخن سے مجھے کلّی نفرت — اک مصیبت ہے مگر طبع کی موزونیت
اونگھتے کو ہوا کرتا ہے بہانہ جس طرح — ٹھیلتے کا۔ یہی حالت ہے یہی کیفیت
اک تقاضائے طبیعت ہے دوم فرمائش — محسن الملک کا کہنا نہ کروں۔ کیا طاقت
ہاں میں ہاں ہو نہ ملائے وہ ٹرسٹی کیسا — نیچری کیا۔ نہ کرے ان کی اگر تبعیت
ایک مشکل ہے بڑی اور کہ اس مجمع میں — نظم کا نام لوں۔ میری نہیں پڑتی ہمت
لکھنؤ ہے یہ اور اس خطے کے رہنے والے — رکھتے ہیں شاعری و حسن بیاں میں شہرت
پشتہا پشت سے شغل ان کا ہے تحسین زبان — یہی معیار فضیلت ہے یہی علّیت

۵۱ میری اُجرت تو بس خدا پر ہے۔ ۱۲ ۵۲ پنجاب کے لہجہ کی نقل ہے۔ ۱۲ ۵۳ رچتا پچتا۔ ۱۲

قابلیت جو تھی سب صرف ہوئی لفظوں میں
ہی اک عشق کا رونا ہو ہر اک صورت سے
اس سے گروی ہیں بہت سلطنتیں خاک سیاہ
ڈوب مرنے کی جگہ ہو عرق خجلت میں
سلطنت کا نہیں زنہار ہمیں رنج و ملال
سلطنت ہی کا ہو خمیازہ یہ سب رسوائی
سلطنت ہی نے کیا قوم کو سست اور کاہل
سلطنت ہی نے خراب ان کے کیے سب اخلاق
سلطنت ہی سے مٹی صورت ظاہر کی تمیز
سلطنت ہی کا تھا سب قاعدہ اگلا اسلوب
حاکم وقت نہ ہو جس پہ مسیطر کوئی
وہ جو چاہے سو کہے وسے نہ سکے کوئی جواب
بندۂ حلقہ بگوش اُس کی رعایا ہو تمام
خرچ کرتا ہو زر و مال کو بے دردو دریغ
ایسا آزاد منش جس پہ کوئی روک نہ ٹوک
ادب آموز رعایا ہوا کرتا ہو رئیس
وہ مثل ہو کہ خدا گنجے کو ناخون نہ دے
رنج اگر ہو اور اگر رنج کے قابل ہو تو یہ
وہ خلافت نہ تھی فی الجملہ خدائی تھی اگر
دیکھنا دیکھا ہو ہم سا بھی کوئی دشمن کام
ہند کا خطۂ زرخیز نہیں جس کی نظیر

اور مضامیں کی اگر پوچھو تو بس خیریت
یہ لگائے کسی بندے کو خدا اس کی لت
حیف ہو گر نہ ہو اس پہ بھی کسی کو عبرت
جتنے ہم جیتے ہیں اس حال میں سب بے غیرت
ہم سے تھے نااہل ۔ گئی شکر خدا والمنت
سلطنت ہی کا نتیجہ ہو یہ ساری نکبت
سلطنت ہی نے کیا ان کو سراپا غفلت
سلطنت ہی نے سکھائی ہو انھیں بدعادت
کس کو کہیے کہ مسلمان ہو یا ہندو مت
کبھی وہ رحم الٰہی تھی کبھی تھی زحمت
حاکم وقت نہ ہو جس کو کسی کی دہشت
وہ جو چاہے سو کرے ہیچ ہیں پار و حجت
زر خرید اُس کے ہیں گویا با وا سے قیمت
حاصل ملک اُسی کا ہو فقط بے شرکت
دیو سفاک ہو یا شاذ فرشتہ خصلت
دل ہو بیمار تو ہو جسم کو کیوں کر صحت
کہ کرے گنج کو گنجینۂ درد و کلفت
کہ گئی ہاتھ سے ایجنسی رب العزت
ہم سے بن آتی کما حقہٗ شرط خدمت
دیکھنا دیکھا ہو ہم سا بھی کوئی بدقسمت
فیض قدرت نے اسے دی ہو بہت سی برکت

رشکِ یورپ اسے ہونا تھا۔ مگر عند اللہ
شرط یہ بھی ہوئی پوری تو نہیں اب باقی
سر میں دو کان ہیں اور منہ پہ ہیں آنکھیں دو دو
سنتے سکتے ہوا یا ہیچ نہیں معذور نہیں
بعد وشت نے کر دیئے ہیں قوم کے اعضا مفلوج
ہو گئی جیسے ہو گی کبھی حشر میں نفسی نفسی
ایک کو ایک کا افسوس نہیں درد نہیں
کس زباں میں انہیں کس طرح کوئی سمجھائے
سب مثالوں میں ہے برجستہ وہی ایک مثال
قوم اک جسم ہے افراد ہیں اس کے اعضا
درد کرتا ہے جسد میں سے اگر ایک مسام
قوم کے بننے بگڑنے کا یہی ہے معیار
گر سند چاہتے ہو اس کی تو دیکھو تاریخ
کیا کہا میں نے؟ بے سوچے کہ دیکھو تاریخ
ان مشاغل سے رہا کرتے ہو جن میں مصروف
اور اگر ہو بھی تو تاریخ میں ناول کی طرح
خیر تاریخ بتاتی ہے کہ کیوں کر اسلام
سارے اہلِ عرب آزاد تھے مطلق آزاد
حکمراں ان پہ نہ تھا غیر کوئی غیر شیوخ
ملک میں ان کے نہ تھی ایسی فراوانی آب
وہ جو کہتے ہیں کہ خالی سے ہے بیگار بھلی

اس کی اصلاح تھی وابستۂ انگریزیت
عذر کوئی مگر اعمال کی اپنی شامت
دیکھتے سنتے ہو۔ کاہے کی ہے تم میں قلت
ہاں مگر اٹھ گئی ہے قوم میں سے قومیت
جسمِ قومی میں نہیں نام کو حس و حرکت
قوم کے حق میں ابھی سے ہے یہ نفسانیت
زید عسرت میں ہے اور بکر ہے محوِ عشرت
یہ کہ افراد میں اور قوم میں کیا ہے نسبت
لکھ گئے ہیں جیسے سعدی علیہ الرحمت
جن کے آپس میں ہے اس طرح کا ربطِ الفت
سارے ہو جاتے ہیں بے چین ز راہِ شفقت
اس سے زائد نہیں تفتیشِ سبب کی حاجت
تاکہ ثابت ہو مری بات کی تم کو صحت
عقل کے حق میں یہ کہنا ہے دلیلِ خفت
کیا معلوم ہے تم کو نہیں مطلق فرصت
نہ تعشق کے مزے اور نہ ہنسی کی لذت
مشتہر ہوا اطراف میں با ایں عجلت
جس زمانے میں کہ مبعوث ہوئے آں حضرت صلعم
نہ وہ منقادِ حکومت نہ مطیعِ ملت
کہ ہو پانی کے سبب کھیتی کی ہر سو کثرت
مشغلے ان کے تھے بس قتل و نہیب و غارت

بطنِ مادر سے وہ ہوتے تھے سپاہی پیدا
توڑتے بے خبری میں کوئی تنکا جیسے
مول لیتے تھے لڑائی کو لڑائی کے لئے
ایک ہابیل تھا اور دوسرا بھائی قابیل
دوسرے ملک کے لینے کا وہ کیا کرتے قصد
آیا اسلام تو جس جس نے کیا اس کو قبول
باپ مارے کا تھا گر بیر تو ایسا بھولا
جمع ہو کر جو چلے فتح ممالک کے لئے
مسجدوں میں جو اذاں دیتے تھے وہ بہر نماز
ہو گئے امن کے آتے ہی در دور سب دور
بات کی بات میں ان تنکوں سے جھاڑ بن کر
چھوڑ دو ان وقتوں کا ذکر کہ ان باتوں سے
اب نہ وہ وقت نہ وہ لوگ نہ وہ رسم و رواج
جن کے ہاتھوں میں حکومت ہی مبارک ان کو
بس غنیمت ہے کہ اقران سے پیچھے نہ رہیں
یہ بھی موقوف ہے تعلیم پہ اعلیٰ تعلیم
قوم نادار ہے اور جنسِ گراں ہے تعلیم
شوق دل میں ہے مگر فیس کا مقدور نہیں
کتنے ہیں جوہرِ قابل کہ جلا پانے سے
کر رکھا ہے انھیں افلاس نے بدتر زخزف
اک وظیفہ تمہیں بتلاتا ہوں از بہرِ ثواب

ان کی گھٹی میں تھی جانبازی و خلقی جرأت
ان کے ہاں جان کی تھی ہی نہیں کچھ وقعت
نہ لحاظ ان کو قرابت کا نہ پاسِ قربت
بھائی کے خون میں بھائی کے تھے کپڑے لت پت
خانہ جنگی میں فنا ہوتی تھی ساری قوت
اس کی تعلیم نے دی سب کی بدل ماہیت
کہ عداوت کی جگہ ہو گئی راسخ خلت
تو بھڑیں بھیں کہ کریں چھتے سے اپنے رحلت
تیغ و تیر لمن الملک کی نجستی نوبت
بڑھی آکاش سے اور دھرتی سے ابلی دولت
شہرۂ رومیوں اور فارسیوں کی سطوت
تازہ ہوتا ہے خیالِ غم و رنج و حسرت
نہ وہ مذہب نہ وہ دیں اور نہ انسانیت
ہم اگر نام بھی لیں اس کا تو ہے لغویت
دو نہیں یکہ نہیں تقدیر میں اپنی سبقت
بی۔ اسے اور ایم اسے اسی کی تو ہے بابت حاجت
کاش سمجھیں وہ جنھیں دی ہے خدا نے ثروت
بے پڑھے کام نہ دوست ذہن کی خالی جودت
جسمِ قومی کے ہوں سرمایۂ زیب و زینت
اب وہ بدرنگ ہیں بدروپ پڑا ہے ریت
جس کی ظاہر ہو اسی آن میں مقبولیت

من و تو چھوڑو - وظائف سے گردان کی مدد
یہی اک بات مجھے کہنی تھی اچھا رخصت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس فریضۂ خدمت کے ادا کرنے کے لیے میں کھڑا ہوا ہوں یعنی لکچر میں آپ اُس کو فعلِ عبث سمجھتا ہوں۔ فریضہ بھی میں نے اِس کو اُس کمیٹی کے ادب کے لحاظ سے کہہ دیا جس نے کانفرنس کا پروگرام بنایا ہے کہ اُس نے کچھ سمجھ ہی کر لکچر کو پروگرام میں داخل کیا ہوگا۔ یہ تو میرا حال ہے اور عام مسلمانوں سے پوچھو تو کانفرنس و ما یتعلق بہ سب کو ممنوعاتِ شرعیہ میں سے بتائیں گے۔ ہاں ایک وقت تھا کہ لکچر کانفرنس کے لیے شرطیہ ضروری تھا۔ اُس وقت سے میری مراد کانفرنس کی ابتدا ہے کہ مجھ جیسے بے بھگو عطائی انگریزی دانوں کو لفظ "کانفرنس" کے معنے تک بھی معلوم نہ تھے غرض و غایت کیا کون سکے۔ تو لوگوں کو بتانا سمجھانا تھا کہ "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" ایک جماعت کا نام ہے جو مسلمانوں میں اشاعتِ تعلیم کی تدابیر سوچتی اور عمل میں لاتی ہے۔ یعنی "کانفرنس" تعلیم کا منّاد ہے۔ منّاد کا لفظ میں نے ایک ہندوستانی عیسائی واعظ سے سنا تھا کہ اُس نے اپنے عہدے کا نام منّاد بتایا۔ اور معنے کہے انجیل کا منادی کرنے والا۔ فعّال کا وزن اصلِ وضع میں تو مبالغے کے لیے ہے مگر پیشہ وروں کو کثرتِ اشتغال کی وجہ سے خیاط، حجام، عطار وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اِس اعتبار سے تو منادی کرنے والے کو منّاد کہنا ٹھیک ہے مگر نفسِ صیغہ قاعدے کی رو سے غلط۔ اُسی واعظ نے اثنائے تقریر میں بڑے مقرر کو تقّار بھی کہا تھا۔ یہ نوبت تو عربی کی اغیار کے ہاتھ سے پہنچ چکی ہے۔ اور اگر مسلمان تعلیم کی طرف سے ایسے ہی غافل رہے جیسے کہ ہیں تو پیشیں گوئی ہے کہ الحمد اور الحمد کرنے لگیں گے۔ خیر تو "کانفرنس" کی ابتدا میں تو لکچر کانفرنس کے لیے شرطِ ضروری تھا مگر اب فعلِ عبث ہے اس لیے کہ کانفرنس کو تعلیم کی منادی کرتے ہوئے بہت برس ہو گئے اور کانفرنس کے علاوہ "ون روپی فنڈ" "ڈیوٹی ڈیپوٹیشن" بہت سے منّاد پیدا ہو گئے اور کانفرنس کی آواز چار دانگِ ہندوستان میں پڑی

گونج رہی ہے۔ اب کانفرنس بچہ نہیں رہا کہ اس کو لکچروں کے دودھ سے پرورش کیا جائے۔ راجہ **تصدق رسول خاں** دام اقبالہ نے اس کو بریانی متنجن کی چاٹ لگا دی ہے وہی ملے تو اس کو سیری ہو۔ لیکن جس طرح دودھ خالصًا سائغًا للشاربین بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کو تغذیے کا کام دیتا ہے۔ لکچر بھی کانفرنس کی تھوڑی بہت امداد کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ باوجود منادوں کی کثرت کے لوگوں نے کانفرنس کے مفہوم کو کما حقہ نہیں سمجھا اس لیے کہ تعلیم کو کما ہو حقہ نہیں سمجھا۔ ابھی تک بھی بہت لوگوں کو تعلیم کی طرف سے بدگمانیاں ہیں۔ غلط فہمیاں ہیں۔ یوں تو ہر زمانے اور ہر ملک اور ہر قوم میں خواندوں کا شمار ناخواندوں کے مقابلے میں بہت ہی کم رہا ہے حتیٰ کہ یورپ اور امریکہ میں بھی پڑھے لکھے فی صد آحاد سے نہیں بڑھے اور میں اس حساب میں تعلیم کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ لیتا ہوں یعنی اُن لوگوں کو خواندہ سمجھتا ہوں جو اپنی زبان میں نقوش کے ذریعے سے آپس میں بات چیت کر سکیں تو اس اعتبار سے ہندوستان بھی سدا سے ناخواندوں کے شمار میں نہیں رہا کیوں کہ فی صد پورا ایک نہیں تو عام یا اعشاری کسر خواندوں کی ضرور رہی ہوگی۔ لیکن تعلیم کا یہ درجہ مردم شماری کے نقشوں کی خانہ پری کے لیے رکھا گیا ہے۔ عرف میں تعلیم یافتہ کہلانے کے لیے بہت کچھ ذخیرہ جمع کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح تعلیم کا ادنیٰ درجہ حرف شناسی ہے اسی طرح تعلیم کا اعلیٰ درجہ ہم مسلمانوں میں اُس نصاب پر عبور کرنا ہے جو سلسلۂ نظامیہ کہلاتا ہے۔ تعلیم کے ادنیٰ اور اعلیٰ درجوں کے بیچ بیچ میں بہت سے مدارج ہیں۔ مجھ کو صرف مسلمانوں کے اعلیٰ نصاب تعلیم پر کچھ کہنا ہے تو اس کے لیے کتابوں کے نام گنوانے کیا ضرور ہیں۔ صرف علوم کا نام بتا دینا کفایت کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نصاب تعلیم کس اصول پر قرار دیا جاتا ہے اور کس اصول پر قرار دیا جانا چاہیے۔ علم کے معنے ہیں دانستن لیکن اتنے سے علم کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جاننے کے لیے دنیا میں بے انتہا چیزیں ہیں اور بے انتہا باتیں ہیں اور آدمی جس کی زندگی محدود ہو اَكْثَرُ اَعْمَارِ اُمَّتِيْ بَيْنَ سِتِّيْنَ وَسَبْعِيْنَ مادام الحیات نامتناہی پر

ق میری امت کی زیادہ سے زیادہ عمر ساٹھ ... [illegible] ۱۲

احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور اسی سے فرمایا ہے[۵۱] وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ مطلق جاننا تو انسان کی باطنی قوتوں میں سے ایک فطری قوت ہے اور شروع ولادت سے اِس قوت کا ظہور ہونے لگتا ہے اور تا دمِ مرگ ہوتا رہتا ہے۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی اُس کے تمام حواس ظاہر و باطن اپنا اپنا کام کرنے لگتے ہیں۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ کانوں سے سُننا۔ جلد بدن سے چھوتا اور دیکھنے سننے چھونے سے جو کیفیتیں دماغ میں پیدا ہوتی ہیں اُن کو حافظے میں جمع کرتا جاتا اور پھر اُس کی قوت متخیلہ اُن معلومات میں تصرفات کرتی رہتی ہے۔ یہ ہے بنیاد آدمی کے علم کی اور یہ اضطراری ہے اور اسی وجہ سے تحصیل علم کی قوت کو فطری کہا گیا ہے۔ بچہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے اُس کی ابتدائی معلومات ترقی کرتی جاتی ہے اور دیکھنے سُننے چھونے سے اُس کو وقت اور بُعد کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ فطری قوتوں سے برابر کام لیتا رہے اور اُن کو معطل نہ پڑا رہنے دے تو سنِ رُشد کو پہنچ کر وہ خلافتِ الٰہی کے سرانجام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جس کے لیئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ ایک حد تک تو علم کا حاصل کرنا اضطراری رہتا ہے اور پھر اُس حد سے آگے بڑھ کر اختیاری ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسان کے مدارج علم کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں[۵۲] وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ جہاں تک علم زندگی کا موقوف علیہ ہے وہیں تک اُس کو اضطراری سمجھو وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فِىْ حَدِّ الْاِخْتِيَارِ اِنْ شِئْتَ طَلَبْتَهٗ وَاِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهٗ اگر وہیں تک علم کے حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی جو زندگی کا موقوف علیہ ہے تو کچھ جھگڑا ہی نہ تھا۔ جیسا سب چاہتے ہیں اور بُری طرح یا بھلی طرح جیتے بھی ہیں۔ شادباید زیستن ناشاد باید زیستن مگر زندگی کے علاوہ جلبِ ملائم اور دفعِ ناملائم کو بھی زندگی سے دوسرے درجے میں فطری ہی سمجھو اور یہی ہے علمی مدارج کے تفاوت کی اصل جس کی بنا پہ علمی نصاب بدلتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے بدلتے رہیں گے۔ اب ہم مسلمانوں کے علمی نصاب پر نظر ڈالو تو اِن کے تمام علوم میں شروع سے آخر تک مذہب کی جھلک مارتی ہے[۵۳] صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ابتداءِ اسلام میں

[۵۱] اور تم لوگوں کو (اسرارِ الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے ۱۲ [۵۲] (دنیا میں) ہر ایک دانا سے بڑھ کر (دوسرا) دانا موجود ہے ۱۲

[۵۳] (مسلمانو! ان لوگوں سے کہو کہ ہم تو) اللہ کے رنگ میں (رنگے گئے ہیں اور اللہ کے رنگ) سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا ۱۲

مسلمانوں کی جملہ ہمت دین ہی کی اشاعت اور دین ہی کی حفاظت میں مصروف تھی اس لیے کہ مسلمانوں کا گروہ مذہبی گروہ تھا۔ مذہب ہی نے اُن کو اکٹھا یا ابھارا۔ مذہب ہی نے ان کو دنیا میں عالم کیا۔ مذہب ہی نے اُن کو مشارٌ الیہ بالبنان بنایا۔ غرض ان کی دنیا متفرع تھی دین پر تو ان کو دین کے سنبھالنے کی ضرورت تھی اور دین ہی ان کا نصاب تھا یعنی قرآن۔ اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کے اس نصاب کی تعلیم ایک مدت تک زبانی یا سینہ بسینہ تھی کہ لوگ دین کی باتوں کو ایک دوسرے سے سُن کر یا دیکھ کر سیکھتے تھے۔ [لہ] وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ تعلیم کتابی تو مابعد کی ایجاد ہے شروع شروع میں تعلیم کا طریقہ زبانی یا سینہ بسینہ تھا اور بہت سی باتوں میں ابھی تک یہی طریقہ مروج ہے۔ انسان کے جتنے افعال ہیں سب معلل بالاغراض ہیں یعنی انسان ایک مخلوق خود غرض ہے کہ بے مطلب بجز ابھی نہیں تو رتا۔ اس رو سے نصاب تعلیم کی بھی کوئی نہ کوئی غرض ہونی چاہیے اور ہوا کی ہوا در سب ایک انسان ہی ہوا کرے گی۔ اچھا تو مسلمانوں کے ابتدائی نصاب یعنی مذہبی نصاب کی غرض و غایت کیا تھی۔ تو انسان ایک وجود مرکب ہے جسم و روح سے تو اس کے اغراض بھی دو طرح کے ہونے چاہییں جسمانی اور روحانی۔ مسلمانوں کا ابتدائی مذہبی نصاب ان کی دونوں غرضوں کو بخوبی پورا کرتا تھا۔ دنیا کے اعتبار سے وہ اسی مذہبی نصاب کے بل پر ملک فتح کرتے اور دولت سمیٹتے چلے جاتے تھے۔ یہ تو ان کی جسمانی کامیابی تھی۔ اور آخرت کے اعتبار سے وہ نعیم بہشت کی امیدیں دل میں لے کر مرتے تھے [ع] فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ پھر فتوحات ملکی کے ساتھ ان کو ممالک مفتوحہ کے نظام کی ضرورت بھی پیش آتی تھی اور ساتھ کے ساتھ جمع احادیث اور تدوین فقہ سے ان کا مذہبی کورس

لہ اور مومنوں کو مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور مدینے میں آ بیٹھیں) ایسا کیوں نہ کیا کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے کچھ لوگ (اپنے گھروں سے) نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور جب (مسئلہ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو ان کو نافرمانی خدا سے ڈراتے تاکہ وہ لوگ (بھی) برے کاموں سے بچیں ۱۲ ع جو شخص دوزخ کی آگ سے بچا دیا گیا اور اس کو رہنے کے لیے جنت میں جگہ مل گئی تو بس سے (من مانی) مراد پا لی ۱۲

یعنی قرآن بھی تشریحات اور نظائر سے تکمیل پا چکا تھا۔ غرض کہ ان کا مذہبی نصاب حالت کے اس درجے تک ان کو خاصی اچھی طرح کام دیتا تھا۔ انتظام کی خوبی امن اور رعیت کی خوش حالی سے پہچانی جاتی ہے اور یہ دونوں باتیں حاصل تھیں۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے نصاب کو اپنی حالت کے مناسب بنا لیا تھا۔ ابتدائے شیوع اسلام سے لے کر الی یومنا ھذا مسلمانوں پر من حیث المجموع تین حالتیں گزری ہیں۔ عروج، وقوف، انحطاط۔ اور ان حالتوں کا تسلسل یعنی یکے بعد دیگرے واقع ہونا بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ جیسے اشخاص میں ایسے اقوام میں بلکہ اجسام میں کہ اگر ایک پتھر اوپر کی طرف کو پھینکا جائے تو پھینکنے والے کی قوت کی نسبت سے وہ ایک حد تک اونچا ہوتا ہے۔ پھر رفتار ترقی منقطع ہو کر گرنا شروع کرتا ہے۔ آفتاب طلوع ہو کر چڑھتا چلا آتا ہے۔ سمت الراس پر پہنچ کر ڈھلنے لگتا ہے۔ ہر کمانے راز والے کے یہ معنے ہیں۔ مسلمانوں کے از منۂ ثلاثہ کی تحدید اُن کے تفصیلی حالات کا بیان۔ اسباب کی تفتیش مورخ کا کام ہے مجھے اُس سے کچھ مطلب نہیں میں تو اتنا ہی جانتا ہوں اور اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے یہ زمانہ انحطاط کا ہے۔ اس رفتار کو کسی کی مجال نہیں کہ روک دے مگر اس رفتار کو بطی کرنے کی تدبیریں ہیں۔ اُن میں سے ایک تدبیر یہ کانفرنس ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کا گروہ ایک مذہبی گروہ ہے کہ مذہب اسلام نے ان کا ایک جتھا بنایا اور وہ جتھا اختلاف عقائد کی وجہ سے تمام معاصرین کی نظروں میں مبغوض ہوا۔ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ[۱] مجبور

	دست بگیرد سر شمشیر تیز		وقت ضرورت چو نماند گریز	

لڑائیاں ٹھنیں اور وہ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد "اسلامی سلطنت" کی بنیاد رکھی گئی۔ اگرچہ شروع کے مسلمان اَن پڑھ تھے إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ مگر اس حالت میں بھی اُن کے پاس ایک نصاب تھا قرآن کہ وہ اُس کو کتابی طور پر نہیں تو ایک دوسرے سے سن کر یاد کر لیتے تھے وہ نصاب فی حد ذاتہ

[۱] اور وہ مسلمانوں کی اسی بات سے چڑے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو زبردست (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے (اور وہ) ایسا (قادر مطلق ہے) کہ آسمانوں (کی) اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے ۱۲

ایسا جامع اور کامل ہو کہ اگر سمجھ کر پڑھا جائے جیسا کہ سمجھ کر پڑھنے کا حق ہو اور اُس پر پورا پورا عمل کیا جائے جیسا کہ پورا پورا عمل کرنے کا حق ہو تو وہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی تمام ضرورتوں کو کافی اور وافی ہو۔ قرآن کو نصاب جامع اور کامل اس اعتبار سے کہا کہ تمام علوم اولین و آخرین دینی اور دنیاوی یا بصراحۃً قرآن میں مذکور ہیں یا اُن کا حوالہ ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ انسان کو جو خدا کا خلیفہ ہو ان علوم کا جاننا بھی ضرور ہے۔ مثلاً اجرام فلکی کے حالات کے واسطے ایک خاص علم موضوع ہے جس کا نام ہے ہیئات۔ تو گو علم ہیئات کے مباحث قرآن میں مذکور نہیں مگر خدائے تعالیٰ جا بجا قرآن میں اجرام فلکی سے اپنی ذات اور اپنی قدرت پر استدلال فرماتا ہے اور نہ صرف استدلال فرماتا ہے بلکہ اُن لوگوں کو جو اس علم کی طرف سے غفلت کریں ملامت بھی فرماتا ہے وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ۔ اور یہی حال ہے باقی تمام علوم کا جو یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور جن کی اشاعت کے لیے اتنا کچھ غُل غپاڑہ ہمارے ہندوستان میں ہو رہا ہے اور اسی غرض خاص کے لیے یہ کانفرنس ہر سال منعقد ہوتا ہے قرآن کو نصاب جامع اور کامل کہنے کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ غنا اور فقر، سفر اور حضر، تجرد اور تاہل، صلح و جنگ، طفلی و شباب، اور شیخوخت، صحت اور علالت، تجارت، حرفت، صناعت، فلاحت، حاکم و محکوم۔ آدمی کو کسی حال کسی مذاق کا بھی فرض کرو قرآن میں اصولاً اس کے لیے ہدایت موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر جامعیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ باوجود جامعیت و کاملیت قرآن سے فائدہ اُٹھانے کی شرط ضروری تھی کہ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے اور اُس پر عمل کیا جائے۔ سو مسلمانوں نے اپنے نصاب کی قدر تو کی اور کیوں نہ کرتے کہ اسی کی بدولت وہ وحشی سے مہذب، محتاج سے دولتمند، رعیت سے بادشاہ، محکوم سے حاکم بن گئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے نصاب کے ساتھ ناداں کی سی دوستی کی یعنی معانی اور مطالب کے عوض قرآن کے لفظوں پر زیادہ زور دیا ہے ان کے حق میں

۱؎ اور آسمان و زمین (خدا کی قدرت) کی ایسی کتنی نشانیاں ہیں جن پر لوگ ہو کر گذر جاتے ہیں اور وہ اُن کی کچھ پروا نہیں کرتے اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے بھی ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں ۱۲

قرآن قالب بے جان رہ گیا۔ قرآن کے نصاب میں گڑبڑ شروع ہوا عجم کے فتوحات سے کہ جو ملک فتح ہوتا۔ وہاں اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کی رو سے اسلام کو رواج پانا ہی تھا۔ اصل فاتح تو عرب ہوتے تھے وہ مفتوح نو مسلموں کو اسلام لانے کے ساتھ برابری کے درجے میں لے لیتے کہ مذہب اسلام میں یہی حکم تھا۔ مفتوح ممالک کے لوگ شروع میں مساواتِ حقوق کی طمع سے اسلام لے آتے ہوں گے اس سے ہم کو معاذ اللہ اُن بزرگوں کے اسلام کی توہین منظور نہیں۔ کیوں کہ اُن میں ایسے ایسے اسلام کے فدائی بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے اسلام کے پودے کو اپنے خون سے سینچا ہے اور اسلام اُن کے احسان سے کسی طرح سبکدوش ہو نہیں سکتا۔ اور ہم تو اسلامی حیثیت سے اُن کے کتّوں کے پاؤں خاک کی بھی برابری نہیں کر سکتے مگر پھر ہمارا کہنا یہ ہے کہ اسلام کی خوبیاں اُنھیں بعد کو معلوم ہوئی ہوں گی ۔[۵۱] وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ؀ اسلام کی خوبیاں بے قرآن کے پڑھے سمجھے معلوم ہو نہیں سکتیں۔ اور چوں کہ قرآن عربی زبان میں ہے کوئی عجمی اس کو بے عربی جانے سمجھ نہیں سکتا۔ اور سمجھنا تو درکنار باوجودیکہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں ایک ہی طرح ایک ہی طرز کے نقوش میں لکھی جاتی ہیں عربی عبارت پڑھ بھی نہیں سکتا۔ اس مشکل کے رفع کرنے کو قرآن میں اعراب لگانے اور اعراب کے سوا عربی کی صرف و نحو کے قواعد بنانے پڑے یعنی اسلامی نصاب میں صرف و نحو لغت تین علموں کا اضافہ ہوا۔ اور یہ سب اُسی اصلی نصاب قرآن کی خدمت کے لیے پھر اجنبی ہونے کے علاوہ تلفظ کی بھی دشواری تھی کہ بعض حروف عرب کے ساتھ خاص تھے اور عجمی اُن کو بول نہیں سکتے تھے۔ اس ضرورت سے تجوید یعنی قرأت کے قاعدے وضع کیے گئے اور یہ چوتھا علم قرار پایا۔ مگر صرف و نحو کی طرح یہ بھی اُسی اصلی نصابِ قرآن کا خادم۔ عجمیوں کی ضرورتیں تو

۵۱ اور (اے پیغمبر) مشرکین مکہ میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلامِ خدا کو سُن (سمجھ) لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دو یہ (رعایت اُن لوگوں کے حق میں) اسی وجہ سے ضرور ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں ۱۲

یوں پوری کی گئیں اسی طرح کی ایک ضرورت خود عرب کو بھی پیش تھی کہ زمانۂ نزولِ قرآن میں فصاحت بلاغت کا بڑا چرچا تھا اور سارا جزیرۂ عرب فصاحت بلاغت کی متوالی کو دوں کھائے ہوئے تھا اُن کی معمولی بات بھی اگر نظم نہ ہوتی تھی تو مقفیٰ اور مسجع تو ضرور ہی ہوتی تھی۔ خطابت کا یہ زور تھا کہ بلا مبالغہ تمام جزیرۂ عرب شاعروں کی مٹھی میں تھا صلح و جنگ کے لیے وہی اپنے قبیلوں کے بادشاہ تھے۔ زبان آوری کے متعلق اُن لوگوں کے کچھ ایسے مغز چلے ہوئے تھے کہ اپنے سوائے دوسروں کا نام رکھا تھا عجم یعنی گونگے کہ اُن کو بولنا بات کرنا بھی نہیں آتا۔ اگر قرآن میں اعلیٰ درجے کی فصاحت بلاغت نہ ہوتی تو وہ اس سے ایسے متنفر اور متوحش ہوتے کہ اس کو سنتے تک بھی تو نہیں۔ تو جو ہیچ ان کو خوب رواں تھا اسی سے ان کو پچھاڑا اور ٹھنکے کی چوٹ برابر تحدّی کی جاتی تھی کہ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [1]۔ اور قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا [2]۔ اور اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [3]۔ تو اس بات کا یقین کرا دینے کے لیے کہ واقعی قرآن جیسی فصاحت بلاغت مقدورِ بشر نہیں ایک علم جداگانہ جمع کرنا پڑا جس کا نام ہے معانی اور بلاغت۔ اور خدامِ قرآن میں ایک خادم اور بڑا یہ اور اس طرح کے اور چند علوم جو

[1] اور وہ جو ہم نے اپنے بندہ (محمد) پر اتارا (قرآن) اس میں اگر تم کو اس میں شک ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے اور (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اسی جیسی ایک سورت (تم بھی بنا) لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لو ۱۲۔ [2] (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر آدمی اور جنات سب جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تب بھی اس جیسا نہیں بنا لا سکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی پشت پر ایک (کیوں نہ) ہو ۱۲۔ [3] (اے پیغمبر) کیا (کافر) کہتے ہیں کہ اس (شخص یعنی تم) نے (اس کو) اپنے دل سے بنا لیا ہے تو ان لوگوں سے کہو کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو کہ یہ قرآن اپنے دل سے بنا لیا ہے تو تم بھی (اہلِ زبان ہو) اسی طرح کی بنائی ہوئی (زیادہ نہیں دس ہی) سورتیں لے آؤ اور خدا کے سوا جس کو (مدد کے لیے) تم سے بلاتے بن پڑے بلا لو ۱۲

الفاظ قرآنی کے متعلق ہیں وضع کیے گئے۔ عربی عجمی مسلمانوں کے فائدے کے لیے تاکہ قرآن کو ویسا
جیسا اس کے سمجھنے کا حق ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علوم کا نصاب بنانے میں واضعان نصاب کی نیت
بخیر تھی اور مسلمانوں کو اس نصاب کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن جیسے جیسے اسلامی سلطنت وسیع ہوتی
جاتی تھی اور کسی محکوم یا مغلوب کو جبراً مسلمان کرنے کی مذہباً سخت ممانعت تھی۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ
قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی
لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ تو اب مسلمانوں کو بہت سے غیر مذہب والوں میں بھی رہنا پڑا اور
ایسی تو کیا بات ہے کہ ایک جگہ کے رہنے سے آپس میں مذہبی گفتگو درمیان میں نہ آجاتی ہو تو قرآن کی
حمایت کے لیے معقولات کی قسم کے کئی علم نصاب میں داخل کرنے کی ضرورت ہوئی چونکہ مذاہب
مروجہ سے الگ ہو کر اسلام نیا مذہب نکلا تھا تو مسلمانوں کے محدود گروہ کے علاوہ تمام دوسرے فرقے
اسلام کے مخالف تھے۔ مخالفوں میں سخت تر مخالفت فلاسفہ یونان کی تھی کہ وہ بات بات میں عقلی
حجتیں نکالتے اور ایک اسلام کیا اپنی عقل کے آگے کسی مذہب کی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اور
ازبسکہ عام طبائع ہمیشہ سے آزادی پسند واقع ہوئی ہیں۔ لوگ معتقدات فلاسفہ کی طرف بالطبع مائل
تھے اور اسی اثنا میں بعض مسلمان بادشاہ بھی جن کو مذہباً اپنے تئیں خلیفۃ المسلمین کہلانے کا کوئی
حق نہ تھا فلسفہ یونان کی طرف یا یوں کہو کہ دہریت کی طرف ایسے راغب ہوئے کہ انھوں نے یونانی
کتابوں کے عربی میں ترجمے کرائے۔ اور اس طرح پر فلسفہ کا ایک بڑا ذخیرہ اسلامی کتابخانوں میں جمع
ہو گیا۔ تاریخوں میں ان وقتوں کے حالات پڑھیے سمجھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام پر
یہ زمانہ اس سے کچھ زیادہ سخت تھا جب کہ مسلمانوں کو دین کی حمایت کے لیے جہاد کرنے پڑتے تھے۔
مسلمانوں کی عملداری میں سلطنت کا مذہب اسلام تھا۔ حاکم وقت نائب رسول سمجھا جاتا تھا۔ دینی
باتوں میں لوگ عموماً اسی کی ناک دیکھتے ہوئے اسی کی تقلید کرتے تھے۔ اور وہ جدھر کو چاہتا تھا ان کو موڑ دیتا

(۱) دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں گمراہی سے ہدایت (الگ) ظاہر ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے منکر ہو اور اللہ پر ایمان
لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں (اور اس کا بیڑا پار ہے) اور اللہ (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔

تھا جن مسلمانوں بادشاہوں نے فلسفہ یونان کے ترجمے کرائے ہم اُن کی نسبت کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ ایک طرف وہ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلاتے تھے اور بعض اُن کے متشرع بھی تھے مگر اکثر عیش پرست۔ غرض جیسی شخصی سلطنت تھی اسلام بھی شخصی اسلام تھا جن لوگوں نے مسلمان ہو کر فلسفہ یونان کے ترجمے کیے اور کرائے ممکن ہے کہ وہ اسلام کی طرف سے مشکّک رہتے ہوں اور ممکن ہے کہ انھوں نے تردید کے لیے کیے اور کرائے ہوں۔ بہر کیف مسلمانوں کی نصاب تعلیم میں ان مذہبی مناظروں اور مناقشوں کے وجہ سے ایک عنصر اور بڑھا۔ یہ دیوبند کے مدرسہ کا نصاب تعلیم میرے ہاتھ میں ہے۔ نصاب عربی میں اکیس علوم اور چورانوے کتابیں ہیں۔ اور آٹھ برس میعادِ تحصیل و تکمیل۔ میں اس بارے میں بھی کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ یہ نصاب میعادِ ہشت سالہ میں ممکن التحصیل بھی ہو یا نہیں۔ میرے بھی پانچ بیٹے ہیں اور باوجود بے سروسامانی اور کم سنی شوق اور محنت سے پڑھتے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے میں اعلیٰ درجے کا ذہین نہیں ہوں تو ایسا غبی بھی نہیں ہوں با ایں ہمہ سبقاً سبقاً پڑھنا تو درکنار اگر زیادہ دہرانا چاہوں تو بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ میری اتنی عمر ہوئے آئی اور جتنی آئی جوان ہی لوگوں میں گزر رہی ہے۔ میں نے تو کوئی ایسا عزیز الوجود آدمی دیکھا نہیں جس نے آٹھ برس میں میزان الصرف سے لے کر اکیس علوم اور چورانوے کتابوں پر عبور کر لیا ہو۔ خیر یہ تو دوسری بحث ہے۔ مجھ کو صرف اتنی بات دکھانی تھی کہ اس نصاب میں اوّل سے آخر تک مذہب کی جھلک پڑی مار رہی ہے۔ یہ اکیس علوم اور چورانوے کتابوں کا نصاب اصل میں دین کی خدمت کے لیے بنا ہے تو دین کے تعلق سے نصاب کی چار قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

(۱) خالص دینیات سے

	علم دین، قرأت و تفسیر و حدیث		ہر گونہ فوائد عشرہ اذیں تکرار و خطابت	

(۲) خادمِ دینیات بلا واسطہ صرف و نحو و اشتقاق۔

(۳) خادمِ دینیات بالواسطہ منطق وغیرہ۔

(۴) علوم عقلی جن کو دینیات سے تو کوئی تعلق نہیں صرف تنوع معلومات کے لیے نصاب میں

داخل کر دیے گئے ہیں۔ اقلیدس جبر و مقابلہ وغیرہ۔

اب میں مختصر طور پر اس نصاب کی خرابیاں دکھانی چاہتا ہوں۔ اور اسی لیے میں لکچر دینے کھڑا بھی ہوا ہوں۔ خرابیاں دو قسم کی ہیں - داخلی اور خارجی - داخلی خرابی سے مراد ہے وہ کمی وہ فرو گزاشت جو نفس نصاب میں ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں نے نصاب بنایا اُن ہی کے خیالات دین کے بارے میں وسیع نہ تھے۔ جیسے اُن کے خیالات تنگ اور محدود تھے ویسے ہی اُنھوں نے تنگ اور محدود نصاب بنایا۔ یہ کچھ آج کی غلطی نہیں ہے۔ خدا معاف کرے مسلمانوں نے شروع سے دین و دنیا کے تعلق کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے دین و دنیا کو ضد یک دگر سمجھا تو یہ توجیہ بھی بن نہیں پڑتی کیوں کہ وہ دنیا و دین کو ضد یک دگر سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں اُن کے منہ میں اُن کے دل میں قرآن تھا۔ اور وہ اُسے اصل دین سمجھتے اور مانتے تھے۔ اور قرآن کا حال یہ ہے کہ اُس نے بڑے سے بڑے دنیاوی معاملات سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے تک کو نہیں چھوڑا۔ ہر ایک دنیاوی معاملے کی نسبت اُس میں حکم و ہدایت موجود ہے تو اس صورت میں دنیا و دین کو کیوں کر اور کس بنا پر کوئی ضد یک دگر سمجھ سکتا ہے۔ اِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ۔ پھر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ بابرکات اور اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل اسی قرآن کی تفسیر ہے اور اُن کے حالات من و عن جزو و کل حدیث و سیر کی کتابوں میں ثبت ہیں وہ ہم کو صاف طور پر بتاتے ہیں کہ دنیا میں کس طرح رہنا اور دنیا کو کس طور پر برتنا ہے۔ چوں کہ اُن کے وقتوں میں طلب دنیا کا بڑا ذریعہ ملک گیری تھی وہ اسی ذریعے سے کام لیتے تھے۔ جب وہ ذریعہ تھک گیا بس غلطی یہ ہوئی کہ اُن کے جانشینوں نے طلب دنیا کے دوسرے ذرائع تلاش نہیں کیے۔ تنزل شروع ہونا ہی تھا شروع ہوا۔ خیر اگلوں نے طلب دنیا کے دوسرے ذرائع تلاش نہ کیے تو اُن کے پاس بزرگوں کا متروکہ عیش و عشرت کے لیے کافی تھا۔ اُس نے اُن کو دوسرے ذرائع کی ضرورت کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک گیری کے دریچے سے گر کر ملک داری کے دریچے پر آ رہے۔ جو پہلے تولیت ہو ہی چکے تھے کاہلی نے جو لازمۂ عیش پرستی ہے زیادہ دن تک اس دریچے میں بھی ٹھہرنے

نہ دیا اور اب جس درجے میں ہیں سب دیکھتے اور جانتے ہیں کہ خانہ داری تک کا سلیقہ نہیں ۔ اور اسی سے کہتے ہیں کہ دولت کا کمانا چنداں مشکل نہیں جتنا اُس کا رکھ رکھاؤ مشکل ہے ۔ کیا نوابوں اور راجاؤں اور تعلقہ داروں اور رئیسوں اور امیروں کو جو اپنی اولاد کو ناز و نعمت میں پالتے اور اُن کو دولت کمانے اور دولت کے سنبھالنے کے طریقے نہیں سکھاتے یعنی حسب تقاضائے وقت تعلیم نہیں دلاتے اِن واقعات میں جو کچھ چشم دید اور کچھ مثل چشم دید ہیں کافی نصیحت نہیں ۔ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ[1] ۔ اِدھر تو زمانہ مسلمانوں سے ملک گیری اور ملک داری کا سلیقہ سلب کر رہا تھا اور اُدھر وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ[2] روئے زمین کے تھیٹر پر اہل یوروپ آنے کو تیار تھے ۔ ملک گیری اور ملک داری کا ایک ایکٹ ہے جو مسلمانوں نے اپنی باری میں دکھایا اور اب وہی ایکٹ اہل یورپ دکھا رہے ہیں ۔ اور سب باتیں تو دونوں کی ملتی جلتی ہوئی ہیں مگر اہل یورپ کا ایکٹ دلکش زیادہ ہے ۔ اس واسطے کہ ان کی کمپنی میں جھلاوہ پری لیڈی سائنس ہے جس کی ایک ایک ادا تماشائیوں پر جادو کا کام کرتی ہے ۔ اب پھر اُسی مولویانہ مضمون کی طرف لوٹو جس کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے نصاب تعلیم میں بڑی کمی تو یہ تھی کہ نصاب کا سارا زور منقولات پر تھا معقولات تھے تو وہ مجموعہ ذہنی مفروضات اور ادعائی احتمالات کا تھا کہ اُن میں غور و خوض کرنے سے اچھا بھلا آدمی مخبوط الحواس ہو جائے منطقیوں کی نسبت لوگ ایک حکایت نقل کرتے ہیں خدا جانے جھوٹ یا سچ مگر جہاں تک ان لوگوں کے مباحثات دیکھے گئے ہیں اُن سے تو خیال کیا جاتا ہے کہ سچ ہو تو عجب نہیں کہ دو منطقی حقیقی بھائی کسی بات پر لڑ پڑے ؎

توگوئی خروسان شاطر بجنگ	درافتادہ باہم بمنقار وچنگ

جیسا دستور ہے کہ مناظرے کا انجام اکثر مجادلہ اور مکابرہ ہوتا ہے اور اسی لیے خدا نے ہم مسلمانوں کو

[1] تو کیا اللہ کے داؤ سے نڈر ہو گئے ہیں سو اللہ کے داؤ سے تو وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو (آخر کار) برباد ہونے والے ہیں ۱۲

[2] یہ اتفاقات وقت ہیں جو ہمارے حکمت سے نوبت بنوبت (سب) لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں ۱۲

حکم دیا ہو کہ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم وقولوا اٰمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد ونحن لہ مسلمون[1] - دونوں بھائی گالی گلوچ پر اتر آئے - خیر یہ تو ہونا ہی تھا مگر منطقی گالیاں برداشت کے قابل نہ ہوں سننے کے قابل ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو ماں کی گالی دیتے تھے - من حیث انہا امک یعنی اس حیثیت سے کہ وہ تیری ماں ہو اور اسی وجہ سے لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ خود مولویوں کے زبان زد ہو رہا ہو -

نصاب میں دوسرا داخلی نقص یہ ہو کہ وہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں کھانے کے نہیں یعنی فہرست میں جو کتابیں لکھ دی ہیں بعض تو پڑھائی ہی نہیں جاتیں اور بعض پڑھائی جاتی ہیں تو اُن کا پڑھنا ایسا ہو جیسا کبڈی میں پالے کا چھونا کہ خاص خاص مقام پڑھے اور کتاب بالائے طاق - اس نصاب میں داخلی نقص جو ہیں سو ہیں ایک خارجی نقص اتنا بڑا ہو کہ اُس نے سارے نصاب کو قریب قریب بے کار کر دیا ہو اور وہ نقص طرزِ تعلیم کا ہو کہ سارا نصاب عربی میں ہو اور عربی ہم لوگوں کے لئے اجنبی زبان ہو اور اجنبی ہونے کے علاوہ دقیق اور مشکل جس کو اُردو سے کسی طرح کی مناسبت اور مماثلت نہیں ۔ مثلاً ایک موٹی سی بات ہو کہ صرف عربی کی پہلی کتاب میزان الصرف میں ف ع ل مادہ کہ مجرد کی ماضی معروف کے تیرہ صیغے ہیں ہماری اُردو میں - اس نے کیا اُنھوں نے کیا تو نے کیا - تم نے کیا - میں نے کیا - ہم نے کیا ضمیرِ فاعل میں تو مفرد و جمع کے لحاظ سے تھوڑا سا تصرف کرنا بھی پڑتا ہو وہی ایک صیغہ (کیا) ساری گردان کا کام دیتا ہو - یہ تو مفرد لفظوں کی بناوٹ ہوئی - ترکیبِ کلمات کی دوسری مصیبت ہو چھوٹا سا چھوٹا جملہ بولو تو لفظ لفظ کی اور حرف حرف کی حرکت کا لحاظ رکھو - غرض عربی کی معمولی عبارت پڑھنے کے لیے بھی چار ناچار صرف و نحو کی دشوار گزار گھاٹیوں میں سے گزرنا پڑتا ہو - یہ گھاٹیاں کچھ تو اپنی ذات سے دشوار گزار ہیں - اور

[1] اور (مسلمانو!) اہلِ کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسی طرح پر کہ وہ نہایت ہی عمدہ (اور شائستہ) ہو ہاں جو لوگ اُن میں سے زیادتی کریں (تو اُن کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کا مضائقہ نہیں) اور (ان لوگوں سے) کہو کہ جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اور (جو کتابیں) تم پر نازل ہوئیں ہم تو سبھی کو مانتے ہیں اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہو اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں - ۱۲

مولویوں کی طبع آزمائیوں سے ان کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے کہ بہتیرے برسوں اسی بھول بھلیوں میں پڑے بھٹکا کرتے ہیں۔ نصاب کو حصن حصین فرض کرو کہ اس میں اندر جانے کا ایک ہی پھاٹک ہے تو صرف و نحو کا زبانیہ کی طرح کا ایک ڈراؤنا ترش رو سنتری اس پھاٹک پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے کہ اس کے ڈر سے عموماً نصاب کے اندر جانے کی ہمت نہیں پڑتی اور اکثر کو تو وہ اندر جانے ہی نہیں دیتا۔ سپنسر ایک بڑا نامی گرامی فلسفی انگریزوں میں ہو گزرا ہے اور ابھی حال میں اس کا انتقال بھی ہوا ہے۔ اس نے فلسفہ پر بہت کتابیں لکھی ہیں۔ ازاں جملہ اس کی ایک کتاب تعلیم پر بھی ہے اور اس کا عمدہ اور شگفتہ ترجمہ خواجہ غلام الحسنین نے اردو میں کیا ہے۔ سپنسر نے اپنی کتاب "تعلیم" میں تعلیم اور طرز تعلیم کی خرابیاں بڑے شرح و بسط سے بیان کر کے ان کی اصلاح کی ہے۔ وہ صرف و نحو کی تعلیم کا بڑا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ انسان کا اصل معلم تو خدا ہے ہم کو سپنسر کی یہ بات نہایت ہی پسند آئی۔ اس لئے کہ عَلَّمَ[1] آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ ہم کو تعلیم میں خدا ہی کی طرز تعلیم کی تقلید کرنی چاہیے کیوں کہ وہ قانون قدرت ہے اور بدون اس کی تقلید کے کامیابی ہو نہیں سکتی۔ اچھا تو وہ قانون قدرت کیا ہے؟ وہ قانون یہ ہے کہ بچہ دنیا میں آکر لوگوں کی باتیں سنتا رہتا ہے اور بعد سے عدہ تین برس میں وہ خاصی طرح مادری زبان سیکھ لیتا اور بے تکلف اس میں بات چیت کرنے لگتا ہے۔ کیا اس نے صرف و نحو کے ذریعہ سے زبان کو سیکھا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ مواقع استعمال کو یاد رکھ کر اس نے اپنے ذہن سے آپ قاعدے بنا لیے ہیں اور گفتگو میں ان قاعدوں کی پابندی کرتا ہے۔ اس کو قاعدوں کی حیثیت سے قاعدوں کا شعور نہیں ہوتا۔ زبان سے قاعدے استنباط کیے جاتے ہیں نہ یہ کہ قاعدوں سے زبان۔ تو پہلے گفتگو کے ذریعے سے زبان سکھاؤ۔ قاعدوں کا بنانا سیکھنے والوں پر چھوڑ دو۔ اس طریقے سے زبان جلد آجائے گی۔ جیسے بچوں کو بے امداد قواعد جلد آجاتی ہے۔ سپنسر کا یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے اور ہم اپنی مادری زبان اردو کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں کہ اس وقت تک اس کی گرامر

---

[1] آدم کو سب (چیزوں) کے نام بتا دیئے۔ ۱۲

مستضبط نہیں اور ہم اُردو کے زبان داں ہیں س۵

نسیم دہلوی ہم موجدِ بابِ فصاحت ہیں ۔۔۔ کوئی اُردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

مادری زبان کا رستہ تو سپنسر نے فی زعمہ صاف کر دیا اور وہ پہلے سے بھی صاف تھا مگر اجنبی زبان کی مشکلات کو وہ رفع نہیں کر سکا۔ ہم کو خوف ہو کہ لوگ تو جیسے مآل اندیش ہیں معلوم نہیں سپنسر کے کہے میں آ کر عربی یا کسی دوسری اجنبی زبان کے ساتھ بھی معاملہ نہ کرنے لگیں۔ مادری زبان میں تو یہ ہوتا ہو کہ بچہ دن رات جب تک جاگتا رہتا ہو لوگوں کی باتیں سنتا ہو اور اس طرح چند روز میں اُس کی معلومات مواقعِ استعمالِ زبان پر حاوی ہو جاتی ہو۔ اجنبی زبان والوں کے ساتھ اِس طرح کا ہر وقت کا میل جول ممکن نہیں لے دے کر وہی کتابی معلومات یا خاص صورتوں میں اہلِ زبان کے ساتھ تھوڑی دیر کا اختلاط۔ اور یہی وجہ ہو کہ انگریزی کلبوں میں بابوانہ انگریزی یعنی ہندوستانی انگریزی کی ہنسی اُڑائی جاتی ہو۔ اس میں بابوؤں اور ہندوستانیوں بے چاروں کا کیا قصور ہو۔ قصور ہو تو اس کا ہو کہ اِن کو انگریزی سیکھنے کے لیئے وہ سہولتیں میسر نہیں جو ایک بچے کو مادری زبان حاصل کرنے کے لیئے ہوتی ہیں جیسی ٹوٹی پھوٹی غلط سلط انگریزی ایک ہندوستانی بولتا ہو یا لکھتا ہو۔ اُس سے کہیں بدتر ایک انگریز اُردو بولتا ہو اور لکھنا تو شاید سینکڑوں میں دو چار ہی کو اس قدر آتا ہوگا کہ چار سطر کی عرضی آپ پڑھ لے اور اس پر اپنے قلم سے اتنا ہی حکم لکھ دے کہ سر رشتہ سے کیفیت طلب ہو۔ غرض مسلمان عربی کی طرف سے عجب کشاکش میں ہیں کہ نہ تو عربی کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اِس لیئے کہ قرآن عربی حدیث عربی۔ فقہ عربی۔ زمین عربی۔ آسمان عربی۔ یعنی زبانِ عربی جزوِ مذہب اور نہ بآسانی اُس کو سیکھ سکتے ہیں اور ابھی تو یہ کتابی عربی حاصل کرنے کے مشکلات ہیں۔ رہا عربی کا روزمرّہ اُس کا آنا تو محالات سے ہی مگر یہ کہ ہجرت کر کے عرب میں جا رہیں۔ کیوں کہ روزمرّہ اور کتابی عربی میں زمین آسمان کا فرق پڑ گیا ہو مگر لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ کو کیا کریں۔ اب ایک نیا تجربہ کیا جانے کو ہو کہ ایک عربی داں صاحب بہادر ولایت سے اور ایک مصری عالم جامع الازہر سے تشریف لائیں اور اُن طالب العلموں کو جنھوں نے بی اے اور ایم اے میں بی لی تھی عربی کی تکمیل کرائیں۔ اول تو بی اے ایم اے والوں

کسی عربی کو کوئی مجھ سے پوچھے کہ میں سالہا سال سے پنجاب یونیورسٹی میں عربی کا ممتحن ہوتا رہتا ہوں۔ یوں تو مجھی کو عربی کیا خاک آتی ہے مگر ایسی خراب خستہ نصاب کی رو سے جیسی کچھ بھی آتی ہے بی اے ایم اے کی عربی کے پرکھنے کو بس کرتی ہے۔ مولوی ذوالفقار علی نے سبعہ معلقہ متنبی حماسہ ادب عربی کی اونچی اونچی کتابوں کے ترجمے کر دیئے ہیں اور ادب عربی کا خون کیا ہے۔ یہ بی اے ایم اے والے ترجمے یاد کر لیتے ہیں اور سوالات زیادہ تر یہی ہوتے ہیں کہ انگریزی میں ترجمہ کرو۔ اس سے پردہ ڈھکا رہتا ہے لیکن جب انگریزی عبارت دی جاتی ہے کہ عربی میں ترجمہ کرو تو قلعی کھلتی ہے۔ صیغے غلط۔ صلے غلط۔ ترتیب کلمات غلط نحو غلط۔ املا غلط۔ انشا غلط۔ الا ماشاء اللہ۔ سو الا ماشاء اللہ بھی وہی ہوتے ہیں جنھوں نے کالج میں داخل ہونے سے پہلے ایشیائی طریقے پر کچھ صرف و نحو اپنے گھر پڑھ لی تھی سو ایسے کتنے ہیں اور کتنے ہو سکتے ہیں۔ عربی کی حمایت اور رعایت جو کی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ علی رغم اسپنسر صرف و نحو سے اس کی تعلیم شروع ہو۔ نصاب کی اصلاح کی جائے۔ عربی کی تحریر اور تقریر پر زیادہ زور دیا جائے گورنمنٹ کو پہلے ہی سے کسی فرقے کے مذہب اور دین سے تعلق نہیں اور اسی بے تعلقی کی وجہ سے نصاب عربی کا خالص دینیات کا حصہ اور وہی نصاب مروجہ میں بڑا حصہ بھی ہے محذوف۔ زبان اور خالص دینیات کا حصہ چھوڑ کر اب صرف معقولات رہ گئے سو اول تو وہ کچھ ہیں نہیں اور جو ہیں سخت نامعقول وجہ یہ کہ حکمت نظری تو نری خیالی کچھ تھی نہیں ہمارے معقولات عمل کو تو چھو ہی نہیں گئے حالاں کہ یہ حکمت عملی ہی تو دنیاوی فلاح و دنیاوی ترقی۔ دنیاوی بہبود کا گر ہے۔ تعلیم کا مضمون ایسا وسیع مضمون ہے کہ مہینوں اس پر لکچر دیا کروں تو بھی اس کا حق ادا نہ ہو۔ تعلیم پر لکچر دینا اس کا حق ہے جو خود مروجہ علوم پر حاوی ہو ہر ایک علم کی غرض و غایت جانتا ہو اور اس کی ضرورت کا صحیح اندازہ کر سکے۔ پھر ہر ایک علم کی کتابوں پر اس کی نظر ہو۔ ان کے عیب و صواب اس کو معلوم ہوں۔ طرز تعلیم پر واجبی نکتہ چینی کر سکے۔ اتنا ہوئے تو تعلیم پر لکچر دینے کا نام لے۔ میں نے تھوڑا سا پڑھ لکھ کر صرف اتنی بات معلوم کی ہے کہ خدا نے آدمی کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ دنیا میں رہ کر نیچر یعنی قوانین قدرت کی پابندی کے ساتھ ایک حد تک خدا کی نیابت کرے۔ قوانین قدرت سے مراد ہیں خواص الاشیا اور چیزوں کی علت و معلول

اور نتیجہ اور سبب کے تعلقات۔ مثلاً پانی کا خاصہ ہے کہ نشیب کی طرف کو بہے اور اس کی یہ خاصیت متفرع ہے اس اصول پر کہ تمام اجسام میں کشش کی خاصیت ہے اور اسی وجہ سے بھاری چیز اوپر سے زمین پر گرتی ہے اور اسی وجہ سے نظام شمسی کے اجرام آفتاب کے گرد پڑے گھوم رہے ہیں۔ گرم پانی ہوا کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے بے انتہا دستور اور قاعدے ہیں جو قوانین نیچر یا قوانین قدرت کہلاتے ہیں اور ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا فَلَنْ تَجِدَ[۵۱] لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا آدمی بطن مادر سے ان قوانین کا علم لیے ہوئے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ذاتی تجربے اور ابنائے جنس کے تجربوں سے ان کا علم حاصل کرتا ہے پس خدا کی نیابت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی موجودات عالم پر حکمرانی کرے۔ اور ان سے خدمت لے قوانین نیچر اتنے بہت ہیں کہ کوئی آدمی اپنی زندگی میں کہ وہ خود قوانین قدرت کی رو سے محدود ہے نیچر کے تمام قوانین پر احاطہ کر نہیں سکتا اور کسی ایک آدمی کا تو کیا حوصلہ ہے کہ تمام قوانین نیچر پر احاطہ کر سکے۔ تمام آدمی آغاز آفرینش سے علی حد استطاعت قوانین نیچر کی کھوج میں لگے رہے ہیں لیکن الاہم فالاہم جن کی سخت ضرورت تھی ان کو پہلے معلوم کیا۔ پھر اس سے کم کو پھر اس سے کم کو وَهَلُمَّ جَرًّا۔ سب سے پہلے آدمی نے اکل و شرب کی ضرورت کو پورا کیا ہوگا۔ پھر دفع حر و برد کے لیے لباس کی مکان کی ضرورت کو۔ یہاں تک کہ اب تو آدمی اس قدر آرام طلب ہو گیا ہے کہ وہ جگہ سے ہل کر پانی بھی پینا نہیں چاہتا اور اگر کلوں کی یہی بھرمار رہی تو آدمی ایک دن مضغہ گوشت کی طرح بے حس و حرکت پڑا اینڈا کرے گا۔ ڈپٹی انسپکٹری مدارس کے زمانہ میں ایک لالہ بھائی میرے تحت میں سب ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ وہ دورے میں میرے ساتھ رہتے تو میں دیکھتا تھا کہ رسوئی کے لیے انھوں نے ایک کہار رکھ چھوڑا تھا۔ پکی رسوئی تو وہ کہار ہی کر لیا کرتا تھا جس دن کچی رسوئی کرنی ہوتی۔ یعنی روٹی دال یا روٹی کے ساتھ کوئی ترکاری تو وہ بیچارہ کہار چوکا دیتا دال چڑھا دیتا دال کے نیچے آگ جلاتا رہتا اور چوکے کے باہر بیٹھ کر آٹا گوندھتا روٹی بیلتا۔ یہاں تک سارے کام

---

۵۱ تو (اے پیغمبر) تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو ہرگز ٹلتا ہوا پاؤ گے ۱۲۔

کہار کو کرنے پڑتے تھے۔ لالہ جی دہوتی باندھ کر چوکے میں جا بیٹھے بیلی ہوئی روٹی کہار کے ہاتھ سے لی تو سے پر ڈالی۔ اٹھائی منہ میں رکھ لی۔ غرض سائنس ہم کو لالہ بھائی بنا کر رہے گا سائنس نے یہ تو اچھا سلوک کیا ؎

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا	عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

خدا اُن کا بھلا کرے جنھوں نے نیچر کے کتنے قوانین دریافت کر کے کتابوں میں جمع کر دیئے کہ ہم اُن کی بدولت سٹیم اور الکٹرسٹی اور عناصر اور خداداد قوتوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ پس اسی تعلیم کو سودمند کہا جا سکتا ہے جو ہم کو بجا آوریٔ شرائطِ نیابتِ الٰہی کے قابل بنائے۔ جہاں نیچر کے اور قوانین ہیں وہاں ایک قانون یہ بھی ہے کہ انسان ضعیف البنیان اس ہستی میں قوانینِ نیچر پر تمامہا احاطہ کر نہیں سکا اور کر بھی نہیں سکے گا۔ لَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ تو بحکم مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ جتنا بھی ہم معلوم کر سکیں اتنا ہی ہم اپنے تئیں نیابتِ الٰہی کا مستحق ثابت کر سکیں گے۔ اور اسی میں ہماری دنیا کی بھی بھلائی ہے اور دین کی بھی۔ دنیا کی بھلائی تو یوں ہے کہ ہماری زندگی کی ضرورتیں اور راحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور دین کی بھلائی یوں ہے کہ خدا نے ہم کو اسی لیے پیدا کیا ہے تو ہم اُس کے رضا جو اور اُس کے منشا کے پورے کرنے والے ٹھیرتے ہیں اور یہ عین دین ہے۔ ہم خرما و ہم ثواب

غرض یہ خیال ایک کسوٹی ہے جس پر تعلیم کا مفید و نامفید ہونا بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ ہم اپنی تعلیم کو اس کسوٹی پر کس کر دیکھتے ہیں تو جس کو سونا سمجھتے رہے وہ حقیقت میں پیتل ہے اور پیتل بھی ردی قسم کا۔ اور باوجود سے کہ مہربان رعایا پرور برٹش گورنمنٹ نے ہم کو مفید تعلیم دلانے کے لیے اپنی

ملا اور مولوی ہیں جتنے [illegible] میں [illegible] تعلیم پائے ہوئے [illegible] سب [illegible] اور وہ بھی اس طرح پر [illegible] کہ اُس کے (ہو چکے) پیچھے اور ویسے ہی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تمام [illegible] اور ساری [illegible] سے خدا کی باتیں لکھی جائیں تو بھی خدا کی باتیں تمام نہ ہوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

طرف سے بہت کچھ کیا اور کیے چلی جا رہی ہے لیکن ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ۔۔۔ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

گورمنٹ اتنا ہی کر سکی ہے کہ اُس نے ہم کو تعلیم کے سیدھے رستے لگا دیا ہے۔ اب اِس رستے پر چلنا ہمارا کام ہے۔ اور ہم ہیں کہ چلنا کیسا رستے کی طرف کو رُخ بھی تو نہیں کرتے اور معدودے چند کرتے بھی ہیں تو وہ گورمنٹ سے کہتے ہیں کہ لا دو لدا دو لادنے والا ساتھ دو۔ گورمنٹ یہ بھی کرے خدا کے فضل سے اُس کے خزانے میں ہر سال کروڑوں روپیہ خراج کا آتا ہے مگر جیسی آمدنی ویسے خرچ۔ وہی مثل ہے کہ ایک کا مُنہ تو کھانڈ سے بھی بھرا جا سکتا ہے اور دس کا تو خاک سے بھی نہیں بھرا جاتا۔ میں نے کبھی کبھی اخباروں میں لوگوں کا یہ اعتراض پڑھا ہے کہ گورمنٹ تعلیم پر بقدرِ واجب خرچ کرنے میں دریغ کرتی ہے تو مجھے اپنی طالب العلمی یاد آئی کہ جب میں دہلی کالج میں داخل ہوا اُس وقت ہماری جماعت میں چار روپیہ ماہوار سے لے کر بارہ روپے تک کے وظائف تھے اور ہمارے مولوی صاحب سو روپے تنخواہ پاتے تھے اور قاعدہ یہ تھا کہ ہر اگلے مہینے کے شروع میں خزانچی روپیہ ساتھ لا کر جماعت جماعت کے تمام مصارف چکا دیتا تھا۔ ہم طالب العلموں کے وظائف تو اتنے کم مقدار کے ہوتے تھے کہ خزانچی نے چٹکی میں روپے لیے اور ایک ایک کے آگے پھینک دیے۔ مولوی صاحب کے سو روپے فرش پر بچھا کر گننے پڑتے تھے تو ہم طالب العلم سو روپے کی رقم کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے حسد کی نگاہ سے نہیں۔ اور مولوی صاحب اُلٹے عسرت کی شکایت کیا کرتے تھے۔ علیحدہ بیٹھ کر مولوی صاحب کی تنخواہ کے بجٹ پر مباحثہ کرتے۔ کھانا۔ کپڑا۔ نوکر سواری کرایہ مکان ایک ایک رقم کو فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست فی زعمنا اضعافاً مضاعفہ لگاتے تو بھی مصارف ساٹھ ستّر سے متجاوز نہ ہوتے آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ کانپور کی ڈپٹی انسپکٹری میں میری پہلی تنخواہ پورے سو روپے کی آئی۔ سو روپے کی ڈھیری دیکھ کر مجھے مولوی صاحب یاد آئے اور میں نے اُس بدگمانی پر جو مولوی صاحب کی نسبت کیا کرتا تھا اپنے تئیں بڑی ملامت کی

بعینہ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو گورنمنٹ کے بجٹ میں نکتہ چینیاں کرتے رہتے ہیں کہ تعلیم کے خرچ میں بخل کرتی ہے۔ گورنمنٹ کی اتنی ساری فوج ناحق بھر رکھی ہے وَ اَمْثَالِ ذَالِکَ۔

گورنمنٹ کو بیٹے بیٹیوں کی طرح کی رعایا ملی ہے اور گورنمنٹ تَالِیفًا لِّلقُلُوبِ وَ اِستِمَالَۃً لَّہَا ان کی ہر طرح کی نازبرداریاں کرتی ہے۔ لیکن نازبرداری کی بھی ایک حد ہے جس طرح جا بےجا نازبرداری سے بچہ اور زیادہ بگڑتا ہے تعلیم میں بھی نازبرداری کا نتیجہ بُرا ہی بُرا دکھائی دیتا ہے۔ گورنمنٹ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان بات بات میں دین و مذہب کے حیلے نکال کھڑے کیا کرتے ہیں اب عربی کی تعلیم پر ضرورت سے زیادہ زور دینا چاہا ہے اور ہم کو یہ کہہ کر پرچایا جاتا ہے کہ علم کو علم کے لئے حاصل کرو۔ لیکن کیا گورنمنٹ کو معلوم نہیں کہ ہم سدا سے یہی بھاڑ جھونکتے رہے ہیں۔ ہمارا پرانا نصاب تو کسی کام ہی کا نہ تھا۔ مثلاً ہم نے گرامر بنائی اِس غرض سے کہ عربی عبارت پر قادر ہو جائیں لیکن بنائی تو ایسی بےسلیقگی سے کہ اُسی میں اُلجھے رہے۔ میں نے صرف عربی پر سر ولیم میور کی فرمایش سے ایک رسالہ لکھا مَا یُغْنِیْکَ فِی الصَّرْف اُس کے دیباچے میں صرف و نحو کے نصاب پر یہ رائے لکھی ہے "کہ ہمارے وقتوں کے صرفیوں نحویوں کی مثال اُس نجومی کی سی ہے کہ وہ اجرامِ فلکی کے نظارے کا مشتاق تھا۔ اِس غرض سے اُس نے دوربین لگائی مگر وہ دوربین کے کیل پرزوں کی ساخت میں ایسا محو ہوا کہ اُس کو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا" ہمارا سارا عربی کا نصاب اِسی قسم کا ہے کہ اِس کو اِسی کے لیے پڑھا یا پڑھایا جاتا ہے۔ اب آیا انگریزی کا نصاب تو وہ بھی ہماری تقدیر سے ہاں آش و رکاسہ نکلا۔ کسی نے اِس نصاب کی بدولت کوئی نئی بات ایجاد کی ہے۔ کوئی کل بنائی۔ ملکی دولت بڑھائی غرض جس طرح کی تعلیم ہم کو ہوا کی ہے جیسے وہ عربی کا نصاب ہو چکا ہے انگریزی کا اِس سے تو ہم کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں ہے۔ اِس لئے کہ علم کے لئے علم کا حاصل کرنا ہے ۔

ان! اِس نے شی کی سیاٰئی ہم نے سو طرح سے مرد کیسا

اب سمجھے کہ کیوں علی گڑھ والے سید احمد خاں کی آستین سونت باندھ کر محمدن یونیورسٹی کے پیچھے

پڑے ہیں ہم آپ اپنی ضرورتوں کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ بیمار ہم ہیں۔ بیماری کی سختیاں ہم پر گزر رہی ہیں طبیب کتنا ہی حاذق کیوں نہ ہو۔ تشخیص مرض کے لیے تمام خارجی تدبیریں عمل میں لائے گا۔ مگر ہم میں حلول کر جانے سے تو رہا۔ ہمارا علاج متعین ہے **محمدن یونیورسٹی** اور وہ تو ساری ہی قوم کی متفقہ کوشش کے بدون بنتی بناتی نہیں اور قوم ٹکا سا جواب دیتی ہے ۵

گرچہ جان طلبی مضایقہ نیست		زر میطلبی سخن دریں است	

چوالیسواں لکچر

جو

"تعلیم" پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے بیسویں سالانہ جلسے میں ۱۹۰۵ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۚ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ[۱]

وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

تعلیم کی ضرورت کو تو اب سب لوگ سمجھنے لگے ہیں جن کو خدا نے ایسی باتوں کے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ مگر ابھی تک بھی لوگوں نے تعلیم کو اس کے محدود معنوں ہی میں سمجھا ہے۔ تعلیم کے وسیع مفہوم کے سمجھنے والے تھوڑے سے بہت تھوڑے سے ہیں۔ تعلیم نکلا علم سے۔ علم کے معنی جاننا تعلیم سکھانا سمجھانا۔

---

[۱] (اے پیغمبر) تم سے (لوگ) پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں تو (ان کو) سمجھا دو کہ (خیرات کے طور پر) جو مال بھی خرچ کرو تو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھلائی بھی (لوگوں کے ساتھ) کرو گے تو اللہ اس کو جانتا ہے۔ ۱۱

تعلّم سیکھنا سمجھنا۔ جاننے کے لیے دنیا میں اتنی بہت چیزیں ہیں کہ آدمی اپنی محدود زندگی میں کہ ۱ اَعۡمَارُ اُمَّتِیۡ بَیۡنَ سِتِّیۡنَ وَسَبۡعِیۡنَ سب چیزوں کو جان نہیں سکتا۔ اور اسی لیے خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ۲۔ بایں ہمہ مطلق علم انسان کے لیے شرطِ زندگی ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کا شوق ہماری فطرت میں داخل ہے۔ اور ہماری فطرت ہم کو علم کے حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس علم کے حاصل کرنے کا شوق ایک حد تک اضطراری ہے جیسا تنفس کہ آدمی کا بچہ پیدا ہوتے ہی سانس لینے لگتا ہے تو یہ سانس کا لینا اُس کا فعل اضطراری ہے جس میں اُس کے ارادے کو کچھ دخل نہیں اور وہ بے اس کے کہ کوئی اُس کو سانس لینا سکھائے خودبخود سانس لینے لگتا ہے۔ یہی حال علم کا ہے کہ مبداءِ دنیا نے یعنی خدائے تعالیٰ نے آدمی کو حواسِ خمسہ کے پانچ پارچوں کا خلعت دے کر دنیا میں بھیجا ہے اور یہی حواسِ خمسہ علم کے حاصل کرنے کے ذرائع ہیں دیکھنے کے لیے آنکھ۔ سننے کے لیے کان۔ سونگھنے کے لیے ناک۔ چکھنے کے لیے زبان۔ چھونے کے لیے جلد بدن۔ تو جس طرح آدمی کا بچہ بے کسی کے سکھائے پیدا ہوتے ہی سانس لینے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کے حواسِ خمسہ پیدا ہوتے ہی اُس کے لیے اپنے اپنے قبضے کی معلومات حاصل کر چلتے ہیں۔ یہ ہے بنیاد علم کی۔ اور یہ معلومات شروع شروع میں زندگی کے باقی رکھنے کے لیے کام میں لائی جاتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے ہم نے علم کو شرطِ زندگی قرار دیا۔ انسان کے ابتدائی حالات پر نظر کرو تو آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر سب سے پہلے اپنی اُس وقت کی معلومات کے قدر کھانے پینے۔ بیٹھ بوندی۔ گرمی سردی۔ موذی جانوروں سے بچنے کا سامان کیا ہوگا کہ بدون اُس کے وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے وہ جنگل کی خودرو پھل پھلاری کھاتے۔ قدرتی ندی نالوں تالابوں کا پانی پیتے اور درختوں کے سائے اور غاروں میں پناہ لیتے رہتے ہوں گے۔ پھر رفتہ رفتہ اُنھیں آرام و آسائش کا خیال آیا ہوگا اور انھوں نے شکار اور موٹی جھوٹی کھیتی سے رزق کی توسیع کی ہوگی۔ درختوں کے پتوں اور جانوروں کی کھالوں سے تن بدن کو ڈھانکا ہوگا۔ بولنے بات کرنے کے لیے اشاروں اور جانوروں کی طرح

۱ میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہوا کریں گی ۱۲ ۲ اور تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ۱۲

کی آوازوں سے کام لیا گیا - اور یہ سب کچھ خدا کے الہام سے کہ آدمی جو کچھ معلومات حواس ظاہر کے ذریعہ سے جمع کرتا ہی عقل انسانی اُس میں طرح طرح کے تصرفات کرتی رہتی ہی - جزئیات سے کلیات بناتی - معلوم مقدمات کو ترتیب دے کر نامعلوم نتیجے نکالتی - تجربہ و استقرار سے چیزوں کے خواص دریافت کرتی - عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا[۵۱] کے یہی معنی ہیں - اِس چھوٹی سی آیۃ میں گنتی کے صرف تین لفظ ہیں - علّم - آدم - اسمآء - اور تینوں تشریح طلب عَلَّمَ فعل ماضی ہی اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ جل شانہ یعنی خدا نے سکھایا خدا کے سکھانے کا یہ مطلب کہ خدا نے آدمی کی زندگی اور آسایش و آرایش کے ساز و سامان سرزمین میں مہیا کر کے خود آدمی کو ایسا مخلوق بنایا کہ زندگی اور آسایش و آرایش اُس کو عزیز ہو - زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ[۵۲] ٥ اور ابقاء حیات اور تحصیل آرایش و آسایش کا اُس کو سلیقہ دیا یعنی عقل اور حواس خمسہ اور اعضاء و جوارح کے آلات و ادوات - کہ اِن کو کام میں لا کر زندگی سے متمتع ہو - قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ[۵۳] ٥ پس انسان

---

۵۱ (خدا نے) آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے - ۱۲

۵۲ لوگوں (کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ اُن) کو دنیا کی مرغوب چیزوں یعنی (مثلاً) بی بیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھلی معلوم ہوتی ہی (حالانکہ یہ (تو) دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں (اور ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا تو اُسی اللہ کے ہاں ہی - ۱۲

۵۳ (اے پیغمبر اِن لوگوں سے) پوچھو کہ اللہ نے جو زینۃ (کے ساز و سامان) اور کھانے (پینے) کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں (اُن کو) کس نے حرام کیا ہی (یہ تو اِس کا کیا جواب دیں گے تم ہی) ان کو سمجھاؤ کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں قیامت کے دن یہ نعمتیں) خاص کر اُن ہی کو دی جاینگی (اسی طرح ہم اپنے) احکام اُن لوگوں کے لیئے جو سمجھ سکتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں - ۱۲

کی ہستی زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ وہ کس لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے زندگی سے متمتع ہونے کے لیئے۔ مگر تمتع موقوف ہے تدبیر پر اور تدبیر موقوف ہے علم پر۔ تو نتیجہ کیا نکلا کہ آدمی پیدا کیا گیا ہے کائنات کا علم حاصل کرنے کے لیئے۔ اگر آدمی کائنات کے حال سے بے خبر ہو تو وہ موجوداتِ سے اپنی خدمت کیا لے اور [51] سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ کا ثبوت کیا دے اور زندگی سے متمتع کیا ہو اور [52] رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کی تصدیق کیا کرے۔ آدمی جو کائنات کے حال سے بے خبر ہو وہ نہ صرف اپنے تئیں وجود معطل بناتا ہے بلکہ حکمتِ الٰہی کا ابطال کرتا ہے جو دوسرے لفظوں میں کفر ہے اور کفر نہیں تو کفرانِ نعمت ہونے میں تو کچھ بھی شک نہیں۔ کیوں کہ جو چیز بھی دنیا میں ہے ہمارے لیئے ہے اور ہمارے حق میں نعمت ہے اور خدا ان ہی چیزوں کی ہم پر منت رکھتا ہے اور منت نہیں رکھی جاتی مگر نعمت کی فرماتے ہیں [53] اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ اور اس طرح کی قرآن میں سینکڑوں آیتیں ہیں۔ وہ تو غنیمت ہے کہ مطلق علم شرطِ زندگی ہے جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہہ چکا ہوں ہم دیکھتے ہیں اور دیکھنا بھی ایک طرح کا علم ہے سنتے ہیں اور سننا بھی ایک طرح کا علم ہے سونگھتے ہیں اور سونگھنا بھی ایک طرح کا علم ہے۔

---

[51] جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے (اپنے کرم سے) ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ۱۲ [52] اے ہمارے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا ۱۲ [53] اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے (درختوں کے) پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور (اسی طرح ایک عنایت سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدر مناسب تم کو دیا اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن نہ سکو کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا ہی بے انصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا ہے ۱۲

چکھتے ہیں اور چکھنا بھی ایک طرح کا علم ہے چھوتے ہیں اور چھونا بھی ایک طرح کا علم ہے کھانا پینا پہننا مکانوں میں بسنا ہر ایک چیز کے لیے ایک علم نہیں کئی کئی علم درکار ہیں۔ اصل میں تو علم کا مفہوم اس قدر عام ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز سے اُس کا تعلق ہے۔ یعنی علم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا و مافیہا اور آخرۃ سب کچھ اس میں سما سکتا ہے۔ مگر ہم نے سمندر کو قطرہ بیابان کو ذرّہ بنا رکھا ہے۔ سلسلۂ سخن ذرا ٹوٹ سا چلا ہے لاؤ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی تشریح کو پورا کرلیں۔ خدا کے سکھانے کے معنی ہیں کہہ چکا ہوں کہ آدمی کو سیکھنے اور جاننے کی صلاحیت کا دینا یہی خدا کا سکھانا ہے ورنہ سوچو تو آدمی خود اپنا معلّم ہے کہ آدمی جو کچھ بھی سیکھتا ہے خود اُس کی ضرورتیں اُس کو سکھاتی ہیں۔ انگریزی کی ایک مَثَل ہے نیسسٹی از دی مدر آف انوِنشن" ضرورت مادر ایجاد است۔ اِس کے یہی معنی ہیں کہ ضرورت آدمی سے ایجاد کراتی ہے۔ اور ایجاد کرنا سکھاتی ہے۔ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ خدا کے سکھانے کی توجیہ جو میں نے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی تشریح میں کی۔ اِس طرح کی توجیہات قرآن کی بہت سی آیتوں میں کرنی پڑتی ہیں۔ اور ان توجیہات سے قرآن کی اعلیٰ درجے کی بلاغت ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں قرآن کی ایک اور آیت لیتا ہوں [۱] وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ اِس آیت میں عہدِ الست کا مذکور ہے جس کا قصّہ مشہور ہے کہ خدا نے روزِ ازل میں تمام بنی آدم کی روحوں کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں جواب میں سب نے اپنی عبودیت اور خدا کی ربوبیت

---

(۱) اور (اے پیغمبر اِن لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلے میں خود ان ہی کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ ان سے پوچھا) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں (سب نے کہا) ہاں (ہم اس بات کے) گواہ ہیں (اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو) کبھی قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہ گئے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں ہی نے کیا اور ہم اُن ہی کی اولاد تھے (کہ) اُن کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے) تو (اے خدا) کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کیے دیتا ہے جنہوں نے پہلے غلطی کی۔"

کا اقرار کیا۔ تو یہاں بھی خدا نے انسانی فطرت کو سوال و جواب کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے اور مراد یہی ہے کہ انسان کی فطرت ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ وہ منکرِ خدا ہو ہی نہیں سکتا کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ - اور جن کو مشرک اور بت پرست سمجھا جاتا ہے وہ بھی منکرِ خدا نہیں ہیں بلکہ خدا کے مصداق میں غلطی کرتے ہیں کہ کسی فرشتے یا پیغمبر یا کسی بزرگ یا اجرامِ فلکی میں سے آفتاب یا عناصر میں سے کسی عنصر کو خدا مانتے ہیں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا - میں عَلَّمَ کی تشریح بقدرِ ضرورت نہیں تو بقدرِ وسعت تو ہو چکی - اب لو لفظ اٰدَمَ تو آدم سے ابوالبشر آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ان کے ضمن میں ان کی نسل تمام بنی آدم داخل عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں تیسرا لفظ اَلْاَسْمَآءَ ہے جس کی تشریح ذرا مشکل ہے۔ اسماء کے معنی ہیں نام تو کیا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو ساری بولیاں سکھا دی تھیں جو دنیا میں کبھی بولی گئیں یا اب بولی جاتی ہیں یا آیندہ بولی جائیں گی۔ اور بولیوں کا حال یہ ہے کہ دو ہزار سے زیادہ ہی زیادہ تو دنیا میں اب بقدرِ معلوم بولی جا رہی ہیں اور کتنی متروک الاستعمال ہو گئیں اور خدا جانے کتنی آیندہ پیدا ہوں گی - علاوہ بریں دنیا کی کسی چیز کو کسی حالت کو ثبات و قیام تو ہے نہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے باہمی میل جول سے بولیوں میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور اس ایجاد و اختراع کے زمانے میں خصوصاً نئی نئی چیزوں کے لیے نئے نئے نام گھڑنے پڑتے ہیں زبانوں کی کثرت اور ان کے تغیرات کا تو یہ حال ہے اور خدا فرماتا ہے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا تو ضرور ہوا کہ آیت کی کوئی ایسی توجیہ کی جائے کہ قرینِ قیاس اور قریب الفہم ہو۔ اور وہ توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ تمام زبانوں پر عبور کرا دینے کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کو خدا نے زبان کے وضع کرنے کی قدرت دی ہو اور قدرت کا دینا ہی سکھا دینا ہے - پھر ایک نکتہ لفظ اسماء میں فہم ہوا ہے [illegible] کی حقیقت اور ماہیت کو نہیں جان سکتا - وہ جو کچھ جانتا ہے [illegible] اعراض ہیں - لوازم ہیں جیسے نام [illegible] نام بھی مسمی کی

٥٤ [illegible]

حقیقت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ ایک لفظ ہی جو وضعاً مسمیٰ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہی۔ پھر خواص الاشیاء کے سکھا دینے کا بھی وہی مطلب ہی کہ آدمی کو خدا نے چیزوں کے خواص۔ چیزوں کے اعراض۔ چیزوں کے لوازم جاننے اور معلوم کرنے کی صلاحیت دی ہی یہی اُن کا سکھا دینا ہی۔ یہ صفت ہم نے خاص کلامِ الٰہی ہی میں دیکھی ہی کہ جتنا غور کرو بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہی۔ اب یہی عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا دیکھنے میں ایک مختصر سا جملہ ہی لیکن سوچنے سے معلوم ہوتا ہی کہ دریا کوزے میں بند ہی یا جملہ ایک دفتر کا اجمال ہی۔ انسان کی حدِّ منطقی عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا سے بہتر ہو ہی نہیں سکتی۔ فلسفی اَلْاِنْسَانُ مَا ھُوَ کے جواب میں آدمی کے ظاہر حال پر نظر کرکے کہتا ہی جِسْمٌ[۵۱] نَامٍ مُتَحَرِّكٌ بِالْاِرَادَةِ بَادِی الْبَشْرَةِ حَسَّاسٌ عَرِیْضُ الْاَظْفَارِ مُسْتَقِیْمُ الْقَامَةِ۔ لیکن کیا ممکن نہیں کہ انسان کے سوائے خشکی یا تری میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی جزیرے میں کوئی اور جانور ایسا ہو جس میں یہ سب باتیں پائی جائیں ایسا استقراء تام کس نے کیا اور کون کرسکتا ہی کہ خشکی اور تری کا کوئی جاندار اُس کی نظر سے نہ بچا ہو۔ حالاں کہ خداے تعالیٰ جو جہاں کا پیدا کرنے والا ہی وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ[۵۲] اپنے کلام میں فرماتا ہی وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[۵۳] پس فلسفی نے جو انسان کی تعریف کی تھی مانع نہیں رہی۔ پھر فلسفی نے دوسرا پہلو بدلا اور اَلْاِنْسَانُ مَا ھُوَ کے جواب میں کہا حَیَوَانٌ نَاطِقٌ۔ اِس پر بھی اعتراض وارد ہوا کہ حیوان تو حیوان یعنی زندہ یہ ناطق کیا چیز ہی۔ فلسفی نے کہا متکلم جو بولے۔ معترض نے کہا کہ سب جانور بولتے ہیں یہ دوسری بات ہی کہ تم انسان کے بولنے کو نطق سے تعبیر کرتے ہو اور دوسرے جانوروں کی بولیوں کے تم نے دوسرے نام رکھ چھوڑے ہیں جیسے زئیر الاسد۔ خوار الثور۔ عوار الکلب۔ نہیق الحمار۔ نعیق الغراب۔ صہیل الفرس۔ اِس پر فلسفی نے کہا کہ ناطق کے معنی ہیں مُدْرِكُ الْكُلِّیَّاتِ وَالْجُزْئِیَّاتِ۔ اِس پر بھی معترض نے فلسفی کو آڑے ہاتھوں لیا کہ دوسرے جانداروں میں ادراک کا فقدان ثابت کرو۔ حالاں کہ جانوروں

[۵۱] بڑھنے والا جسم ارادے کے ساتھ حرکت کرنے والا ظاہر الجلد۔ دیکھنے چوڑے ناخن والا سیدھے قد والا ۱۲ [۵۲] اور وہ سب سے سچا کہنے والوں سے جو بتا چکے گئے والا ہو ۱۲ [۵۳] اور وہ پیدا کرتا ہی بہت چیزیں جن کو تم نہیں جانتے ۱۲

کی حرکات و سکنات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صنف کو جتنے ادراک کی ضرورت ہے وہ اُسے حاصل ہے۔ [۵۱] فَبُهِتَ الْفَلْسَفِیُّ یہ تو فلسفیوں کے حدود کا حال ہے کہ تین طرح پر انسان کی حد بیان کی اور تینوں ناقص اب اُس حد کو دیکھو جو خدا نے اپنے کلام پاک میں کی ہے مختصر کی مختصر اور اس پر جامع و مانع۔ وہ حد کیا ہے [۵۲] اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی اَلْاِنْسَانُ مَاهُوَ کا جواب ہے ایک لفظ خلیفہ۔ اب لکچر عالمانہ رنگ پکڑتا جاتا ہے تو جو کچھ اور جتنا کچھ میں نے اب تک کہا اُس کو تمہید سمجھو۔ لکچر کا موضوع لہ اتنی ہی بات ہے کہ خدا نے انسان کو ایک خاص طرح کا مخلوق پیدا کیا۔ ظاہر حال کے اعتبار سے محض بے سر و سامان اور عقل کے اعتبار سے ایسا باسر و سامان کہ کسی مخلوق کو اُس کا عُشر عشیر بھی نصیب نہیں۔ [۵۳] هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ انسان کی ابتدائی حالت کو اُس کی موجودہ حالت کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو کہ اُس نے ایک عقل کے زور سے صرف ضرورت کے لیے نہیں بلکہ آسایش اور تکلفات آرایش کے لیے کتنا کچھ سامان جمع کر لیا ہے اور اس پر بھی قانع نہیں۔ وہ رات دن تکلفات کو نہ صرف ضرورتوں میں بلکہ اشد ضرورتوں میں داخل کرنے کے درپے ہے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں	آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست

شاعر اسباب جہان کے جمع کرنے کو حرص سے تعبیر کرتا ہے جو ذمائم اخلاق میں سے ہے۔ اور ایک یہ شاعر کیا کہتا ہے۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں میں سے بھی ایک بڑا گروہ زہد کی تعلیم فرماتا ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرنا سکھاتے ہیں اور دوسری طرف خدا ہے جس نے آدمی کے لیے دنیا میں عیش و عشرت کے سامان مہیا کیے اور آدمی کو اُن سے متمتع ہونے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اور قُلْ [۵۴] مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ

[۵۱] تو حیران رہ گیا فلسفی ۱۲ [۵۲] میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں ۱۲۔ [۵۳] اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اور اُس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تم کو کان دیے اور آنکھیں (دیں) اور دل دیے تاکہ تم (اُس کا) شکر کرو ۱۲ [۵۴] اس آیت کا ترجمہ اسی لکچر میں اوپر آ چکا ہے ۱۲

اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ ضرورت تو ضرورت خدا تعالیٰ قرآن میں عیش و عشرت کے سامان کی بھی ہم بنی آدم پر منت رکھتا ہے جیسے مثلاً میوہ جات کی ۵۱ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ ۵۲ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ اور اطعمہ لذیذہ کی ۵۳ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور ۵۴ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

---

۵۱ اور وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے کچھ تمہارے پینے کا ہے اور کچھ ایسا ہے کہ) اُس سے درخت (پرورش پاتے) ہیں جنہیں تم (اپنے مویشیوں کو) چراتے ہو اسی پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں لاتے ہیں اُن کے لیے اس میں (قدرت) خدا کی (ایک بڑی) نشانی ہے ۱۲ ۵۲ اور وہی (قادر مطلق) ہے جس نے باغ پیدا کیے (بعض تو ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور (بعض) نہیں چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف (قسموں کے) ہوتے ہیں اور زیتون اور انار کہ بعض تو صورت شکل مزے میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے (ہیں) اور (بعض) نہیں (بھی) ملتے جلتے (لوگو!) یہ سب چیزیں جب پھلیں اُن کے پھل (بے تامل) کھاؤ اور (ان نعمتوں کے شکریے میں) ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن حق اللہ (یعنی زکوٰۃ اُس میں سے) دے دیا کرو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا ۱۲ ۵۳ اور اسی نے چار پایوں کو پیدا کیا جن (کی کھال اور اون) تم لوگوں کی جڑاول ہو اور اور بھی بہت طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے (بھی) ہو ۱۲ ۵۴ اور وہی (قادر مطلق) ہے جس نے (ایک اعتبار سے) دریا کو (تمہارا) مطیع کر دیا ہے تاکہ اُس میں سے تم (مچھلیاں نکال کر ان کا تازہ) تازہ گوشت کھاؤ اور نیز اُس میں سے زیور (کی چیزیں یعنی جواہرات) نکالو جن کو تم لوگ پہنتے ہو اور (اے مخاطب) تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ (پانی کو) پھاڑتی ہوئی دریا میں چلی جا رہی ہیں اور دریا کو اس لیے بھی تمہارا مطیع کیا ہے تاکہ تم لوگ خدا کا فضل (یعنی تجارت کے فائدے) تلاش کرو اور تاکہ آخرکار ان سب نعمتوں پر نظر کر کے (خدا کا) شکر کرو ۱۲

۵۵ جاڑے کے سامان کو جڑاول کہتے ہیں ۱۲

لباسِ فاخرہ کی [۵۱] یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا زیور کی وَتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡہُ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا۔ غرض ہر طرح کے ساز و سامان کی اور منافعِ زندگی کی ظاہر ہو کہ منت رکھی جاتی ہے نعمت کی اور نعمت تب ہی نعمت ہو سکتی ہے کہ ہم اُس سے متمتع ہوں۔ اور زہد ہوا تو کیا تمتع اور کیسی نعمت اور کیسی منت اور کیسا شکر یعنی زہد ہم کو شکرِ نعمت نہیں کرنے دیتا کہ وہ افضل العبادات ہے۔ ان دو متضاد باتوں میں کہ ایک طرف تو ہم سے شکرِ نعمت طلب کیا جاتا ہے۔ [۵۲] یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِلّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ہ اور دوسری طرف تعلیمِ زہد سے ہم کو شکر کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ	باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ان دو متضاد باتوں میں وجہِ توفیق پیدا کرنا کام تو اُن کا ہے جو بڑے شد و مد کے ساتھ زہد کی تعلیم فرماتے ہیں مگر اپنے فہمِ ناقص کی قدر وجہِ توفیق میں عرض کرتا ہوں کہ [۵۳] کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا میں جو لَا تُسۡرِفُوۡا ہے اسی قدر زہد مشروع ہے فَاِذۡ [۵۴] تَقَعَ الۡاِخۡتِلَافُ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَمَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ۔ یعنی خدا کی نعمتوں سے فائدے اُٹھاؤ مگر اسراف سے بچو۔ کیوں کہ اسراف سے نعمت کی بے قدری پائی جاتی ہے اور نعمت کی بے قدری کا ضروری نتیجہ ہے ناشکری [۵۵] اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنۡکُمۡ ۟ وَلَا یَرۡضٰی لِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ ۚ وَاِنۡ تَشۡکُرُوۡا یَرۡضَہُ لَکُمۡ۔ مسلمانوں کے اصلی تنزل کا سبب یہی زہدِ نامشروع فی طلب الدنیا ہے۔ اچھا تو یہ زہدِ نامشروع فی طلب الدنیا ان کی طبیعتوں میں کہاں سے آیا خدا نے تو قرآن میں ایسے زہد کا حکم دیا نہیں۔ ہاں آیا اِن کی غفلت

---

۵۱ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے (ایسا) لباس اُتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو چھپائے اور نیز جس سے زینت (بھی) ہو ۱۲

۵۲ مسلمانوں ہم نے جو تم کو رزق طیب دے رکھا ہے (اُس کو بے تامل) کھاؤ اور اگر تم اللہ ہی کی بندگی کا دم بھرتے ہو تو اُس کا شکر (بھی) کرو ۱۲ ۵۳ کھاؤ اور پیو اور فضول خرچیاں نہ کیا کرو ۱۲ ۵۴ تو اختلاف اُٹھ گیا اور خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کا رستہ دکھایا اور خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم رستہ (ڈھونڈھے) نہ پاتے ۱۲ ۵۵ اگر تم (خدا کی) ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز (مطلق) ہے اور اپنے بندوں کے لیے ناشکری کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم (اُس کا) شکر کرو تو وہ تمہاری (اس) ادا کو پسند کرتا ہے ۱۲

اور کاہلی سے۔ اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ توکّل اور تقدیر اور زہد کی غلط فہمی سے اور میرے خیال میں
وہ لاَ تُفْسِدُوا والا زہد تو نہیں باقی زہد کسی قسم کا ہو۔ ترکِ حیوانات ہو۔ ترکِ عمرانات ہو۔ تشدّد ہو
خدا کی مرضی کے صریح خلاف ہے۔ لیکن غفلت اور کاہلی مسلمانوں کی طبیعت ہو گئی ہے اور مذہبی غلط فہمیوں
کے زنگ کا باعث کا بڑا ور خَلَفًا بَعْدَ سَلَفٍ ان کے دلوں پر بیٹھے ہوئے ہیں بَلْ ۖ رَانَ عَلٰی[۵۱]
قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ خدا نے ان کو ترقی کا سبق پڑھایا وہی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور یہ اس کو
قصداً عمداً ارادۃً بھلا بیٹھے۔ حالاں کہ خود ان کی فطرت ہمہ وقت ان کو وہ سبق یاد دلاتی رہتی ہے فِی[۵۲]
الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ مگر سہ

	نسیم غفلت کی چل رہی ہے اُمنڈ رہی ہیں بلا کی نیندیں
کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے	

ہم سب نے کچھ ایسا بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ لیا ہے کہ اگلوں کی پس خوردہ خواری کرتے ہیں وہ بھی ٹکڑوں اور نکتوڑوں سے۔ یعنی کھیتی سے پیدا کیا ہوا اناج کھاتے۔ کپڑے پہنتے مکانوں میں رہتے آرام و آسایش کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ اور یہ سب کچھ اگلوں کے طفیل کہ وہ یہ سب طریقے ایجاد کر مرے تھے جن سے ہم فائدے اُٹھا رہے ہیں ورنہ ہم نے تو اپنی ذات سے نہ کچھ کیا اور نہ کچھ کر جانا خدا نے تو ہم کو ایسی عقل دی تھی کہ ہم اپنے تئیں آپ سکھاتے اور اپنے سے آپ سیکھتے۔ مگر خیر سب کے ذہن تو ایسے رسا نہیں ہوتے۔ کہ جو چاہے اور جب چاہے کوئی نئی بات پیدا کر لیا کرے خصوصاً اس زمانے میں کہ دنیا اہلِ یورپ اور اہلِ امریکہ اور ثالثۃ الاثافی[۵۳] جاپان کی بدولت معراج الکمال ترقی پر پہونچ گئی ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ انسان مدارج کمال کی جو اس کے لیے مقدر ہیں تکمیل کر چکا نہیں سہ

۵۱ بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان (ہی) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں۔ ۱۲ ۵۲ اور (لوگو!) یقین لانے والوں کے لیے زمین میں (قدرت خدا کی بہتیری) نشانیاں ہیں اور خود تم (ہی) میں (بھی) تو کیا تم کو سوجھتا نہیں۔ ۱۲
۵۳ الاثافی تثنیہ ہے اثفیہ کی اور اثفیہ کہتے ہیں چولھے کے ایک پایہ کو۔ ۱۲

این کہ دیدی مراتب جزوی ست — کارِ کُلّی ہنوز در قدرست

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ - خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ انسان ایجادات - اختراعات - اکتشافات میں کہاں تک ترقی کرسکتا ہی اور کہاں تک ترقی کرے گا اب بھی اہل یورپ کا کیا حال ہی

قطعہ

کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی — کہ یورپ کے لوگوں کے اذہانِ عالی
نہ کرتے ہوں اِک تازہ ایجاد کوئی — ہی تم میں بھی اے قوم ناشاد کوئی

مگر یہ کب ہوتا ہی کہ قوم کی قوم تُلک کا تُلک ایجاد و اختراع کی دُھن میں لگا ہوتا ہی خدا کسی کے ذہن میں برکت دیتا ہی اور اُس کو کوئی کام کی بات سوجھ جاتی ہی

حکمتِ محض ست اگر لطفِ جہاں آفریں — خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

خیر میں اُسی بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں جو ابھی کہہ چکا ہوں کہ خدا نے تو ہم کو انسان ہونے کی حیثیت سے ایسی عقل دی تھی کہ اپنے تئیں آپ سکھاتے اور اپنے سے آپ سیکھتے مگر سب کے ذہن تو ایسے رسا نہیں ہوتے تو آدمی آدمی سے سیکھتا خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہی - ہم میں غضب یہ ہی جس نے آیندہ کی امیدوں کو خاک میں مِلا رکھا ہی کہ ایجاد تو ایجاد نقل و تقلید تک کا بھی سلیقہ نہیں - ورنہ ہمارے ہندوستان میں کاہے کی کمی ہی بلکہ سچ پوچھو تو یورپ کے مقابلے میں کیا باعتبارِ آب و ہوا کیا باعتبارِ بحور و انہار کیا باعتبارِ پیداوارِ اراضی - کیا باعتبارِ اقسامِ حیوانات - کیا باعتبارِ معادن - ہندوستان کو جنّت نشان کہنے میں رتّی بھر مبالغہ نہیں - آلات - اَدَوات مشینیں کلیں تو لائیں یورپ سے امریکہ سے - جاپان سے اور اُن سے کام لیں ہندوستان میں - پھر دیکھیں کون سا ملک تموّل اور خوش حالی میں ہندوستان سے برسر آتا ہی - مگر یورپ اور امریکہ اور جاپان جانا اُن کی شاگردی میں کام سیکھنا - کلیں خریدنا - پھر ہندوستان میں لاکر اُن سے کام لینا اِس طولِ عمل کو چاہیے - عقلِ سلیم شوق - ہمّت - دولت - اتفاق - سات سُہاگنوں کا ہاتھ لگے تو لاڈو کا اُبٹنا پِسے نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی - مگر یہاں اِن لوگوں کو خدا نے ایجاد و اختراع کا مادہ دیا ہی یعنی وہی اہل یورپ کہ وہ

اِس فن میں اُستاد الکل ہیں اِن ہی لوگوں نے ایک نسخہ بیک کرشمہ ایجاد کیا ہی۔ وہ کیا ہی تعلیم

زمیں فی المثل اِک خداساز گھر ہی　　مزیّن ہی۔ آراستہ۔ سربسر ہی
ضرورت کے کُل ساز و ساماں ہیں اِس میں　　ہم اُترے ہوئے مثلِ مہماں ہیں اِس میں
بجز اپنے کس کی شکایت کریں ہم　　خدا میزباں اور بھوکوں مریں ہم
بہم اُس نے الوانِ نعمت کیے ہیں　　یہاں بدنصیبی نے مُنہ سی دیے ہیں
اُدھر سے کلوا واشربوا کی صلا ہی　　مگر اپنی قسمت میں فاقہ لکھا ہی
کچھ اس طرح کے ہضم بگڑے ہوئے ہیں　　کہ فاقے نہیں ہیں تو تخمے ہوئے ہیں
خُدا جو نقائص سے پاک اور بری ہی　　ہر اک کام میں اُس کے دانش وری ہی
وہ چیزیں ہیں جن کی ہی سخت حاجت　　مہیّا و موجود ہیں بے مشقّت
ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی　　مگر ہم نے کچھ قدر اِن کی نہ جانی
تجمّل تکلّف کے اسباب سارے　　کسی کو نہیں ملتے بے مُنہ پسارے
ہیں ہزار اقسام کھانے لگائے　　اجازت ہوئی جس کو جو بھائے کھائے
اگر کوئی ہی دال دلیے پہ قانع　　وہ جانے۔ نہیں میزباں اُس کا مانع
مگر اُس نے نعمت کو نعمت نہ جانا　　نہ منّت اُٹھائی نہ احسان مانا
رہا مبتذل اور وقار اپنا کھویا　　غرض اُس نے نامِ خلافت ڈبویا
نہ کچھ انتہا پائی عقلِ رسا نے　　خدا ہی خود اپنے خزانوں کو جانے
مگر آدمی زادِ تعلیم پاکر　　پہونچتا ہی اُن تک سُرنگیں لگاکر
تو وہ زندگی میں مزے کر رہا ہی　　زمانے کو جو وہ کہے کر رہا ہی
سلیماں ہی اور ہوا اُس کے بس میں　　عناصر کے جنّات اُس کے قفس میں

وہ خاصیتِ عرض و جوہر سے واقف
ہی فی الجملہ اسرارِ تسخیر سے واقف

تعلیم ایک پھولتا پھلتا پھیلتا درخت ہی جو ہر مقام میں جگہ پکڑ سکتا ہی اس کی پود ہ ہندوستان میں بھی ہی اور قدیم الایام سے ہی۔ مگر اس کا بیج بگڑا ہوا ہی۔ اس کا سب سے بہتر بیج یورپ میں ہی وہی بیج یہاں لاکر بویا جائے تو ملک کے سارے درد دور ہو جائیں۔ تعلیم کے مسئلے پر سالہا سال سے غور کیا جا رہا ہی اور ہم مسلمانوں میں تو تعلیم پر غور کرنے اور مسلمانوں کو تعلیم مفید کی صلاح دینے کے لیے ایک خاص **کانفرنس** قائم ہی۔ اور ہر برس بڑے دن کی چھٹیوں میں بڑی دھوم سے اس کے اجلاس ہوتے ہیں۔ تعلیم کا بڑا بوجھ سمجھ کر پریسیڈنٹ بنایا جاتا ہی۔ سرگرمی کے ساتھ ردّ و قدح ہو کر رزولیوشن پاس ہوتے ہیں یعنی ہر سال تعلیم کے دستور العمل میں چند دفعات کا اضافہ ہوتا رہتا ہی۔ پریسیڈنٹ کی اسپیچ کانفرنس کی جان ہوتی ہی۔ سولہ سترہ برس سے کانفرنس کا قیام ہی۔ اس اثنا میں بڑے سے بڑے لائق پریسیڈنٹ زیب دہ کرسی صدارت ہوئے اور انھوں نے ایک سے ایک بڑھ کر ہونہار اسپیچیں دیں مگر پارسال لکھنؤ کا کانفرنس سب پر سبقت لے گیا۔ کہ آنریبل **ماریسن** پریسیڈنٹ تھے ان کو پندرہ برس کامل پروفیسر اور آخر کار پرنسپل ہونے کی حیثیت سے علی گڈھ کالج کے ساتھ تعلق رہا ہی۔ یونیورسٹی بل کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا نے ان کو اپنا مشیر بھی بنا لیا تھا۔ آدمی ہیں پرفکٹ جنٹلمین۔ ملنسار۔ خوش خلق اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ۔ ان سے بہتر تعلیم کے مالہٗ اور ما علیہ اور مسلمانوں کی ضرورت کو کون جان سکتا ہی۔ انھوں نے اپنی اوپننگ اسپیچ میں تعلیم کا سچا سچا کچا چٹھا آڈینس کے روبرو پیش کر دیا اور اس سے سارے ابہام دور ہو کر تعلیم کا مضمون روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ تعلیم کے اعتبار سے انھوں نے مسلمانوں کے تین طبقے قرار دیئے۔ اسفل۔ عوام الناس جو محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ان کے حال سے آنریبل ماریسن نے اپنی اسپیچ میں کچھ بحث نہیں کی۔ اور ان کی تعلیم بحث کے قابل بھی نہیں۔ ان لوگوں کو پیٹ کے دھندوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوں مجبور ہو کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہلکے ہلکے کاموں میں لگا لیتے ہیں۔ ان کے لئے اتنی ہی تعلیم بس کرتی ہی کہ موقع ملے تو اپنی زبان میں ٹوٹا پھوٹا لکھنا پڑھنا موٹا جھوٹا حساب سیکھ لیں۔ سو اتنی تعلیم کس شمار میں۔

دوسرا طبقہ متوسط الحال لوگوں کا ہے جو سرکاری نوکری وکالت۔ طبابت۔ انجنیری۔ تجارت وغیرہ کے معزز پیشوں سے معاش کمانا چاہتے ہیں۔

تیسرے اعلیٰ طبقے میں وہ لوگ ہیں جن کو معاش کے لیئے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں جیسے امرا جن کو بزرگوں کی موروثی دولت مل گئی ہے۔

جس طرح آنریبل پریسیڈنٹ نے تعلیم کے اعتبار سے مسلمانوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں اسی طرح اُنھوں نے تعلیم کے بھی تین درجے ٹھیرائے۔

ادنیٰ درجہ۔ کالج سے فروتر۔ اسکولوں کی تعلیم طبقۂ اسفل کے لیئے۔ تعلیم کا متوسط درجہ بی۔ اے جس کی نسبت اُنھوں نے فرمایا کہ متوسط الحال لوگ جو معزز پیشوں کے ذریعے سے معاش پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کو انگریزی بی۔ اے کی ڈگری تک ضرور تعلیم پانی چاہیئے کہ اس سے کم میں کامیابی کا ہونا مشکل ہے۔ پھر اُنھوں نے مثال دے کر توضیح کے ساتھ سمجھایا کہ تجارت حرفت۔ صناعت۔ سب اپنی اپنی جگہ معزز پیشے اور دولت کمانے کے عمدہ ذرایع ہیں اور مسلمان زیادہ تر دولت ہی کے محتاج ہیں۔ ان پیشوں میں بی اے کی انگریزی لیاقت سے کیوں کر کام لینا ہوگا۔

غرض آنریبل مارین نے تعلیم کے تین حصے کیئے۔ اول سکول کی تعلیم۔ دوم کالج کی تعلیم پھر کالج کی تعلیم کے دو حصے۔ پہلا بی اے تک۔ دوسرا بی اے سے بالا جس کو اُنھوں نے یونیورسٹی کی تعلیم قرار دیا۔ چوں کہ انجمن کا اسلامیہ کالج بی اے تک محدود ہے۔ اور اسی کے سنبھالنے کے لالے پڑے ہیں۔ آنریبل مارین کی درجہ بندی سے اسلامیہ کالج کے حق میں بڑا مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ سارے ہندوستان میں اس سرے سے اُس سرے تک مسلمانوں کے دو ہی کالج ہیں۔ اسلامیہ کالج اور علی گڑھ کالج۔ ہر چند علی گڑھ کالج میں ایم۔ اے کلاس ہے مگر اُس کے یونیورسٹی ہونے کو صبر ایوبؑ اور عمر نوحؑ چاہیئے۔ علی گڈہ کالج کی ابتدا مسٹر محمود سے ہوئی۔ اُسی وقت سے اُن کا خیال اپنے والد سید **احمد خاں** کی امداد سے کالج کو آخر کار محمڈن یونیورسٹی بنانے کا تھا۔

مگر یونیورسٹی ہتیلی کی سرسوں تو نہ تھی۔ پہلے بہت چھوٹے پیمانے کا اسکول قایم ہوا۔ پھر اسکول سے ہائی سکول۔ پھر ہائی سکول سے کالج۔ کالج شباب پر پہونچنے پایا تھا کہ خدا نے سر سید کا سایہ اُس پر سے اُٹھا لیا۔ سر سید کے حوایوں کو اُن کی یونیورسٹی کی وصیت تو معلوم تھی ہی بتعمیلِ وصیت کے جوش میں آ کر دس لاکھ سے یونیورسٹی بنانے کھڑے ہوئے کئی طرح کے جتن کرنے سے کئی برس میں اونٹ کے مونہ میں زیرہ کچھ روپیہ بھی جمع ہوا۔ مگر کہیں اُوس سے بھی پیاس بجھی ہو۔ قدرِ قلیل جو ہتھا یہی آ گیا۔ کالج کی ہَل مِن مَّزِيدٍ ضرورتوں ہی میں کھپتا گیا "ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" اور یونیورسٹی ہنوز دور ہی دور رہیاں تک کہ آنریبل مارلین کی اسپیچ سے یونیورسٹی کی طرف سے رہی سہی آس بھی توڑ دی اُنھوں نے فرمایا کہ یونیورسٹی کے لیے چاہییں تمام فنون کی فیکلٹیاں اور یہاں کسی فیکلٹی کا ابھی نام و نشان بھی نہیں۔ ایک عربی کی فیکلٹی کے لیے تو سر ڈگلس لاٹوش کی گورنمنٹ نے کچھ سہارا دیا بھی ہو۔ اِس کے بعد سائنس کی ضروری فیکلٹی جو سب سے زیادہ گراں قیمت ہو۔ پھر تاریخ کی۔ پھر انجنیری کی۔ پھر طبابت کی قانون کی۔ ایک کی ڈھمک کی۔ بھلا بے چارے مفلس بیک تھکڑ مسلمانوں کو گنجِ قارون کا پتہ معلوم ہو فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ[۵۱] کہ کھود کر نکال لائیں اور یونیورسٹی کی نذر کر دیں۔

غرض نظر بحالتِ موجودہ محمڈن اور اسلامیہ کالج دونوں ایک ہی درجے میں ہیں یعنی بی اے تک کے کالج۔ بے شک اسلامیہ کالج کو علی گڑھ کالج سے کسی بات میں کسی طرح کی مناسبت نہیں۔ نہ وتنی مرجعیت۔ نہ ویسی مرجعیت۔ نہ وتنے طالب العلم۔ نہ ویسے طالب العلم نہ وتنا اسٹاف نہ ویسا اسٹاف۔ نہ وتنی عمارت۔ نہ ویسی عمارت۔ نہ وتنے فنڈز۔ نہ وتنا گر نہ وتنی مٹھاس۔ مگر پھر بھی دونوں انسٹیٹیوشنوں میں محاسدہ نہ سہی ایک طرح کی رقابت تو ہو۔ اور بے چارہ اسلامیہ کالج تو اتنی ترقی رقابت سے بھی ایسا جاتا ہو۔ باہمی محاسدے کا نہ ہونا بھی میں اس سے کہتا ہوں کہ انجمن والوں میں سے کبھی کسی شخص نے میری سماعت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے

[۵۱] پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر والوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ ۱۲

مجھ کو خیال ہوتا کہ علی گڈھ کالج کی ترقی سے جلتے ہیں اور علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کہ وہ علی گڑھ کالج کا آرگن ہے ہمیشہ انجمن کے ساتھ اپنے آرٹیکلوں میں ہمدردی ظاہر کرتا رہتا ہے۔ رہا میں مجھ کو دونوں انسٹیٹیوشنوں سے تعلق ہے اور میں اسی جگہ کسی سالانہ جلسے میں اعلان کر چکا ہوں کہ علی گڑھ کالج میری دائیں آنکھ ہے اور اسلامیہ کالج بائیں مجھ کو دونوں عزیز ہیں اور میں دونوں کی خیر مناتا ہوں۔ لیکن رقابت یا ہم چشمی کا محاسدہ ہو جانا کیا مشکل ہے مصرع

نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

میں سچ کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں ان دو انسٹیٹیوشنوں میں محاسدہ قائم ہو کر نزلہ بر عضو ضعیف اسلامیہ کالج کی شامت نہ آجائے کہ اس کے پاس خالی خولی سیلف ہلپ کی شیخی کے سوائے مستقل فنڈ نہیں۔ اور اسی وجہ سے ایک تو یونیورسٹی بل اس کے پیچھے پڑا ہے۔ دوسرے علی گڑھ کالج تمام اسلامی دنیا پر احاطہ کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ رنگون اور ایران تک تو اس کے نقیب پہنچ ہی چکے ہیں۔ اور مصر پر چڑھائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور وہ بھی ان شاء اللہ آخر کار ضرور فتح ہو کر رہے گا۔ کہ برٹش گورنمنٹ کی مداخلت اس مہم کے لیئے رستہ صاف کر چکی ہے ایسی صورت میں گو محاسدہ۔ منافسہ۔ رقابت۔ ہم سری۔ ہم چشمی کے خیالات نہ بھی ہوں تا ہم اسلامیہ کالج کے حق میں مطلق علی گڑھ کالج ہونا ہم چو برف ست و آفتاب تموز" ~

عجب ست با وجودت کہ وجود من بماند		تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند	

کوڑہ میں کھاج اسلامیہ کالج کا بڑا حق پنجابیوں پر ہے۔ جیسا بھی ہے ان ہی کا کالج۔ یہی اس کے بانی یہی اس کے چلانے والے۔ یہی اس کے ہم از دست۔ یہی اس کے ہمہ اوست ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" با ایں ہمہ چند ایسے بھی ہیں جو شروع سے اس کو علی گڑھ کالج کے ہوتے ہے فضول اور ناممکن الثبات سمجھتے اور اسی لیئے اس کی امداد میں مضایقہ کرتے ہیں۔ مرتے کو مارے شاہ مدار۔ چند لوگوں کے اس خیال نے اسلامیہ کالج کی رفتار ترقی کو اور سست کر دیا ہے لیکن واہ رے نہ مانیں اور واہ رے تیری صداقت اور واہ رے تیری

بے غرضانہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی کہ باوجود علی گڑھ کالج کی مفرط محبت اور پندرہ برس کی رفاقت کے ہندوستان سے جاتے جاتے کمزور کالجوں کی کمر کیا بندھوا چلا اُن کو ایک چارٹر دے چلا کہ بی۔ اے تک کی تعلیم دینے والے کالج جس کثرت سے بھی ہوں مسلمانوں کی ضرورت کے مقابلے میں کم ہیں۔ بڑھاؤ ان کو جتنا بڑھا سکو۔ اب بھی کوئی کہہ سکے گا کہ اسلامیہ کالج فضول ہے اور علی گڑھ کالج کے ہوتے مسلمانانِ پنجاب کو اس کی ضرورت نہیں۔ میرے کہنے سے نہیں آنریبل مارلین کے فرمانے سے یقین کرو کہ اسلامیہ کالج فی حدِ ذاتہ فضول نہیں۔ اس میں جو کچھ کمی کوتاہی ہے فنڈز کی ہے اور فنڈز کی کمی لوگوں کی بے توجہی اور ناقدردانی کی وجہ سے ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ آنریبل مارلین کی اسپیچ کا وہ حصہ جو بی اے سے متعلق ہے انگریزی میں پڑھ کر سناؤں مگر آڈینس کے بہت سے حضرات انگریزی نہیں سمجھیں گے۔ اور ایسے ہی صاحبوں سے مجھے عرضِ مطلب کرنا ہے اور ایسے ہی صاحبوں سے فنڈز کے بہم پہنچانے کی امیدیں ہیں۔ توقعات ہیں۔ تو میں ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء کے اخبار البشیر سے اس قدر کا اُردو ترجمہ پڑھ کر سناتا ہوں یہ ترجمہ مستند ترجمہ ہے اس واسطے کہ البشیر سے لیا گیا ہے۔ اور البشیر علی گڑھ کالج کا آرگن ہے۔ آنریبل مارلین نے فرمایا کہ

"آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت تک ہندوستان کے مسلمان گریجوایٹوں کا بہت بڑا حصہ علی گڑھ کا تعلیم یافتہ ہے۔ اور میرے بعض دوست سمجھتے ہیں کہ ایک مسلمان کو علی گڑھ کے سوا کسی دوسری جگہ سے بی اے پاس کرنا خلافِ حمیت قومی ہے۔ ان صاحبوں کے نزدیک مسلمانوں کے لئے تعلیم بی اے کا کسی دوسری جگہ پر انتظام کرنا غلطی ہے۔ مجھکو یاد ہے ایک وہ بھی زمانہ تھا جب کہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی اسلامی ہائی سکول علی گڑھ سے باہر نہیں ہونا چاہیئے مگر اب ہائی سکولوں کے متعلق وہ خیال جاتا رہا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بی اے کے درجے کے کالجوں کے متعلق بھی یہ خیال بہت عرصے تک نہ رہے گا۔ قوم کی مالی فلاح کو ترقی دینے کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ایسے مسلمانوں کی تعداد کو بڑھائیں جو شریف پیشوں

کے لیئے تیار ہوں اور تعلیمی مرکز کے شوق میں ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جو مسلمان نوجوانوں کی زیادتی کو زندگی کے مختلف پیشوں میں روکنے والی ہو۔ مسلمانوں کے موجودہ کالج شوق سے بی۔ اے کا پورا انتظام کریں۔ لوکل کمیٹیاں مسلمان طلبہ کو گورنمنٹ اور مشن کالجوں میں تعلیم پانے کے لیئے وظائف بہم پونہچائیں۔ اِس سے علی گڑہ کی اہمیّت میں جو مسلمانوں کی تعلیمی اسکیم میں اُس کو حاصل ہی سر مو فرق نہ آسکے گا وہ جیسا کہ اب ہر حیثیت ہندوستان کے مسلمانوں کی متفقہ کوششوں اور قومی جوش کا مستحق ہی ویسا ہی اُس وقت بھی رہے گا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ وہ اُس وقت مسلمانوں کے علوم اور اعلیٰ خیالات کا مرکز نہ ہوگا۔ رہے پیشے اُن کے لیئے محض تعلیم عامّہ کی ضرورت ہی جو میرے نزدیک بی۔ اے کے درجے تک کی کافی ہی۔ اور اِس قسم کی تعلیم جس قدر عام ہو اُسی قدر قوم کی مالی بہبودی کے لیئے بہتر ہی۔“

یہ جو میں نے آپ صاحبوں کو پڑہ کر سنایا آنریبل مارِیسن کی سپیچ کے بیچ کا ٹکڑا ہی۔ اور اِس سے فقط اِس بات پر استشہاد کرنا منظور تھا کہ اسلامیہ کالج کا ہونا اہلِ پنجاب کے لیئے مفید اور ضروری ہی۔ اِس کے بعد دیکھنا یہ ہی کہ لوگ ہر جگہ تعلیم کی ضرورت کا احساس کرنے لگے ہیں اور تعلیم کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی قومی ضرورتیں وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں اور سب ضرورتوں کا حاجت روا ایک چندہ۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ ملک میں چندوں نے طوائف الملوکی کر رکھی ہی۔

میرے نزدیک اس طرح کی کشمکش کا ہونا خاص کر امورِ خیر میں اچھا نہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ چندوں کے لیئے علاقے تقسیم ہو جائیں۔ مگر تقسیم کرے کون۔ کرے تو کرے ایجوکیشنل کانفرنس کہ وہی ایک ایسا مجمع ہی جہاں ہر طرف کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اگر کانفرنس ایسا کرے تو میں یقین کرتا ہوں کہ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کی رو سے پنجاب انجمن اِفْتَبِرْہٖ لامحالہ

اسلامیہ کالج کے حصے میں آئے گا۔ اور اس صورت میں اسلامیہ کالج کے لیے کافی اور مستقل فنڈز کا جمع ہونا بہت ہی آسان ہو جائے گا۔ اور کانفرنس کا انتظار کرنا بھی کیا ضرور ہے۔ اہل پنجاب خود اپنے اوپر لازم کرلیں کہ اسلامیہ کالج کے سوائے کسی اور کو چندہ نہیں دیں گے۔ کیا
یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ[۱۱] سے اسلامیہ کالج کا حق فایق ثابت نہیں ہوتا۔ الاقربین میں جیسے نسبی قرابت ویسے مقامی قرابت۔

نظم

خدا نے ہمکو بتائے ہیں پانچ مصرفِ خیر　　کہ مستحقِ کرامت یہ پانچ ہیں لاغیر
ہو والدین کا حق سب حقوق پر غالب　　محلِ حیف ہو ماں باپ خیر کے طالب
ہو تو سعید تو کیوں ہو سقیم حال اُن کا　　اُن ہی کا تو ہو ترا مال بھی ہو مال اُن کا
تو اُن کی فرع ہو اصلِ وجود ہیں ماں باپ　　پڑا ہوا ہو کوئی پل ہلا کے آپ سے آپ
اُن ہی سے پایا ہو ہستی نے تیری نشو و نما　　بس ایک ذاتِ خدا ہی کہ جس کے باپ نہ ما
اُٹھائے رنج بہت تا کہ تجھ کو راحت ہو　　تجھے ہو پہلے کسی اور کو ہو یا مت ہو

[۱۱] (اے پیغمبر) تم سے (لوگ) پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں تو (ان کو) سمجھا دو کہ (خیر خیرات کے طور پر) جو مال بھی خرچ کرو تو (وہ تمہارے) ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھلائی بھی (لوگوں کے ساتھ) کروگے تو اللہ اس کو جانتا ہے۔ ۱۲

تو زیر منّتِ احسان والدین کے ہو — پس اُن کا دینا بجائے ادائے دَین کے ہو
پھر ان کے بعد دوم نمبر اقربین کا ہو — یہی طریق سخاوت میں اہلِ دین کا ہو
پر اقربین کے بھی مختلف مدارج ہیں — نہیں کہ جن سے قرابت نہیں وہ خارج ہیں
کسی کے دل میں اگر اُنس اور مروّت ہو — تو پاسِ مذہبِ اسلام بھی اخوّت ہو
گزر کے دین سے پھر داعیہ وطن کا ہو — تو اس حساب سے دوسرا حق انجمن کا ہو
علاوہ اس کے دلیل مزید استحقاق — یتیم خانہ ہو۔ منصوص مصرفِ انفاق
ہو چوتھے درجے میں مسکین پھر مسافر ہو — صفِ حقوق میں حق اس کا سب سے آخر ہو
کسی کو دینے دلانے کا ہو اگر مقدور — تو اُس کو چاہیئے ترتیب کا لحاظ ضرور
بعید کا نہیں کچھ حق قریب کے ہوتے — امیر کا نہیں کچھ حق غریب کے ہوتے
گر اپنے دینے میں نامستحق کو دو ترجیح — تو ایسے دینے سے حق دار پر ہو ظلم صریح
ذرا سی بھول میں سب ہو گیا حساب اُلٹا — گئے تھے ثواب کمانے ملا عذاب اُلٹا
خدا کا مال ہو تم اُس کے ہو امانت دار — تو جس کو وہ کہے پہنچاؤ اُس کو بے تکرار

تم اپنی رائے کو دو دخل تم کو حق کیا ہو
پڑھو قرآن کی آیت سر ورق[۵۱] کیا ہو

تمت بالخیر

[۵۱] اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جو لکچر کے شروع میں ہے ۱۲

خاتمۃ الطبع

بے عزم درست و سعی کامل

کس را نشود مراد حاصل

ہر کام جب تک شروع نہ کیا جائے پہاڑ معلوم دیتا ہو لیکن خداوند تبارک و تعالی کے ارادے کی تصمیم میں وہ برکت وہی ہو کہ ہر مشکل سہل ہو جاتی ہو ۔

مشکل ز توجہ تو آساں

آساں ز تغافل تو مشکل

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہو کہ مجموعۂ لیکچر کی جلد دوم بھی چھپ کر تیار ہو گئی اس طرح چوالیس ۴۴ لکچر جو بکھرے پڑے تھے وہ جلدوں [illegible] اکٹھا ہو گئے۔ شائقین کے لئے یہ نایاب مجموعہ جس میں میرے والد مرحوم کے سارے کے سارے لیکچر موجود [illegible] بہت قدر کے قابل ہو۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی سب بہتر ہو قیمت بھی جو بلحاظ مصارف خطیر کم سے کم رکھی جا سکتی تھی وہی رکھی گئی ہو۔ [illegible] ایک ہزار جلدیں چھپی ہیں جو مانگ کے لحاظ سے عجب نہیں کہ [illegible] نوں ہاتھ نکل جائیں [illegible] لیں ایسا نہ ہو کہ طبع سوم کا انتظار کرنا پڑے جس کا بلحاظ حالات موجودہ زمانہ [illegible] ہونا [illegible] میں تو مشکل اور دیر طلب ضرور ہو۔ فقط

خاکسار

بشیر الدین احمد عفی عنہ

دہلی۔ اگست ۱۹۱۸ء